

تاریخ حافظ رحمت خانی

PDFBOOKSFREE.PK

افغان قبائل اور ان کی تاریخ

تالیف
PAKISTAN NATIONAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

پیر معظم شاہ

ترتیب و حواشی

خان روشن خان

پشتواکیدی پشاور یونیورسٹی - پشاور

فہرست مضامین

ہشتواکیڈیمی سلسلہ مطبوعات نمبر ۵۱

۸۲	مقام دوم	۱۴	۱ سخن پہاڑے گفتنی
۸۶	واقع کی طرف رجوع	۱۵	۲ پیغام - عبدالہاشم
	دلازاک اور یوسف زئی	۱۶	۳ پیش لفظ مسید رسول رسا
۱۰۷	کی جنگ	۱۷	۴ دیباچہ - محمد نواز طائر
	یوسف زئی کے ساتھ	۱۸	۵ نوٹ: میجر راورٹی
	لڑنے کے لئے دلازاک	۱۹	۶ آغاز کتاب اول - بیت
۱۰۹	کا لشکر جمع کرنا	۲۰	۷ مقام اول
	دلازاک کے ساتھ صلح	۲۱	۸ یوسف زیوں اور گگیانیوں
	کرنے کی غرض سے	۲۲	۹ گگیانی قوم پر مرزا
	ملک احمد خان کا	۲۳	۱۰ الغ بیگ کی چڑھائی
	ملک محمد خان کے	۲۴	۱۱ یوسف زیوں کی مرزا
۱۱۰	پہاں جانا	۲۵	۱۲ الغ بیگ اور گگیانیوں
۱۱۷	مقام سوم	۲۶	۱۳ سے جنگ
	۲۰ محمد بابر بادشاہ کا	۲۷	۱۴ مرزا الغ بیگ کا
	ملک احمد کو طلب	۲۸	۱۵ یوسف زیوں کو قتل کے
۱۳۶	کرنا اور اس کا جانا	۲۹	۱۶ ارادے سے طلب کرنا
۱۶۳	مقام چہارم	۳۰	۱۷ کابل میں مرزا الغ
	دلازاک کی ایک	۳۱	۱۸ بیگ کا جرگہ یوسف
	خاتون شاہ بوڑی کا	۳۲	۱۹ زیوں کو باندھنا
	وائعد اور اس کی	۳۳	۲۰ شیخ عثمان کا مکاشفہ
۱۷۲	بہادری	۳۴	

(۱)

اشاعت اول (ہشتوا) ۱۹۷۱ ع

اشاعت دوم (اردو) ۱۹۷۶ ع

قیمت: بیس روپے

لاشر :- ڈائریکٹر، ہشتواکیڈیمی - پشاور یونیورسٹی - پشاور

طابع :- محمد علی یوسفی - شریف آرٹ پریس - تین پٹی - کراچی - ۵

۲۲	ملک مصری خان	۲۴۵	۵۰ خاندان غوری
۲۸۳	ہمازی خان ، کلو خان	۲۵۰	۵۱ خاندان خلجی
۲۹۵	بہا کو خان	۳۵۲	۵۲ قبیلہ ایک
۵۰۲	شاہ جہان کا فرمان	۳۵۳	۵۳ خاندان تغلق
۵۰۷	ابدالی حکومت کا زوال	۳۵۳	۵۴ دکن کا بہمن خاندان
۵۱۸	سکھوں کا دور	۳۵۴	۵۵ امام ابو حنیفہ
۵۳۳	تحریرک مجاہدین	۳۵۹	۵۶ شجرہ نسب ابو حنیفہ
۵۴۳	انگریز کا دور	۳۶۱	۵۷ چند خصائص قوسی
۵۵۹	عمرا خان جندولی	۳۸۰	۵۸ نواب نجیب الدولہ
۵۶۴	ریاست دیر	۳۸۸	۵۹ سلطنت روہیلکھنڈ
۵۶۴	ریاست سوات	۳۹۱	۶۰ پشتو اور سامی زبانیں
۵۶۹	یوسفزئی ہندوستان میں	۴۱۵	۶۱ ساغری
۵۷۳	ریاست فرخ آباد	۴۱۶	۶۲ تری اور تری
۵۷۵	علاقہ چھپہ کے افغان	۴۲۶	۶۳ آرمی سربانی نام
۵۸۰	ضلع ہزارہ میں افغان	۴۲۶	۶۴ افغان قوم کا حضرت
۵۸۰	گدون (جدون)	۴۲۸	۶۵ عیسیٰؑ پر ایمان
۵۸۲	ہنی اور کاٹو	۴۵۱	۶۶ ہندوؤں کی قدیم تاریخ
۵۸۳	ترین	۴۵۶	۶۷ آریہ نسل کا حقیقت
۵۸۵	سوانی پٹھان	۴۶۰	۶۸ ہمنی پر ایک نظر
۵۸۸	مشوانی	۴۶۲	۶۹ ہندوؤں کے عقائد
۵۸۹	تراورہ اکوڑی	۴۷۸	۷۰ احمد شاہ ابدالی
۵۹۰	بڑیس یا بڑیچ	۴۷۹	۷۱ باب سوم
۵۹۰	سرکانی ، تاران ، مایار	۴۷۹	۷۲ تاریخ کی ضرورت
۵۹۰	اطرائی	۴۸۲	۷۳ خان گجو کے بعد
۵۹۱	روانڑی ، بوقیان ، کنہار		

۲۳	مقام پنجم	۱۸۱	۲۳ خان گجو کے ممالک
۲۴	گجپانیوں اور	۲۴۵	۲۴ متصرون کا ذکر
۲۵	دلار کون کی درسیان	۲۴۵	۲۵ خان گجو کی خواجہ
۲۶	جنگ	۲۴۵	۲۶ خضرؑ سے ملاقات
۲۷	مقام ششم	۲۴۸	۲۷ نظم پیر معظم شاہ
۲۸	شہخ ملی کا مفتوحہ		
۲۹	فہروں اور مقبوضہ		
۳۰	علاقوں کا قوم خشی		
۳۱	(خشی) میں تقسیم کرنا		
۳۲	شہخ ملی اور ملک		
۳۳	احمد کا انتقال		
۳۴	خان گجو کی سرداری کا		
۳۵	آغاز اور غوریا خیل کی		
۳۶	ان کے ساتھ کشمکش		
۳۷	شہخ تپور کی جنگ		
۳۸	مقام ہفتم		
۳۹	یوسف زئی کا دریا		
۴۰	لنڈے کو ہیور کرنا		
۴۱	اور غوریا خیل وغیرہ		
۴۲	سے ان کی جنگ		
۴۳	یوسف زئیوں سے غوریا		
۴۴	خیل کا شکست کھانا		
۴۵	نقشہ خلافت عباسیہ		
۴۶	ابتدائیہ		
۴۷	باب اول		
۴۸	زوال ہنی اسرائیل		
۴۹	نینوا کے اشوری		
۵۰	اشوریوں کا زوال		
۵۱	بابل کا عروج و زوال		
۵۲	ایرانی سلطنت کا قیام		
۵۳	خراسان		
۵۴	باب دوم		
۵۵	افغانوں کی نسل		
۵۶	پہاڑی پٹھان		
۵۷	زبان		
۵۸	پٹھانوں کی عام زندگی		
۵۹	خط و خال		

تواریخ حافظ رحمت خانی

۹۴ وردگ	۵۹۲	۱۲۰ اڈہ ملا صاحب	۶۲۰
۹۵ بے سود، رسو، لمغانی	۵۹۳	۱۲۱ اخون بالول خضر زئی	۶۲۱
۹۶ آتمان خیل	۵۹۳	۱۲۲ میاں نور ملی زئی	۶۲۲
۹۷ خوبشگی پٹھان	۵۹۴	۱۲۳ اموٹا بابا جی	۶۲۳
۹۸ غلزئی اور لودی	۵۹۴	۱۲۴ یوسفزیوں کے حرکات	۶۲۵
۹۹ مہید اور میاں	۵۹۵	۱۲۵ مساکن یوسفزئی	۶۲۷
۱۰۰ خشئی قبائل	۵۹۶	۱۲۶ قبیلہ یوسفزئی	۶۲۸
۱۰۱ گگیانی	۵۹۶	۱۲۷ اکو بن یوسف	۶۲۹
۱۰۲ ترکانڑی	۵۹۹	۱۲۸ ایک گذارش	۶۳۸
۱۰۳ قبیلہ ککے زئی	۶۰۰	۱۲۹ موسیٰ بن یوسف	۶۴۷
۱۰۴ محمد زئی	۶۰۲	۱۳۰ عیسیٰ بن یوسف	۶۴۹
۱۰۵ تپہ اشمنغر	۶۰۴	۱۳۱ ملی بن یوسف	۶۵۲
۱۰۶ خشک	۶۰۶	۱۳۲ اوریا بن یوسف	۶۵۵
۱۰۷ مندوری اور کشار	۶۱۰	۱۳۳ منو بن مندڑ	۶۵۵
۱۰۸ منہ اور کشار	۶۱۰	۱۳۴ رزڑ بن مندڑ	۶۶۲
۱۰۹ تیراہی اور گمرانی	۶۱۱	۱۳۵ خضر بن مندڑ	۶۶۴
۱۱۰ یوسفزئی علم و ادب	۶۱۱	۱۳۶ محمود بن مندڑ	۶۶۵
۱۱۱ افغان مشائخ	۶۱۲	۱۳۷ شیخ ملی	۶۶۸
۱۱۲ حافظ الہوری	۶۱۲	۱۳۸ حرف آخر	۶۷۱
۱۱۳ اخون پنجو بابا	۶۱۲		
۱۱۴ اخون مالاک	۶۱۴		
۱۱۵ قاضی خیل پشاور	۶۱۵		
۱۱۶ شیخ محمد شعیب	۶۱۶		
۱۱۷ میاں گلو بابا تورڈھیری	۶۱۸		
۱۱۸ کوٹھہ ملا صاحب	۶۱۸		
۱۱۹ جھنڈہ بابا جی	۶۱۹		

شجرہ حیات

نوٹ: شجرے کے سلسلے ملانے کے لئے صفحہ کے نیچے دائرے میں نمبر دیتے گئے ہیں۔

۱۳۹ شجرہ ہائے نسب ۶۷۵

شجرہ حیات

۱۴۰ قیس عبدالرشید	۶۷۳	۱۶۵ بابوزئی ہائی زئی	۶۹۶
۱۴۱ مختصر شجرہ نسب	۶۷۷	۱۶۶ چغر زئی بن ملی	۶۹۷
۱۴۲ اولاد یوسف، اباخیل	۶۷۸	۱۶۷ نجیب الدولہ	۶۹۸
۱۴۳ متوریزی، موسیٰ خیل	۶۷۸	۱۶۸ مندڑ کا شجرہ نسب	۶۹۹
۱۴۴ عزی خیل	۶۷۹	۱۶۹ کمال زئی مندڑ	۷۰۰
۱۴۵ کبیر یوسفزئی (بنوں)	۶۷۹	۱۷۰ لشکر خان کشران زئی	۷۰۱
۱۴۶ ملی زئی اور مسیحی	۶۸۰	۱۷۱ صدیق خیل کمال زئی	۷۰۲
۱۴۷ سلطان خیل ملی زئی	۶۸۱	۱۷۲ فتح محمد خان کمال زئی	۷۰۳
۱۴۸ شامی زئی خواجہ زئی	۶۸۲	۱۷۳ امان زئی مندڑ	۷۰۴
۱۴۹ نکھی خیل خواجہ زئی	۶۸۳	۱۷۴ میاں اللہ داد یوسفزئی	۷۰۴
۱۵۰ شموڑی خواجہ زئی	۶۸۴	۱۷۵ پیر خیل بن ملا میرو	۷۰۵
۱۵۱ ادین زئی خواجہ زئی	۶۸۴	۱۷۶ پیر خیل امان زئی	۷۰۶
۱۵۲ ابا زئی اکوڑی	۶۸۵	۱۷۷ عجب خان امان زئی	۷۰۶
۱۵۳ خادک زئی اکوڑی	۶۸۵	۱۷۸ نقرہ دین خیل	۷۰۶
۱۵۴ سردار خان بازی خیل	۶۸۶	۱۷۹ جانو خیل امان زئی	۷۰۷
۱۵۵ رانی زئی اکوڑی	۶۸۷	۱۸۰ عیسیٰ خیل امان زئی	۷۰۷
۱۵۶ موسیٰ (الیاس زئی)	۶۸۸	۱۸۱ اکاڑی اور کناڑی	۷۰۸
۱۵۷ عیسیٰ (عیسیٰ زئی)	۶۸۹	۱۸۲ علی زئی اتماڑی	۷۰۹
۱۵۸ صاحبزادہ گان کنار	۶۸۹	۱۸۳ اسماعیل خیل علی زئی	۷۱۰
۱۵۹ کا کا خیل حسن زئی	۶۹۰	۱۸۴ جمو، مایاں، پنچھاؤ	۷۱۰
۱۶۰ ایاز بن شاہ باز خان	۶۹۱	۱۸۵ بوبا خیل علی زئی	۷۱۱
۱۶۱ ملایان ریل بوڑیاں	۶۹۱	۱۸۶ مدثر بوبا خیل	۷۱۲
۱۶۲ قبیلہ تراوڑہ اکوڑی	۶۹۲	۱۸۷ مہید خانی بوبا خیل	۷۱۲
۱۶۳ دولت زئی ملی زئی	۶۹۳	۱۸۸ قاضی خیل پشاور	۷۱۳
۱۶۴ نوری زئی ملی زئی	۶۹۴	۱۸۹ ابا خیل عمر خیل مندڑ	۷۱۴
۱۶۵ مغل خیل غوری واہ	۶۹۵	۱۹۰ قاجو خیل سدو زئی	۷۱۵

(و)

(د)

۱۹۱	بلڑ خیل سدو زئی	۲۰۳	قبیلہ گگیانی بن خشى
۱۹۲	اسو خیل عمر خیل	۲۰۴	قبیلہ ترکانڑی بن خشى
۱۹۳	میدان میان ڈھیری	۲۰۵	قبیلہ محمد زئی ، زمند
۱۹۴	بہزاد خیل ، خدو	۲۰۶	قبیلہ گدون (جدون)
	خیل ، میر احمد خیل	۲۰۷	قبیلہ مشوانی
۱۹۵	عثمان خیل خدو خیل	۲۰۸	ہاچا صاحب بام خیل
۱۹۶	مبارس خان خدو خیل	۲۰۹	سکندر افغان زروبی
۱۹۷	ابراہیم خان خدو خیل	۲۱۰	قیاس خیل سوڈھیر
۱۹۸	فتح خان بن الف خان	۲۱۱	قبیلہ خویشگی بن زمند
۱۹۹	رزڑ بن مندڑ	۲۱۲	حافظ رحمت خان
۲۰۰	خضر زئی بن مندڑ	۲۱۳	قاضیان فریلى و اسوٹا
۲۰۱	مامو زئی بن مندڑ	۲۱۴	بارک زئی سرداران
۲۰۲	کوٹھہ ملا صاحب	۲۱۵	امیر دوست محمد خان

سخن ہائے گفتنی

زیر نظر کتاب ”تواریخ حافظ رحمت خانی“ کا اردو ترجمہ ہے۔ اصل کتاب ہشتو میں تھی جو چند سال پہلے ہشتو اکیڈمی کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔ اس کے پیش لفظ کو چھوڑ کر جو میان سید رسول رسا صاحب نے لکھا باقی کتاب میرے زمانے میں چھپی۔ یہ اتنی اہم کتاب تھی کہ میرا جی چاہتا تھا کہ اس کی ترتیب و تدوین کا اعزاز خود حاصل کروں۔ مگر میرے رفیق کار محمد نواز طائر صاحب جو خود یوسف زئی قوم اور علاقہ (قصبہ تھانہ) سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی قوم اور علاقہ کے متعلق مجھ سے زیادہ معلومات رکھتے تھے، ان کا حق مجھ سے زیادہ تھا اور اسی لیے یہ اہم کام ان کے سپرد کیا گیا انہوں نے اس بارے میں جو کوشش اور سعی کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

اصل کتاب خالص ہشتو میں نہیں بلکہ مؤلف نے ایک انوکھی روش اختیار کی ہے۔ وہ یہ کہ بیچ بیچ میں فارسی کے جملے بھی استعمال کرتا چلا گیا ہے۔ اس سے ہمت چلتا ہے کہ اسے فارسی زبان پر بھی اچھا عبور حاصل تھا۔ بلکہ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ فارسی زبان اپنی قدر و منزلت کے بلند ترین مدارج پر تھی۔ یورپ کی لاطینی زبان کی طرح بغیر فارسی یا عربی زبان جانے کوئی ’عالم‘ کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے فارسی زبان اور علوم سے کما حقہ واقفیت ناگزیر تھی۔ ہشتو کے بہت سے اہل قلم اور شعرا کے بشمار شاہکار فارسی زبان میں موجود ہیں۔ مگر ہشتو تحریر میں اس طریقے

یہ فارسی کی آمیزش بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ پشتو عبارت میں فارسی کے پیوند خلاف توقع ہرے نہیں، بلکہ بڑے پُر لطف لکھتے ہیں۔ پشتو ایڈیشن میں تو ان کو بحال رکھنا ہی تھا مگر اردو ترجمے میں پشتو اور فارسی دونوں کو ایک ہی زبان (اردو) کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے۔

ترجمے کا ذکر آیا ہے تو دو ایک لفظ مترجم کے متعلق بھی عرض کر دیجئے جائیں۔ کتاب کا ترجمہ مولوی محمد اسرائیل صاحب نے کیا ہے جو کہ پشتو اکیڈمی میں ایک طویل عرصہ تک مترجم کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی رح کی شہرہ آفاق تصنیف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمے کا حق انہوں نے ایسا ادا کیا ہے کہ ہاید و شاہد۔ اب انہوں نے اس کتاب کا پشتو سے اردو ترجمہ جس خوبی و خوش اسلوبی سے کیا ہے اس کا اندازہ اہل زبان مجھ سے بہتر لگا سکتے ہیں۔

پختونوں نے علم و ادب میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کی تفصیل کا تو کیا، ان کے اجمالی ذکر کی بھی یہاں گنجائش نہیں البتہ اس قوم کی تاریخ کے متعلق بسا اوقات منٹے میں آتا تھا کہ پختون علماء نے اس طرف خاص توجہ نہیں کی۔ اور جو اکا دکا کتاب ان کی تاریخ کی ملتی ہے وہ زیادہ تر ان لوگوں نے لکھی ہیں جو پختونوں کے شدید ترین مخالف یعنی مغلوں کے دربار سے تعلق رکھتے تھے:- اور انہوں نے چاہے ارادۂ، ہو یا چاہے اپنی کم علمی کی وجہ سے جو اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں اس سے صرف افسوس ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات دل کو ایک ٹھیس بھی لگتی ہے کہ کیسی کیسی بے ہنہا باتیں لکھ کر تاریخ نویسی کا مذاق اڑایا گیا ہے!

اپنی قوم کے اہل قلم علماء کے ہاتھوں جو چند ایک کتابیں

لکھی گئی ہیں وہ بہت ہی نایاب ہیں۔ ان میں یہ کتاب (تواریخ حافظ رحمت خانی) بھی تھی۔ جو روپیہ لکھنڈ کے مرد مجاہد نواب حافظ رحمت خان کی سرپرستی میں لکھی گئی تھی۔ یہ بھی سالہا سال تک برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں پڑی رہی۔ اس کا (غلط یا صحیح) ذکر تو بعض مستشرقین نے ضرور کیا مگر اصل کتاب نا قدر شناسی اور غفلت کی تاریکیوں میں طاق نسیاں پر پڑی رہی۔ پشتو اکیڈمی نے جب اس کی فوٹو اسٹیٹ نقل برٹش میوزیم سے حاصل کی تو معلوم ہوا کہ ایک جواہر پارہ تھا جو ہر دیس میں برٹش میوزیم کے گمنام گوشے میں دوسری ایسی ہی نادر کتابوں تلے دبا اور اہل علم کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اس موقع پر جب اس کے ساتھ ہایزید انصاری کی تصنیف (خیر البیان) کے واحد نسخہ کا خیال آ جاتا ہے تو ہم اہل بورپ کی لوٹ کھسوٹ کی دردناک یادوں کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت ان کی علم پروری کے معترف بھی ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اسے بے بہا موتیوں کو جو اپنے وطن میں حفاظت اور عزت و احترام سے معروم رہے، کم از کم محفوظ تو رکھا!

اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کو دیکھ کر ایک یوسف زئی پختون (جو یوسف زئی قبیلہ کی ذیلی شاخ مندڑ سے متعلق ہیں) کی پختو جوش میں آ گئی۔ اور انہوں نے اس کتاب کے شائع کرنے کے لئے مالی امداد کی حاسی بھر لی۔ پختون تاریخ کے یہ شیدائی قصبہ نواں کلی (ضلع مردان) کے غیور فرزند خان روشن خان ہیں، اس طرح پشتو اکیڈمی اس سخی انسان کی فیاضی اور تاریخ پروری کی وجہ سے اس کتاب کو جلد شائع کرنے کے قابل ہو سکی۔ ورنہ بصورت دیگر نجانے اہل شوق کو اور کتنا انتظار کرنا پڑتا! اس کتاب کی بہت سی جلدیں پشتو تاریخ کے اس محسن نے تاریخ سے دلچسپی

پیغام

تواریخ حافظ رحمت خانی، جو ایک بہت بڑی اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اور پشتو اکیڈمی کو برٹش میوزیم لندن سے ہاتھ آئی ہے۔ یہ کتاب سولہویں صدی (عہدِ موسوی) کے شروع میں (کابل سے) یوسف زئی اور دوسرے ملحقہ قبائل کی ہجرت اور دوبارہ آباد ہونے اور شیخ ملی کی مشہور تقسیم کے ذکر اذکار کی حامل ہے۔ یہ دراصل اس مشہور تاریخِ افغانہ کی تلخیص ہے۔ جو خان گجو کی تاریخ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ اہم تاریخی دستاویز، اس علاقے کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بالخصوص اور عام پختون کے لئے بالعموم بہت مفید ثابت ہوگی۔

میں پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی کو، تواریخ حافظ رحمت خانی کی طباعت کے سلسلے میں لواں کلی (تحصیل صوابی) کے خان روشن خان کی بھاری مالی پیش کش کی قابل تقلید مثال کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور توقع رکھتا ہوں کہ دوسرے بزرگ معیار پختون حضرات بھی اس میدان میں پشتو اکیڈمی کے ساتھ اسی طرح مالی تعاون کے لئے کمر ہمت باندھ لیں گے۔

عبدالہاشم

وائس چانسلر، پشاور یونیورسٹی

رکھنے والوں میں مفت تقسیم کر دیں۔ اور باقی جلدیں بھی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ اب ہم اس کو دوبارہ شائع کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے کہ ان کے دل میں ایک اور خیال آیا۔ وہ یہ کہ کہوں نہ اس اہم اور مستند تاریخی کتاب کا اردو ترجمہ شائع کر دیا جائے تا کہ ہمارے دوسرے اہل وطن جو پشتو زبان نہیں جانتے اس قوم کی صحیح تاریخ اور ان کی عظمت دیرینہ اور قدیم کارناموں سے واقف ہو سکیں! تواریخ حافظ رحمت خانی کے زیر نظر اردو ترجمہ کی طباعت و اشاعت کا انتظام اب پشتو اکیڈمی کے نام سے انہوں نے خود ہی کیا ہے۔ اردو ایڈیشن میں انہوں نے ایک قابل قدر اضافہ بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ پشتو ایڈیشن چھپنے کے بعد خان روشن خان صاحب خود ہر اس مقام اور ہر اس جگہ پہنچے جس کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے۔ ان بزرگوں کی بھولی بھری قبروں اور سزاروں اور ان مقامات کا ہتہ چلایا، جہاں اہم تاریخی واقعات اور حادثات پیش آئے تھے یا جہاں ہمارے یہ بزرگ اب گمنامی میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اور اپنی تحقیق سے بعض بزرگوں کے نایافت شجرے بھی مرتب کئے۔ اس طرح حواشی اور یادداشتوں کے اس گرانقدر اضافے سے کتاب کی اہمیت اور افادیت کو چار چاند لگا دیئے۔ پشتو ایڈیشن ان تحقیقی یادداشتوں سے محروم ہے۔ مگر جب بھی ہم اس قابل ہونے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کریں۔ تو یہ حواشی وغیرہ وہاں بھی درج کر دئے جائیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) پشتو اکیڈمی روشن خان کی اس تمام فیاضی اور تحقیق کے لیے بے حد شکر گزار ہے۔

مہید خیال بخاری

ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی - پشاور یونیورسٹی

کے خلاف ہوں، انہیں یا تو بالکل نظر انداز کر دیں۔ اور یا اسے طریقے سے پیش کر دیں۔ جس سے اصلیت اور حقیقت مسخ ہو جائے تو اس سے تاریخ نہیں، بلکہ پروپیگنڈے کا ایسا پمفلٹ یا کتاب بن جاتی ہے۔ جسے حقائق کی روشنی میں کوئی فرد بھی تاریخ کی مستند کتاب نہیں کہہ سکتا۔

چاہیے تو یہ کہ تاریخ دان اگر ایک قوم یا ایک واقعے کی تاریخ لکھتا ہے، تو اپنا ذہن ہر قسم کے تعصب سے خالی کر دے۔ اور پھر غیر جانبدارانہ اور انصاف کی نظر سے، مختلف شواہد اور اسناد کا مطالعہ شروع کرے۔ اور شواہد و اسناد کے مطالعے کے ساتھ ساتھ جس قسم کا نظریہ اس کے دماغ میں قائم ہو کر جا گزرنے ہو جائے اس کی روشنی میں واقعات، اشخاص، سیاسی اور معاشرتی ماحول کا جائزہ لیا جائے۔ اور صحیح استنباط کیا جائے۔ ایسا نہیں، کہ اپنی تعریف اور دوسرے کی برائی، اپنی توقیر اور دوسرے کی تحقیر اور اپنے آپ کو تاریخی معلومات کا محور اور مرکز بنائے۔

سیری غرض یہ تھی، کہ تواریخ حافظ رحمت خانی آپ کے سامنے ہے۔ اس مشہور تاریخ کے پڑھنے کے بعد، آپ خود اندازہ لگائیں گے کہ اس تاریخ میں کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے، کہ یہ تاریخ پختونوں کے ایک عظیم اور بڑے قبیلے یعنی یوسف زئی اور ساتھ ساتھ بعض دوسرے قبیلوں کی تاریخ ہر بھی محققانہ اور مستند روشنی ڈالتی ہے۔ اور اکثر تاریخی واقعات کی غیر جانبدارانہ تحقیق کرتی ہے۔ یہ ایک مختصر عرصے کی تاریخ ہے۔ مگر یہی عرصہ، نہ صرف یہ کہ ایک نازک مرحلہ ہے، بلکہ یوسف زئیوں کی تاریخ کے بعض متنازع فیہ واقعات کو بھی لئے ہوئے ہے۔ جنہیں تاریخ دانوں نے اپنے اپنے مقاصد کی غرض سے اپنے اپنے رنگ

پیش لفظ

پختونوں کی تاریخ، پشتو زبان اور پشتو ادبیات کی تاریخ کی طرح، ابھی تک اندھیرے میں بڑی ہوئی ہے۔ اور بہت تحقیقی طلب اور غور طلب ہے۔ پختونوں کے متعلق بہت سی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں کچھ تو خود پختونوں نے اور کچھ غیر پختونوں نے لکھی ہیں۔ جو پختونوں نے لکھی ہیں۔ ان میں بہت سی فارسی زبان میں ہیں اس لیے ان سے پختون مستفید نہیں ہو سکتے، لیکن ان تاریخوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے ان کے بعض واقعات افسانوی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات حقیقی واقعات قصداً کچھ اس طرح توڑ مروڑ کے پیش کرے جاتے ہیں جیسے ایک خاص غرض کے تابع کرے جاتے ہیں۔ اور اصلی واقعات لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دئے جاتے ہیں۔

اگر تاریخ دان اس خیال سے تاریخ لکھنے بیٹھ جائیں کہ پہلے سے ہی اپنے ذہن میں ایک خود غرضانہ یا متعصبانہ تاریخی نظریہ قائم کریں۔ اور پھر اپنے نظریے کے ثبوت میں، صرف ان تمام تاریخی واقعات اور شواہد کو یک جا کریں، جو ان کے نظریے کو مدد اور تقویت دیں۔ اور سارے واقعات، جو ان کے تاریخی نظریے

میں بیان کیا ہے ۔

ہر کسی کو معلوم ہے کہ پختون قوم نے ہاک و ہند کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہاک و ہند کے ہر صغیر میں جا بجا لاکھوں پختون آباد ہو گئے ہیں ۔ اور ابھی تک آباد ہیں ۔ ہندوستان میں ان پختونوں کا قدیم الایام سے ایک قدیم مرکز روہیلکھنڈ ہے ۔ اور روہیلکھنڈ کے پختونوں کی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہے کہ یہ بہت مضبوط اور ہشتو اور پختون ہند پختون تھے ، بڑی مدت تک تو انہوں نے اپنی سادری زبان (پشتو) کو قائم رکھتا تھا ۔ اور آپس میں بھی پشتو بولتے تھے ۔ مگر رفتہ رفتہ ماحول کے اثر ، اور زمانے کی گردش ، اور وقت کے خونین حوادث نے ان سے اپنی زبان بھلا دی ان سے پشتو زبان تو بھول گئی ۔ لیکن ہشتو کو مضبوطی سے قائم رکھا ۔ یعنی پختو اور (پختولوں) کے مراسم ، دستور ، رسوم ، مروت ، مردانگی ، غیرت شجاعت ، سخاوت ، لاموس اور افتخار کو قائم رکھا ۔

روہیلکھنڈ کے پختونوں کا ایک عظیم ، سرداری ، نوابی اور خانی کا گھرانہ ، نواب حافظ رحمت خان کا گھرانہ تھا ۔ نواب حافظ رحمت خان وہ غیرتی مرد ہے ۔ جو ہانی پت کی تیسری جنگ میں ، احمد شاہ ابدالی کی مدد و حمایت اور پشتو کے نام پر لڑا تھا ۔ اور اپنی اسلام پوری اور پختون ولی کا حق کماحقہ ادا کیا ہے ۔ ہانی پت کی تیسری جنگ ہاک و ہند کی تاریخ میں وہ مشہور تاریخی جنگ ہے کہ اگر اس (لڑائی) میں اسلام دوست بادشاہ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے ہاتھوں شکست کھا جاتا تو آج ہر صغیر میں دوائی کے لے بھی کوئی مسلمان نظر نہ آتا ۔ اور تاریخ بھی ایسا رخ دھار لیتی کہ ہر صغیر کی تقسیم کا سوال ہی سرے سے پیدا نہ ہوتا ۔

ہندوستان کا دو قوموں ، یعنی ہندو اور مسلمان میں تقسیم ہونا اور بھارت اور پاکستان کا بننا ، احمد شاہ ابدالی کی مردانگی اور بہادری کی برکت ہے ، اور اس وجہ سے تاریخی لحاظ سے پاکستان کا پہلا ، اصلی مؤسس احمد شاہ ابدالی ہے ۔ اور احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ، اس عظیم جہاد میں بڑی اسلامی سلطنت کی بڑی کمک روہیلکھنڈ کے غیرتی پختونوں اور ان کے رئیس نواب حافظ رحمت خان روہیلے نے کی ہے پشتو اکیڈمی کو یہ فخر حاصل ہوا ۔ کہ نواب حافظ رحمت خان کی پختونوں کی تاریخ پہلی مرتبہ ، مطبوعہ شکل میں تاریخ دوست اور شائقین عام کو پیش کرتی ہے ۔ چونکہ اکیڈمی کے اپنے مالی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اس لیے اس کتاب کے طبع کرنے کا انحصار ، اگر اکیڈمی کے مالی وسائل پر ہوتا تو شاید یہ قابل قدر تاریخی کتاب طبع نہ ہوتی ۔ مگر پختونوں میں بھی بعض اوقات ایسے علم دوست سخی پیدا ہو جاتے ہیں ۔ کہ اپنے بزرگوں کے علمی و ادبی سرمایہ کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں ۔ اور اس نیک کام میں بھی پیسے خرچ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ۔ ایسے نیک جوانوں میں ، ایک صاحب عزم نواں کلی تحصیل صوابی کے خان روشن خان ہیں ۔ خان موصوف کو جب معلوم ہوا کہ نواب حافظ رحمت خان کی تاریخ پیسوں کی کمی کی وجہ سے ، پشتو اکیڈمی طبع نہیں کر سکتی ۔ تو ایک معزز پختون کی طرح خود ایک دن اکیڈمی میں تشریف لے آئے ۔ اور خاموشی سے ایک کثیر رقم اکیڈمی کے ڈائریکٹر کو مذکورہ مقصد کے لیے عطا کی ۔ ہم روشن خان کے بہت بہت منت باریں اور شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ اگر وہ اس کار خیر کے لیے کمر بستہ نہ ہوئے ہوتے تو ہم سے یہ اہم کام رہ گیا ہوتا تھا ۔ شکر ہے کہ پختونوں میں اب بھی ایک آدمہ ایسا شخص پیدا ہو جاتا ہے ، جو خرافات اور لغویات کی خدمت کی بجائے

علم کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ روشن خان کی طرح چند اور جوان بھی پیدا ہو جائیں۔ تاکہ اکیڈمی کے پاس کم و بیش باون کتابیں جو طباعت کے لیے تیار پڑی ہوئی ہیں اور مالی مشکلات کی وجہ سے طباعت سے محروم ہیں، ہم انہیں بہتر طریقے سے طبع کرائیں۔ اور اسی طرح پختونوں کی مادری زبان پشتو سے ایک علمی اور ادبی زبان بن جائے۔ دیکھتے ہیں کہ کچھ پختون خواہ میں، جو کم و بیش ڈیڑھ کروڑ ہیں، روشن خان کی تقلید کرنے کے لیے کون آگے بڑھتا ہے۔ اے کوئی ہے؟ یا ہماری یہ درخواست صدا بصحرا ثابت ہو جائے گی؟

میں محمد نواز صاحب طائر، جو ہمارے پشتو اکیڈمی کے رکن اور اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر ہیں، کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی کوشش کے ساتھ اس تاریخ کا مطالعہ کیا۔ اور اس کے متعلق، ناظرین کے استفادہ کے لیے، ایک عالمانہ مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ بھی اس کتاب کے ساتھ طبع ہو رہا ہے۔ اور امید ہے کہ ناظرین اسے پسند کریں گے۔

حافظ رحمت خان کی تاریخ کا اصل نسخہ قدیم طریقے پر لکھا گیا تھا۔ اور اس میں مضمون کی مناسبت سے، آج کل کے رواج کے مطابق پیرا گراف نہیں تھے، بس ایک روان تحریر تھی، اور مضمون جو بھی رخ اختیار کرتا، پڑھنے والے کے لیے اس میں تمیز کرنا دشوار تھا۔ اکیڈمی نے مناسب سمجھا کہ موجودہ زمانے کی تحریر کے مطابق اسے درست کرے۔ تاکہ اس میں روانی اور رابطہ قائم ہو جائے۔ ہم نے اپنے خیال کے مطابق، اس میں ایک دوسری بدعت بھی کی ہے۔ اور وہ یہ کہ جہاں کہیں یائے مجہول کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، وہ ہم نے قوسین میں لکھ دی ہے، جو اصل نسخہ میں

نہیں ہے۔

بعض پشتو الفاظ، جو اب تقریباً متروک ہیں، ہم نے ان کا ترجمہ حاشیے میں دیا ہے۔ باقی کتاب اصلی شکل میں طبع ہو رہی ہے اس کے علاوہ اس میں ہماری طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔ میں پشتو اکیڈمی کے ارکان مولانا محمد اسرائیل، میان سنا الدین، محمد انور خان اور سیف الرحمان سید کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ اس کتاب کی تصحیح، مقابلہ، فوٹو اسٹیٹ سے نقل کرنے اور پروف پڑھنے میں محنت کی ہے۔ اور کتاب کو اس قابل بنایا ہے کہ ناظرین کو ایک بہترین شکل میں پیش کی جاسکے۔

میان سید رسول رسا
ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی
پشاور یونیورسٹی

۲۶ فروری ۱۹۷۰ ع

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

قدیم نایاب نثر کی کتابوں پر مبنی ہے۔ اور یہ دونوں سولہویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں، یوسف زئیوں کے سردار تھے، بلکہ اس کے بارے میں کچھ اپنا ذاتی نظریہ بھی قائم کر لیتا۔ اور بابر بادشاہ اور بی بی مبارکہ کی شادی کے واقعے کو بھی افسانہ نہ گردانتا۔ کیرو کی کتاب میں، بعض واقعات تو ایسے بیان ہوئے ہیں جو تواریخ حافظ رحمت خانی کے بیانات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مگر بعض کی توثیق اس سے نہیں ہوتی۔ اور اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب اس کے مطالعہ میں نہیں آئی ہے۔*

ایک دوسرا مستشرق تواریخ حافظ رحمت خانی کے بارے میں

لکھتا ہے:-

”یہ کتاب حافظ محمد صدیق نام کے ایک مورخ نے ۱۱۸۳ھ میں، فارسی زبان میں لکھی ہے۔ یہ یوسف زئی کی تاریخ ہے۔ جس میں ان کے کابل، باجوڑ، سوات، پشاور، لنگرکوٹ اور گردو نواح کے اضلاع پر قبضہ کرنے کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس کا ماخذ پختونوں کی وہ تاریخ ہے۔ جسے پختون مورخ اور ماہر انساب، خان کچو نے پشتو میں لکھا ہے۔ اس موجودہ کتاب کا مولف حافظ محمد صدیق جیسا کہ وہ خود ذکر کرتا ہے۔ اٹک میں نلتو نام گاؤں کا باشندہ تھا۔ اس کی یہ کتاب ان ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) ”کابل کو یوسف زئیوں کی ہجرت اور مرزا

دیباچہ

تواریخ حافظ رحمت خانی پر ایک نظر

تواریخ حافظ رحمت خانی کا یہ نادر نسخہ، جب تک برٹش میوزیم سے پشتو اکیڈمی میں نہیں پہنچا تھا۔ اس وقت تک یہ عام خیال تھا کہ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ اس بات کی اسناد عموماً مستشرقین کی تحریروں سے دی جاتی تھیں۔ اس غلط بیانی کی ابتدا جیسا میجر راورٹی سے ہوئی تھی۔ دوسرے لوگوں نے بھی تحقیق کرنے کی بجائے اس کے بیان پر اکتفا کیا۔ ان میں سب سے آخری مستشرق ”دی پٹھانز“ نام کی مشہور کتاب کے مولف سر اولف کیرو ہیں۔ اس نے بھی اس کتاب کی زبان پر فارسی کا گمان کیا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے اس کتاب کے پڑھنے کی خود زحمت گوارا کی ہوتی۔ تو محض میجر راورٹی کے حوالے پر یہ نہ لکھتا، کہ تواریخ حافظ رحمت خانی، شیخ ملی اور خان کچو کی لکھی ہوئی

(۱) دی پٹھانز ص ۱۶۹

(۲) میجر راورٹی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ جو قلمی نسخہ کی ابتدا میں موجود ہے۔ وہ اس کتاب کے ابتدا میں کتاب کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

* موصوف نے میرے نام ایک خط میں اس کتاب کے نہ پڑھنے کا خود اعتراف کیا ہے۔ (طاثر)

الغ بیگ کے ہاتھوں یوسف زئی سرداروں کا قتل عام ۔

(۲) یوسف زئیوں کا پشاور میں وارد ہونا، اور دوآبہ اور باجوڑ پر قابض ہونا ۔

تواریخ حافظ رحمت خانی کے متعلق ایسے غیر محتاط بیان سے یہ اندازہ لگ سکتا ہے ۔ کہ مستشرقین بھی صحیح معلومات فراہم کرنے میں قطعاً کوئی زحمت نہیں اٹھاتے تھے، جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ نہ صرف یہ کہ اس کتاب کے ماخذ اور مولف کے متعلق صحیح معلومات دنیا کو پیش نہیں کئے گئے ۔ بلکہ وہ واقعات، جن کا اس کتاب (تواریخ حافظ رحمت خانی) میں تفصیلی ذکر موجود ہے ۔ وہ بھی غلط یا افسانوی رنگ میں، تاریخوں میں منضبط کئے گئے ہیں ۔ مزید برآں لطف کی بات یہ ہے کہ اسناد میں حوالے بھی اسی تواریخ حافظ رحمت خانی کے دئے گئے ہیں ۔

اس میں شک نہیں کہ اس تاریخ کے واقعات ایک مختصر دور کے مآثر محدود ہیں ۔ مگر یہی گنتی کے چند برس سڑبنی قبائل خصوصاً غوریا خیل، اور خخی زئی اور بالخصوص یوسف زئیوں کی قبائلی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم باب ہے ۔

اس کتاب میں وہ واقعات موجود ہیں ۔ جو ان چند برسوں میں بین المللی کش مکش اور مغل بادشاہ الغ بیگ اور یوسف زئی کے درمیان پیش آئے ہیں ۔ اور ان واقعات کا ذکر بھی من و عن اس میں موجود ہے جو بابر بادشاہ اور یوسف زئیوں کے مابین تعلقات (استوار ہونے) کے محرک بنے ہیں ۔

کتاب کے مولف نلتو نامی گاؤں کے حافظ محمد صدیق نہیں بلکہ میر سباک نامی گاؤں کے پیر معظم ہیں ۔ پیر معظم کتاب کے دیباچے

میں کہتے ہیں ۔ کہ جس وقت یہ کتاب حافظ رحمت خان کو پیش کی گئی جس کا مسودہ اخون درویزہ کے تذکرۃ الابرار والا شرار کی طرز پر لکھا ہوا تھا ۔ اور شاہ جہاں پور کے نواب خان بہادر خان غوریا خیل داؤد زئی کے کتب خانہ سے بھیجی گئی تھی، اور انہوں نے پڑھی تو تاریخی دستاویز کی حیثیت سے کتاب ان کو بہت پسند آئی مگر بے جا تکرار اور لفظی تصنع کی وجہ سے مسودہ پر نظر ثانی کرنے کو ضروری سمجھا ۔ اور جو بے مقصد باتیں یا تکرار اس میں پائی جاتی تھی ان کے خارج کرنے اور عبارت کی تصحیح کی غرض سے پیر معظم کے حوالے کر دیا ۔ جس سے ان کی مشا یہ تھی کہ یہ کتاب عوام پڑھنے والوں کے فائدے کی خاطر آسان کردی جائے اور مقصد بھی فوت نہ ہو جائے، تو بہت ہی بہتر ہوگا ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اسی مسودے سے یہ کتاب جو تواریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے یاد کی جاتی ہے، مرتب کردی گئی ۔

اصل مسودے، یعنی تواریخ افغانہ کے مصنف کا نام خواجو سلی زئی تھا ۔ یہی مسودہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تواریخ خان کججو کے نام سے بھی مشہور تھا ۔ خواجو سورخ خان کججو کے مصاحبین میں سے تھا ۔ اور خود یوسف زئی تھا ۔ جو خان کججو کی وفات کے بعد تک بھی زندہ تھا ۔ اور یہ کتاب جس میں خان کججو کی وفات کا ذکر بھی موجود ہے، ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ اس کی وفات کے بعد اس کی یادگار کے طور پر لکھی گئی ہو، اور اس کے نام سے منسوب کی گئی ہو ۔ کیونکہ یہی تواریخ افغانہ، تواریخ خان کججو کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے ۔ پیر معظم خود بھی خواجو کو اس کتاب کا مصنف اول کہتے ہیں ۔ اور یہ طور تبرک اس کے گیارہ اشعار بھی کتاب کے مبداء (شروع) میں لائے ہیں ۔ اشعار کے انداز بیان سے اصل مسودے

کی زبان کا صحیح اندازہ لگ سکتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے:-
 حار تر خدایہ شمع پہ دا ہسے قدر تو نہ
 چہ آدم حوا لا نہ، و، تا ہا نہ، کنبل قلمونہ
 قدر تو نہ دے شکارہ کپہ
 تا پیدا کپہ اوو، زمکے اسمانونہ
 دغے زمکے قرار نہ کرو
 تا پرے کیپنول درانہ، درانہ، لوئے غرونہ
 تر دے غرونو دیر درانہ، دی
 معتبر د دین مرونہ
 د مرونو حائے دے جور کپہ
 د گور غار تنگہ کورونہ
 ہغہ حائے لره بہ ورشو
 چہ نہ، لار لری نہ، ورونہ
 ترجمہ

اللہ کے قربان جاؤں، اس کی ایسی قدرتوں پر
 کہ آدم حوا ابھی نہیں تھے، اور تو تقدیریں لکھ رہا تھا۔
 آپ نے قدرتیں ظاہر کر دیں۔
 آپ نے سات زمین اور آسمان پیدا کر دیے۔
 یہ زمین قرار نہیں پکڑتی تھی۔
 آپ نے اس پر بڑے بڑے بھاری پہاڑ رکھ دیے۔
 ان پہاڑوں سے بھی بہت بھاری ہیں
 دین کے معتبر پیشوا
 لوگوں کی جائے اقامت بنائی آپ نے
 گور کی تنگ و تاریک کوٹھڑی

اس جگہ میں ہم سب چلے جائیں گے
 جس کا نہ کوئی راستہ ہے۔ نہ دروازے
 تواریخ حافظ رحمت خانی سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جنہیں
 مؤلف مقامات سبعہ (سات مقامات) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ہر مقام
 مختصراً حسب ذیل ہے۔

آغاز کتاب

مقام اول

یوسف زئی اور گگیانیوں کی مخالفت
 گگیانی قوم پر مرزا الغ بیگ کی چڑھائی
 یوسف زئیوں کی مرزا الغ بیگ اور گگیانیوں سے جنگ
 مرزا الغ بیگ کا یوسف زئی کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا
 کابل میں مرزا الغ بیگ کا جرگہ یوسف زئی کو باندھنا
 شیخ عثمان کا مکا شفا

مقام دوم

یوسف زئیوں کا پشاور پہنچنا، کلیانی سین رہنے والے دلزاک سے
 جنگ 'پشاور'، دوآبہ، باجوڑ، اشغر کا دلزاک سے لینا اور ان کے
 ملک پر قبضہ کرنا
 واقعہ کی طرف رجوع
 دلزاک اور یوسف زئی کی جنگ
 یوسف زئی کے ساتھ لڑنے کے لیے دلزاک کا لشکر جمع کرنا

غوریا خیل سے ان کے ہنگامے
شیخ تہور کی جنگ

مقام ہفتم

یوسف زئیوں کا دریائے لنڈی کو عبور کرنا اور غوریا خیل
وغیرہ سے ان کی جنگ
یوسف زئیوں سے غوریا خیل کا شکست کھانا
خان کجیو کے ممالک متصرفہ کا ذکر
خان کجیو کی خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات
نوٹ: ہر مقام چھوٹی چھوٹی فصلوں میں منقسم ہے، اور اس طرح تقریباً
وہ سارے اہم واقعات جو ۸۸۰ ہجری مطابق ۱۴۷۵ء اور
۹۹۴ ہجری مطابق ۱۵۸۵ء کے درمیان جو خخی (خشی) اور
غوری قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں مسطور ہیں

مختصر تحقیق و تجزیہ

کتاب میں جا بجا ہجری سنین کا ذکر موجود ہے، جن سے
کتاب تواریخ افغانہ کے تصنیف کے زمانہ کا اندازہ لگ سکتا ہے۔
جیسے کہ مؤلف اول ایک مقام میں لکھتے ہیں۔ کہ ابھی گزشتہ
سال جب کہ سن الف واحدی و ثلثین ہجری یعنی (۱۰۳۱)ھ
تھا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ یہی کتاب ۱۰۳۲ھ مطابق
۱۶۲۲ء میں یا اس سے پہلے زیر تصنیف تھی۔ اور ۱۰۳۳ھ مطابق
۱۶۲۳ء میں اتمام کو پہنچ گئی مؤرخ خواجہ لکھتے ہیں کہ:-

دلزاک کے ساتھ صلح کرنے کی غرض سے ملک احمد خان کا
ملک محمد خان کے یہاں جانا

مقام سوم

یوسف زئیوں کا سوات کی طرف متوجہ ہونا اور بابر بادشاہ کا
یوسف زئیوں کو فتح کرنے کی غرض سے آنا
محمد بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا

مقام چہارم

ملک دوآب میں گگیانیوں کی آمد اور بابر بادشاہ کا کابل سے
پشاور آنا اور کاپانی کے دلزاکوں پر اس کی چڑھائی
دلزاک کی ایک خاتون مسماۃ شاہ بوڑی کا واقعہ اور اس کی بہادری

مقام پنجم

گگیانیوں اور دلزاکوں کے درمیان جنگ

مقام ششم

شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا قوم خخی میں
تقسیم کرنا،
شیخ ملی اور ملک احمد کی وفات، خان کجیو کی سرداری اور

اور شاہ منصور، ملک احمد کے چچا زاد بھائی کی اولاد میں سے چند نفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں، ہندوستان میں موجود ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:-

(چنانچہ ان میں سے ایک سودا نامی) جو ملک زئی کے ملک ہیں۔ اور بہت مؤقر اور معمر آدمی ہیں۔ آج کے دن تک جبکہ ۱۰۳۲ ہجری ہے، زندہ ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

اس وقت جب کہ سال ۸۱۰۳۳ ہے۔ (مطابق ۱۶۲۴ ع)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ تواریخ حافظ رحمت خانی دو سال یا کچھ زیادہ عرصہ میں لکھی گئی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ تواریخ افغانہ اکبر بادشاہ کی وفات سے قریباً اٹھارہ سال بعد لکھی گئی مگر پھر بھی کتاب میں ان تاریخی جنگوں اور واقعات کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ جو دہلی کی مغلیہ حکومت اور یوسف زئی کے مابین ہوئی تھیں۔ ان واقعات میں ایک اہم اور عظیم تاریخی واقعہ باجوڑ، سوات اور بونیر میں اکبر بادشاہ کی فوجوں کی یلغار اور ان کا عبرتناک انجام تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے مصنف نے کتاب کے موضوعات کو خان کجوا کی وفات تک محدود رکھا ہے۔ اس لیے بعد میں پیش آنے والے واقعات کا کوئی ذکر نہیں کیا۔* پھر بھی وضاحت کی خاطر اپنے زمانے کے سنوں کا ذکر جیسے ۱۰۳۲-۳۳ ہجری بار بار کیا ہے۔

* ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خان کجوا اکبر بادشاہ کے دور حکومت کے اوائل میں، یا اس سے کچھ قبل وفات پا گئے ہیں۔

تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ خشی (خشی)، غوری اور دلزاک کے اکابر اور ان کے خاندانوں کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔ جس سے ان قبائل کے نسب ناموں کی کیفیت کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں بعض سیاسی مصلحتوں کی وضاحت بھی اس سے ہوتی ہے۔ اور ان اہم شاہراہوں، گذرگاہوں، مقامات، قصبات اور دیہات کی بھی پوری پوری تفصیل موجود ہے۔ جو آج کل یا تو کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ اور یا کلیتہً غیر آباد ہو گئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت کبھی کبھی پڑھنے والوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس دور کے بعد مغلیہ اور فرنگی دور میں بھی اس کے مآخذوں سے سیاسی اور جنگی بصیرت حاصل کی گئی ہو۔

ایک بہترین تاریخی روداد کے علاوہ کتاب میں پختون قوم کے کردار، پختونولی (مروت) ملی حمیت اور ننگ و ناموس کے بہت دل آویز واقعات اور مثالیں لکھی گئی ہیں۔ اگر بعض تاریخی نویسوں جیسے سراولف کیرو اور بہادر شاہ ظفر کا کاخیل کی نظر سے یہ کتاب گذر گئی ہو تو شاید کیرو اپنے اس خیال پر کہ ”میں یوسف زئی مؤرخین کو زیادہ ثقہ ماننے کے لیے (کسی دلیل کے بغیر) تیار نہیں ہوں۔“* اور یا ظفر کا کاخیل (نے جو کچھ کہا ہے) اپنے کہنے پر دوبارہ غور کر لیتے کہ:-

”میرزا آغ بیگ بابر کا چچا تھا۔ اور یوسف زئی کے بابر کے ساتھ تعلقات تھے، جیسے کہ ملک شاہ منصور (جو ملک سلیمان شاہ کا فرزند تھا) کی دختر بی بی مبارکہ، بابر کے ساتھ بیابانی گئی تھی۔ بابر ایک بڑا صاف گو

اور صاف دل آدمی تھا۔ اس نے اپنے تمام واقعات بڑی صفائی سے لکھے ہیں تو اگر الغ بیگ کے ہاتھوں یوسف زئی کے نو سو سر بر آوردہ لوگوں کے قتل کرنے کا افسانہ، اور ان قبائل کی ہجرت کا واقعہ حقیقت میں واقع ہوا ہوتا، تو یقیناً بابر اس کا ذکر کرتا۔ لیکن بابر ان واقعات کے باب میں قطعی خاموش ہے۔ اس سے یہ قیاس کرنا ممکن ہے کہ یہ واقعات مبالغے سے خالی نہیں ہیں۔*

اس کتاب کے مطالعے کے بعد جب قاری ان بیانات پر غور کرے گا تو ایک بات لازماً ذہن میں پیدا ہوگی۔ اور وہ یہ کہ ایک طرفہ بیانات سے نتیجہ اخذ کرنا، اور یا خالی حسیات پر، تاریخ کے میدان میں بعض واقعات پر رائے ظاہر کرنا، اصول تاریخ کی نفی کرنی ہے۔ اور حقائق میں ایسی کجی پیدا کرنی ہے جس سے طرفداری کی بو آتی ہے۔ یہ چیز ایک اچھے مؤرخ کے شایانہ شان نہیں ہے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی کا مآخذ، یعنی تواریخ افغانہ، اپنے وقت کے ایک آزاد اور بے نفس مؤرخ کی تحریر ہے، یہ نہ

* پٹھان تاریخ کی روشنی میں ص ۱۳۱۰ اس دلیل سے تو تاریخ کی تمام دیوار منہدم ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگو کوئی یہ کہے کہ مائرا امراء اور دیگر مورخین دور مغلیہ بڑے صاف گو تھے، انہوں نے کہیں بھی خوشحال خشک اور اورنگ زیب عالمگیر کے مابین کے واقعات کا ذکر نہیں کیا ہے، اس لیے تاریخ مرصع کے واقعات افسانہ ہیں۔ اسی طرح تاریخ کے ہر واقعے کے متعلق ایسا ہی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

تو بابر کی خود نوشت سوانح عمری کی طرح ہو سکتی ہے۔ جس میں لکھنے والے کی اپنی ذات تمام واقعات کا محور ہو۔ اور نہ درباری مورخوں کی کتاب، جس کے ساتھ دربارداری کی پابندیاں اور مجبوریاں وابستہ تھیں۔ بلکہ یہ پورے قبیلے کی تاریخ تھی، جس میں افراد کردار کے طور پر دکھائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ مورخ خواجو نے نہ تو تعلی سے کام لیا ہے اور نہ اس میں مبالغہ کیا ہے۔ اور نہ وہ واقعات کے بیان میں کسی کی خوشامد یا طرفداری پر مجبور تھا۔ اس سارے ڈرامے میں کتاب کے مصنف اول خواجو ملی زئی یا اس کے باپ دادا مساوی کرداروں کی حیثیت سے موجود تھے، اس لیے اکثر بیانات یا تو اس کے چشم دید ہیں۔ اور جو کسی قدر قدیم تھے، تو ان کے چشم دید راوی اس وقت تک زندہ تھے۔ پیر معظم شاہ، جو اپنے آپ کو مصنف ثانی سمجھتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

ان واقعات کے واقعی مورخ اور محقق خواجو کہتے ہیں۔ کہ میں نے بارہا وہ دونوں دیواریں جن میں بابر کے تیر پیوست تھے، دیکھی ہیں۔ اور جب وہ بنیاد سے اکھڑ کر گر گئیں۔ تو اس وقت میں باریش نوجوان تھا۔ اس کے بعد اسی روش کی بناء پر، باقی دیواریں جو اس مقام پر کھڑی تھیں، لوگ انہیں تیروں کا نشانہ بناتے رہے۔

کتاب تواریخ حافظ رحمت خانی کا سارا دور، پہلی کتاب کی طرح دو پشتوں (کے واقعات) پر مشتمل ہے۔ پہلی پشت میں سرداری ملک احمد بن ملک سلطان شاہ بن ملک تاج الدین بن ملک رزڑ مندڑ یوسف زئی کی تھی، اور دوسری پشت میں یہی سرداری خان کجیو بن قرہ بن بہزاد صدوزئی مندڑ یوسف زئی کے حوالے کی

گئی تھی۔

ساری کتاب میں ایک سو اکیس (۱۲۱) چھوٹے بڑے افراد کا ذکر اذکار موجود ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ واقعات کی اس روانی اور تسلسل میں دوسرے لوگ شریک نہیں تھے۔ حقیقت میں تمام غوریا خیل کے خروج اور ازسرنو آبادکاری کا بیان ہے۔ اور تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی کے لیے محفوظ ہیں، کہ:-

جو کوئی زندہ رہنے کی استعداد رکھتا ہے، وہ ایک بڑے تنومند اور قوی دشمن کے مقابلے میں مدافعت کی راہیں اور گذرگاہیں متعین کر سکتا ہے۔

ان کی بہترین مثال شیخ زنگی ابن ملا خیل رانی زئی خواجہ خیل ہے جو یوسف زئی کے آستانہ داروں میں سے تھا۔ اس کا قول ہے کہ:-
”اے یوسف زئیو! جاؤ، ہمارا ملک سوات ہے۔ اللہ پاک ہمیں عطا فرمائے گا۔“

یہ (فیصلہ) اس زمانے میں ایک بہترین اور دفاعی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے ایک اہم فیصلہ تھا۔ کیوں کہ ایک تو یہ لوگ (یوسف زئی) مغلوں کے سیاسی تصرف سے باہر ہو سکتے تھے۔* اور

* خان کجو نے شیخ تپور کی جنگ سے پہلے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ:-

”اے یوسف زئیو! اگر اس دفعہ تم نے غوری کا کچھ (بندوبست) نہ کیا۔ تو خود بخود دیکھ لو گے۔ کہ غوری تمہارے ساتھ کیا عمل کرتا ہے۔ اور کس قدر مغرور ہو جائے گا۔ پھر وہ تمہیں پہاڑوں میں بھی نہ چھوڑے گا۔“

دوسرے یہ کہ اس علاقے میں ان کا مقابلہ ایک ایسے طاقتور مخالف کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا جس کی یہ مدافعت نہ کر سکتے ہوں۔ تیسرے یہ کہ سوات بہت سرسبز اور آباد ملک تھا۔ پہاڑی اور میدانی ساری زمین، زرعی پیداوار اور مویشی پالنے کے لیے موزوں تھی، یوسف زئی کے اس وقت کے حالات کی تفصیل صدر خوشحال نے مثنوی آدم درخانی میں اس طرح موزوں کی ہے۔ کہتے ہیں کہ:-

یوسف زئی ہم ہر دور
د کوچی عالم ہم طور
ہم پر چائے کنبے نے ہمیشہ وہ
گاہ ہم سپند گاہ ہم سپرہ وہ
گاہ ہم لارہ د غرہ خواتہ
گاہ ہم بیا راغلہ دریا تہ
چہ نے ہم د مال لیدلہ
دوی ہمیشہ ہورتہ کولہ

اس دور میں یوسف زئی

کوچی مخلوق کی طرح

پر چنگ ان کا ڈیرہ ہوتا تھا۔

گاہے دریا کے کنارے اور کبھی صحرا میں

کبھی پہاڑ کے دامن میں چلے جاتے

اور کبھی پھر دریا کے کنارے آ جاتے

جہاں کہیں مویشیوں کا بھلا دیکھتے

بس وہیں ڈیرہ ڈال دیتے تھے۔

سوات اس مقصد کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور موزوں وطن

تھا سوات کے پہاڑوں میں بہت اچھی اچھی قدیم پناہ گاہیں بھی تھیں۔

اس لیے شیخ زنگی کے مشورے پر عمل پیرا ہونے کے لیے سارے قبیلے نے لمبیک کہی۔ اور کمر بستہ ہو گئے۔ کیوں کہ ملک سلیمان شاہ کی درخواست پر مرزا الغ بیگ نے انہیں ان کے اکابرین کے قتل عام کے بعد، مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دیا تھا اور جیسا کہ سورخ ہذا کا قول ہے۔ کہ الغ بیگ نے حکم دیا تھا کہ یہ لوگ اس کے بعد آزاد ہیں۔

”یہ لوگ جس طرح اپنے لیے بہتر سمجھیں، عمل کریں۔ اور جس طرف جانے میں مصلحت سمجھیں، جائیں۔ کوئی ان کے مانع اور آڑے نہیں آئے گا۔“

یہ واقعہ دراصل اس افسوس ناک تاریخی واقعے کے بعد پیش آیا تھا، جس کے متعلق محترم ظفر کا کاخیل نے محض افسانے کا خیال ظاہر ہے۔ اس کی پوری تفصیل خواجو مورخ کے حوالے سے اس کتاب میں موجود ہے۔ جس کا اختتام ان الفاظ پر ہوا ہے۔

”غرض یہ کہ جب ان سات سو یوسف زئیوں کو قتل کر دیا گیا تو مرزا الغ بیگ نے حکم دیا کہ ان مقتولوں کو شہر کابل سے باہر لے جا کر دفن کیا جائے۔ بنابرین سب کو لے جا کر، مابین مشرق و شمال، دو تین تیر پر تاب کے، فاصلے پر موضع کابل سے دور سیاہ سنگ میں دفن کر دیا گیا۔ اور اس مقبرے کو اس وقت تک لوگ ”گنج شہیدان یوسف زئی“ کہتے ہیں۔ اور آج تک معلوم و عیان ہے۔ اور قبر شیخ عثمان بن سقۃ سلی زئی قدس سرہ جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، بھی اس جگہ معروف و مشہور ہے۔“

اس زمانے کے اس تاریخی واقعے پر صرف اس بناء پر افسانے

کا گمان کرنا، کہ بابر جیسے صاف گو سلطان نے توزک بابری میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کچھ خاص وزن نہیں رکھتا۔ مورخین اس موقع پر اس بات کو خیال میں رکھیں کہ بابر کے باپ مرزا غیاث اور مرزا الغ بیگ کے تعلقات کیسے تھے۔ بابر خود کن حالات میں کابل کے تخت پر قابض ہوا تھا اور اس زمانے میں مغلوں کے لیے عموماً اور بابر کے لیے خصوصاً سیاسی مصلحتوں کی خاطر، اس واقعہ کو اہمیت دینا مناسب تھا یا نہیں؟ خود بابر کی غرض اور فائدہ یوسف زئیوں کے استیصال اور بیخ کنی میں تھا یا اس مضبوط اور عظیم قبیلے کی رضا مندی حاصل کرنے میں؟ پھر یہ بھی کہ خود مرزا الغ بیگ نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی حیلے سے، اس الزام سے مبرا بھی کیا تھا یا نہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اور مغل سیاست کا سب سے بڑا حربہ بھی یہی تھا کہ پختون کو پختون کے ہاتھوں مارا جائے، اور غالباً ایسے واقعات میں یوسف زئی کے ان سرداروں کا قتل عام سب سے پہلا تاریخی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے واقعات پختونوں اور مغلوں کی کش مکش کی تاریخ میں جا بجا موجود ہیں۔ جیسا کہ خوشحال کہتے ہیں:

بیالہ پسند د دیلی بادشاہ بابر شو

چہ نئے کار د پختونو پسند برکت وو

پھر اس کے بعد دہلی کا بادشاہ بابر بن گیا

جس کا کام پختونوں کی برکت سے بن گیا تھا۔

یہ پختون کس کے خلاف لڑ رہے تھے؟ پختون بادشاہ ابراہیم لودی کے خلاف مغل بادشاہ بابر کے لیے! تو مجبوراً وقت کی مصلحت نے بابر کو یوسف زئیوں کو رضامند کرنے پر مجبور کیا ہو گا۔ اور

یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی سوانح میں اس واقعے کا ذکر نہیں کیا۔ اس واقعے کی وضاحت میں اس طرح گویا ہے کہ:-

جس دن کہ میرزا نے یوسف زئیوں کو قتل کیا۔
گگیانیوں کے سردار بھی حاضر تھے، فوراً انہیں بلایا۔
(اور یوں کہا)

”یہ رہے سات سو (۷۰۰) یوسف زئیوں کے چیدہ اور
سرکردہ لوگ، دست بستہ تمہارے حوالے کر دئے۔
اور لاف زنی بھی تم ہی نے کی تھی۔ کہ پہلے ہم ان کی
ہڈی توڑ دیں گے۔“

موسیٰ زئی گگیانیوں کے سرداروں کو بادشاہ کی یہ ترغیب
اور بعد ازاں مقتل میں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری موسیٰ زئی
گگیانی کی، ملک سلیمان شاہ ابن ملک تاج الدین رزڑ منڈنڈر یوسف زئی
کے ساتھ (جو مشہور یوسف زئی سردار ملک احمد کا چچا تھا)
وہ باتیں جو فردوں اور بیتوں کی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں
ان واقعات کے ثبوت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ فرد اور بیت رجزیہ
انداز میں تھے، جیسا کہ حسن ابن چنگا موسیٰ زئی کی طرف منسوب
یہ فرد کہ:-

لکھ وایو ہسے دیند*
لامن تپولی خدائے راکیری
اوس سو وژنو لکھ سپرونہ

جیسے کہتے ہیں ویسے ہی واقعہ ہے۔

کہ دست بستہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہمارے حوالے کر دیا
اب ہم تمہیں بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کریں گے۔

* یہ منظوم مکالمہ تواریخ حافظ رحمت خانی میں موجود ہے۔

اور اس کے جواب میں ملک سلیمان شاہ رزڑ (جو ملک شاہ
منصور کا والد اور ملک احمد کا چچا تھا) کہتا ہے:-

کہ جنگ وے پسہ سرغونہ
تہہ پسہ رائغاسے پسہ سپرونہ
لکھ نے لاس تپولی نے در کپرو
اوس سو وژنو لکھ سپرونہ

اگر جنگ میدان میں ہوتی۔

تو تم ہر گز ہمارے مقابلے پر نہ آتے
مگر اب جب کہ ہم دست بستہ تمہارے حوالے کر
دیے گئے ہیں۔

تو اب تم (جس طرح چاہو) بھیڑ بکریوں کی طرح مارو۔

اور اس کے ساتھ شیخ عثمان موقی ملی زئی یوسف زئی کا

یہ ارشاد:-

چہ دا دود سپرو لیدہ* یلغار لکھ ارویدہ
دہ خدائے پسہ کپہ* نے وس نہہ* رسیدہ*

کہ یہ واقعہ ہم دیکھ رہے تھے۔

شور و غوغا سن رہے تھے۔

مگر اللہ کی تقدیر پر بس نہیں چلتا۔

مطلب یہ کہ اوٹ پہلے ہی سے رو رہے تھے کہ ان کے لیے
ہوریاں باندھی جا رہی ہیں۔ اور پھر خوشحال خان خٹک کے بیٹے

صدر خان کے یہ اشعار آخر کیا معنی رکھتے ہیں؟

یوسف زئی چہ لا بالا نہ

سے وطن شول لہہ ”بلا“ نہ

حادثات پہ حادثات شول

لاہل میشت ہم سمہ سوات شول

یوسف زئی جب بالا (کابل) سے

”بلا“ نازل ہونے کے سبب بے وطن ہو گئے۔

حادثات پر حادثات سے دوچار ہو گئے۔

اور جا کر سمہ اور سوات میں آباد ہو گئے۔

یہ کون سی ”بلا“ تھی کہ جس نے ان کو بالائی کابل

سے انتہائی بے سرو سامانی میں بے وطن کیا تھا؟ یہ محض شاعری

نہیں اور نہ آج کا کوئی مورخ کئی سو سال پرانی اس سند کو محض

شاعری سمجھنے کی غلطی کر سکتا ہے۔ مزید برآں شیخ عثمان موقی

ملی زئی کا وہ کشف جس کی طرف پچھلے صفحات میں اشارہ کیا

گیا ہے، اس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس زمانہ

میں وسطی ایشیا میں، جس میں موجودہ افغانستان کا علاقہ بھی شامل تھا

قیافہ شناسی ایک مستند علم تھا اور شیخ عثمان ایک زبردست

قیافہ شناس عالم بھی تھا^۲ اور یہی وجہ تھی کہ اس نے الغ بیگ

کی آنکھوں میں یوسف زئیوں کی بربادی کے منصوبے دیکھ لیے تھے اس

لیے اس تاریخی واقعے کو فتح خان اور رابعہ گلے یا موسیٰ خان گل مکئی

کی طرح محض ایک افسانہ سمجھنا واقعات اور حقائق کو جھٹلانا ہے۔

اگر اس واقعے کو افسانہ ہی سمجھا جائے تو پھر مغلوں

کی یوسف زئیوں سے اتنی طویل مخالفت اور محاربوں اور مجادلوں کی

کیا توجیہ ہو سکتی ہے جو الغ بیگ کے زمانے سے لے کر اورنگ زیب

عالمگیر کے عہد تک مسلسل قائم تھے۔ یقیناً یہ خون کی عداوت

(۱) مثنوی آدم درخانے ص ۵۳ (مطبوعہ پشتو اکیڈمی)

(۲) دیکھیے لارڈ برنز کی کتاب : Mission to Kabul

تھی، جس نے اتنا طول پکڑا تھا۔

تاریخ کی کسی کتاب سے بھی یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی

کہ اس واقعے کے بعد کبھی اور کسی موقع پر بھی ساری یوسف زئی

قوم کی مغلوں کے ساتھ مصالحت ہوئی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ

وہ مسلسل حادثات جن کی طرف خوشحال خان نے اشارہ کیا ہے

اور وہ یلغاریں اور متالیے اور رزم آرائیاں آخر کس لیے تھیں جن

میں خود پختون لوگ بھی یوسف زئیوں کے خلاف اور مغلوں کی

حمایت میں کمر بستہ تھے، آئین اکبری، مائثر الامراء، مائثر عالمگیری

تاریخ مرصع، تاریخ خورشید جہاں، تاریخ فرشتہ، اور ان کے علاوہ

دوسری کتابیں جو مغل اور پختون مورخین نے لکھی ہیں۔ ان میں اس امر

کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور خود پختون رہنما خوشحال خان خٹک

بھی یہ گواہی دے رہا ہے کہ :

زہ د یوسف زئیو پہ خان زہروم قاتل

بل مقصود سے نہ وو پہ خدمت کنبے د مغل

دیر شاہان خوانان سے یو د بل و وژل

تیر ساعت ارمان دے پشیمانی نشستہ حاصل

میں بذات خود یوسف زئیوں کے حق میں زہر قاتل تھا۔

مغلوں کی خدمت سے میرا اور کوئی مقصد نہ تھا۔

میری وجہ سے بہت سے لائق وفائی یوسف زئی جوانوں کو قتل

کر دیا گیا لیکن اب گذرے ہوئے وقت پر پشیمانی لا حاصل ہے۔

لیکن وقت گزرنے پر جب گگیانی مغلوں کے زیر عتاب آئے اور

کابل کے مضافات سے انہیں کوچ کر جانے پر مجبور کر دیا گیا تو

یوسف زئیوں نے اپنے ہم قوم گگیانیوں کی تقصیر معاف کر دی۔ اس وقت

یہی یوسف زئی تھے جنہوں نے ان کی طرف دست تعاون بڑھایا اور

اپنے مفتوحہ علاقوں میں سے سب سے بہترین حصہ سلک یعنی دو آبہ ان کو دے دیا۔ پھر جب ان کے پیچھے موسیٰ زئی بھی بالا سے نیچے اتر آئے تو یوسف زئیوں نے خون کے رشتے اور جذبہ اخوت سے مجبور ہو کر ان کا قصور بھی معاف کر دیا اور نصف باجوڑ انہیں دے دیا یہ لوگ آج کے دن تک دو آبہ میں آباد ہیں۔ یہ بالکل اس طرح تھا جس طرح کہ اونگ زیب کے عتاب سے خوشحال خان اور اس کے قبیلے کو بچانے کے لیے انہیں اپنے علاقے میں جگہ دی تھی اور ان کے لیے تحفظ مہیا کیا تھا۔ خوشحال نے یوسف زئیوں کو (اس احسان عظیم کے شکرے کے طور پر) اپنے سات ترجیع بند کے وصیت نامے میں ”بابا زئی“ کہا ہے۔ یہ وصیت نامہ اس نے ۲ رمضان ۱۰۷۶ ہجری میں قید خانے میں لکھا تھا اور عمر اسماعیل خیل کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اس وصیت نامے میں وہ کہتا ہے۔

”بابا زئی (میرے بابا کی اولاد) بائزی لوگ ہیں۔ بلکہ میرے ماں باپ اور خاندان کی طرح ہیں۔ جب میرے بیٹے ان کے پاس گئے تو (انہوں نے) میرے لیے اورنگ زیب کی دشمنی مول لی اور دوستی و اخوت کا ایسا حق ادا کیا جیسا حق دوستی اور آشنائی کا ہوتا ہے۔“

رائی زئی رحمت والے ہیں۔ وہ میرے ساتھ ننگ و شرم میں شریک ہو گئے۔ ان دونوں قبیلوں کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق نیکی کرنی چاہیے اور مغلوں کے دربار میں پختنولی (پختون قومیت) کے کام میں اور ان کی بہبود کے لیے حتیٰ الوسع کوشش کرنی چاہیے جان و مال اور قوت بازو سے اگر ان کا رخنہ پر ہو سکتا ہو تو اس سے دریغ نہیں کرنی چاہیئے دوستی اور خویشی انہیں کے ساتھ ہو

* کلیات خوشحال خان خٹک ش ۹۴۲

بلکہ دونوں ان کو زئیوں کے ساتھ یہی حال محکم و مستحکم رہے۔^۱ یوسف زئی مغلوں کی مخالفت پر ایسے استوار اور مستحکم تھے کہ صدیوں تک ان کی ناکہ بندی کیے رہے اور ان کے حصاروں اور قلعوں کو منہدم کرتے رہے۔ ہند سے اوپر دریائے سندھ کے مغربی جانب یوسف زئی اور مشرقی جانب مغلوں کا تصرف تھا۔ دریائے سندھ کے دونوں جانب ایک مستقل میدان جنگ تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں جب مغلوں نے لنگر کوٹ کا قلعہ تعمیر کرنے کا تمہید کیا تو اورنگ زیب کے صوبیدار مہابت خان کو خوشحال خان نے لکھا تھا کہ:

چند کھگل می نما ئی بے بقا دیوار را

گر تو لنگر کوٹ خوا ہی قلعہ کن دسغار را

بے بقا دیوار کی کب تک لپائی کرتے رہو گے (یعنی تم یہ کب تک کمزور دیواریں کھڑی کرتے رہو گے؟ اگر تم قلعہ بنا نا ہی چاہتے ہو تو لنگر کوٹ کو بچانے کے لیے پہلے دسغار میں بناؤ۔^۲ اس نے یوسف زئی کے خلاف مہموں کے بارے میں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ:

مہم د یوسف زبو درتہ وایسمہ شکارہ
دخوہ خسی کول دی لاس گندہ کریوان پارہ

یوسف زئیوں کے خلاف مہم جوئی کے متعلق صاف صاف کہتا ہوں کہ۔

گدھے کو خصی کرنا ہے۔ جس کا انجام ہاتھ گندے کرنا اور گریبان چاک کرنا ہے۔^۳

باوجود اس کے کہ اس زمانے میں یوسف زئیوں کو قابو میں کرنے

(۱) تاریخ مرصع (قلمی نسخہ) ص ۲۰ نقل (پشتوا کیڈیمی)

(۲/۳) تاریخ مرصع و حیات خوشحال خان خٹک (کابل)

اور ان پر فتح پانے کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے گئے تھے جیسا کہ یہی افغان شناس شاعر کہتا ہے۔

خزانے د ہندوستان دی راخوڑے شوے

سرہ مہران دی ننوزی پم کوہسار

ہندوستان کے خزانے ہیں کہ چلے آ رہے ہیں اور پھیلتے جا رہے ہیں

سرخ ڈلیاں ہیں جو کوہساروں میں داخل ہو رہی ہیں۔

مگر مغلوں کا یہ خزانوں کا لٹانا بھی یوسف زئی کے مقبوضہ کوہساروں

میں راستہ نہ پیدا کر سکا۔ اس کے ثبوت میں افضل خان خٹک کا یہ

بیان کافی ہے کہ ۲۰:-

”عالمگیر (اورنگزیب) نے لاہور کے صوبیدار محمد امین کو

بے پناہ لشکر کے ساتھ یوسف زئی کی مہم پر متعین کیا جب وہ آیا

تو یوسف زئی میدانِ علاقہ (سمہ) میں آباد تھے۔ ’سمہ‘ سے

اٹھ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ محمد امین نے کچھ آدمیوں کو دریائے

میں ڈالا اور کہلایا کہ ’شجاع‘ کی ہڈیاں (دفن شدہ لاش) ایک

لاکھ روپے کے عوض میں ہمیں واپس کر دو۔ مگر یوسف زئیوں نے صاف

انکار کر دیا اور کہا کہ نام بد نام ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ مایوس

ہو کر واپس چلا گیا۔“

اس کا سبب صرف یہ تھا کہ یوسف زئی اور مغلوں کی دشمنی

کالفتن فی الحجر تھی۔ اور یہ مافی ہوئی بات ہے کہ پتھر کی لکیر

مثائے نہیں مٹی۔ یہی وجہ تھی کہ ڈہائی سو سال، یعنی ہندوستان میں

مغلیہ سلطنت کے زوال تک یہ دشمنی قائم رہی۔

(۱) کلیات خوشحال خان خٹک (کابل) ص ۲۵۷

(۲) تاریخ مرصع ص ۷۱۸ (پشتو اکیڈمی)

تقسیم

دوآبے میں گگیانیوں کے بسائے میں ایک خاص سیاسی

مصلحت پوشیدہ تھی۔ یوسف زئی کے حفظ و دفاع کا تقاضا تھا کہ وہ مغلوں

کی دسترس سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ اور اس لیے ضروری تھا کہ

وہ دوآبے جیسا سرسبز اور زرخیز علاقہ ایک ایسے قبیلے کے لیے

چھوڑ دیں، جو ان کے لیے دیوارِ ثابت ہو۔ اور مغلوں کے مقابلے میں

ان کے لیے سپر کا کام دے۔* اس مقصد کے لیے انہیں اپنے عزیزوں

(ہم نسبوں) میں گگیانیوں سے زیادہ موزوں دوسرا کوئی اور دکھائی

نہیں دیتا تھا۔

علاقے کا محل وقوع ہمیں یہ بتاتا ہے کہ گو بظاہر محمد زئی

اور گگیانی دونوں قبیلوں کو غوری کی سر زمین پر لا کر ڈال دیا۔ اور

کائنگ کے جرگے کے موقع پر جب موسیٰ زئی کی تقصیر بھی معاف

کر دی اور دوآبے کے ساتھ آدھا باجوڑ، دانشکول سے عنبر

لاشورے اور ناوگٹی اور چار سنگ تک، جو پہلے خلیل کا حصہ تھا

موسیٰ زئی گگیانیوں کو دے دیا۔ مگر اس طرح ملک احمد بابا

نے اپنے حسن تدبیر اور سیاسی و جنگی بصیرت سے اپنی قوم کے گرد

اپنے ہی عزیزوں کا ایک مضبوط حصار کھینچ دیا۔

اس بات کی تصدیق خود ملک احمد کی اس بات سے بھی ہوئی

ہے جو اس موقع پر اس نے محمد زئیوں سے کہی تھی کہ:

”جاؤ، اشغر کا علاقہ میں نے تمہیں دے دیا۔ تمہیں

مبارک ہو۔ لیکن تم پر بھی یہ لازم ہے کہ تم اپنے

آپ کو خخی (خشی) کا چوتھا فرزند سمجھو اور

* ایسے علاقے کو بفر زون (Buffer Zone) کہا جاتا ہے۔

خشی (خشی) کے پر اچھے برے میں شریک رہو۔“

مگر اس کے برعکس گگیانی، جو خشی (خشی) کے تیسرے بیٹے کی اولاد تھے، ان سے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ان کے ساتھ بس یہ کیا کہ ان پر بے اعتمادی کی وجہ سے انہیں غوریا خیل اور مغلوں کی طرف آباد کیا۔

محمد زئی اور گگیانی دونوں اس تقسیم پر اتنے خوش ہوئے کہ ملک احمد سے کہنے لگے:-

”خان عالی! یہ ممالک سب آپ نے فتح کیے تھے، ان پر ہمارا کوئی حق نہ تھا۔ مگر جب آپ نے ہم پر خود کرم فرمایا اور یہ ممالک ہمیں عنایت کر دیئے تو ہم سب آپ کے غلام ہو گئے۔“

شیخ ملی کا دفتر

زمین کی تقسیم کا یہ زمانہ تقریباً ۹۳۰ ہجری مطابق ۱۵۲۳ ع معلوم ہوتا ہے۔ انہیں برسوں میں شیخ ملی نے اپنا مشہور دفتر مرتب کیا۔ یہ تقسیم کاٹنگ کی تاریخی جنگ کے فوراً بعد جب کہ لشکر ابھی منتشر بھی نہیں ہوا تھا، کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد یوسف زئی کے گھرانے گھرانے کی تقسیم ہو گئی۔ دراصل اسی انتظام کو شیخ ملی کے دفتر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ تقسیم ان مابقیہ ممالک اور علاقوں کی تھی جنہیں ملک احمد نے یوسف مندثر کے نام رکھ چھوڑا تھا اور اس لئے اسے یوسف زئی کی آپس کی تقسیم کہنا مناسب ہوگا۔

یہ علاقہ وار تقسیم دیہ باجوڑ، سوات، بونیر، تنول، سمہ کا سارا علاقہ نوشہرہ تک اور دریا کے کنارے کی زمینوں پر مشتمل

تھی اس میں انہوں نے اتمان خیل، گدون، کشار، روانڑی، کانسی، مشوائی اور دوسری مخلوط اقوام کو اپنے ساتھ بطور امدادی رکھ لیا۔ بعض ان کے ہمسائے اور فقیر بن گئے۔ مگر تقسیم کے معاملہ میں سب کو خوش کر دیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ ملی نہایت متدین، متقی، قائم اللیل اور ضائم الدہر بزرگ تھے جہاں کہیں جاتے خدام وضو کا لوٹا ساتھ ساتھ لیے پھرتے۔ وہ ملک احمد کے ماتحت سارے یوسف مندثر کے مقتدا تھے اور ان کی ہر مصیبت اور مہم کے شریک و غمخوار تھے۔ سارے علاقے کا ہر ہر قبیلہ اور ایک ایک گھر ان کے دفتر میں لکھا تھا۔ اس وقت انہوں نے جو تقسیم کی تھی آج (۱۹۷۴ ع) تک ان کی یہ تقسیم یوسف مندثر بالخصوص سوات (اور ہزارہ کوہستان) میں جاری ہے۔

پیر معظم شاہ کہتے ہیں کہ یوسف زئیوں میں جب کبھی زمین کا کوئی جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں! ”کیا یہ تم شیخ ملی سے لائے ہو۔ جس پر دعویٰ کرتے ہو؟“ گویا کہ ان کا دیا ہوا اب تک منظور ہے۔ پیر معظم شاہ کا یہ بیان ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۱ ع یعنی خواجو مؤرخ کا پر تو ہے۔ شیخ ملی نے اپنے حسن تدبیر سے زمین کی جو تقسیم کی تھی وہ آج کے دن تک جب کہ ۱۳۹۴ ہجری مطابق ۱۹۷۴ ع ہے، جاری ہے اور یوسف زئیوں کے جو قبائل اور خاندان مستقل تقسیم کے بعد جن زمینوں پر آباد ہوئے تھے انہیں پر آباد و قابض ہیں۔ کیوں کہ یہ تقسیم مدت مدید تک قبیلہ وار تبدیلی کے اصول پر تھی یعنی ایک گاؤں والے چند برسوں کے بعد ایک علاقے

سے دوسرے میں منتقل ہو جاتے تھے* جسے 'وار' (باری) کہتے تھے۔ یہ باری والی تقسیم کافی مدت تک جاری رہی مگر بالآخر یوسف مندٹ نے اپنا ملک دو حصے کر دیا۔ آدھا سمہ مع سوات اور بونیر یوسف کا ہو گیا اور باقی علاقہ دریائے سندھ کے کنارے پیپور اور تربیلا مندٹ کے قبضے میں آ گیا۔ بالائی یوسف زئی میں رائی زئی اکو زئی اور خواجوزئی کے مابین باری والی تقسیم بھی مدت دراز تک جاری رہی۔ مگر آخر میں یہ تقسیم گاؤں گاؤں تک محدود ہو کر رہ گئی۔

زمینوں کی تبدیلی بعض علاقوں میں چار سال، بعض میں آٹھ اور کمپن دس سال کے بعد ہوتی تھی۔

زمین کی تقسیم اور حصے بخرے کا حساب خانہ وار ہوتا تھا اور ہر کسی کو اس کے پداری حق کے مطابق حصہ دیا جاتا تھا۔ زمین کی تقسیم کمپن روپے، کمپن قلم اور کمپن قلعہ پر ہوتی تھی۔ اسی حساب سے پہاڑی، میدانی اور بارانی زمینوں میں ہر دفتر کا حصہ تھا۔ یہ تقسیم اتنی صحیح، بے نقص، منصفانہ اور مساویانہ تھی کہ بیسویں صدی عیسوی تک اس میں کوئی غلطی پیدا نہیں ہوئی اور ہر کسی کو اپنے جدی دفتر کا حصہ دیا گیا ہے۔ دفتر کی تقسیم کے اس طریقے کو "ویش" (حصہ بخرہ) کہا جاتا تھا۔ پیر معظم شاہ اخون درویزہ صاحب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

"شیخ ملی نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں حاجت مندوں کی حاجت روائی کبھی دنیاوی طمع سے نہیں کی بلکہ خالصتاً کی ہے۔

* Casts and tribes of the Punjab and Frontier.

پس اگر میں اپنی اس بات میں صادق ہوں تو جن ممالک کی تقسیم اور حدود کے تعینات میں نے یوسف زئی کے مابین کیے ہیں۔ قیامت کے دن تک باقی رہیں اور اگر میں اپنے اس قول میں جھوٹا ہوں تو ان کے درمیان سے یہ تقسیم ختم ہو جائے۔ چونکہ وہ اپنے قول میں سچا اور عمل میں مخلص تھا اس لیے یہ تقسیم آج کے دن تک موجود اور برقرار ہے۔ شیخ ملی کی اولاد میں سے اس وقت کچھ لوگ علاقہ یوسف زئی میں اور بعض ہندوستان میں ہیں۔"

سزائیں

تقسیم کے قواعد کے علاوہ شیخ ملی نے اپنی قوم کے لیے ایک ضابطہ اخلاق بھی وضع کر کے رائج کیا تھا۔ یہ ضابطہ اخلاق اکثر و بیشتر شرعی قوانین کے مطابق تھا۔ اور ہر قبیلہ، اور گاؤں میں بعض علماء، مشائخ اور آستانہ دار اس کے اجراء کے لیے مقرر تھے۔ سزائیں شرعی ہوتی تھیں۔ مگر بعض سزائوں کا طریقہ علاقے کے باشندوں کے مزاج کے مطابق ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں اس علاقے کے باشندوں کا اخلاقی معیار اور انفرادی کردار بہت بلند تھا۔ میان معظم کہتے ہیں۔

"یوسف زئی اس وقت بہت خوش اخلاق اور نیک معاش تھے اور قوانین کے مطابق بے نمازوں، جوا بازوں، نشہ بازوں، بدکاروں اور دوسرے فواحش کے مرتکبین کو سزائیں دیتے تھے۔ سارے قبیلے میں اس قسم کی عادات پر سخت پابندی تھی، اس ضابطے کو "شیخ ملی"

کہا جاتا تھا۔ اسی کے ذریعے سال بہ سال رجب کے مہینے میں ساری قوم کی اخلاقی تنظیم کی جاتی تھی۔ محاسبے کے وقت جو لوگ جرائم میں مابخوذ ثابت ہوتے تھے۔ انہیں ان جرائم کے مطابق سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان میں سے بعض سزائیں خاص نوعیت کی ہوتی تھیں مثلاً:

۱۔ لٹھ پر سوار کرنا:

مجرم کو ایک لمبے لٹھ پر بٹھا دیا جاتا تھا اور دو آدمی اسے دونوں سروں سے پکڑے ہوتے تھے اسی پیت سے اسے گاؤں کے گلی کوچوں اور بازاروں میں بھراتے تھے۔ شیوخ اور طلباء اس کے پیچھے ہوتے تھے اور کلمے پڑھتے جاتے تھے۔ جگہ جگہ اسے ٹھیرایا جاتا تھا اور عوام کو اس کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے تھے۔

۲۔ گدھے پر سوار کرنا:

مجرم کو گدھے پر (زین ڈالے بغیر) سوار کرتے تھے۔ ایک آدمی گدھے کے گلے میں رسی ڈال کر جلوس کے آگے آگے گدھے کو پکڑے ہوئے چلتا تھا۔ پیچھے سے سرنا اور تقارے بجائے جاتے تھے۔ شیخ لوگ کلمے پڑھتے جاتے تھے۔ علماء اسے چوک پر ٹھیراتے اور عوام کو برے کاموں سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

۳۔ منہ کالا کرنا:

بعض اوقات جب مجرم کی سزا سنگین ہوتی تھی تو اس کا منہ مسجد کے چراغ کی سیاہی سے کالا کرتے تھے اور کبھی کبھی

اس کی شلوار کو اتار کر اس کی پگڑی باندھتے تھے۔ اور اس میں مردار مرغ، کوئے یا چیل کے پر لگا دیتے تھے ہڈیوں یا پرانی چیلوں کا ہار پہنا کر گدھے پر سوار کرتے تھے اور اس کے پیچھے پیچھے سرنا اور تقارے بجائے جاتے تھے۔ اسے راستوں اور بازاروں میں گھماتے تھے۔ لوگ اس پر گوہر اور گندگی پھینکتے تھے۔ یہ بہت سی سزاؤں کا مجموعہ ہوتا تھا جس میں کمی یا زیادتی ہو سکتی تھی۔

۴۔ سر منڈوانا:

بدکار عورت کی سزا عموماً یہ ہوتی تھی کہ اس کے سر کے بال منڈوا دیئے جاتے تھے۔

۵۔ دروں سے مارنا:

بعض سزائیں خالص شرعی ہوتی تھیں جن میں اسلامی فقہ کی پابندی کی جاتی تھی۔ سزا کی حد بھی اسی اندازے سے ہوتی تھی۔ یہ سزا عموماً بدکار مرد اور عورت کو دی جاتی تھی۔

۶۔ سنگسار کرنا:

بعض ملزم سنگسار کیے جاتے تھے۔ اگرچہ ایسے مواقع بہت کم پیش آتے تھے جب کوئی سنگسار کیا جاتا تھا تو عوام الناس میں سے ہر شخص اس کے پاس سے گزرتے ہوئے تین پتھر اسے مارتا تھا۔ سوات، یونیر اور سمہ کے دیہات میں اب تک بعض ایسے ڈھیر موجود ہیں جہاں کبھی بدکردار سنگسار کیے گئے تھے۔ اب بھی کوئی شخص ان ڈھیروں کے پاس سے گزرتا ہے تو اس رسم کے مطابق

تین پتھر ان کی طرف پھینکتا ہے ان ڈھیروں میں اندین زئی کا خدرے کا ڈھیر خصوصیت کے ساتھ مشہور ہے^۱۔

شیخ ملی کی یہ سزائیں پختونوں کی ان عام روایتی سزاؤں ، جرمانوں اور تاوانوں سے بالکل مختلف تھیں جنہیں پختون سردار ، خوانین یا ان کے جرگے ، حجرے ، گاؤں اور قوم کے رواج کے مطابق دیتے تھے۔

شیخ ملی کے ٹیکس:

شیخ ملی کے مقرر کردہ ٹیکسوں میں ، مسجد کے ڈول ، مسجد کے لیے سوختنی اور عمارت لکڑی ، اور خادم کے لیے محلے کے ہر گھر سے کچھ رقم یا غلہ مقرر تھا۔ اس کے علاوہ قربانی کی کھال بھی مسجد کے لیے وقف تھی ، ائمہ مساجد کے لیے ’ٹل‘ یا خاندان کے اوپر سیری ہوتی تھی۔ یہ سیریاں آستانہ داروں اور مشائخ کی سیریوں کے علاوہ ہوتی تھیں^۲۔ مسجد کی تعمیر ، مرمت اور لپائی میں سارے ٹل والے شریک ہوتے تھے۔ ہر گھر کا کم از کم ایک فرد ضرور حاضر ہوتا تھا۔ جو کوئی ایسے موقع پر حاضر نہ ہوتا تھا۔ تو وہ تاوان ادا کرتا تھا۔ مسجد کے شہتیر ، بلی ، چٹائی اور دیگر ضروریات یا تو قومی جنگل سے پوری کی جاتی تھیں۔ یا چندہ جمع کر کے خریدی جاتی تھیں۔ ان مقررہ اصول کی پابندی آج تک جاری ہے۔ یہ چندہ

(۱) جس جگہ یہ سزائیں دی جاتی تھیں اس جگہ نشانی کے طور پر پتھروں کا ایک ڈھیر بنا دیا جاتا تھا۔ جسے پشتو میں ”ملے“ کہا جاتا ہے۔

(۲) مشائخ اور آستانہ داروں کی یہ سیریاں عموماً دیہات اور قبیلوں کی حد (برید) پر دی جاتی تھیں۔ یہ ان کی دائمی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ بعض سیریاں سرداری یا بزرگی کی بھی ہوتی تھیں۔ جن کی آمدنی سے حجروں کے مصارف پورے ہوتے تھے

دفتر (جائیداد) کے مطابق ہوتا تھا۔ بے جائیداد افراد اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے تھے البتہ ان کے ذمے جسمانی اور بدنی خدمت ہوتی تھی۔ مسجداں مکتب کا کام بھی دیتی تھیں۔ مسجد کے طالب علموں کے لیے (گھروں سے) ”وظیفے“ مقرر تھے۔ یہ وظیفے دونوں وقت (صبح و شام) ایک آدمی ٹکڑوں کی شکل میں ، ہر گھر کے دروازے پر آواز دے کر جمع کرتا تھا۔ پکے طعام کے علاوہ فصل تیار ہونے پر خرمٹوں کے وقت ہر خرمٹ سے خیر زکوٰۃ کے طور پر کچھ غلہ بھی جمع کیا جاتا تھا۔ یہ غلہ طالب علم فروخت کرتے تھے۔ اور حاصل شدہ رقم سے کپڑوں ، جوتوں اور کتابوں کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ اس طرح علاقہ یوسف زئی میں ، شیخ ملی کے نظام کی بدولت تعلیم مفت اور عام تھی۔ اس میں وقت اور عمر کی کوئی قید نہیں تھی۔ مکتب میں لڑکے لڑکیاں مل کر بیٹھتے تھے ، مگر لڑکی جب کچھ بڑی ہو جاتی تھی تو پھر آسے وہاں سے اٹھا کر زنانہ استانیوں کے حوالے کیا جاتا تھا۔ ایسی استانیوں کو کپڑے اور ہابوش کے علاوہ فصل کے موقع پر مقررہ مقدار میں غلہ دیا جاتا تھا۔ اور ہر شادی اور غمی کے موقع پر ان کا اعزازی حصہ ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ تواریخ حافظ رحمت خانی میں قومیت ، حمیت پختونی کردار ، پختونوں کی ناعاقبت اندیشی ، آزاد اور غلام میں فرق ، مغلوں کی سیاسی حکمت عملی پختونوں اور مغلوں کے قدیم مراسم اور تعلقات ، قومی اور انفرادی بدعتیں ، قومی تعصب اور خیر خواہی کے جذبات ، دینی پشیواؤں اور آستانہ داروں کی قدر و منزلت ، مغلوں کی سنگدلی ، پختونوں کی غیرت اور حمیت کے مظاہرے ، سرداری اور بزرگی دینے کے رسوم ، جرگے کا احترام اور صلح و مصالحت کی غرض سے بڑے بوڑھوں اور بزرگوں کو ملنے کی اہمیت ، پختون خواتین

کے کردار، جنگ کے طریقے اور آداب، بعض قلعوں اور حصاروں کی اہمیت، مطربوں اور قوالوں کی حیثیت، پختونوں اور بالخصوص یوسف زئی میں نسب ناموں کے رواج وغیرہ کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔

پیر معظم نے کتاب کے اختتامیہ میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

شکر شکر چہ مکتوب شد

دا کتاب پہ شد اسلوب شد

دا کتاب اول طویل وو

دیر پہ دہ کتبے قال و قیل وو

نور پہ حکم ما د خان

چہ حافظ دے د قرآن

چہ پہ ہند کتبے لکہ نمر دے

تمام ہند پرے مسطور دے

شہادت پور د دہ وطن دے

پہلی بھیت نے اوس مسکن دے

ہجری سن زر سل اتیا دے

یو کال بل ہم پرے بالا دے

غرہ ہم د محرم دہ

دا رنگ یادہ د معظم دہ

پاک مولیٰ د خان معین شد

د پسر چا پہ دا امین شد

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے

کہ یہ کتاب خوش اسلوبی سے مرقوم ہوئی

یہ کتاب پہلے طویل تھی

اور اس میں بہت قال و قیل تھا
پس میں نے اسے خان (رحمت خان) کے حکم سے
جو قرآن کریم کا حافظ ہے۔

جو ہندوستان میں آفتاب کی طرح روشن ہے

اور سارا ہندوستان جس سے منور ہے

شہادت پور (طورو) جس کا وطن ہے

اور اب پہلی بھیت اس کا مسکن ہے

ہجری سن گیارہ سو اسی ہے

بلکہ ایک سال اوپر (۱۱۸۱ھ) ہے

مہینہ بھی محرم الحرام کا ہے

اسی طرح معظم کو یاد ہے

اللہ پاک اس کا معین و مددگار رہے

اور ہر کسی کی اس پر آمین ہو۔

کتاب کی نقل ۲۶ جولائی ۱۸۶۴ء میں مرزا محمد اسماعیل قندھاری نے میجر راورٹی کے لیے تیار کی تھی۔ یہی نسخہ اب برٹش میوزیم لائبریری لندن میں محفوظ ہے کتاب کے سرورق پر میجر راورٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تاریخی اہمیت کا ایک مختصر سا نوٹ بھی ہے۔

پختونوں کے چار علمی گہرانے

پختونوں کے چار بڑے علمی گہرانوں میں تین تو پختونخواہ (اٹک سے اس پار علاقے) میں خاص طور پر ممیز اور مشہور ہیں۔ جن میں پہلا گہرانا اخون درویزہ کا ہے۔ دوسرا خوشحال خان خٹک کا خیل خانہ ہے۔ (جس میں مردوں کے دوش بدوش خواتین بھی شامل

No 20

"The Tarikh -i-Hafiz Rahmat Khani"

This is a copy of a very unique and rare work, containing an account of the movements of the Yusafsaies and other tribes of Pashtonah. I know but of one copy.

(Sd/-) H.W. Rovery, Captain.
3' Regt. Bombay N.I.

Peshawar. 1862.

P.S. During my forty years researches I have never been able to discover but one copy of this work, viz that from which this is taken. I have translated it and it will be included in my History of the afghans, on which I have been at work for many years past.

(Sd/-) H.W. Rovery, Major.
Bombay Army (Retired)

Milverton, Somerset,
January, 1881.

ہیں) ، تیسرا میان صاحب عمر^۱ چمکنی کا گھرانہ ہے اور چوتھا خاندان ہندوستان میں روہیلہ کے نامور سردار شہید حافظ رحمت خان کا ہے۔^۱ جن کی طرف اس کتاب کے علاوہ پشتو لغات ، تواریخ اور پختونوں کے نسب نامے بھی منسوب ہیں ۔

ان خاندانوں نے علوم و فنون کو بالخصوص پشتو زبان و ادب کو فروغ و ترقی دی ہے۔ اور پختون علماء، مشائخ اور شعراء کی قدردانی بھی کی۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان چاروں خاندانوں کی علمی خدمات کے متعلق تحقیق کے بعد پشتو زبان اور ادب کی تاریخ میں انہیں ان کا حق اور صحیح مقام دیا جائے^۲

اختتامیہ :

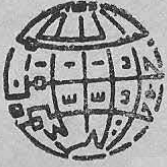
تواریخ حافظ رحمت خانی کے طبع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان واقعات سے عبرت اور سبق حاصل کیا جائے اور قبائلی چپقلشوں اور جنبہ داری کی کشمکش اور چھیڑ چھاڑ کی بجائے سارے پختون ایک اسلامی وحدت میں پرو دئے جائیں اور مشترک برادری اور مساوات کا وہ اسلامی جوہر پھر سے زندہ کر دیا جائے جس نے پختون قوم کو بہت زمانے تک دنیا کی قوموں میں افضل اور سرفراز کیا تھا ۔

محمد نواز طائر

ایم اے (جغرافیہ) ایم اے (فارسی) ایم اے۔ آنرز (پشتو)
پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی

(۱) اس خاندان کے بہت سے افراد تقسیم ملک کے بعد پاکستان آ گئے ہیں

(۲) پشتو زبان و ادب کے علاوہ دیگر زبانوں اور مختلف علوم و فنون میں بھی ان خاندانوں نے علمی کی خدمات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔



تواریخ حافظ رحمت خانی

حمد و ثناء ہے اس مالک الملک کی جس کے جلال کے
قصر کبریائی کا میفاز اس سے بہت بلند و ارفع ہے کہ خواص و عوام
کے اوہام کا کمند وہاں تک پہنچ سکے اور جس کے کمال لامحدود
کی فضا اس سے بہت وسیع ہے کہ پروں والے مرغانِ نفوس فلکی
اور فرشتے وہاں تک پہنچنے کے لیے پر تول سکیں۔

کس زبان سے بیان کیا جائے کہ لوٹِ امکان سے آلودہ کو
مقدس مطلق سے کیا آگاہی ہے، اور زوایدِ عدم کے قیدی کو
ذاتِ بحت کے ساتھ کیا ہمراہی ہے۔ جس جگہ ملکِ نبوت کے
والی اور ولایتِ فصاحت کے تاج دار نے جس کا مقولہ شریفہ ہے
کہ میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح ہوں، اپنے عجز کا اعتراف
کیا ہے اور اپنی زبانِ مبارک سے لائحہِ صی (میں اللہ کی تعریف کا حق ادا
کرنے سے قاصر ہوں) فرمایا ہو تو دوسرے کسی کو کہنے کا کیا حق
ہو سکتا ہے اور دوسرے کسی کو تگ و پو کی کیا مجال۔

دل زکجا این پر و بسال از کجا

من کہ و تعظیم جلال از کجا

اللہ پاک وہی ہے جس نے خود فرمایا ہے اور اس کی ثنا کے گوہر اسی طرح ہیں جس طرح اس نے خود پروئے ہیں۔ 'سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون' اس قول کے مطابق 'پاک ہے اس ذات کے لیے جس کے دست قدرت میں ہر شیء کا اختیار ہے، اور سب اسی کی طرف لوٹیں گے۔ اور درود ہو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر پر، کہ جس کے متعلق فرمودہ الہی ہے کہ 'وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین' ہم نے آپ کو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور کونین کے ممالک اس کے محبوب بندوں کی سرحدیں ہیں۔ کس استعداد سے لکھا جائے، جس جگہ کہ واجب الوجود نے خود لولاک سے آپ کی توصیف فرمائی ہے اور آپ کے دین کو سارے قدیم دینوں اور ملتوں کا ناسخ بنایا اور اہل بیت اطہار اور اصحاب کرام سے آپ کی تائید فرمائی ہے۔ دوسرے کسی شکستہ زبان کو زبان کھولنے کی کیا مجال، اور دوسرے پریشان رائے کی کیا قدرت کہ آپ کی توصیف و ثنا میں سخن آرائی کرے۔

ورا عز لولاک تمکین بس است

ثنائے اوطله و یسین بس است

اس کے لیے لولاک کا اعزاز کافی ہے اور اس کی ثنا کے لیے طالع و یسین بس ہے۔ درگاہ صمدیت کے اس محبوب اور بارگاہ احدیت کے اس مقبول کے قربان جاؤں جس کی قامت زیبا پر 'لی مع اللہ وقت' (اللہ کے ہاں میرے لیے ایک خاص وقت ہے) کی قبا رات آئے اور جس کا مقام یہ ہو کہ وہ تمام انسانوں کا سردار ہو 'انا سید ولد آدم' (میں اولاد آدم کا سردار ہوں)

اللہم صلی علی محمد وعلی آلہ اطہار و صحبہ الاخیار الی یوم القرار

اے میرے اللہ محمد علیہ السلام پر رحمت بھیجیں اور ان کے پاک اہل بیت اور ان کے بہترین اصحاب پر قیامت کے دن تک۔ (آمین) حمد و ثنا اور درود کے بعد اس کتاب کا لکھنے والا اور اسے مرتب کرنے والا بندہ ناچیز پیر معظم شاہ ولد پیر محمد فاضل مغفور و مرحوم جو موضع پیر سہیاک تعلقہ شہر پشاور (تحصیل نوشہرہ) کا باشندہ ہے اس طرح عرض کرتا ہے کہ عمدة الامراء العظام اسوة الکبرا الفخام خان عالی شان حافظ الملک و الفرقان خان رحمت خان، اللہ تعالیٰ اسے زمانے کے انقلابات سے سلامت رکھے۔

نظم

آنکہ از رانش عروس ملک را
رونق و حسن و جمال و زیور است
ظاہر رش بر جادہ شرع رسول
باطنش پردم یاد داور است
پر چہ در مدحش نوید کلک فہم
ذات عالی را سزاوار خور است

وہ ہستی جس کا جھنڈا ملک کی دلمن کے لیے رونق، حسن، جمال اور زیور ہے، اس کا ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہے اور باطن پردم یاد الہی میں مشغول۔ فہم کا قلم جو کچھ بھی اس کی مدح میں لکھے گا وہ اس کی ذات عالی کے لائق و سزاوار ہوگا۔

حافظ رحمت خان مختلف فنون کی کتابوں اور ہر قسم کے نسخوں کے مطالعہ کی پوری الفت اور بدرجہ اتم رغبت رکھتے ہیں۔ اتفاقاً ایک دن ایک کتاب تواریخ افغانہ کا مسودہ جو خضی (خشی) اور غوری (غوریا خیل) اقوام کے حالات پر مشتمل اور فارسی آمیز پشتو میں بیشتر یوسف زئی کے حالات کا حامل تھا اور عارف بے بدل شاہراہ علم و عمل کے سالک آخوند درویش صاحب کی تذکرہ نامی کتاب کے حالات کے مطابق تھا۔ سرکار فیض آثار نواب معاشی القاب خان بہادر قوم افغان کے خان غوریا خیل خصوصاً داؤد زئی کے خان (اللہ ان کی قبر کو ان پر کشادہ کرے اور جنت ان کا ٹھکانا بنائے) کے کتب خانہ خاص شہر شاہجہانپور سے پہنچ گیا اور ان کی (حافظ الملک کی) نظر کیجیا اثر سے گزرا۔ (اللہ تعالیٰ ان کے اقبال کو بلند کرے۔ اور ان کے اجلال کو دوگنا اور ان کے ہر کام کا انجام بخیر کرے) چونکہ جناب فیض ماب حافظ الملک اپنے وقت کے محقق اور

مدقق منفرد ہیں۔ اس لیے انہوں نے جب اس مسودے میں بعض واقعاتِ نادارہ اور حکایات عجیبہ کو دیکھا اور تذکرہ سے تطبیق و تصدیق کرائی تو انہیں یہ مسودہ بہت پسند آیا۔ مگر چونکہ مسودے کے مصنف سے عبارت کی خامیاں رہ گئی تھیں اور فضول اور بے فائدہ تکرار بھی تھی، اس لیے ان کی خاطر میں قبولیت کا شرف حاصل نہ کرسکا۔ چنانچہ اس فقیر ذرہ نظیر، بے مایہ، قلیل الاستطاعت سے جو ان کے دعاگوؤں میں ایک کمترین اور حضور ہرنور کے ملازموں میں سب سے گیا گزرا ہے، فرمایا کہ اگر یہ کتاب اس طریقے سے مرتب ہو جائے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں جلدی آجائے اور مقصد بھی فوت نہ ہو۔ نیز اس کے مطالعہ سے کسی کے خلاف دل میں ملامت اور طبیعت میں کدورت

پیدا نہ ہو تو بہت ہی اچھا ہو۔ چنانچہ اس امر کے مطابق اس کتاب کا اس طرح اختصار کیا گیا کہ عبارت کم کردی گئی لیکن عبارت کے معنی اور اس کی جامعیت پر اس کا اثر نہیں پڑنے دیا گیا۔ اس طرح کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی سمٹ آئے ہیں۔ اور فضول عبارتوں سے پاک کر کے جدید تبویب میں اسے مقاماتِ سبعہ میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اب اسے تواریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ نستمین واللہ المستعان علی ماتصفون۔

آغاز کتاب (تواریخ افغانہ) مصنف اول (خواجو) بیہیمیت

خار تر خدایہ شم پہ دا ہسے قدر تو نہ
 چہ آدم حوالا نہ ووتا ہالہ کپیل قلمونہ
 قدر تو نہ دہکارہ کرہ
 تا پیدا کرہ اووہ زمکے آسمانوںہ
 دغے زمکے قرار نہ کر
 تا پرے کپیل درانہ درانہ لوے غرونہ
 تر دے غرونو دیر درانہ دی
 معتبر د دین سرونہ
 د سرونو خانے دے جوہ کر
 د گور غار، تنگہ خونہ
 ہغہ خانے لہ بہ ورشو
 چہ نہ لار لری نہ ورونہ
 یوہ ورخ بہ پکشیے شد شو
 تر قیامت بہ پکشیے یو نہ
 لہ غونی سری پوششی
 چہ د یوسف زو وو کوم سلکونہ
 سلک نے نشکے، مینہ نے کارے
 غوریہ خیل کا تر اوہ پیغورونہ
 غوریہ خیالہ! پیغور نہ کرہ!
 تہ، خشیے یستی سرہ ورونہ
 خشیے ستا لہ لاسہ راغے
 ہالہ تہ زورور وے پہ سرونہ

اللہ کے قربان جاؤں، اس کی ایسی قدرتوں پر
 کہ آدم و حوا ابھی نہیں تھے اور تو تقدیریں لکھ رہا تھا۔
 آپ نے اپنی قدرتیں ظاہر کر دیں۔
 آپ نے سات آسمان اور زمین پیدا کر دیئے۔
 یہ زمین قرار نہیں پکڑتی تھی۔
 آپ نے اس پر بڑے بڑے بھاری پہاڑ رکھ دیئے۔
 ان پہاڑوں سے بھی بہت بھاری ہیں
 دین کے معتبر پیشوا۔
 لوگوں کی جائے اقامت بنائی آپ نے
 گور کی تنگ و تاریک کوٹھری
 اس جگہ میں ہم سب چلے جائیں گے،
 جس کا نہ کوئی راستہ ہے نہ دروازہ۔
 ایک دن اس میں بند ہو جائیں گے
 اور قیامت تک اس میں رہیں گے۔
 اگلے لوگ پوچھتے ہیں:
 یوسف زئی کا ملک و وطن کون سا تھا؟
 (انہیں بتا دو) یوسف کا ملک ”نشکے“ تھا اور
 ”گاڑے“ بسیرا۔
 جس پر غوریا خیل (خلیل وغیرہ) ابھی تک طعنے دیتے ہیں۔
 اے غوریا خیل! طعنے مت دو،
 تم اور خخی (خشی) تو آپس میں بھائی بھائی ہو۔
 لیکن خخی (خشی) تمہارے ہاتھوں تنگ آکر
 وہاں سے چلا آیا۔
 اس وقت تم اپنے جوانوں کی کثرت کی بدولت طاقتور تھے۔

مقام اول

در ذکر اوطان اصلی اقوام خشی و غوری خصوصاً قوم یوسف زئی وغیرہم من توابع ایشان و ممبب ارتحال ایشان از آنجا و آمدن بہ مضافات دارالسلطنت کابل و مخالفت میرزا الغ بیگ شاہزادہ با قوم یوسف زئی و کشتہ شدن سرداران یوسف زئی از دست او و آمدن ایشان از آنجا بہ مضافات شہر پشاور وغیرہ کہ بالفعل در آن متوطن اند۔

اقوام خشی (خشی) اور غوریا خیل خصوصاً قوم یوسف زئی وغیرہ، ان کے توابع کے اصلی اوطان، وہاں سے ان کے قتل مکانی کرنے کے سبب، مضافات دارالسلطنت کابل آنے، میرزا الغ بیگ شاہزادہ کی یوسف زئی کے ساتھ مخالفت، اس کے ہاتھوں یوسف زئی کے سرداروں کے قتل اور ان کے کابل سے پشاور اور اس کے مضافات کی طرف آمد کے بیان میں جہاں وہ اب متوطن ہیں۔

کہتے ہیں کہ یوسف زئی (مقام ”گاڑہ“ (گڑ کوہ) اور ”نشی“ میں اور غوریا خیل خصوصاً خلیل ترنگ، مقر اور قرہ باغ میں آباد تھے۔ کسی سبب سے ان دونوں میں آپس میں لڑائی ہو گئی۔ غوریا خیل نے سارے خشی (خشی) کو شکست دے دی اور ملک ان سے چھین لیا۔ چنانچہ کل خشی (یوسف زئی، گگیانی اور ترکلانی، بلکہ محمد زئی بھی) اپنے قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے نشیب کی طرف چل کر کابل آ گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

رفتہ رفتہ یوسف زئی کابل کے نواح میں بہت بڑے دہلیے اور شوکت کے مالک ہو گئے اور کابل کے مضافات کے تمام حدود کو اپنے زیر تصرف لے آئے۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں مرزا الغ بیگ شاہزادہ ابو سعید بہادر تیموری کا بیٹا بہت ہی کم عمری اور خورد سالگی میں معدودے چند مغلوں کے ساتھ ماورا النہر سے کابل آیا۔ شکستہ حال اور پریشان روزگار تھا۔ اس وقت تمام اقوام خشی (خشی) کا سردار ملک سلیمان شاہ بن ملک تاج الدین بن ملک رزڑ تھا۔ سلیمان شاہ سے مرزا الغ بیگ کا تعلق ہوا تو دونوں کے درمیان بے حد محبت ہو گئی۔ یہاں تک کہ ملک سلیمان شاہ نے اپنی لڑکی مرزا الغ بیگ کے نام منسوب کر دی۔ سلیمان شاہ نے اسے ہمیشہ اپنے زانو پر بٹھائے رکھا، اسے

بیٹوں کی طرح پالا اور اس کی تربیت کی۔ یہاں تک کہ یوسف زئی قبیلہ گویا کہ مرزا کا لشکر ہو گیا۔ اس پرورش اور تربیت سے سلیمان شاہ کی غرض یہ تھی کہ یہ شہزادہ ہے۔ جب بڑا ہو جائے گا، بادشاہ بنا لوں گا۔ اس کی حکومت میری ہو جائے گی اس طرح خشی (خشی) بالخصوص یوسف زئی بہت معزز اور صاحب جاہ ہو جائیں گے۔ ایک روز مرزا الغ بیگ سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً ادھر سے قدوة المکاشفین شیخ عثمان بن سوتی ملی زئی کا گزر ہوا۔ شیخ عثمان اس زمانے کے صاحب کشف بزرگی اور مشاہیر اولیاء میں سے تھے اور یوسف زئی کے لوگ ان کے بہت گرویدہ اور معتقد تھے۔ شیخ عثمان قدس سرہ نے مرزا مذکور کو سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا دیکھا تو ملک سلیمان شاہ سے فرمایا ”ملک صاحب یہ کیا کر رہے ہو؟“ سلیمان شاہ نے جواب دیا۔ ”یہ شہزادہ ہے، کھلاتا ہوں کہ اگر بادشاہ ہو جائے تو اس کی سلطنت میری ہو جائے گی۔ اور میری قوم اس سے معزز اور موقر بن جائے گی۔“ شیخ نے فرمایا کہ:- ”اس نوخیز نوجوان کی آنکھیں بیزید کی آنکھوں کی طرح ہیں جس نے صحابہ کو قتل اور ہلاک کر دیا تھا۔ اس طرح یہ بھی تمہاری قوم کو ہلاک کر دے گا۔“

ملک سلیمان شاہ نے کہا شیخ جیو! ایسا نہ فرمائیں۔ یہ باتیں آپ کے شایان شان نہیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی اور کو اس کا علم ہو جائے۔ بادشاہ لوگ کسی کا احسان فراموش نہیں کرتے۔ یہ بادشاہ زادہ ہے۔ جب بادشاہ ہو جائے گا، اختیار میرے ہاتھ میں آجائے گا۔ جس سے میری قوم محترم ہو جائے گی۔ شیخ نے فرمایا، کہ بہت اچھا ملک صاحب! میں نے تو خبردار کر دیا۔ آگے آپ کی مرضی، پھر نہ کہنا کہ آپ نے کہا

نہیں تھا۔

ملک سلیمان شاہ نے شہزادہ مذکور کو بہ طریق مسطور پال پوس کر بڑا کیا اور اس کی کماحقہ تربیت کر کے کمال تک پہنچایا۔ بعد ازاں اسے کابل کا بادشاہ بنایا۔ خطبہ اور سکھ اس کے نام کے جاری ہو گئے۔ مستقل بادشاہ بن گیا۔ ممالک کو تصرف میں لے آیا۔ فوج بھی زیادہ ہو گئی۔ مغل بھی اطراف و جوانب سے آکر اکٹھے ہو گئے اور کابل پایہ تخت ہو گیا۔ اس وقت تک تمام کاروبار حکومت سلیمان شاہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ابن وجہ یوسف زئی صاحب جمعیت بن گئے اور کابل میں انہیں پورا تسلط ہو گیا اور معاملات حکومت میں رسوخ پیدا کر لیا۔

جن ایام میں مرزا الغ بیگ کابل کا بادشاہ ہو گیا تو بڑی جمعیت اور دبدبہ پیدا کیا۔ اور ملک تاج الدین کے چھ یا سات بیٹے تھے، جن میں سے ہر ایک نامی و گرامی تھا۔ پہلا ملک سلیمان شاہ تھا، جو سالہا سال تک اقوام خشی (خشی) کی مستند ریاست و امارت پر پورے استقلال کے ساتھ متمکن رہا۔ دوسرا سلطان شاہ تھا، جو ملک سلیمان شاہ کا باپ جایا بھائی اور ملک احمد کا باپ تھا۔ اور ہوشیدہ نہ رہے کہ ملک احمد یوسف زئی کے ممالک کا فاتح اور عظیم الشان ملک تھا۔ بلکہ خشی (خشی) کے تمام ممالک کا فاتح تھا۔ اس کے حالات اپنے محل میں ذکر کیے جائیں گے۔ تیسرا بہرام تھا، جو تاجروں اور راستوں کے کاروانوں سے محصول وصول کر کے جمع کرتا تھا۔ چوتھا خیرالدین اور پانچواں پائندہ تھا، جسے انتہائی زور و قوت اور جسامت کی عظمت کے سبب لوگ ہاتھی کہتے تھے۔ اور اس کے دوسرے بیٹوں کے نام ہمیں معلوم اور مستحق نہ ہوئے۔

یوسف زئی اور گگیانیوں کی مخالفت

فاطمہ نامی سلطان شاہ کی بیٹی اور ملک احمد کی بہن تھی۔ یہ نہایت حسین و جمیل اور کنواری تھی، جسے شبلی ابن توری اور حسن ابن چنگا کے عزیزوں (میں سے کسی کے ساتھ) منسوب کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا تھا۔ شبلی ابن توری اور حسن بن چنگا دونوں چنگازی، موسیٰ زئی گگیانی تھے اور اس وقت گگیانیوں میں سرداری اور ملکی انہیں دونوں کی تھی۔ مرزا الخ بیگ کے ہاں بھی یہ دونوں بہت پیش پیش تھے۔ اور مرزا ان پر حد سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ یہ دونوں لوگوں کی چغلیاں کھانے میں مشہور تھے۔

فاطمہ کی نسبت کا وعدہ ابراہیم بن گدائی الباس زئی، یوسف زئی سے بھی کیا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فاطمہ کی نسبت ایک گگیانی سے کر دی گئی ہے تو اس نے اسے اغوا کر لیا اور کابل سے کورسہ لے آیا۔ جو خیشکیوں کا مقام و مسکن ہے۔ گگیانیوں نے اسے سلیمان شاہ وغیرہ یوسف زئیوں کی ملی بھگت سمجھا۔ اسی سبب سے گگیانیوں کی نیت یوسف زئیوں کے حق میں خراب ہو گئی۔ مگر یوسف زئی چونکہ ہر طرح سے غالب اور صاحب قوت تھے اس لیے گگیانی ان پر قابو نہیں پاسکتے تھے۔ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یہ کسی طرح قابو میں آجائیں اور اگر موقع ہاتھ لگے تو یوسف زئیوں کے ساتھ برا سلوک کریں۔ ادھر مرزا الخ بیگ بھی جب مستقل بادشاہ ہو گیا تو یوسف زئی کی طرف سے اس کا خیال بدل گیا۔ یوسف زئی ہر حیثیت سے غالب تھے۔ وہ مرزا الخ بیگ کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنی مرضی کے مالک تھے۔ ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی جو کچھ کرنا چاہتے

تھے وہی ہوتا تھا۔ اس وقت یوسف زئیوں کا ظلم و تعدی بھی کابل شہر اور دیہات میں حد سے زیادہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ سپاہی، شہری اور عوام ان کے ہاتھوں اپنی زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ بد اخلاق، دست درازی، شراب خوری اور دوسرے فسق و فجور کے کام ان کا پیشہ بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ مرکت (میر گٹ) کا بیٹا اسمعیل (نوری زئی) یوسف زئی کی بددستی اور شراب نوشی کا یہ عالم تھا کہ امیل اور عزت دار لوگوں کو زبردستی پکڑ کر شراب کے ایک پیالے کے عوض فروخت کر دیتا تھا۔ کابل کے بازار میں دھونس اور دھاندلی سے چیزوں کے نرخ کم کر کے انہیں خرید لیتا تھا اور کوئی بھی اس کی روک تھام نہیں کرسکتا تھا۔

گگیانی قوم پر مرزا الخ بیگ کی جڑھانی

الغرض ایک طرف تو یوسف زئیوں کا زور اور ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تھا مگر کسی کو ان سے باز پرس کی جرات نہ ہوتی تھی۔ دوسری طرف فاطمہ کے اغوا کے واقعے کے سبب یوسف زئی اور گگیانی کے مابین منازعت شروع ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گگیانیوں کی طرف سے بھی دست اندازی ہونے لگی اور ایک مستقل فتنہ قائم ہو گیا۔

مرزا الخ بیگ اور مغلوں کو اس سے نہایت خوشی ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان تفاق کا بیج پڑ گیا، مخالفت پیدا ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ و شوں کی طرح الگ ہو گئے۔

مرزا الخ بیگ کا خیال تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس طرح دونوں اس کے محتاج ہو کر قابو میں آجائیں گے۔ اس نے اپنے سرداروں سے بھی مشورہ کیا اور کہا کہ اچانک فوج کشی کر کے پہلے

گگیانیوں پر ہلہ بول دینا چاہیے اور انہیں تاخت و تاراج کردینا چاہیے۔ یوسف زئی اور گگیانیوں کی مثال دو بازوؤں کی ہے، ایک بازو ٹوٹ جائے گا یعنی گگیانی زبرو زبوں ہوجائیں گے تو یوسف زئی بھی ہمارے محتاج ہوجائیں گے۔ کیوں کہ وہ تنہا رہ جائیں گے۔ گگیانیوں پر چڑھائی اور انہیں تاراج کرنے کا یہ مشورہ مرزا نے ملک سلیمان شاہ کے ساتھ بھی کیا۔ ملک سلیمان شاہ ایک جہاندیدہ اور دوربین شخص تھا۔ اس نے ظاہر میں تو مرزا الغ بیگ کی ہاں میں ہاں ملا دی مگر اس کا دل گگیانیوں کے قتل و غارت پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ جب مرزا الغ بیگ لشکر لے کر گگیانیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور سلیمان شاہ کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے خفیہ طریقے سے گگیانیوں کو اطلاع بھیج دی کہ مرزا الغ بیگ تمہیں تاخت و تاراج کرنے آیا ہے، وہ تمہیں تباہ و برباد کر دے گا، تم خبردار رہو اور اپنی قوم کو اس سے بچو۔ گگیانی یہ خبر ملتے ہی وہاں سے بھاگ کر دوسرے مقام کو چلے گئے۔ مرزا الغ بیگ جب وہاں پہنچا۔ تو گگیانیوں کو وہاں نہ پایا۔ جس سے اسے بڑا صدمہ پہنچا۔ اس نے اپنے لشکر سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے گگیانیوں کو پہلے ہی سے اطلاع دے دی۔ اس لیے وہ اپنی جگہ سے بھاگ گئے ہیں۔ لشکریوں نے کہا۔ واللہ اعلم کس نے انہیں اطلاع دی۔ اب گگیانی لوگ ایسے مقام کو پہنچ گئے تھے کہ مرزا ان کا نہ پیچھا کر سکتا تھا اور نہ ان کو قابو میں لاسکتا تھا۔ آخر مرزا الغ بیگ وہاں سے سایوس اور شرمندہ آٹھے پیروں واپس آیا۔

کابل پہنچ کر اس نے بہت کھوج لگایا اور تحقیق کی کہ آیا اس کی بلغار سے گگیانیوں کو کس نے مطلع کر دیا تھا۔ آخر جب

چند دن گزر گئے تو گگیانیوں نے بے وفائی کر کے مرزا الغ بیگ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں آپ کی بلغار کی اطلاع آپ کے مدارالمہام ملک سلیمان شاہ نے دی تھی۔ اسی نے اپنا ایک معتمد شخص تیز دوڑا کر بھیجا اور ہمیں حقیقت حال سے آگاہ اور واقف کر دیا۔ اس لیے ہم اپنی جگہ سے بھاگ گئے اور تمام اثاثوں کے ساتھ ایسی جگہ چلے گئے جو آپ کی دسترس سے باہر تھی۔ اس وجہ سے آپ ہم پر قابو نہ پاسکے۔ یہ بات سننے کے بعد مرزا اور دوسرے مغلوں کی آزدگی ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم سے حد کمال کو پہنچ گئی اور سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم کے ساتھ مرزا الغ بیگ کا بغض و حسد انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ رات دن ان کی بیخ کنی کی تدبیریں سوچنے لگا اور اپنے مقربین کے ساتھ ہر وقت خلوت و جلوت میں مشورے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن مرزا الغ بیگ نے گگیانیوں میں سے موسیٰ زئی کے دو سرداروں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری کو جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، اپنے حضور میں بلا کر صلح کر لی اور انہیں قسم قسم کے اعزازات و مدارات سے سرفراز کرنے کے بعد کہا کہ میں تمہارا افواج کے ساتھ تمہارا معاون و مددگار ہوں اور یوسف زئی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ مجھے ان کا اعتبار نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم جاکر اپنے لشکر جمع کرو اور پوری مستعدی کے ساتھ یوسف زئیوں سے جنگ کے لیے نکل آؤ۔ ہم بھی تمہارے شامل حال ہوجائیں گے۔ یوسف زئی تمہارے بھی دشمن ہیں اور میرے بھی۔ جب بھی بس چلے ان کی رعایت نہ کرو۔ اس پر فریقین نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں اور قول و قرار ہوا۔ مرزا نے کہا کہ پہلے تم یوسف زئی کے مقابلے میں نکلو، جنگ شروع کرو، میں بھی فوراً اپنی جمعیت کے ساتھ پہنچ جاؤں گا۔

بالآخر گگیانیوں کے ملک مرزا الغ بیگ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچ گئے جو کابل کے نواح میں آباد تھی۔

یوسف زئیوں کی مرزا الغ بیگ اور گگیانیوں سے جنگ (جنگ غورہ مرغہ)

گگیانی اپنا لشکر جمع کر کے پوری طرح تیار ہو گئے تو یوسف زئیوں کے مقابلے میں جنگ کے لیے میدان میں نکل آئے۔ حسب قرار داد مرزا الغ بیگ بھی ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ آکر گگیانیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور ہیئت اجتماعی کے ساتھ یوسف زئی کی طرف بڑھنے لگے، کچھ گگیانی فوج سے آگے نکل گئے اور یوسف زئیوں کے مویشی پکڑ لائے۔ یوسف زئی کو اطلاع ملی تو جگہ جگہ سے مسلح ہو کر ان کے تعاقب میں نکلے۔ گگیانیوں نے یوسف زئیوں کا لشکر دیکھا تو گگیانیوں اور مغلوں کا لشکر چار صفوں (قطاروں) میں تقسیم ہو گیا۔ یوسف زئیوں نے انہیں چار صفوں میں دیکھا تو خود بھی چار صفیں بنائیں اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر مقاتلے اور مقابلے کی نیت سے آمنے سامنے آ گئے۔ اور دونوں لشکروں کے درمیان عظیم جنگ واقع ہو گئی۔ لیکن یوسف زئی ان پر ایسے ٹوٹ کر گرے اور مردانگی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مغل اور گگیانی دونوں کو مغلوب کر کے شکست فاش دے دی۔ بہت سے مغلوں اور گگیانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میدان جنگ جو کابل کے نزدیک ایک سبزہ زار تھا۔ مغلوں اور گگیانیوں کے مقتولین کے خون سے سرخ اور تر بہ تر ہو گیا۔ اسی لیے اس میدان جنگ کا نام 'غورہ مرغہ' یعنی خون سے تر میدان پڑ گیا۔

اہل افغان آج کے دن تک اس جنگ کو "غورہ مرغہ کی جنگ" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس جگہ کو غورہ مرغہ (خون سے تر میدان) کے نام سے بکارتے ہیں۔

الغرض جب مرزا اور گگیانی دونوں شکست کھا گئے تو مرزا کابل لوٹ گیا اور گگیانی اپنی اپنی بستیوں میں چلے گئے۔ مرزا اس واقعہ پر بیحد شرمندہ تھا۔ اسے اس شکست پر بہت ملال ہوا۔ اس کے دل میں یوسف زئیوں کے خلاف غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ اس نے حسن ابن چنگ اور شبلی ابن توری گگیانی سے کہا کہ یوسف زئیوں کے نیست و نابود اور قتل کی فکر پھر سے کرنی ہے۔ حسن اور شبلی نے اسے مشورہ دیا کہ: یوسف زئی نرمی اور دلا سے کے بغیر قابو میں نہ آسکیں گے۔ آپ ان سے صلح کی بات چیت کریں اور آشتی کا رویہ اختیار کریں۔ اس طرح شائد وہ دھوکا کھا جائیں اور آپ کے ہاتھ آجائیں۔ مرزا نے کہا کہ اگر میں ان کے ساتھ صلح کر لوں اور مدارات اور ملائمت سے انہیں یہاں لے آؤں تو ان کی ہڈی (اور زور) کون توڑے گا۔ اور کون انہیں قتل کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ عذر و معذرت اور دلا سے ان کے سرداروں اور جوانوں کو بلا لیں۔ پہلے انعام و اکرام سے نوازیں پھر انہیں قابو میں کر کے ان کے ہاتھ بندھوائیں اور ہمارے حوالے کر دیں انشاء اللہ ہم انہیں تمہیں تیغ کر دیں گے۔

جب مرزا اور گگیانیوں کے سرداروں حسن، شبلی وغیرہ کے درمیان یہ بات طے پا گئی اور وعدہ مستحکم ہو گیا تو مرزا نے عذر و معذرت شروع کی اور یوسف زئی کے سرداروں کو ایسے خطوط لکھے جو لطف و مہربانی اور انعام و اکرام کے مضامین پر مشتمل تھے۔ یہ خطوط اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ بھیج دئے۔ (جن کا

مضمون یہ تھا) کہ میں نے آپ کے کردہ و ناکردہ اور دانستہ و نادانستہ تمام گناہوں کو اپنے خلوص و صفائے قلب سے معاف کر دیا۔

پس آپ لوگ آئیں، اور صلح و آشتی کے ساتھ یگانگت کے تعلقات کو ایک دوسرے کے ساتھ پھر مستحکم کر دیں اور جس طرح پہلے اخلاص و محبت سے باہم زندگی بسر کرتے تھے اسی طرح پھر زندگی گزاریں۔ مرزا نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ کچھ نقد روپے بھی بطور تحفہ بھیج دئے۔

مرزا کے آدمی پر خلوص اور محبت آمیز خطوط اور گراں قدر رقومات کے ساتھ یوسف زئی کے پاس پہنچ گئے، تو یوسف زئی کے سردار مرزا الغ بیگ کے فریب میں آگئے اور اس ضرب المثل کے مطابق کہ:

(زر بلا دی اصیل بندہ کا

چہ طمع نہ وی پہ شاہانو بہ خندہ کا

زر ایسی بلا ہے جو اصیل (اور شریف) کو غلام

بنا دیتی ہے۔ اور جس میں طمع نہ ہو وہ بادشاہوں

پر بھی ہنستا ہے۔)

یوسف زئی سردار ان خطوط اور رقومات سے ایسے متاثر ہوئے

کہ انہیں آپس میں تقسیم کر لیا اور اصل منصوبے سے غافل ہو کر ان کے جال میں پھنس گئے۔ یوسف زئی خوش ہو کر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کتنا اچھا ہوا کہ مرزا اور لگیاہیوں کو شکست بھی دی، فتح بھی ہمیں نصیب ہوئی اور مرزا ہمارا پھر محتاج ہو گیا۔

اب منت سماجت اور زاری و الحاح کے ساتھ ہمیں بلاتا ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اب وہ ہمارے ساتھ یقیناً اچھا سلوک کرے گا۔ آخر اس بلاؤں پر ہم نے عقل یوسف زئی راضی ہو گئے اور مرزا کے اخلاص پر اعتماد اور بھروسہ کر لیا۔

سلیمان شاہ یوسف زئی سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ مرزا کے آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو کر مرزا کی خدمت میں کابل پہنچ گئے۔ مرزا بڑی اپنے امیروں سمیت یوسف زئی کے ملکوں کے استقبال کے لیے نکل آیا تھا اور پوری عزت کے ساتھ انہیں اپنے محل میں اتارا۔ اور درجہ بدرجہ قیمتی خاکیں پہنائیں اور رقم وافر مرحمت کی۔ مہربانیوں اور شفقتوں بوری توجہ مبذول فرمائی۔ جب تک یوسف زئی سرداروں کی جماعت مرزا الغ بیگ کے حضور میں رہی مرزا روزانہ ان کی مہمانی میں مصروف اور محفلیں منعقد کرتا رہا۔

اتفاقاً ایک دن مرزا نے اپنے مصاحبین کے ہمراہ یوسف زئی سرداروں کے ساتھ شراب نوشی کی۔ اتفاق سے اس دن چند خوش رنگ اور سن چلے دلیر اور شرابی نوجوانوں نے جو یوسف زئی سرداروں کے ساتھ شہزادہ کی خدمت میں آئے ہوئے تھے، ہرزہ سرائی کی اور خرافات بک کر بدخصلتی کا مظاہرہ کیا۔ اور مرزا کو کالمعدوم (غیر حاضر) تصور کر کے بے حد بے شعوری اور مخموری کے عالم میں اپنی تلواریں اور پیش قبضیں نیاموں سے نکال کر دیواروں اور ستونوں پر ضربیں لگاتے، اور بے انتہا دست اندازیاں اور بد تمیزیاں کرتے رہے۔

ان کی یہ مستی اور بدتمیزی مرزا اور دوسرے مغلوں کو بہت بری لگی۔ مگر یوسف زئی کے (خوف) اور لحاظ سے قطعاً دم تک نہیں مار سکتے تھے۔ اس واقعہ سے مرزا اور مغلوں کا جذبہ قہر و غضب یوسف زئی کے حق میں اور بڑی تیز ہو گیا۔ مگر چونکہ یوسف زئی سب کے سب مسلح ہو کر آئے تھے اس لیے مرزا اور مغلوں کا ان پر بس نہ چل سکا۔ مرزا مصلحتاً بھی خاموش رہا۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور ان کے گھروں کو رخصت کیا۔

چونکہ یوسف زئی سردار بے حد سرفرازی کے ساتھ اپنی قوم میں

لوٹ کر گئے تھے اور وقتی طور پر بہت خوش تھے اس لیے پہلے سے بھی زیادہ بد مست اور متکبر ہو گئے اور عاقبت نااندیشی میں اور بھی ظلم و زیادتی کرنے لگے۔

مرزا الغ بیگ کا یوسف زئیوں کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا

چند دنوں کے بعد مرزا نے دوسری بار عذر خواہی کی بنیاد رکھتے ہوئے ملک سلیمان شاہ اور دوسرے یوسف زئی سرداروں کے نام اس مضمون کا فرمان لکھ بھیجا کہ :- میں نے شاہی ضیافت کرنے اور آپ سب کو ہر کسی کی شان کے لائق اعلیٰ خلعتوں اور بڑے بڑے انعامات دینے کا دل میں فیصلہ کیا ہے اس لیے لازم ہے کہ آپ سب حاضر ہو جائیں تاکہ ہر ایک کو شاہی مرحمتوں سے سرفراز کروں۔

جب یوسف زئی کے کان میں یہ بات پہنچی تو اپنی بے عقلی اور بے فکری کے سبب امید واری کے شوق و مستی میں ایسے مستغرق ہو گئے کہ مرزا الغ کے عزائم اور اس کے ارادوں کو نہ بھانپ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں کوئی سردار، ملک اور دلیر جوان تھا۔ حتیٰ کہ بوڑھے اور بزرگ تک سب کے سب جمع ہو گئے۔ اس طرح یوسف زئی کے سات سو مشہور و معروف معززین کابل کے لیے روانہ ہو گئے۔

مرزا کے دیار (یعنی حدود شہر) میں پہنچے تو مرزا کے آدمیوں نے انہیں بتایا کہ مرزا نے حکم دیا ہے کہ کوئی تیغ و اسلحہ کے ساتھ شہر میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لیے جس کے پاس اسلحہ ہے

وہ یہاں چھوڑ دے تب شہر میں قدم رکھے اور آداب و تسلیمات بجا لائے۔ اگرچہ یوسف زئی کا ہر شخص مساح تھا، لیکن ہر طرح سے مطمئن اور بے فکر، اس لیے ہر ایک نے حسب امر اپنے اپنے ہتھیار و ہین چھوڑ دیے، شرائط تسلیمات بجا لائے اور خالی ہاتھ شہر میں داخل ہو گئے۔

مرزا نے سارے ملک صاحبان پر بڑی شفقت فرمائی اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنے تمام خوانین اور آسرا کو جو اس وقت حاضر تھے، یہ حکم دیا کہ وقت بے وقت ہو گیا ہے۔ (دیر ہو گئی ہے) اس لیے چاہیے کہ یوسف زئیوں کو تقسیم کر کے اپنے اپنے گھروں کو لے جاؤ اور ان کی بے مثال ضیافت کرو۔

چنانچہ ان سات سو یوسف زئی معززین کو اپنے آسرا اور خوانین میں تقسیم کر دیا اور یوسف زئیوں سے بھی کہا دیا کہ میں نے حکم دیا ہے۔ اس وقت میرے آسرا تمہیں آپس میں تقسیم کر کے ہر ایک الگ الگ تمہاری ضیافت کرے گا اور میزبانی کے فرائض انجام دے گا۔ تم ایک ایک امیر کے ساتھ چلے جاؤ۔ چنانچہ سات سو یوسف زئی مختلف مغل امیروں کے ساتھ پولیے اور وہ انہیں اپنے اپنے گھروں میں لے گئے۔ مہمانی کے بہانے سے جگہ جگہ اپنے گھروں میں بٹھا دیا۔

اس کے بعد مرزا کے آدمیوں نے ہر ایک امیر اور خان سے جا کر کہا کہ تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوطی سے باندھ کر حاضر کرو۔ چنانچہ ان تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیے گئے چونکہ وہ مختلف امیروں کے گھروں میں منتشر، غیر مسلح اور بے خبر و بے پروا ضیافت کے انتظار میں بیٹھے تھے اس لیے وہ اپنے بچاؤ کے لیے بھی کچھ نہ کر سکے۔

مغل امرا اور خوانین ان سے کہتے تھے کہ ہم نے تمہیں باندھ دیا تو کیا ہوا۔ تم فکر نہ کرو مرزا پھر تم پر مہربان ہو کر تمہیں ضرور رہا کر دے گا۔

کابل میں مرزا الغ بیگ کا جرگہ یوسف زئی کو باندھنا

غرض یہ کہ ملک سلیمان شاہ کے سوا ان تمام سات سو یوسف زئیوں کے ہاتھ (مرزا کے امرا نے) پیچھے کی طرف باندھے اور مرزا کے دربار میں حاضر کیا۔ ملک سلیمان شاہ کو اس لیے نہیں باندھا تھا کہ مرزا اس کا بہت زبردار احسان تھا اور اس کے مرتبے کی بہت رعایت اور لحاظ کرتا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ جب یوسف زئی باندھ لیے گئے تو مرزا نے حکم دیا کہ انہیں دست بستہ لے آؤ اور ان کے بعد ان کی گردنیں آڑا دو۔ چنانچہ مرزا کے خوانین اور امرا نے سات سو یوسف زئیوں کو دست بستہ مرزا کے دربار میں حاضر کر کے کھڑا کر دیا۔ ملک سلیمان شاہ آزاد مگر (بہت) حیران و پریشان تھا۔ یوسف زئی اور مرزا کے درمیان پھرتا تھا۔ اور یوسف زئی کی رہائی کے لیے مرزا سے گوگڑا کر سفارش کرتا تھا۔

مرزا اس وقت دیوان خانے سے دور کسی دوسری جگہ چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں یوسف زئی رائڑے زئی کے پانچ چیدہ لوگ جن میں ایک ملا حسین رائڑے زئی اتمان زئی کا فرزند کوثر بھی تھا ان حالات سے بے خبر اچانک یوسف زئی سے ملنے آئے اور ان دست بستہ یوسف زئیوں میں گھر گئے۔ بعض یوسف زئیوں نے ان سے کہا کہ بندگان خدا: تمہیں ہمارے پاس کون سا گناہ لے آیا۔

انہوں نے جو یہ حالت دیکھی تو حیرت زدہ اور سراسیمہ ہو گئے۔ مغلوں نے جوں ہی اندیشہ دیکھا، ان پانچوں کے ہاتھ بھی پیچھے کی طرف مضبوطی کے ساتھ باندھ دئے۔

شیخ عثمانؒ کا مسکشفہ

حضرت زبدة المکشفین عمدة الاولیاء شیخ عثمان بن سواق ملی زئی قدس سرہ بھی ان مظلوموں میں دست بستہ کھڑے تھے انہوں نے ان پانچوں رائڑے زئیوں کو آواز دی کہ ”خدا تمہیں کہاں سے لے آیا“ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری قوم یہاں آئی تھی، ہم ان کے پیچھے آ گئے، ان حالات سے آگاہ نہ تھے“ شیخ عثمان نے کہا کہ میں نے منبر سے جن سات سو یوسف زئیوں کو دیکھا تھا کہ سب ایک ہی جگہ قتل کر دئے گئے، ان میں تم نظر نہیں آئے تھے پھر تمہیں کہاں سے خدا لے آیا“ انہوں نے پھر یہی کہا کہ قوم سے سانے کے خیال سے آ گئے تھے۔ ہمیں حالات کا کچھ علم نہ تھا۔

القصہ جس دن مرزا نے یوسف زئیوں کو قتل کیا گگیانیوں کے سردار بھی موجود تھے۔ مرزا نے ان سے کہا کہ یہ رہے سات سو چیدہ مردان یوسف زئی، دست بستہ تمہارے حوالے ہیں اور لاف زئی بھی تم ہی نے کی تھی کہ پہلے ہم ان کا زور توڑیں گے۔ اب تم چند بڑے سرداروں کی گردنیں اپنے ہاتھ سے کاٹ دو اور اپنا عہد پورا کرو۔ باقی سب کی گردنیں میرے جلاذ آڑا دیں گے۔

آخر گگیانیوں کے ملک اور مرزا کے جلاذ ہاتھ میں برہنہ شمشیریں لیے ان دست بستہ مظلوموں کی طرف بڑھے۔

ملک سلیمان شاہ نے بہت دوڑ دھوپ کی اور یوسف زئی کی رہائی کے لیے مرزا کی بہت منت سماجت کی۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ سلیمان شاہ زار و قطار روتا ہوا اس درمیان میں پھر رہا تھا۔ آخر مرزا نے اس سے کہا کہ 'ملک صاحب آپ کیوں اتنا رو رہے ہیں۔ آپ کو تو قتل نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ کو تو معاف کر دیا گیا اس لیے کہ آپ تو میرے باپ ہیں۔'

سلیمان شاہ نے کہا کہ میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر ایک بات کی حسرت رہ گئی۔ وہ یہ کہ جب تم مجھے تھے ایک دن میرے زانوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں تمہیں کھلا رہا تھا۔ ہمارے شیخ عثمان نے تمہارے متعلق ایک بات کشف سے مجھ سے کہی تھی اور اس حال سے مجھے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر میں نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ لیکن آج وہ دن آپہنچا اور میں نے تمہارا حال دیکھ لیا۔' مرزا نے کہا کہ تم مت ڈرو، تم میرے باپ ہو۔ سلیمان شاہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں اپنی گود میں کھلایا، اپنے زانوں پر بٹھا کر بڑا کیا، تمہیں بادشاہ بنایا، تمہارے ساتھ بہت سی نیکیاں کیں اور تم نے بھی مجھے باپ بنایا تھا۔ تمہارے ذمے میرے بہت سارے حقوق ثابت ہیں، ان کا لحاظ کرو اور ان لوگوں کو قتل نہ کرو۔ اور اگر میرے ان حقوق کا لحاظ نہیں کرتے تو میری تین عرض ہیں وہ ضرور قبول کرو۔ مرزا نے پوچھا وہ تین عرض کون کون سی ہیں۔ کہو۔

ملک سلیمان شاہ نے کہا :

پہلی عرض تو یہ ہے کہ مجھے سب سے پہلے قتل کرو کہ میں انہیں اپنے سامنے قتل ہوتا ہوا نہ دیکھوں، اور ان کے خون کا گناہ میرے ذمے نہ ہو جائے، کیوں کہ شیخ عثمان نے مجھے

تمہارے اس حال سے خبردار کیا تھا اور میں نے نہیں مانا تھا تمہیں پال پوس کر بڑا کیا تاآنکہ تمہیں بادشاہ بنا دیا۔

اور دوسری عرض یہ ہے کہ میری جگہ میرے بھتیجے ملک احمد سلطان شاہ کے فرزند کو جسے باندھا گیا ہے بخش دو اسے قتل نہ کرو۔ (مخفی) نہ رہے کہ ملک احمد بن سلطان شاہ بن ملک تاج الدین اس وقت تقریباً پندرہ سال کا بے ریش نوخیز (نوجوان) تھا۔ بچپن ہی سے رشد و قابلیت کے آثار نمایاں اور بزرگی اور ریاست کے اطوار اس کی پیشانی میں جلوہ گر تھے۔ بے انتہا عقل و فراست کا مالک، خوش بیان اور بلا کا مقرر تھا۔ اس لیے ملک سلیمان شاہ اسے اپنے سگے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور اس نے اس کی اچھی تربیت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اسے بھی وہ اس دفعہ اپنے ساتھ مرزا کے سلام کے لیے لایا تھا۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ ہم سات سو نفر جو یہاں موجود ہیں، احمد کے سوا سب کو قتل کردو لیکن اس کے بعد یوسف زئی قوم سے کچھ تعرض نہ کرنا، قتل و غارت قید و بند سے باز رہنا اور ہمارے بعد یہ لوگ جہاں جانا چاہیں انہیں جانے دینا کوئی روک ٹوک نہ کرنا اور ان پر کوئی پابندی نہ لگانا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت ملک سلیمان شاہ ملک احمد کی رہائی کے لیے مرزا سے عرض کر رہا تھا اس وقت حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری گنگامی مرزا کے پاس حاضر تھے، دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سلیمان شاہ کی عقل ماری گئی ہے، کور چشم ہے اپنے آپ کو نہیں بچاتا کہ ساری قوم کا سہارا اور آبادی کا باعث ہے اور احمد کی رہائی کی درخواست کر رہا ہے جو ابھی ناپختہ ذہن اور ناتجربہ کار بچہ ہے۔ یہ قوم کی کیا رہنمائی کرے گا۔

ملک سلیمان شاہ نے یہ بات سنی تو ان سے کہا کہ میں اب اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں اور احمد ابھی نوخیز جوان ہے مجھے امید ہے کہ یہ قوم کو ضرور بچالے جائے گا۔

الغرض مرزا الغ بیگ نے سلیمان شاہ کی تینوں باتیں قبول کر لیں۔ اس نے کہا کہ بہت اچھا ملک صاحب میں نے تمہاری تینوں عرض قبول کر لیں اسی طرح کروں گا اس نے احمد کو زندہ چھوڑ دیا اور اس کی بجائے ملک سلیمان شاہ کے قتل کا حکم دیا چنانچہ ملک مذکور ان دست بستہ لوگوں میں چلا گیا جو قتل کیے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ کیا ہم میں سے آج کا دن کسی صاحب کشف اور باطن کے سوار کو نظر نہیں آرہا تھا۔ کیا ہم میں کوئی ایسا صاحب بصیرت نہیں تھا؟ جو ہمیں آج کے دن کی تباہی سے بچاتا؟

شیخ عثمان علیہ الرحمۃ نے یہ بات سنی تو ان سے کہا تم اپنے ملک سے پوچھو کہ میں نے آج سے بہت پہلے اس سے کہا کہا تھا؟ میں نے اسے اس واقعے سے آگاہ کر دیا تھا یا نہیں؟“ ملک سلیمان نے کہا شیخ ’سچ کہتے ہیں۔ بیشک انہوں نے مجھے اس حال کے مطابق بتایا تھا لیکن میں نے ان کی بات کی پروا نہیں کی تھی۔ آج یہ دن ہے جس کی یہ خبر دے رہے تھے، میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے بعد شیخ عثمان نے بلند آواز سے کہا:

چہ دا دودہ مرو لیدہ*، بل غارگہ* (نئے) ارویدہ*
د خدائے ہم کسہ* ئے لاس نہ* رسیدہ*
(کہ یہ منظر ہم دیکھ رہے تھے اور شور و فریاد سن رہے تھے مگر اللہ کی تقدیر پر بس نہیں چلتا تھا)

شیخ عثمان نے مزید کہا کہ جو واقعہ میں دیکھ رہا تھا وہ پیش آگیا۔ پر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے میں تور (نامی) قوال بھی ہمارے ساتھ ہوگا، حالانکہ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ کیسی بات ہے۔ اچانک اسی گھڑی تور قوال بھی وہاں پہنچ گیا۔ تور سیر کے لیے قندہار گیا ہوا تھا۔ عین اسی وقت دربار میں داخل ہوا اسے کچھ خبر نہ تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جونہی دور سے دکھائی دیا، شیخ نے کہا دیکھ لو وہ تور قوال بھی آگیا اور اس واقعے میں ہمارے ساتھ شریک ہو گیا اب ہمارے قتل کیے جانے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا وہ واقعہ سچا تھا۔ بالتحقیق اسی شکل میں دیکھ رہا تھا جیسا کہ سامنے آیا۔

تور قوال یوسف زئی کے نامی اور مشہور شیخوں اور درویشوں میں سے تھا اور ملی زئی میں رہتا تھا۔ اس وقت بھی ملی زئی میں ایک گروہ اس کی اولاد سے موجود ہے جو قوال خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ قصہ مختصر جب گگیانیوں کے سردار اور مرزا کے جلاذ یوسف زئی کے قتل کرنے کے لیے ان کے نزدیک پہنچ گئے تو سب نے ناواریں سونت لیں۔ اسی حالت میں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری گگیانی نے ملک سلیمان کو یہ شعر سنایا۔

* بلغاک: شور، فریاد، رونا، چیلانا۔ (اصل مسودے میں غارگہ لکھا گیا ہے۔)

سو آدمیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔ سب کو شہید کر دیا گیا۔ سلیمان شاہ ملک تاج الدین کا بیٹا تھا اور ملک تاج الدین بڑا عالی جاہ اور صاحب شوکت مرد تھا۔ جس زمانے میں ختخی (خشی) قومیں، یعنی یوسف زئی، گگیانی اور ترکانی قندھار کی نواحی وادی گاڑ کے، نشکی، ڈوگ اور ڈاگ میں سکونت پذیر تھیں، سب اس کی تابع اور فرمانبردار تھیں۔

غرض یہ کہ جب ان سات سو یوسف زئیوں کو قتل کر دیا گیا تو مرزا الغ بیگ نے حکم دیا کہ ان تمام مقتولین کو شہر کابل سے باہر لے جا کر دفن کیا جائے۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق تمام مقتولین کو کابل سے دو تین تیروں کے فاصلے پر مشرق اور شمال کے درمیان موضع سیاه سنگ میں دفن کر دیا گیا۔ لوگ اس مدفن کو ”شہیدان یوسف زئی کا احاطہ“ کہتے ہیں اور آج تک معلوم و مشہور ہے اور شیخ عثمان بن موقی ملی زئی قدس سرہ کی قبر بھی وہاں معروف اور مشہور ہے۔ لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ کل چھ افراد بچ کر اپنی قوم میں پہنچے باقی تمام یوسف زئی سردار اور نوجوان شہید کر دیے گئے۔ یوسف زئیوں کے لیے وہ دن گویا قیامت کا دن تھا۔ ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

مرزا نے اس وعدے کے مطابق جو اس نے ملک سلیمان شاہ سے کیا تھا، یوسف زئیوں کے اہل و عیال سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیا البتہ ایک فوج اس غرض سے بھیج دی کہ ان کے علاقے کو تاخت و تاراج کرے اور ان کے مال و مویشی لے آئے، یہاں تک کہ پہنچے ہوئے کپڑے بھی اتروا لیے اور انہیں تہیہ دست و

برہنہ کر کے چھوڑ دیے۔ پھر وہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ لشکر گیا اور اس کے حکم کے مطابق عمل کیا۔

یوسف زئیوں سے ان کا سب کچھ چھین لیا گیا اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس حادثے میں کسی کے پاس کچھ باقی نہ رہا البتہ موسیٰ ابن ایسکو (اکو زئی) کا خزانہ محفوظ رہ گیا۔ زان بعد انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا تاکہ ان کی سمجھ میں جو آئے کریں اور جس طرف جانے میں مصلحت سمجھیں، جائیں کوئی ان کے مانع نہیں آئے گا۔

جب ملک احمد ہانچ نگر رائٹے زئیوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو تمام یوسف زئی جو اپنے گھروں میں تھے اور زندہ بچ گئے تھے۔

فی الفور جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ اس کے بعد ہمارے لیے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ہمارا آب و دانہ ختم ہو گیا ہے اب یہاں سے چلا جانا چاہیے جب اس پر یوسف زئی متفق ہو گئے تو آستانہ دار مشائخ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات فرمائیں کہ یوسف زئی کا ملک کونسا ہے، اب ہم کہاں جائیں؟

شیخ زنگی ابن سلا خیل رائٹے زئی خوازہ خیل (اللہ ان پر ان کی قبر روشن کرے) جو اس وقت یوسف زئی کے آستانہ داروں میں کشف و کرامات میں مشہور اور صاحب ولایت بزرگ تھے، انہوں نے فرمایا کہ اے یوسف زئیو! جاؤ ہمارا ملک سوات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا۔ مگر سوات میں باڈوان کے مقام پر زاؤد کی ڈھیری (مٹی کا ٹیلہ) ہے وہ میرا شکرانہ کر کے مجھے دے دو۔ چنانچہ

انہوں نے زاؤد ڈھیری کے نام پر ان کا شکرانہ کیا اور اس وعدے پر سب نے فاتحہ (دعاۃ) خیر پڑھی پھر سارے یوسف زئیوں نے ملک سلیمان شاہ کے فرمودہ کے مطابق جو انہوں نے شہادت کے وقت کہا تھا کہ یوسف زئی کی سرداری ملک احمد کی ہو۔ یہ قوم کے وجود اور عزت کی برقرار رکھیے گا اور ان کی نعمیں کر لے گا، ملک احمد کی اپنا سردار بنا لیا۔

ملا حسین رائے زئی اتمان زئی، کوثر کے والد، یوسف زئی مستجاب الدعوات تھے، ملا حسین کا گھرانہ یوسف زئیوں میں اب تک آستانہ دار ہے۔ کوئی بھی اہم معاملہ ہو ان کے گھرانے کا آدمی حاضر ہوگا تو اس میں کامیابی کے لیے دعا وہی کرے گا۔ ملا حسین کی احمد بن سلطان شاہ کے حق میں دعا کے بعد یوسف زئی بڑے شاد و آباد ہو گئے تھے۔ اس لیے یوسف زئی اس کی اولاد کی دعا کو بھی نیک فال سمجھتے ہیں اور جب کوئی سہم یا ضرورت پیش آجانی ہے تو اس سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ ملا حسین کے گھرانے کے فرد ہیں، ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حاجت پوری فرمائے۔ ملا حسین کی اولاد آج تک موجود ہے۔

غرض یہ کہ ملا حسین جرگہ یوسف زئی کے درمیان سے اٹھے اور ایک شاخ (چھڑی) کاٹ کر احمد کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دے دی کہ جاؤ میں نے تمہیں قوم کا سردار (ملک) بنا دیا یہ ملکی اور سرداری تمہیں مبارک ہو۔ اس کے بعد ہر شخص نے ملک احمد کو سردار بننے کی مبارک باد دی اور دعائے خیر کی۔

اس دن کے بعد سے ملک احمد ساری یوسف زئی قوم کا سردار بن گیا اور ملک سلیمان شاہ کی جگہ یوسف زئی کی سرداری کی مسند پر متمکن ہو گیا اور دن دگنی رات چوگنی اس کی ترقی ہوتی رہی یہاں

تک کہ دولت و حشمت کی معراج پر پہنچ کر عظیم الشان ممالک کا فاتح بنا۔ اس کے تفصیلی حالات مناسب موقع پر بیان کر دئے جائیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ یوسف زئی بالکل خوار و زار اور حیران و پریشان ہو کر نواح کابل سے نیچے پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارے یہ لوگ قطعاً بے زاد راہ، خالی ہاتھ، بغیر بار برداری کے، پیدل، تھکے ماندے تھے۔ مغلوں نے انہیں ایسا تاراج کیا تھا کہ کسی کے پلے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ مگر اللہ پاک کے حکم سے موسیٰ ابن ایسکو ابن سوہل ابن یازید ابن اکو یوسف زئی کا خزانہ باقی رہ گیا تھا۔ موسیٰ یوسف زئی میں بڑا نامدار سردار گزرا ہے اور اس کی اولاد بھی پشت در پشت سردار چلی آئی ہے چنانچہ موسیٰ خیل اس کی نسل سے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم تاراج سے بچا لیا تھا اس لیے کوچ کرتے وقت اسے اپنے ساتھ آٹھا کر لے آئے۔ موسیٰ نے اپنی رفیقہ حیات سے کہا کہ ہمارا خزانہ اللہ پاک نے اس ہمہ گیر تاراج میں بچا لیا اور باقی قوم کا خزانہ لوٹ لیا گیا۔ ہماری قوم پر اس سے زیادہ اور کون سا وقت آئے گا۔ چاہیے کہ اس تنگ دستی کے وقت میں ہم یہ خزانہ ان میں تقسیم کر دیں کہ ہماری قوم اس سے تازہ دم ہو کر آرام کی سانس لے سکے اور ہر کسی کو کھانے پینے کا سامان میسر آسکے۔ نیک بخت بیوی نے کہا آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ آپ ضرور ایسا کیجئے، یہ بہت بہتر ہوگا۔ بالآخر موسیٰ نے اپنا سارا خزانہ جو نقدی کی شکل میں تھا یوسف زئیوں میں تقسیم کر دیا، جس سے قوم شاد و آباد ہو گئی۔

مقام دوم

کہانی* میں رہنے والے دلزاک سے جنگ
پشاور، دواہ، ہاجوڑ اور اشنغر کا دلزاک سے لینا اور
ان کے ملک پر قبضہ کرنا۔

القصبہ کابل کی اس کھلی شاہراہ پر سارے یوسف زئی اپنے بچے
کھینچے اٹائے سمیت کوچ کرتے ہوئے خیبر کے راستے پشاور پہنچے۔
یوسف زئی جو اس وقت پشاور پہنچے ان کی تعداد کا اندازہ اس سے
لگایا جاسکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ خیبر میں سرس کا ایک تناور
درخت تھا یوسف زئی کے سب مرد و زن، چھوٹے بڑے اس کے نیچے
بیٹھ گئے اور سب اس کے سائے تلے سما گئے بس اتنے یوسف زئی تھے۔
یوسف زئی خیبر سے ہو کر پشاور میں وارد ہوئے۔ اس وقت
پشاور میں مقیم دلزاک بڑے زور اور اور ممالک گیر تھے۔ وہ ان ممالک
پر قبضہ کر کے مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم جما چکے تھے۔ چنانچہ پشاور
دواہ، ہاجوڑ، ننگرہار، کاپانی، ہزارہ اور سنید (کوہستان) تک تمام
ممالک دلزاک کے قبضے میں تھے اور ہر مقام پر یہی لوگ آباد تھے
اس لیے یوسف زئی نے آکر ان سے التجا کی اور ان کے پہلو میں مقیم
ہو گئے۔ دلزاک نے یوسف زئی کو ملک (علاقہ) عطا کرنے کے
سلسلے میں آپس میں جرگہ کیا کہ انہیں ایک ملک دینا چاہیے جس
پر جا کر یہ آباد ہو جائیں کیونکہ یہ ایک گاؤں جتنے لوگ آئے
ہو وہیں چاہیے کہ ایک ملک ان کو دے دیں۔ آخر دلزاک
کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دواہ، یوسف زئی کو دے دینا چاہیے۔
اس فیصلے کے بعد یوسف زئی سے کہہ دیا کہ ہم نے دواہ تم کو
دے دیا، مبارک ہو جاؤ، اس پر آباد ہو جاؤ۔

* کاپانی (کپانڑی) سالاکنڈ کی سڑک مردان اور تھت بھائی کے
درمیان گوجر گڑھی کے پاس ایک قصبہ تھا۔ فصیح کے درمیان
سے ایک ندی گزرتی تھی جو ایک پل کے ذریعہ کاپانی کے دونوں
حصوں کو آپس میں ملاتی ہے۔ یہ ندی اب بھی باقی ہے۔ قصبے
کے نام پر اس ندی کا نام بھی کاپانی پڑ گیا اور اب تک اسی نام
سے موسوم ہے لیکن قصبہ گردش زمانہ سے غیر آباد و برباد ہو گیا
اب اس کے صرف آثار باقی ہیں یا اس مقام پر کاپانی نام کا ریلوے
اسٹیشن ہے۔ اس علاقے کا قدیم ترین قصبہ یہی کاپانی تھا اور اسے
وہی حیثیت حاصل تھی جو اب ہوتی اور مردان کو حاصل ہے۔
ہوتی اور مردان بعد میں آباد ہوئے اس وقت ان کا نام و نشان
نہ تھا۔ (روشن خان)

ملک احمد نے ان سے کہا کہ اے دلزاک بھائیو! میری قوم مصیبت کی ماری کمزور اور ناتواں ہے۔ اس کے بہت سے لوگ کابل اور دوسری جگہوں میں رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ ایک دم گھر چھوڑ کر روانہ ہو جائیں۔ ابھی صرف وہ لوگ جو قوت اور استعداد کے مالک تھے یہاں آگئے ہیں، جو لوگ وہاں رہ گئے ہیں بعد میں وہ بھی ہمارے پاس آجائیں گے اس لیے صرف دواآبہ کا علاقہ ہمارے لیے نا کافی ہے۔ میری پوری قوم اس میں نہیں بس سکے گی اور نہ اس کی پیداوار پر ہماری گزر اوقات ہو سکے گی۔ دلزاک نے کہا، اچھا دواآبہ سے متصل دانشکول، عنبر اور باجوڑ کے علاقے بھی ان کے ملحقات اور مضافات سمیت تمہیں دے دے، جاؤ وہ بھی تمہارے ہو گئے۔ اس پر ملک احمد خوش ہو گیا اور ان ممالک کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد دلزاک نے ملک احمد سے یہ بھی کہا کہ اشغر بھی دواآبہ سے ملحق ہے جب کچھ زور اور قوت پکڑ لو تو اشغر اپنی طاقت اور زور سے شلمانوں سے لے کر اپنے تصرف میں لے آنا۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اشغر دلزاک کے قبضے میں نہیں تھا اس پر شلمانی قابض تھے۔ شلمانی ذات کے لحاظ سے دھگان قوم سے ہیں۔ یہ لوگ تیراہ کے توابع شلمان اور کڑمان سے آتے تھے۔ ان کا اصل وطن شلمان اور کڑمان تھا اس کی نسبت سے شلمانی کہلاتے ہیں۔

القصہ اشغر پر اس وقت شلمانوں کا قبضہ تھا اور وہی تمام محصولات وصول کرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ تمام شلمانی سلطان پکھل کی رعیت اور اس کے مالگزار تھے۔ سلطان پکھل سوات کا بادشاہ تھا۔

کہتے ہیں کہ اشغر سے اوپر بگیاڑے حصار بلول*، شیر خانے، سورا ناسی پہاڑ تک، سوات اور ٹوئے، سڑوبی، سیوری، مالاکنڈ کی چوٹی تک اور سارا سوات اپنے توابع اور مضافات سمیت اور سارا بونیر سلطان پکھل کے زیر تصرف تھا اور ہر جگہ اس کے حاکم، شقدار اور گماشتہ (محصل) مقرر تھے۔ شلمانی اس کے حکم سے اشغر میں بسے تھے اور حاکم اشغر حصار میں ہوتا تھا۔

سلطان پکھل خود منگلور کے قلعہ میں رہتا تھا جو سلاطین سوات کا پایہ تخت تھا۔ یہ قلعہ سلاطین سوات کے عہد میں نہایت آباد تھا، اندر اور باہر رنگا رنگ مکانات اور عجیب عجیب حویلیاں اونچے اونچے قصر اور قلعے کے اندر عدم المثال نہریں بہتی تھیں۔ بازار پر رونق اور دکانیں سچی ہوئی تھیں۔ سوات کے تمام سلاطین سلطان پکھل وغیرہ سلطان جہانگیر کی اولاد میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی پشتوں تک سوات پر حکومت کی۔ ان کا آخری سلطان، سلطان اویس تھا جسے یوسف زئیوں نے متعدد عظیم لڑائیوں کے بعد وہاں سے بیدخل کر کے سوات پر خود متصرف ہو گئے۔ سلطان اویس وہاں سے فرار ہو کر نیاگ میں کوہ کفار کے درمیان ایک مستحکم قلعہ بنوا کر اس میں رہنے لگا یہاں تک کہ اجل کے سواروں نے اس پر حملہ کر کے اس کے وجود کو ختم کر دیا۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ سلطان اویس سلطان پکھل کا فرزند تھا۔ ان تمام سلاطین کے حالات اپنے محل میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے جائیں گے۔

* حصار بلول آج کل ”سری بالول“ کہا جاتا ہے۔ تخت بھائی سے مردان کی طرف تقریباً دو تین میل کے فاصلے پر مٹی کا ایک بڑا ٹیلا ہے، جس پر اب ایک گاؤں آباد ہے۔ (روشن خان)

واقعے کی طرف رجوع

جب دلزاک نے ازراہ ہمدردی اور بطور احسان کے یوسف زئی کو مذکورہ ممالک دے دئے تو یوسف زئی نے اپنے اثاثے اور مال و اسباب سمیت پشاور سے کوچ کیا اور دواپے میں آکر مقیم ہو گئے اس کے بعد وہ بیوائیں، یتیم اور یوسف زئی کے دیگر افراد جو کابل کے نواح میں رہ گئے تھے اور تجارت پیشہ بھی جو کاروبار میں پھنسے ہوئے تھے اور پہلے قافلے کے ساتھ نہ آسکے تھے، رفتہ رفتہ آنا شروع ہو گئے اور دواپہ میں مقیم ہوتے رہے۔ یوسف زئیوں میں جو لوگ مال و اسباب اور سربشی رکھتے تھے وہ اپنے گھرانوں کے ساتھ میر جمال بن بازید منڈر امان زئی کے ساتھ (جس کا ذکر اپنے محل میں آئے گا) اوپر دانشکول اور عنبر چلے گئے، جن میں سے کچھ دانشکول اور عنبر میں رہ گئے اور بعض منڈر کے بڑے بڑے نامور گھرانے، زیادہ تر امان زئی، کمال زئی، مامو زئی اور یوسف نامی سے زیادہ تر خواجو زئی مثلاً ناصر بن شرعہ علاء الدین زئی اور مبارک بن پائندہ ملی زئی، پائندہ خیل اور الیاس بن دلخاک ملی زئی ابابکر خیل اور الکی بن احمد شامیری، جو نامور سردار تھے باجوڑ کو چلے گئے اور لاشوڑہ کے مقام پر جہاں اب قطب الزماں شیخ میر داد افغان خلیل موقی زئی ترنکی قدم سرہ کی قبر واقع ہے، سکونت پذیر ہو گئے۔ اس ارادے سے کہ باجوڑ بھی ہمارا ہے دلزاک نے دیا ہے۔ اس میں آباد ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ ملک ہیو بن جتہ دلزاک عمر خیل جو اس آوان میں بڑا نامور اور بہت اہم شخصیت کا مالک تھا تقریباً ایک ہزار عمر خیل گھرانوں کے ساتھ باجوڑ میں جندول کے مقام پر آباد تھا اور عمر خیل دلزاک بہادر قبیلہ تھا۔ پشاور کے دلزاک نے جس

جرگے میں دواپہ، عنبر اور باجوڑ یوسف زئیوں کو دے دینے کا فیصلہ کیا تھا اس میں ملک ہیو موجود نہیں تھا۔ جرگے نے اس سے پوچھے بغیر باجوڑ بھی دے دیا تھا۔ جب ملک ہیو نے یہ سنا کہ یوسف زئیوں کو باجوڑ بھی دے دیا گیا اور وہ اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگے ہیں تو اسے سخت غصہ آیا اور کہا کہ اگر دوسرے دلزاکوں نے باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ کر دیا ہے تو کیا ہوا میں انہیں باجوڑ پر ہرگز قبضہ نہیں کرنے دوں گا۔ دلزاک کون ہیں جو میرا ملک یوسف زئیوں کو دے دیں۔ ملک ہیو سخت مشتعل تھا اور ڈینگیں مار رہا تھا کہ یوسف زئیوں کی کیا مجال کہ جندول میں قدم رکھیں۔ یوسف زئیوں نے متعدد قاصد اور خطوط ملک ہیو کے پاس بھیجے کہ جرگے کے فیصلے کا احترام کرو۔ اگر تمام دلزاکوں نے یہ اتفاق رائے باجوڑ ہمیں دے دیا ہے تو تم بھی اسے واگزار کردو اور میدانے علاقے میں جہاں دوسرے دلزاک آباد ہیں وہیں تم بھی چلے جاؤ۔ بدی اور لڑائی اختیار نہ کرو۔ ملک ہیو نے جواب میں کہا کہ اللہ جل جلالہ ایک ہے (یعنی اللہ کی وحدانیت کی قسم ہے) کہ جنگ اور زور کے بغیر میں باجوڑ ہرگز واگزار نہ کروں گا۔ دلزاک کو اس کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے اس ارادے سے باز رکھنے اور جرگے کا احترام کرنے کا مشورہ دیا اور سب نے متفقہ طور پر ملک ہیو کے نام خط لکھا کہ ایسا نہ کرو۔ باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ تمام دلزاکوں نے انصاف، یگانگت اور اخوت کے جذبے کے تحت کیا ہے تم بھی باجوڑ ان کے لیے چھوڑ دو اور اپنا سامان اٹھا کر باجوڑ سے آجاؤ، ہمارے پاس اب بھی بہت سارے ملک ہیں۔ ہم سب مل کر یہاں رہیں گے اور کماٹیں کھائیں گے۔ مگر ملک ہیو نے کسی کا کہنا

نہیں مانا۔ اس نے اپنے دل میں جنگ کی ٹھان لی تھی۔ آخر ان یوسف زئیوں نے بھی جو بال بچوں اور مال و اسباب سمیت جاکر لاشوڑہ میں مقیم ہو گئے تھے یہ فیصلہ کیا کہ جندول پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیتا چاہیے۔ کیونکہ علاقہ باجوڑ میں سب سے بہتر ملک تو جندول ہے یوسف زئی یہاں تک پہنچے بھی جندول ہی کے ارادے سے تھے۔

ملک ہیو پوری رعونت اور غضب کے ساتھ اپنے تمام لاؤشکر کے ساتھ جندول سے کوچ کرتا ہوا جنگ کی نیت سے آیا اور اوپر ”لکہ تیگہ“ (گاڑے ہوئے پتھر کے ستون) کے پاس جو اب تک لاشوڑہ کی ندی کے عین کنارے پر ایستادہ ہے، پڑاؤ کیا ادھر یوسف زئی کا لشکر میر جمال امان زئی کے ساتھ ٹوپ اور مخروطی میں پڑا ہوا تھا دونوں لشکروں کے درمیان تخمیناً ایک میل کا فاصلہ تھا۔

جب یوسف زئی موضع لاشوڑہ میں آکر مقیم ہوئے تو اس کے تقریباً ایک سال کے بعد قطب زمان شیخ میر داد افغان خیل موتی زئی (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے) بھی اپنے افغان مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو کم و بیش تین ہزار پچاس نفر تھے اور زیادہ تر ان میں خلیل لوگ تھے جو اپنی قوم سے رنجیدہ ہو کر ترنک اور قلات نواح قندھار سے آکر موضع لاشوڑہ میں یوسف زئی کے ساتھ سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یوسف زئی کے بہت سے لوگ بھی ان کے معتقد ہو گئے تھے اور پھر ایک مدت کے بعد ایک حادثے کے سبب سارے خلیل اپنے بال بچوں کے ساتھ کوچ کر کے شیخ میر داد کے پاس چلے آئے تھے اور لاشوڑہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔

چونکہ خلیل کا مرنا جینا یوسف زئیوں کے ساتھ تھا اس لیے خلیل بھی اس معرکے میں ان کے ساتھ متحد ہو گئے اور ہیو بن جتہ

کے مقابلے میں جنگ کے لیے میدان میں نکل آئے۔ ادھر دوائے کے یوسف زئیوں کو ملک ہیو سے بگڑے ہوئے حالات کی خبر پہنچی تو وہ بھی ایک لشکر کے ساتھ مسلح ہو کر اپنی قوم کی مدد کے لیے باجوڑ آ گئے۔ یوسف زئی اور خلیل دونوں مل کر لاشوڑے کے میدان کی طرف بڑھے جہاں اس زمانے میں عربوں کا قلعہ اور خار نامی شہر آباد تھا۔ ہیو نے جب ان کے لشکر دیکھے تو اپنے لشکر کے ساتھ جو پوری طرح مسلح و مستعد تھا لکہ تیگہ سے مقابلے کی نیت سے آگے بڑھا۔ یوسف زئیوں اور خلیل نے جو اس کا لشکر دیکھا تو ہیبت سے ہسٹا ہو کر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملک ہیو نے دیکھا کہ یوسف زئی پیچھے ہٹ گئے ہیں تو سمجھا کہ یوسف زئیوں میں مقابلے کی تاب نہیں اس لیے وہ بے کھٹکے ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا اور لاشوڑے کی ندی کو پار کر لیا۔ یوسف زئی اور پیچھے ہٹ گئے اب اس نے وہاں قدم جمائے جہاں پہلے یوسف زئی کھڑے تھے۔ یوسف زئیوں نے یہ صورت دیکھی تو اور پیچھے ہٹ گئے۔ یہ اور بھی دلاور ہوتا گیا۔ غرض یہ کہ یوسف زئی رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتے گئے اور یہ ان کے تعاقب میں آگے بڑھتا گیا۔ بالآخر یوسف زئیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم کہاں تک پیچھے ہٹیں گے اگر ہم اسی طرح ہسٹا ہوتے رہے تو یہ ہمارے جوانوں پر قابو پالیں گے۔ جنگ سے چھٹکارا نہیں، آگے بڑھو اور جوان مردی کے جوہر دکھاؤ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت ترکلانی لوگ لغمان میں اور مہمند کابل کے نواح میں تھے۔ اس وقت ملک سرخابی بن شمو ترکلانی کا نامور سردار تھا۔ وہ محمد بابر بادشاہ کا قریبی مصاحب و معتمد تھا اور ملک گھگڑ مہمند کا سردار اور شجاع وقت تھا۔ ان دونوں کو جب

اس نزاع کی خبر پہنچی تو وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور باجوڑ پہنچ گئے تاکہ فریقین میں مصالحت کی کوشش کریں۔ یہ دونوں سردار فریقین کے درمیان صلح کرانے کے لیے پھرتے رہے لیکن دل سے وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ جس طرح دوسرے دلزاکوں نے باجوڑ کا علاقہ یوسف زئی اور خلیل کو دے دیا ہے۔ ملک ہیو کو بھی چاہیے کہ یہ ملک ان کے لیے چھوڑ دے اور خود اپنے عزیزوں کے ساتھ دوائے میں جا کر سکونت پذیر ہو جائے جہاں ان کی اکثریت رہتی ہے۔

ملک سرخابی اور ملک گھگڑ نے ہیو کو نصیحت کی کہ خدا نے تمہیں بہت سارے ممالک عنایت کئے ہیں، اختلاف و جنگ کا راستہ اختیار نہ کرو یہ ملک برضا و رغبت یوسف زئی کو دے دو۔ مگر ہیو کو یہ نصیحت پسند نہیں آئی اور وہ صدامائے انا ولاغیری (صرف میں ہوں میرا کوئی مد مقابل نہیں ہے) بلند کرتا رہا۔ وہ اپنے دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ملک سرخابی اور گھگڑ تو صرف صلح و صفائی کرانے والے ہیں ہمارے مقابلے میں جنگی فریق بننا پسند نہیں کریں گے۔ اس لیے ہیو بے دھڑک ہو کر یوسف زئی اور خلیل کے گھروں اور بال بچوں پر چڑھ آیا اور تیر برسانا شروع کر دیے۔

ملک سرخابی اور گھگڑ کے لشکر ایک طرف کو کھڑے تھے۔ اب ان کے لیے صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی۔ قرابت داری کے جذبے نے بے اختیار کر دیا۔ وہ غصے سے بھر گئے۔ چنانچہ ایک دم اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہیو کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور یوسف زئی اور خلیل کو بھی لٹکرا۔ اچانک وہ بڑی حملہ آور ہوئے اور ایک ایسی بے پناہ جنگ شروع ہوئی کہ تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ ملک سرخابی ترکانی اور ملک گھگڑ مسہمند

اور میر جمال امان زئی نے سب سے پہلے دلزاک پر حملہ کیا تھا۔ زان بعد دوسرے سواروں نے بھی ان کی پیروی کی۔ ہر کسی کی نگاہ ہیو پر لگی ہوئی تھی۔ دوسری جگہ وہ اپنے آپ کو نہیں پہنسانا چاہتے تھے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ درمیان میں رکے بغیر اس تک پہنچ جائے۔ چنانچہ بہت سے نوجوان عمر خیل اور دلزاک بہادروں اور شہسواروں کو قتل کرتے ہوئے ہیو تک پہنچ گئے اور ہیو اور اس کے بھائی جہاں شاہ کو تہ تیغ کر کے زمین پر گرا دیا۔ ہیو پر سب سے پہلے پائندہ ترکلانی ککا زئی نے تلوار کا وار کیا پھر برہان ترکلانی ککا زئی نے تلوار سے اس کی گردن پر وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر گر گیا۔ میر جمال امان زئی نے گھوڑے سے کود کر اس کی زہ اتار لی اور تلوار بھی اپنے قبضے میں کر لی۔

کہتے ہیں کہ ملک ہیو کی زہ اور تلوار دونوں بہت قیمتی تھیں میر جمال کی اولاد کے پاس وہ زہ اب تک یادگار کے طور پر محفوظ اور سارے یوسف مندٹو، بلکہ تمام خضی (خشی) میں مشہور ہے۔ اس کے لیے دو سو روپے تک کی پیش کش کی گئی لیکن میر جمال کی اولاد نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ ملک ولی بیگ ترکلانی نے بھی اس کے لیے بڑی سعی کی اور ہاتھ پیر مارے کہ یہ یادگار چیز اس کے پاس آجائے باوجودیکہ یہ آپس میں قریبی عزیز بھی تھے اور دو سال تک یہ زہ اس کے گھر میں پڑی رہی تھی اور کوشش کی کہ اب یہ ان کے گھر سے نہ نکلے لیکن میر جمال کی اولاد نے نہیں مانا اور زہ اس سے واپس لے لی۔

پچھلے سال یعنی ۱۰۳۱ھ میں یہ زہ میر جمال کی اولاد کے گھر سے ملک باؤ علاء الدین زئی سرخیل فروخت کرنے کی غرض سے لایا تھا اور کوئی شخص تین سو روپے دے رہا تھا مگر اس

نے نہیں دی اور واپس لے گیا۔ آج کل میں جمال کی اولاد شیر درہ میں آباد ہے اور وہ شخص جس کے پاس یہ تاریخی زرہ ہے وہ بھی شیر درہ میں امان زئی کے ساتھ رہتا ہے۔

القصد جب ملک ہیو اور اس کا بھائی جہاں شاہ دونوں قتل ہو گئے تو دلزاک پسپا ہو کر دواہہ جندول کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ یوسف زئی اور ان کے حریف ان کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں جندول کے رود (ندی) کے پار کر دیا اور ٹوپ، مخرنی میں اپنے اپنے مکانوں کو لوٹ آئے۔ ملک سرخابی اور ملک گھگڑ نے یوسف زئی اور خلیل سے کہا کہ ہم نے تمہیں فتح دلا دی اور باجوڑ تمہارے لیے جیت لیے اب تم دونوں قبیلے امن سے رہو اور کھاؤ پیو۔ ہم اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملک سرخابی اور ملک گھگڑ اپنے لشکروں کے ہمراہ اپنے اپنے گھروں یعنی کابل اور لغمان کو روانہ ہو گئے۔

دلزاک جو زندہ بچ گئے تھے جندول چلے گئے، لیکن اب حالات پر ان کا قابو نہ تھا اور ان کے قدم اکھڑ چکے تھے اس لیے سب نے وہاں سے کوچ کر کے نیچے کی طرف جانے کا فیصلہ کیا مگر لاشوڑے کے راستے پر یوسف زئی اور خلیل کا قبضہ تھا اور وہ انہیں چھوڑ نہیں رہے تھے۔ آخر کوہ سور والی درے کی چوٹی پر چڑھ کر غنبر اور دانشکول پہنچے اور اکٹھے رہنے لگے۔ یوسف زئی اور خلیل نے باجوڑ کا علاقہ آپس میں تقسیم کر لیا۔ لاشوڑے سے ہندو راج تک اور چارسنگ سے ناوگئی تک مع توابع اور ملحقات کے خلیل کے حصے میں آیا اور جندول، بابقوہ مع مضافات یوسف زئیوں کے حصے میں۔ دونوں فریق اپنے اپنے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور جو یوسف زئی بطور کمک دواہے سے گئے تھے پھر دواہے کو

لوٹ آئے۔

عرصہ دراز تک یوسف زئی اور خلیل نے آپس میں بہت اچھے تعلقات استوار رکھے۔ لیکن پھر خلیل کی طرف سے بگاڑ کا آغاز ہوا۔ وہ یوسف زئی پر تعرض اور زیادتی کرنے لگے۔ فساد کی مشا یہ تھی کہ میر جمال بہت مال دار تھا اور گھوڑوں کا بہت گلم رکھتا تھا۔ جن سے بہترین گھوڑے پیدا ہوتے تھے اور فروخت کیے جاتے تھے۔ اتفاقاً پائی بن سالار خلیل باڑو زئی، ملا زئی، عمر زئی نے جو ایک نامی شخص تھا، میر جمال سے چند گھوڑے بطور قرض ایک مہینہ مدت کی میعاد پر لے لیے۔ جب میعاد پوری ہو گئی اور میر جمال نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو پائی نے بد معاملگی شروع کی اور ٹال مٹول کرنے لگا حالانکہ وہ ایک مال دار شخص تھا اور قرض کی ادائیگی اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھی۔ مگر بد معاملگی اور شرارت اس کی طبیعت بن گئی تھی اور فتنہ انگیزی میں اس کی نظیر نہ تھی۔ ہرچند کہ میر جمال اس سے ملائمت اور نرمی سے قرض مانگتا تھا اور جس کے بھیجتا تھا مگر وہ قرض کی ادائیگی میں برابر لیت و لعل سے کام لے رہا تھا۔

آخر میر جمال ہر طرح سے کوشش کر کے تھک گیا۔ اسی طرح دوسرے خلیل نے بھی شرارت، بد معاملگی اور دست اندازی کو اپنا شعار بنا لیا۔ یوسف زئی کے مال اور فصلوں پر رات کو چھاؤ کرتے اور لوٹ لے جاتے۔ گھئی اور دوسری چیزیں یوسف زئی سے خریدتے تھے اور قیمت نہیں دیتے تھے، آخر تمام یوسف زئی میر جمال کی طرح خلیل سے عاجز آ گئے اور خلیل کے بارے میں ان کی رائے بہت خراب ہو گئی۔ ایک دن میر جمال اور پائی کے درمیان قرضہ مذکورہ کے سبب ہاتھ پائی ہو گئی۔ اس کے بعد گویا کہ یوسف زئی اور

خلیل قومی حیثیتوں میں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور لاشوڑے اور باقرے کی حد، باریکاب کے دریا اور ورسک کے مقام پر جنگ ہو گئی۔

ورسک وہ مقام ہے جہاں سے باجوڑ جاتے ہوئے محمد بابر بادشاہ نے گبر کوٹ گبریوں کے سردار حیدر علی سے چھینا تھا اور بہت سے گبریوں کو قتل کیا تھا۔ اس کے ایک طرف ایک بلند چٹان ہے اور دوسری طرف بابر نے ایک بڑی خندق کھدوا کر اس کے ارد گرد زبردست حصار بنایا تھا۔ پھر زین خان کوکد نے اکبر بادشاہ کے عہد میں جب وہ یوسف زئی کی مہم پر آیا تھا، مٹی کا ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا نام چار قلعہ رکھا تھا اس قلعے کے کھنڈرات تاحال موجود ہیں۔

خلیل نے اس جنگ میں یوسف زئیوں کو شکست دے دی اور تعاقب کر کے جندول کی (ندی) کے پار پنجکوڑے کے مقام تک انہیں بھگا دیا مگر خلیلوں نے یہ احسان کہا کہ ان کے بال بچوں اور دیہات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہ دیہات جندول اور باقرے کی شاہ راہ پر واقع تھے۔ خلیل اس جیت سے خوش ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور یوسف زئی کی ساری قوم کیا باجوڑ اور کیا دوآبے کی اس شکست پر اور اپنے مردوں پر، جن میں ناسی گرامی لوگ شامل تھے، خجل اور منفعل ہو گئی اس لیے باجوڑ کے یوسف زئی پھر لشکر کی فکر میں لگ گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی فیصلہ کن جنگ لڑیں جس میں ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو جائے کہ باجوڑ میں کون رہتا ہے، یوسف زئی یا خلیل؟

آخر باجوڑ میں یوسف زئی کے سارے ملک جمع ہوئے اور مشورے سے یہ طے کیا کہ پہلے جرگے کی شکل میں دوآبے میں اپنے عزیزوں

کے پاس چلے جائیں گے۔

آخر یہ صلاح ناصر بن شرغہ اکوزی خواجوزی علاؤالدین زئی اور مبارک بن پائندہ ملی زئی پائندہ خیل اور الیاس بن دلیخک ملی زئی ابوبکر خیل اور الکی بن احمد خواجو زئی شامیزی اور کدو بن مترک مندثر ساموزی اور تاجک بن معروف ملک زئی جو یوسف زئی کے ناسور ملک تھے، بطریق جرگہ دوآبے گئے اور اپنی ساری قوم کے ساتھ صلاح و مشورہ کیا انہیں اپنی سرگشت سنائی اور انہیں بتایا کہ خلیل نے کس طرح بد خصلتی اور تعدی کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور ناحق ہم پر لشکر کشی کی اور ہمیں قتل و غارت کیا پھر ان کی یہ بدی اور شرارت اب بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ مسلسل جاری ہے۔ چنانچہ ”گاڑ کے“ اور ”نشکی“ کے زمانے سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اب باجوڑ بھی ہم سے چھین لیا۔ چنانچہ ملک احمد جو سب کا سردار اور سربراہ تھا اور شیخ ملی بن پیری کا زئی مندثر جو مشاہیر میں سے تھا اور ملک احمد کا ثانی، ملک قرہ بن بہزاد صدو زئی مندثر خان کچو کا پدر بزرگوار جو اپنے زمانے کے ناسی لوگوں میں سے تھا اور ملک محمود بن یحییٰ اکوزی خواجوزی علاؤالدین زئی اور خواجہ خضر بن شیخ عثمان بن موقی ملی زئی جن کے مقامات عالیہ کا ذکر اس سے قبل گزر چکا ہے اور شیخ سنا ابن نیکی خواجوزی جو یوسف زئی کے مقتداؤں میں سے تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام مشاہیر وقت نے ان حقائق کو بالاتفاق تسلیم کیا اور کہا کہ فی الحقیقت خلیل ”گاڑ کے“ اور ”نشکی“ کے زمانے سے ہمارے درپے آزار رہے ہیں۔ وہاں بھی ہم پر تعدی اور فتنہ انگیزی کرتے تھے۔ پہلے تندرہار سے ہمیں نکالا پھر جب ہم یہاں آ گئے تو یہ یہاں بھی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ان کی بے وفائیوں اور تمام برائیوں کے باوجود جب ان

پہر وقت پڑا اور یہ یہاں آئے تو ہم نے ان کے ساتھ یہ احسان کیا کہ آدھا باجوڑ ان کو دے دیا لیکن ہمارے اس احسان کے باوجود نہ تو انہوں نے ہمارا احسان مانا اور نہ ان کی سرشت بدلی۔ اپنی بد اعمالیوں پر نادم ہونے کی بجائے اپنی اسی پرانی بد خلقی پر اتر آئے۔ چنانچہ بعد صلاح و مشورہ طے پایا کہ اس وقت خلیل تنہا ہیں۔ مہمند اور داؤد زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں اس لیے ان پر لشکر کشی کرنے اور باجوڑ سے انہیں نکال باہر کرنے کا یہ مناسب وقت ہے۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں داؤد زئی اور بعض مہمند جو مقرر اور قورہ باغ سے آئے ہوئے تھے، کابل کے نواح میں سکونت پذیر تھے اور بعض مہمند ابھی مقرر اور قورہ باغ ہی میں تھے، اس لیے یہ صلاح ہوئی کہ ہجوم و اقدام میں جلدی کریں تاکہ مہمند اور داؤد زئی ان کی مدد کے لیے نہ آسکیں۔ یوسف زئی نے یہ عجلت تمام لشکر کا انتظام کیا اور جمعیت تمام اور ہیئت عظیم کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ان ایام میں یوسف زئیوں نے پھر اشغر پر قبضہ کر لیا تھا۔ حصار کے نالے سے حصار بالول، حصار بیغمی، کالنگ، سنگاؤ، شیر خائی، باز درے، موراناسی پہاڑ اور ٹوٹئی تک، کا جھکا سیوزئی، مالا کنڈ تک تمام میدانی، پہاڑ کے دامن تک تمام علاقہ شلمانیوں سے جنگ میں انہیں شکست دے کر چھین لیا تھا اور جابجا اس میں آباد ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں اشغر کے ساکنین شلمانی (لوگ) تھے اور اشغر کے ماسوا سارے مالک (علاقوں) میں دھکان لوگ آباد تھے جو سلطان پکھل کی رعیت تھے۔ سلطان پکھل سوات کا سلطان تھا جس کا ذکر اپنے محل میں (انشا اللہ تعالیٰ) آجائے گا۔

القصبہ یوسف زئی اپنے تمام شرکا اور ہمسایوں مثلاً گدون، کبخار اور اتمان خیل وغیرہ کے ساتھ جو اس وقت تک یوسف زئی کے

ساتھ رہتے تھے، لشکر بنا کر ہندیاں اور کڑپہ کے راستے روانہ ہوئے اور دانشکول پہنچ کر پڑاؤ کیا۔

ٹھیک اس زمانے میں جب باجوڑ کے یوسف زئیوں کا جرگہ دوآبہ جارہا تھا دوسرا جرگہ میر جمال امان زئی کی سرکردگی میں دانشکول روانہ کیا گیا تھا تاکہ دلزاک سے صلح و صفائی کر کے انہیں اپنی مدد کے لیے آمادہ کریں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت میر جمال امان زئی ملک ہیو کے یہاں یہ طریق جرگہ (اور گناہ بخشوانے) جارہا تھا تو میر جمال اور اس کے فرزند احمد دونوں نے تلوار اور کفن گلے میں ڈال لیے تھے۔ وہ دونوں رات کے اندھیرے میں ملک ہیو کے گھر میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ میر جمال ہیو کے گھر میں داخل ہو گیا اس نے جا کر یہ بات مسجد میں کہہ دی۔ مسجد والوں نے ہیو کی بیوہ کے پاس آدمی بھیجا کہ میر جمال کے ساتھ عزت و حرمت کا سلوک اور خاطر مدارات کرو۔ صبح کو ہم احوال معلوم کریں گے۔

ملک ہیو کی بیوہ نے میر جمال کی اچھی طرح سے مدارات کی۔ صبح کو عمر خیل دلزاک ملک ہیو کے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ گئے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کی اس کے بعد دریافت کیا کہ خیر سے آپ کا آنا کیسے اور کس مطالب سے ہوا ہے؟ میر جمال نے کہا کہ مجھ سے تقصیر ہوئی ہے آپ کا قصور وار ہوں، یہ رہی تلوار اور کفن آپ کو اختیار ہے خواہ مار ڈالیں خواہ معاف کر دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھ یہ بدسلوکی خلیل نے کی ہے، یوسف زئی نے نہیں کی اگر خلیل نہ ہوتے تو یہ بدسلوکی بھی نہ ہوتی اس فساد کا سبب وہی لوگ تھے۔ اب وہ آپ کے بھی دشمن ہیں اور ہمارے بھی قدیمی دشمن ہیں۔ ”گاڑے“ اور ”نشی“ کے زمانے

سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ آزار رسانی اور برائی کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ ہم نے ان پر احسانات کیے تھے انہوں نے ہمارے ساتھ کس شان سے بدسلوکی کی۔ میں اب جرگے (ننوائے) کے طریق پر آیا ہوں، ہمارے ساتھ لشکر کریں کہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ باجوڑ یا ہمارا ہو جائے یا ان کا۔ ان کے ساتھ شریک رہنا اب ہم سے نہیں ہو سکتا۔

دلزاک عمر خیل نے میر جمال سے کہا کہ میر جمال! اب جب کہ تم معافی مانگنے آئے ہو اور مہم کی غرض سے آئے ہو تم ہمارے عزیز ہو۔ ہم تمہارے ساتھ لشکر بھی کر دیں گے اور تمہاری مہم کو تکمیل تک پہنچا دیں گے۔

یوسف زئیوں کا لشکر دانشکول پہنچا تو میر جمال ابھی تک وہیں تھے۔ انہوں نے حالات کو اپنی منشا کے مطابق درست کر لیا تھا) اب یوسف زئی اور میر جمال اور عمر خیل کا لشکر سب کا سب دانشکول پر جمع ہو گیا۔ سب نے باہم مشورہ کیا کہ عمر خیل اور باجوڑ کے یوسف زئی میر جمال کے ساتھ شارع عام پر چارمینگ پہنچیں تاکہ خلیل کے لیے سرکوب (چوٹی) کا راستہ بند کر دیں اور ناوگئی کے راستے کی بھی دیکھ بھال کریں تاکہ خلیل پشت کی طرف سے 'کوئٹہ' کے راستے لغمان (کابل) نہ بھاگ جائیں اور یہ عظیم لشکر بھی ہم رشت (یا رخت) کی چوٹی پر سے باجوڑ میں بخیریت اتر جائیں۔

آخر الامر میر جمال اپنے عزیزوں اور دلزاک کی سمیت میں چارمینگ کے راستے اور دوسرے قبائل کا زبردست لشکر رخت کی چوٹی کے راستے باجوڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میر جمال کے لشکر نے چوٹی کو سر کر لیا تو نیچے لاشوڑے کے میدان میں ایک بڑے لشکر پر اس کی نظر پڑی (یہ ایک خطرے کی علامت تھی)

میر جمال سلک پیپو کے گھر دانشکول جارہا تھا تو اپنے اعیانی بھائی ابوبکر نامی سے جو ساری قوم میں بہت بہادر اور اپنے وقت کا بے نظیر شخص تھا، کہا تھا کہ تم اپنے سابقہ عزیزوں کے ساتھ ہمیشہ نکل کر اپنے گاؤں اور گرد و نواح کی پاسبانی اور حفاظت اور حدود کی نگہداشت کرتے رہنا۔ چنانچہ ابوبکر مذکور میر جمال کی ہدایت کے مطابق سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ روزانہ پاسبانی اور حفاظت کرتا تھا۔ خلیل کو یہ معلوم ہوا تو اس کی تاک میں رہنے لگے اس روز خلیل ابوبکر کی تلاش میں اس جگہ جہاں پر شیخ اسماعیل بن محمود مہمند قدس سرہ کی قبر واقع ہے، چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب ابوبکر اس کے قریب پہنچ گیا تو اچانک پناہ گاہ سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا اور ابوبکر کو سواروں سمیت قتل کر دیا۔ میر جمال کو جو خطرہ تھا اور جس کے پیش نظر اس نے جاتے ہوئے اپنے بھائی سے چوکنا رہنے کی تاکید کی تھی وہ پیش آچکا تھا۔ اس نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا خدا ناخواستہ میرے بھائی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہو! اس نے اپنے بیٹے احمد کو ساتھ لیا اور لشکر سے آگے نکل گیا۔ راستے میں اپنے فرزند احمد سے کہنے لگا، کاش ابوبکر کو زندہ دیکھ سکوں! مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ابوبکر مردہ پڑا ہوا ہے۔ دونوں بہت رنجیدہ ہوئے۔

میر جمال نے بیٹے سے کہا کہ جلدی سے اتر کر ابوبکر کے دھڑ کو دو ٹکڑے کر دو، نصف تم لے لو اور آدھا مجھے دے دو تاکہ (آسانی کے ساتھ اٹھا کر لے چل سکیں۔ احمد نے غمزدہ لہجے میں کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میر جمال نے اس پر غصے کا اظہار کیا اور خود اتر کر ابوبکر کی لاش کے دو ٹکڑے کیے، آدھا حصہ خود لیا اور آدھا احمد کو دے کر روانہ ہو گئے اور لشکر

سے جاملے۔ اہل لشکر نے بھی اس پر بڑا افسوس کیا۔ لشکر نے لاشوڑہ کے اس مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں اب غازی خان ابن ملک پنی گگیانی موسی زئی آباد ہیں۔ خلیل بھاگ کر ہندو راج کے درے میں اکٹھے ہو گئے۔ عمر خیل نے جنگ کا نقشہ اس طرح بنایا تھا کہ میر جمال اپنے عزیزوں کو ساتھ لے کر چارمنگ کے راستے ہندو راج پہنچیں اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکہ بندی کر کے وہاں کے باشندوں سے کہیں کہ ان کا لشکر ہندو راج کی چوٹی پر خلیل کا راستہ روک لے تاکہ وہ اسے پار کر کے دوسری طرف نہ جاسکیں۔ سرکوب کے راستے کی ناکہ بندی عمر خیل کو کرنی تھی اور ایک لشکر کو نیچے کی طرف سے خلیل پر حملہ کرنا تھا اور اس طرح گھیر کر ان کو قتل کرنے اور ہمیشہ کے لیے عمر خیل دلزاک اور یوسف زئیوں کے درمیان سے اس کاٹنے کو نکل دینے کا منصوبہ بنایا تھا اور یہ تصفیہ بھی کر لیا گیا تھا کہ چوٹی کے اس طرف (پائی ڈال) کا علاقہ یوسف زئیوں کا اور اس طرف کا عمر خیل دلزاک کا ہو جائے گا۔

چنانچہ اس جنگی منصوبے کے مطابق میر جمال نے ہندو راج پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکہ بندی کر دی۔

کوہ ہندو راج کے متصل ایک بڑے پہاڑ کا درہ ہے اور ہندو راج ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو ہندو راجی کہتے ہیں۔ اس وقت جب کہ ۵۱۰۳۲ ہے اس کے جنوب کی طرف اسماعیل زئی ترکلانی آباد ہیں اور شمال کی طرف پرانے زمانے سے اب تک کفار رہتے ہیں اور سارا علاقہ ان کے تصرف میں ہے۔

الغرض میر جمال نے ہندو راجیوں کے ساتھ مل کر کوہ ہندو راج کی چوٹی پر قبضہ کر لیا اور نیچے کی طرف سے بڑے لشکر

نے پیش قدمی کی۔

جس وقت بڑا لشکر دو میل کے فاصلے پر درے کے سنگر پر پہنچ گیا، خلیل کا لشکر بھی پوری تیاری اور کامل جمعیت کے ساتھ اپنی پناہ گاہوں سے نکل آیا۔ اس میدان میں جہاں اب ملک یار حسین ابن پیر ترکلانی اور یازی کا قبیلہ آباد ہے دونوں لشکر ایک دوسرے کے آنے سامنے آ گئے اور ایک سخت معرکہ پیش آیا۔ دونوں فوجوں نے خوب ڈٹ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا، کوئی کسی کو شکست نہ دے سکا ابھی معرکہ کار زار گرم تھا کہ میر جمال اور ہندو راجی پیچھے سے سنگر پر چڑھ آئے، خلیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہو گئے اور ہمت ہار بیٹھے اور سنگر کی طرف پسپا ہونے لگے، بعض میدان جنگ میں مارے گئے اور بعض پسپا ہونے میں مارے گئے اور اکثر سنگر میں اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے۔ بہت سے لوگ جو بچ گئے تھے وہ ناوگشی کی طرف بھاگ نکلے۔ سنگر غارت و تباہ ہو گیا اور عورتیں اور بچے قیدی بنائے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں اس قدر لوگ قید ہوئے تھے کہ بعض یوسف زئیوں نے بٹی کے برتنوں کے عوض قیدی فروخت کئے۔ چنانچہ یوسف زئی خلیل کو اب تک یہ طعنہ دیتے ہیں۔ جس جگہ خلیل نے پڑاؤ کیا تھا اسے ابھی تک سنگر درہ کہتے ہیں اسی جگہ لشکر نے رات گزاری۔ ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے خلیل کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جس جس کے یہاں قیدی تھے سبھوں نے چھوڑ دئے۔ پھر بھی بعض لوگوں نے چھپا لیے۔ زان بعد سب خوش و خرم فتح کے شادیانے بجاتے دوائے کو واپس آ گئے۔

کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب کہ یوسف زئی کابل سے

آ کر دوآبے میں سکونت پذیر ہو گئے تو کچھ زمانے کے بعد دلزاک کے اشارے پر اشغر پر قبضہ کرنے کا تمہید کر لیا۔ چنانچہ اس وقت اشغر کا حاکم میر ہندا بن آرزو تھا جو قوم دھگان اور قبیلہ ڈوڈال سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا نامور اور بہادر تھا اور اس طرف سلطان اویس سوات کا بادشاہ تھا جو اشغر کے قلعے میں رہتا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر سلاطین سوات کے سلسلے میں اپنے مقام پر آئے گا۔ سوات سے لے کر شیر خانے، باز درہ، برمول، سنکاؤ، حصار بالول اور حصار بیغم اور اشغر اس کے تصرف میں تھے اور ان تمام ممالک کے لوگ سلطان اویس کی رعیت تھے۔

اس زمانے میں تمام ملک اشغر میں شلمانی قوم آباد تھی۔ اشغر کا قلعہ اس زمانے میں بڑا سنگین اور مضبوط تھا جو اونچے پستے پر اس جگہ واقع تھا جہاں ملک فتح خان بن ملک سعید خان بن ملک خضر خان محمد زئی بارک زئی اشغری کا مسکن اولین تھا، جسے قلعہ اشغر کہا جاتا تھا اب یہ قلعہ ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گیا ہے۔

القصہ جب یوسف زئی نے اشغر کے ملک پر قبضہ کا قصد کیا تو یوسف نامے کے چند نوجوانوں کو چھاپہ مارنے کی غرض سے اشغر بھیجا تاکہ شلمانوں کے مال و مویشیوں کو چراگاہ سے پکڑ لائیں یہ چھاپہ مار اشغر گئے اور شلمانوں کے مویشیوں کو پکڑ کر لے بھاگے۔ لیکن میر ہندا اور شلمانوں کو واقعہ کی خبر مل گئی انہوں نے ان کا پیچھا کر کے اپنے مویشی چھڑا لیے۔ یہ جیسے گئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ دوآبے واپس آ گئے۔ منڈنڑ نامے نے اس پر انہیں ملامت کی اور کہا کہ زندگی میں ایک دفعہ تم ہمارے بغیر تنہا گئے تھے اور خالی ہاتھ آ گئے کچھ بھی نہ کر سکے۔

صبح کو منڈنڑ نے خوب تیاری کر کے کچھ سواروں اور پیادوں کو پار بھیجا۔ سوار تاک میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ پیادوں نے جاکر شلمانوں کے مویشی ہنکائے۔ میر ہندا اور شلمانوں کو پھر اطلاع مل گئی، انہوں نے پوری قوت اور کامل جمعیت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ شلمانی تعاقب کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں منڈنڑ کے سوار چھپے ہوئے بیٹھے تھے، تو اچانک سواروں نے ان پر ہلہ بول دیا اور ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس اثنا میں یوسف نامے کے لوگ بھی امداد کے لیے پہنچ گئے اور باہم لڑائی چھڑ گئی۔ آخر میر ہندا اور شلمانوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے یہ تعاقب کرتے رہے تاآنکہ شلمانوں نے قلعے میں گھس کر دروازے بسند کر لیے اور یوسف زئی نے ان کا محاصرہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے اشغر پر قبضہ کرنے کی نیت کر لی تو اشغر میں جہاں جہاں شلمانی مقیم تھے وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر اپنے مال و اسباب سمیت حصار (قلعہ) میں داخل ہو گئے تھے۔ یوسف زئی نے حصار اشغر اور جیند دریا کے درمیانی علاقے کی ناکہ بندی کر کے ان کا پانی بند کر دیا۔ تین چار دن کی محصوریت سے بہت عاجز اور مضطرب و مجبور ہو گئے اور ملک احمد کو پیغام بھیجا کہ ہمیں خدا نے شرمندہ کر دیا، اب عاجز و لاچار ہیں راستہ دے دیں کہ یہاں سے چلے جائیں اور اس قدر سہولت دے دیں کہ جو مال و اسباب اپنے ساتھ لے جاسکیں، لے جائیں

ملک احمد اور دوسرے سرداروں نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور انہیں وہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دی۔ تمام شلمانی اور میر ہندا اپنی فوج کے ساتھ جس قدر مال و اسباب اٹھا کر

لے جاسکتے تھے اٹھا کر رات کے وقت قلعے سے نکل کر حصار بالول کی طرف روانہ ہو گئے اور بقیہ مال و اسباب سب کچھ وہیں چھوڑ گئے۔ ساری رات کوچ کرنے کے بعد صبح کے وقت حصار بالول میں پہنچ گئے جو سنگین اور محکم تھا۔ صبح تڑکے یوسف زئی حصار میں داخل ہوئے اور بقیہ تمام مال و اسباب کو غارت کر دیا اور سارے اشغر کو اپنے تصرف میں لے آئے اور دواہی سے ہر نسل اور ہر قبیلے سے برابر برابر لوگوں کو لے کر اشغر میں آباد کرا دیا اس کے بعد میر ہندا کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ جب میر ہندا کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ حصار بالول سے نکل کر آگے کی طرف بھاگا اور حصار بیغم میں پناہ لی۔ یوسف زئی حصار بالول سے بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اسے یہ معلوم ہوا تو وہ حصار بیغم سے بھی فرار ہو کر شیرخانہ کی طرف چلا گیا۔ متحقی نہ رہے کہ قلعہ بالول اور قلعہ بیغم دونوں چھوٹے مگر سنگین قلعے ہیں اور لوگوں میں بہت مشہور ہیں۔ یہ دونوں قلعے موضع کلپانڑی کے علاقے میں واقع ہیں۔ قلعہ بیغم بلند ٹیلے پر واقع ہے اور حصار بالول سے خوبصورت ہے، مگر اب ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ دونوں قلعوں کے درمیان ڈھائی میل کا فاصلہ ہے۔

یوسف زئی اسی طرح میر ہندا کے تعاقب میں بڑھتے رہے اور وہ آگے آگے فرار ہوتا رہا کسی جگہ بھی اس کے پیر نہ ٹک سکے یہاں تک کہ میدان علاقے میں بھی دیہگان قوم کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔ سب کے سب مورا نامی پہاڑ کی چوٹی کو عبور کر کے سوات چلے گئے۔ میر ہندا کا گھر تھانہ میں تھا اور اس کا قبیلہ ڈو ڈال بھی تھانے میں رہتا تھا وہ بھی تھانے چلا گیا۔ تھانہ سوات میں ایک مشہور و معروف گاؤں ہے۔

اس کے بعد یوسف زئی واپس لوٹ آئے اور داسن کوہ اور

میدانی علاقے کے تمام مالک حصار کے نالے سے لے کر اشغر، حصار بالول حصار بیغم، شیر خانہ، کالنگ، سنگاؤ، باز درہ، مورا نامی (پہاڑ) تک دیہگانوں سے خالی کرالیے اور اپنے تصرف میں لے آئے اور اس طرح اپنے مقابلے میں ان مالک کے کسی دعویدار کو باقی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد اشغر آکر ملک سوات پر حملے کے لیے سامان جنگ کی فراہمی اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ مگر اتفاقاً اس اثنا میں یوسف زئی اور پشاور کے دلزاک کے مابین مخالفت پیدا ہو گئی۔ اس لیے سوات کی مہم کو چھوڑ دینا پڑا۔

ان حالات کی تفصیل یہ ہے کہ پشاور کے دلزاک چوری چھپے رات کو اور دن کو بھی پار آکر یوسف زئی کے گرد و نواح میں پھرتے رہتے تھے اور جون ہی موقع پاتے نقصان پہنچاتے تھے۔ جب ملک احمد اور دوسرے سردار یوسف زئی ان سے شکایت کرتے تو یہ جواب میں کہتے کہ ہم کسی کے ساتھ برائی کرنے کے روادار نہیں ہیں آپ چور چکار سے پوشیار رہیں۔

بالآخر دلزاک کے دھاڑوں اور چوریوں سے یوسف زئی لاچار ہو گئے۔ ملک احمد نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایک رات پار جا کر دلزاک کے سویسی ہانک لائیں شائد وہ اس طرح ڈر کر برائی سے دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ ایک رات یوسف زئی کے ڈاکو پار گئے اور ملک محمد خان دلزاک کی خاص سواری کا گھوڑا آڑا لانے اور شیخ ملی اکا زئی سنڈل کو دے دیا۔

دلزاک کو اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے بہت پیچ و تاب کھائے۔ اب وہ کھلم کھلا یوسف زئی کو نقصان پہنچانے پر کمر بستہ ہو گئے۔ شب و روز پار آتے اور ایذا پہنچاتے تھے۔ شیخ ملی ہمیشہ محمد خان کے اسی گھوڑے پر سوار ہوتے اور رات کے وقت چند سواروں اور

پیادوں کے ساتھ قوم کی نگہبانی اور گرد و نواح کی حفاظت کرتے۔ بالخصوص درمیانی گزرگاہ کی تو ساری رات بالا و پایاں نگرانی ہوتی تھی کہ مبادا دلزاک پار آکر نقصان پہنچائیں۔

ایک رات جوہڑ ابن کبمل اور بعض دلزاک جو اس وقت کے شجاع تھے کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ شبخون مارنے کے لیے برابر اور تنگی کے اوپر اس جگہ کے مقابل جہاں علی کی زیارت ہے چھپ کر پار آگئے ان میں سے کچھ دریا کے کنارے پہاڑ میں تنگی کی گزرگاہ کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگ یوسف زئیوں کے دیہات کے نزدیک جہاں اس زمانے میں زیتون کے درختوں کا جنگل تھا۔ گئے اور چھپ کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ مویشی آجائیں تو پکڑ کر لے جائیں۔ شیخ ملی اس شب کو بھی اپنی عادت اور معمول کے مطابق کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ میچنے کی گزرگاہ سے بہت نیچے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں شیخ عباس کے والد حاجی محمد کی قبر ہے اور دوسری طرف دریا کے کنارے دلزاک کا گاؤں تھا جس میں یوسف زئی کی ایک خاتون بیابھی گئی تھی جسے دلزاک کے اس چھاؤ اور غارت گری کا علم تھا کہ وہ شبخون کی غرض سے پار چلے گئے ہیں، یہ خاتون اپنی قوم (یوسف زئی) کی خیر خواہی کے سبب دریا کے کنارے آگئی اور بلند آواز میں رمز و کنایہ کے طریق پر کہا کہ اے سوارو! میں تمہاری بہن ہوں۔ ہماری طرف سے سیب ڈاکو تمہاری طرف لے گئے ہیں اور تمام بہترین سیب ان میں شامل ہیں، پس خبردار رہو۔ اس قول سے اس کی مراد یہ تھی کہ دلزاک کا دھاڑا پار گیا ہے اور دلزاک کے بہترین سوار اس میں شامل ہیں۔ شیخ ملی نے جوں ہی اس نیک سرشت بی بی کی بات سنی اسے پہچان لیا اور اس کے کنائے کو بھی سمجھ گیا کہ دلزاک

کا دھاڑا شبخون مارنے اس طرف آگیا ہے۔

دلزاک اور یوسف زئی کی جنگ

شیخ ملی نے فوراً اپنے دیہات میں قاصد بھیج دئے اور لوگوں کو خبردار کر دیا۔ چاشت کے وقت تک تمام لوگ نکل نکل کر جمع ہو گئے۔ یعنی ہر طرف کے دیہات سے دھاوے آگئے۔ گاؤں کے قریب دلزاک کو دیکھا اور پیچھے ہولئے۔ دوسری طرف سے شیخ ملی بھی دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف آرہا تھا۔ سب آکر پیچوفی (موڑ) کے بالمقابل جمع ہو گئے۔ دلزاک بھی سب آکر پیچوفی کے دلزاک سے پہاڑ میں آکر مل گئے۔ یوسف زئی کے پیادے اوپر کی طرف سے آگئے اور سوار نیچے کی طرف سے اوپر چڑھ گئے۔ دلزاک تیر زنی میں مشہور اور صحیح نشانہ باز تھے، یوسف زئی کے کافی تیر انداز تھے اور میچنے کے پہاڑ کے قریب تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور جنگ چھڑ گئی۔

دریا کے دوسری طرف کنارے کنارے دلزاک کے دیہات تھے۔ ملک محمد خان دلزاک کا گاؤں بھی دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ محمد خان جاکر برابر کے پہاڑ ورسک میچنے کی گزرگاہ کے بالمقابل بیٹھ گیا اور جو کام اور جنگ کے قابل آدمی تھے ان سب کو شنازوں پر پار کرا دیا اور جو ضعیف اور کمزور تھے وہ اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے اور جنگ کا تماشہ دیکھنے لگے۔ میدان جنگ وہاں سے صاف نظر آرہا تھا۔ طرفین نے جنگ میں کوئی کمی نہ کی۔ تیراندازی کے بعد دست بدست تلواریں چلنے لگیں مگر شکست کسی نے نہ کھائی۔ طرفین سے کوئی مرجاتا یا زخمی ہو جاتا، تو اسے جنگ گاہ سے ہٹا لیا جاتا۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو جانبین نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ: آفریں ہے تمہاری مردانگی اور ہمت پر، اب جب کہ رات ہو گئی ہے اور دونوں طرف کے لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں مناسب ہوگا کہ ایک دوسرے کے مقابلے سے ہٹ جائیں اور اپنے مقتولوں کو دفن اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ آخر طے پایا کہ ایک جانب کے لوگ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور دوسری جانب کے لوگ اپنے مقتولوں کو یہاں دفن کریں۔ دوسرے دن دوسری جانب کے لوگ آجائیں گے اور وہ اپنے مردوں کو دفنائیں گے۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق دلزاک نے رات وہیں گزاری، صبح کے وقت انہوں نے اپنے مردوں کو اٹھایا اور روبہ شمال کڑوہی کے گبریوں کی چوٹی کے دامن میں ہموار زمین میں دفن کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد یوسف زئی آئے اور اپنے مردوں کو اٹھا کر دلزاک کے مقبرے کے متصل پانچ چھ گز کے فاصلے پر دفن کیا۔ دونوں قبرستانوں کے درمیان سے 'کڑوہی' کو راستہ جاتا ہے۔ باجوڑ کا راستہ یوسف زئی کے مقبرے کے پاس سے الگ ہو گیا ہے اور گبریوں کا راستہ بھی یہاں سے الگ ہو گیا ہے۔ چنانچہ راستے سے مغرب کی طرف دلزاک کا مقبرہ ہے اور مشرق کی جانب یوسف زئی کا۔

اس مقام پر سفید مٹی اور سنگ ریزے بہت زیادہ ہیں، چنانچہ لوگوں نے قبروں کے اوپر بھی سفید سنگ ریزے ڈال دیے ہیں اس لیے دور سے وہ جگہ سفید دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس مقام کو "سپین خاک" کہا جاتا ہے۔ گرد نواح کے بسنے والوں میں یہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

یوسف زئی کے ساتھ لڑنے کے لیے دلزاک کا لشکر جمع کرنا۔

یہ سانحہ دلزاک پر بہت سخت گزرا اس لیے انہوں نے لشکر جمع کرنے میں بہت کوشش کی اور لشکر جرار جمع کر کے روانہ ہو گئے اور میچنے تنگی کی گزر گاہ پر، بربر میں ڈیرے ڈال دیے۔ اس زمانے میں یوسف زئی کثرت اور طاقت کے لحاظ سے کوئی خاص حیثیت نہ رکھتے تھے، کیونکہ وہ ابھی نئے نئے کابل سے یہاں پہنچے تھے۔ مرزا الغ بیگ کے حوادث نے انہیں پہلے ہی شکستہ حال کر دیا تھا۔ پھر ابھی جس طرح ممکن ہوا لشکر اکٹھا کر کے میچنے کی گزر گاہ پر بربر کے لشکر کے مقابل سورجے سنبھال لیے۔ مگر یوسف زئی بڑے خوفزدہ تھے کیونکہ ان کا لشکر قلیل تھا۔ اس موقع پر ملک احمد نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا:

”اے میرے عزیزو! دلزاک بہت بڑی نسل ہے۔ ان مالک میں ہر جگہ یہی لوگ آباد ہیں۔ چنانچہ پشاور، ننگر پار، تیراہ، کپانڈی سے پیپور تک جو دریا کے کنارے واقع ہے اور چھچھ، ہزارہ، کرلخ جو دریائے سندھ کے اس پار واقع ہیں ہر جگہ یہی لوگ بستے ہیں اور ہم سڑبنی (قبیلے) کے اس ملک میں یہی معدودے چند دیہات ہیں وہ بھی ان ہی کے دئے ہوئے ہیں۔ ہمارے سڑبنی میں سے گگیانی اور محمد زئی کابل میں رہ گئے، ترکلانی لغمان میں اور غوری خیل مقر اور قرہ باغ میں رہ گئے ہیں۔ پس ہمارے اندر ان کے ساتھ جنگ و مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے میری رائے میں قوم کی بہتری اس میں ہے کہ میں ملک محمد خان کے پاس بطور جرگہ (ننوائے) جلا جاؤں شاید وہ ہمارا یہ قصور معاف کر کے اپنے لشکر کو منتشر کر دے“ (اور آنے والی تباہی سے ہم بچ جائیں)۔ تمام یوسف زئیوں نے اس کی اس

رائے کو سراہا۔

دلزاک کے ساتھ صلح کرنے کی غرض سے
ملک احمد خان کا ملک محمد خان کے یہاں جانا۔

القصد ملک احمد چند پیادوں کی معیت میں لشکر سے نیچے کی طرف روانہ ہوا اور میچنشے کی دوسری گزرگاہ سے جو پہاڑ کی انتہا پر واقع ہے دریا پار کر کے چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کے گھر وہ پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا وہ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ محمد خان اس وقت لشکر میں تھا اس کی بیوی نے جو بہت جوان مرد اور عاقلہ تھی اس سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کس غرض سے آئے ہیں؟ ملک احمد نے کہا میں ملک احمد یوسف زئی ہوں اور ملک محمد خان کے پاس بطور جرگہ (ننوائے) آیا ہوں۔ یہ سن کر اس نے انہیں عزت سے بٹھایا اور اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اپنے ایک معتمد آدمی کو خفیہ طریقے سے ملک محمد خان کے پاس بھیجا اور اسے مطلع کر دیا کہ ملک احمد بطور جرگہ آیا ہے۔ اس نے قاصد کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ دیکھو خبردار رہو، ملک محمد خان اور باقی عوام کی مرضی اچھی طرح بھانپ لینا اور فوراً مجھے آکر اطلاع دینا۔

قاصد گیا اور خفیہ طور سے ملک محمد خان کو صورت حال سے باخبر کیا۔ محمد خان نے اپنے تمام اعزاء کو بلا کر انہیں حالات سے آگاہ کیا اور آپس میں مشورہ کیا۔ لیکن یہ بات لشکر والوں پر عیاں ہوئی تو ان میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ چونکہ جنگ میں ہر کسی کے بھائی اور عزیز قتل ہوئے تھے، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ

خدا نے ہمیں ملک احمد دیا ہے ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور بہت سے لوگ زور و شور، جوش و خروش، قہر و اشتعال اور غصے سے لبریز ملک احمد کو قتل کرنے کی غرض سے ملک محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملک محمد خان اور اس کے رشتہ دار ملک احمد کے ساتھ برا سلوک کرنے کے روادار نہ تھے۔ اس لیے دلزاک سے کہا کہ گھر میں منت سماجت کے لیے آئے ہوئے لوگوں کو آج تک کسی نے قتل نہیں کیا، اس میں ہماری بڑی بدنامی ہے، اس طرح ان کا قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ ملک محمد خان نے لوگوں کو ہر چند سمجھایا مگر لا حاصل۔ سارا لشکر محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمد خان بھی ان کے ہمراہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کی بیوی کے قاصد نے جو یہ نقشہ دیکھا تو اس نے لشکر سے پہلے ہٹ کر اسے ان حالات سے باخبر کیا اور اسے بتایا کہ سارا لشکر ملک احمد کو قتل کرنے پر تلا ہوا ہے اور ملک محمد خان کی بات کوئی نہیں سنتا۔ ملک محمد خان کی بیوی نے یہ سنا تو ملک احمد سے کہا:

”سارا لشکر آپ کو قتل کرنے کے لیے چلا آرہا ہے اور ملک محمد خان کی مخالفت اور نصیحت کچھ سود مند نظر نہیں آتی، قوم اور عوام کا زور بڑا ہے، آپ فوراً اس تمہ خاے میں کپڑوں کے پیچھے چھپ جائیں، اپنی حفاظت فرض ہے۔“

ملک احمد نے کہا ”جیسے آپ مناسب سمجھیں، اس میں بہتری ہوگی۔“ ملک احمد اندر گھس گیا اور ان ہنڈلوں کے پیچھے چھپ گیا، یہ تدابیر ملک محمد خان کی بیوی نے پہلے سے سوچ لی تھی اور ہنڈلوں کے پیچھے اس نے اسی غرض سے جگہ بنادی تھی۔

جب ملک محمد خان کی بیوی نے دیکھا کہ دلزاک اپنے ارادے پر واقعی پشیمان ہیں تو اس نے شوہر سے چپکے سے کہا کہ اگر آپ ملک احمد کو دلزاک کے شر سے بچا سکتے ہیں اور اس کی منت و سماجت قبول کروا سکتے ہیں تو میں ملک احمد کو بلوا سکتی ہوں۔ ملک محمد خان نے کہا اگر تم ملک احمد کو بلواسکو تو اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی۔ ہم تو اس وقت خدا سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ ملک احمد مل جائے اور ہم آئے اپنے گھر سے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کریں تاکہ ہم سب کی آبرو قائم رہ جائے۔ اب تو مارے دلزاک بھی پشیمان ہیں اور ہر کوئی آرزو کرتا ہے کہ کاش! ہم ملک احمد کو آبرو کے ساتھ رخصت کر دیتے۔ پس اگر تم اسے بلوا سکو تو بہت اچھا ہو۔ اب اس کی جان اور عزت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم اسے عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کریں گے، تاکہ ہماری آبرو اور بھرم قائم رہ جائے۔

غرض یہ کہ پورے اطمینان کے بعد ملک محمد خان کی بیوی نے اسے بتایا کہ ملک احمد کہیں نہیں گیا میں نے اس گھر کی عزت قائم رکھنے کے لیے یہ افواہ پھیلائی تھی کہ ملک احمد بھاگ گیا میں نے اسے تہہ خانے میں کپڑوں کے ہنڈلوں کے پیچھے چھپا دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گئی اور ہنڈلوں کو ہٹا کر ملک احمد کو تہہ خانے سے نکال لائی۔ ملک احمد آکر ملک محمد خان سے ملا ہی ہوا۔ ملک محمد خان اس سے مل کر اور اپنی بیوی کے کمال ہوشیاری پر بہت خوش ہوا۔ اس نے ملک احمد کی مدارات اور دل جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اس کے بعد ملک محمد خان نے عزیز و اقارب کو بلایا اور انہیں ان حالات سے آگاہ کیا۔ وہ بھی آکر ملک احمد سے ملے اور

ملک محمد خان کی بیوی نے ملک احمد کو تہہ خانے میں چھپا کر اپنے راز دار آدمیوں سے کہا کہ گلیوں میں پھیل جاؤ اور آوازیں لگاؤ کہ ملک احمد بھاگ گیا۔ ان آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق گاؤں میں فوراً یہ بات مشہور کر دی کہ ملک احمد بھاگ گیا ہے۔ دلزاک کا لشکر ملک محمد خان کے گاؤں پہنچا اور ملک احمد کے فرار ہو جانے کا اسے پتہ چلا تو بہت رنجیدہ ہوا۔ کہتے ہیں ان میں جو دانا اور سنجیدہ لوگ تھے انہوں نے بہت پشیمانی اور تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ جب کبھی قبیلے ایک دوسرے سے لڑائی کریں اور ایک قبیلے کے معزز لوگ بطور جرگہ منت و سماجت کے لیے آجائیں تو پھر برائی کو دلوں سے نکال دیا جاتا ہے اور جرگے کے لوگوں کو عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے گھروں سے رخصت کرتے ہیں۔ افسوس! ہم نے کتنی بے عقلی اور نادانی کا ثبوت دیا کہ ملک احمد جیسا معزز آدمی ہمارے گھر منت و سماجت کے لیے آیا اور ہم اس کی توقیر کے بجائے اس کے قتل کے دریغ ہو گئے۔ وہ بے آبرو ہو کر ہمارے ہاں سے چلا گیا، تمام قوموں اور قبیلوں میں ہم بدنام ہو گئے۔ اس کے بعد ہم پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا۔

لوگ ملک محمد خان کو بھی ملامت کرتے تھے کہ افسوس ملک احمد جیسا معزز آدمی اس کے گھر منت و سماجت کے لیے آیا اور اس نے اپنے گھر کی لاج نہیں رکھی اور ملک احمد اس کے گھر سے بے آبرو ہو کر چلا گیا۔ ملک محمد خان کی بیوی بھی اسے ملامت کرتی تھی کہ آپ اپنے گھر کی حیا، لاج اور آبرو بھی نہ رکھ سکے اور محمد خان اور اس کے عزیز بھی اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے کہ یہ بہت برا ہوا ہم تو منہ دکھانے کے نہ رہے۔ سارے قبیلوں میں رسوا بدنام اور ہو گئے۔

بہت خوش ہوئے۔ پھر محمد خان نے سارے لشکر کو جو ابھی وہیں موجود تھا آگاہ کیا اس خبر سے ہر کوئی بہت خوش ہوا اور ملک احمد کی طبع تسلی کی۔ فرط مسرت سے ڈھول اور نقارے بجائے اور خوشیاں منائیں۔ آخر میں ملک احمد نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: اے دلزاک! آپ نہایت زبردست اور زور آور لوگ ہو اور ہم بہت تھوڑے سڑبنی یہاں آکر آپ کے زیر سایہ پڑے ہوئے ہیں، باقی ہماری قوم یہاں نہیں ہے۔ اس دفعہ ہمارے گناہ کو معاف کر دیجئے۔ دیکھئے میں اپنی جان کی بازی لگا کر ایسے وقت میں آپ کے آستانے پر منت اور معذرت کے لیے آیا ہوں۔ خدارا اس لشکر کو منتشر کر دیں اور ہم سے اس غلطی کی باز پرس نہ کریں۔

دلزاک نے کہا۔ ملک احمد: جب آپ ہمارے یہاں آگئے تو آپ کے طفیل ہم نے آپ کی قوم کو معاف کر دیا مگر اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ کریں۔ پھر مصافحہ کر کے اور قسموں کے ساتھ صلح کر، اس معاہدے کو مستحکم کیا اسے خلعت سے نوازا اور زین لگا ہوا ایک نہایت عمدہ گھوڑا ملک احمد کو دے کر پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت دلزاک محمد خان کے گھر میں جرگہ تھے، نقارے بجا رہے تھے اور ملک احمد کے بارے میں مشورے کر رہے تھے، دلزاک کا ایک قدیمی مطرب جس کا نام پیرکی تھا وہ بھی اس وقت حاضر تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ پیرکیہ! تم بھی کچھ کہو! پیرکی نے کہ میں کیا کہوں اور اگر کچھ کہوں تو تم مجھ پر غصہ کرو گے۔ جو سمجھدار اور ہوشیار لوگ تھے اور اس کی شیطنت اور فتنہ انگیزی سے باخبر تھے انہوں نے اس سے کہا آخر کچھ تو کہو پیرکی نے بلند آواز سے کہا۔

اے دلزاک! احمد خدا نے تمہیں دیا ہے اسے چھوڑنا مت اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو یہ تمہاری ماؤں کو..... کر دیگا، اور یہ کہہ کر بھاگ گیا لوگوں نے اس کا بہت پیچھا کیا، اسے پتھر مارے، گالیاں دیں مگر اسے جو کہنا تھا کہہ کر صاف نکل گیا۔ غرض یہ کہ ملک احمد کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر کے دلزاک نے اپنا لشکر منتشر کر دیا۔ ملک احمد اپنے لشکر سے آملا اور پھر لشکر سمیت دو آہے واپس آگیا۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے، ملک احمد کو مبارکیاں دی اور کہا کہ الحمد للہ! اللہ پاک نے آپ کو سلامتی کے ساتھ ہم میں پہنچا دیا اور ہمیں دلزاک کے شر سے محفوظ کر دیا۔ ملک احمد نے ان سے کہا کہ اب دلزاک سے تعرض نہ کرنا۔ اب تم سوات کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اگر سوات پر قبضہ کر لیا تو سمجھو کہ ہم نے بغل اور دلزاک دونوں سے چھٹکارا پالیا۔

کہتے ہیں کہ کسی نے ملک احمد سے پوچھا کہ ملک صاحب! دلزاک کو آپ نے کیسا پایا یعنی وہ عقل و فراست میں کیسے لوگ ہیں؟ ملک احمد نے کہا کہ دلزاک بہت ناسمجھ لوگ ہیں، البتہ پیرکی نام کا ان میں ایک مرد دانا تھا جس نے باآواز بلند دلزاک سے کہا کہ ملک احمد کو زندہ نہ چھوڑنا اور اگر چھوڑ دیا تو یہ تمہاری ماؤں کی ایسی تیسی کر دے گا مگر اس کی بات کسی نے نہ مانی۔

مقام سوم

یوسف زئیوں کا سوات کی طرف متوجہ ہونا اور
باہر بادشاہ کا ہر سب زئیوں کو فتح کرنے کی غرض سے آنا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کہتے ہیں کہ سوات پر چڑھائی اور قبضہ کرنے کا فیصلہ
 ملک احمد، شیخ ملی، ملک قرہ اور محمود بن یحییٰ اکو زئی
 علاء الدین زئی اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے متفقہ طور پر
 کیا تھا اور اس سہم میں کامیابی کے لیے دعا مانگی تھی اور اس وقت
 کے اپنے مشائخ سے بھی دعا کرائے ہر کوئی لشکر کی تیاری اور جنگ
 کے ساز و سامان میں لگ گیا۔ میدانِ علاقہ (سمہ) میں یوسف زئی
 کے جتنے دیہات تھے، سورے پہاڑ تک کے لوگ اکٹھا ہو گئے۔
 کہتے ہیں کہ اس وقت اکثر یوسف زئی بگیاڑے کی رود (ندی)
 کے کنارے آباد تھے اور باقی ادھر ادھر منتشر تھے۔ ان ممالک میں
 آباد ہونے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہاں سے سوات جلد ہاتھ آجائے گا۔
 کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی کی آبادی سورا نامی پہاڑ تک
 پہنچ گئی تو سلطان اویس سوات کے بادشاہ پر یہ بات ناگوار گذری۔
 وہ ان سے رنجیدہ اور خائف ہوا اور اپنے امیروں اور سرداروں سے کہا
 کہ یوسف زئی کا اتنے قریب تک آجانا اچھا نہیں ہے۔ یہ سوات کے
 زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوات سے اس قدر قریب آباد ہونے سے ان
 کی غرض سوات پر قبضہ کرنا ہے۔ اس امر کی فکر کرنی چاہیے۔
 امیروں نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کو جو ملک احمد کی ہمشیرہ ہے،
 قتل کر دیں تا کہ یوسف زئی کی آمد و رفت یہاں سے منقطع ہو جائے
 اور ان تک ہمارے حالات کی خبریں نہ پہنچ سکیں۔ سلطان اویس
 نے اپنے امیروں کے مشورے سے اپنی بیوی کو نہایت بربریت کے

ساتھ چھریاں مار مار کر ہلاک کر دیا اور منگلور میں دفن کر دیا۔
کہتے ہیں کہ وہ بہت پارسا اور نہایت صالح عورت تھی۔
ملک احمد اور دوسرے یوسف زئیوں نے جب یہ بات سنی تو سلطان
اویس کا یہ ظلم ناروا ان پر سخت گراں گزرا۔ مگر چونکہ ملک احمد
نہایت زیرک، صاحب عقل اور دانا شخص تھے، انہوں نے
صبر و تحمل سے کام لیا اور بطور تعزیت رسم کے مطابق ایک سو عدد
گائے، بیل سلطان کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ الٰہی حکم یہی
تھا جس سے کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر آپ کو ہم سے ناطہ پسند ہو
تو دوسرا رشتہ بھی حاضر ہے اور اگر اجازت ہو تو میں خود بھی آپ
کے یہاں فاتحہ کے لیے آؤں۔ سلطان اویس نے ملک احمد کے قاصد
کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ جو مقدر میں تھا وہ ہو گیا اگر آپ کی
مرضی یہاں آنے کی ہو تو ضرور آئیں۔ چنانچہ ملک احمد بیس آدمیوں
کو لے کر اپنی ہمشیرہ کی تعزیت کے لیے بگیاڑے سے منگلور کے لیے
روانہ ہو گیا۔

منگلور سوات کا ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں ایک بڑا اور مضبوط
قلعہ ہے۔ یہ مقام سلاطین جہانگیر کا پایہ تخت ہے۔

قلعے میں تمام سلاطین اور بعض جہانگیری امیروں کے عجیب
اور رنگین محلات و قصور تھے، قلعے کے چاروں طرف شہر آباد
تھا جس میں بڑے بڑے بازار تھے، جب یوسف زئی نے سوات فتح کر لیا
تو شہر کو ویران کر دیا مگر قلعہ اور قصور و محلات جو پختہ اور
سنگین تھے، تاحال قائم اور ایستادہ ہیں۔

منگلور کا یہ شہر اور قلعہ، سوات کے آخری سرے پر مشرق
کی جانب پہاڑ کے دامن میں دو ندیوں کے درمیان واقع ہے یہ دونوں
ندیاں چھ میل آگے جا کر دریائے سوات میں گر جاتی ہیں۔

سلاطین جہانگیر، سلطان جہانگیر کی اولاد ہیں۔ جو اسی کی
طرف منسوب ہیں۔ یہ بھی معفی نہ رہے کہ سلطان اویس کی بیوی
جسے ناحق شہید کر دیا گیا تھا ملک احمد کی سگی بہن تھی اور
سلطان اویس کے ساتھ نسبت کی وجہ محض یہ تھی کہ جس وقت
یوسف زئی لوگ خوار و خستہ حال دواہ میں آکر آباد ہوئے تھے
تو پریشان حالی اور تنگ دستی کے سبب مختلف اشیا گڑ، چٹائی
وغیرہ سوات لے جایا کرتے تھے اور فروخت کر کے گزر اوقات کرتے
یوسف زئی روزگار کے سلسلے میں سوات کو آتے جاتے رہتے تھے۔
اس آمد و رفت میں سلطان اور ملک احمد کا غائبانہ تعارف ہو گیا۔
تعارف نے دوستی کی شکل اختیار کر لی۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ
ملک احمد کی کنواری بہن گھر میں موجود ہے تو اس نے نکاح کی
آرزو ظاہر کی۔ یہ چونکہ سوات کا بادشاہ تھا اور ملک احمد اور اس کی
قوم اس وقت سلطان سوات کے محتاج تھے۔ اس لیے ملک احمد نے اپنی
ہمشیرہ کا عقد اس سے کر دیا۔ سلطان نے اپنے خاص اور معتمد امرا
کو عروسی کے وقت بھیجا۔ وہ دہن کو دوآبے سے لے آئے۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جب یوسف زئی ملک احمد
کو اپنے تصرف میں لے آئے اور اس میں آباد ہو گئے۔ تو سلطان اویس
ان کے اس قرب سے خوف زدہ ہوا اور سمجھا کہ یہ لوگ اسی طرح
آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہیں گے اور ایک دن سوات کو بھی پڑپ
کر لیں گے۔ اس لیے اس اندیشے کے پیش نظر وہ سوات کی حفاظت اور
یوسف زئیوں کو وہاں سے نکلوانے میں لگ گیا۔

چنانچہ اس کے ایک مشہور امیر میر ہندا نے مورا نامی پہاڑ
کی چوٹی پر چوکی بنائی اور شاہ اویس اور فرخ زاد نے بھی جو اس کے
ناسور امیر اور ذات کے سواتی دیہگان تھے، مالا کنڈ کی چوٹی پر

جو کیاں بنائیں۔

سلطان کو ملک احمد کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ منگلور سے تھانے آگیا۔ سلاطین سوات کا یہی دستور تھا کہ جب کبھی کوئی مہم پیش آتی تو منگلور سے تھانے آجائے۔ وہاں اپنے اعیان اور سرداروں کو بلا کر جرگہ اور صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ اسی بنا پر اس موضع کو ”اتن جائے“ یعنی جرگے کی جگہ کہتے تھے۔ ”اتن“ گہری زبان میں جرگے کو کہتے ہیں۔

اس زمانے میں سوات کے سلاطین اور جہانگیری گہری میں بات کرتے تھے اور سوات کی رعایا یادری زبان بولتے تھے۔ اس زمانے میں سوات کے لوگ انہیں دو زبانوں میں باتیں کرتے تھے۔

تھانہ سوات کا ایک مشہور موضع ہے جو منگلور سے آدھے دن کی مسافت پر مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ یہاں شروع میں بہت بڑی آبادی رہی ہے اور اس وقت بھی یہاں بابو زئی اکو زئی لوگ آباد ہیں۔

جب ملک احمد تھانے کے قریب پہنچ گیا تو سلطان نے اپنے آدمیوں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ ملک احمد کو تھانے کے متصل کسی مقام پر اتار دیں۔ سلطان کے آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق دو تین تیروں کے فاصلے پر اس جگہ جسے اس وقت ”بخٹنی ڈبری“ کہتے ہیں، جائے اقامت دے دی۔ بخٹنی میر جان شاہ (تاجو خیل) صدو زئی کے بیٹے کا نام تھا جو پہلے وقتوں میں یہاں آباد ہوا تھا۔ بعد میں یہ موضع اس کے نام پر موسوم ہو گیا۔ اس وقت سے آج تک اسے بخٹنی ڈبری کہتے ہیں۔ یہ ایک نامور جگہ ہے۔ آج کل یہاں بلندی پر ایک مسجد آباد ہے۔

الغرض ملک احمد وہاں اقامت پذیر ہوا تو سلطان کے قاصد

نے جا کر ملک احمد کو ایک خدمتگار کے ساتھ مدعو کیا۔ ملک احمد سلطان کو آداب بجا لایا، تعزیت کی اور فاتحہ پڑھ کر ڈیری کو لوٹ آیا۔ دوسرے دن پھر حاضری کا موقع دیا۔ ملک احمد ابھی سلطان کے پاس سے واپس نہ آیا تھا کہ میر ہندا ملک احمد کی قیام گاہ پر آیا۔ ملک احمد کے آدمیوں نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی مگر وہ غصے سے بھرا ہوا تھا۔ بیٹھ کر اپنے آدمیوں سے اشتعال انگیز باتیں کرنے لگا۔

میر ہندا نے ملک احمد کے لوگوں سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم یوسف زئی سوات پر قبضہ کرنے کے خیال میں ہو۔ ایسا بھی کوئی تم میں جوان مرد ہے جو میرے مقابلے میں آجائے۔ ملک احمد کے آدمیوں نے، ملک احمد کے پاس خاطر سے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر وہ برابر اسی طرح لاف زنی کرتا رہا۔ اس کا غصہ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتا گیا اگرچہ یوسف زئی اس بات سے انکاری رہے اور اس کی تعریفیں کرتے رہے، لیکن اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

آخر یوسف زئی کے ایک بہادر اور جوان مرد کریم داد بن عثمان ابازئی یوسف زئی سے ضبط نہ ہوسکا۔ میر ہندا سے کہنے لگا کہ ہم تو سوات کا خیال دل میں نہیں رکھتے اور جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر یوسف زئی یہاں آئے تو یہ کردوں گا وہ کردوں گا تو اس کا فیصلہ تم ابھی کر سکتے ہو۔ میں ایک عام یوسف زئی ہوں۔ میں اسی وقت تمہارے مقابلے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر دوسرے ساتھیوں نے کریم داد سے غصے سے کہا کہ تم خاموش رہو یہ جو کچھ کہنا چاہے کہے۔ اس پر میر ہندا اور غضبناک ہوا اور اسے گالیاں دیں کہ اے کتے گوجر! تمہاری یہ جرأت! تم میرے مقابلے پر آؤ گے۔ میر ہندا کے نوکر بھی ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے مگر میر ہندا نے انہیں منع کیا کہ

سلطان برا مان جائے گا۔

میر ہندا ابھی یہیں موجود تھا کہ ملک احمد کے ساتھیوں کے لیے سلطان کی طرف سے خوان آگیا۔ لانے والے خدمت گاروں نے از روی ادب میر ہندا کے روبرو رکھ دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چند لقمے لے لیے اور پھر حکم دیا کہ یہ چاول زمین پر گرا دو۔ خدمت گاروں نے چاول باہر صحن میں پھینک دئے۔ میر ہندا اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ملک احمد کے ساتھیوں نے اٹھ کر چاول اپنے اپنے دامن میں بھر لیے اور شوق سے کھالئے۔ انہوں نے اس بات کو نیک فالی پر محمول کیا کہ ہندا نے تکبر اور غرور کر کے سوات کے چاول زمین پر گرا دیئے اور ہم نے اکٹھے کر لیے، انشا اللہ تعالیٰ اسی طرح سوات ان کے ہاتھ سے نکل کر ہمارے قبضے میں آئے گا، کیونکہ انہوں نے اپنا کاسہ خود زمین پر انڈیل دیا۔

یہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے اور چاول کھاہی رہے تھے کہ ملک احمد سلطان سے روانگی کی اجازت لے کر اپنے ڈیرے میں آہنچا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے حقیقت حال بیان کی۔ ملک احمد نے کہا کہ حقیقت معلوم ہوگئی۔ چلو اب گھر چاہیں، خدا ہمیں ضرور سوات دے گا۔ چنانچہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

سوات سے آنے کے بعد ملک احمد نے یوسف زئی کے بڑے بڑے سرداروں اور مشیروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ سوات کے راستوں کی حقیقت ہمیں معلوم ہوگئی اور سلطان کے حالات کا علم بھی ہو گیا۔ اب تاخیر و تعطیل کے بغیر لشکر کو اکٹھا کرو اور سوات پر چڑھائی کردو۔ اللہ ہمیں سوات دے دیگا۔ یہ مشورہ سب کو پسند آیا۔ کامیابی کے لیے دعا مانگی گئی۔ دو آہ

سے لے کر مورا نامی پہاڑ تک کے تمام علاقوں سے لشکر بلا لیا گیا اور مورا کے دامن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ مورا کی چوٹی پر میر ہندا کی چوکی بیٹھی ہوئی تھی اور مالاکنڈ کی چوٹی پر شاہ اویس اور فرخ زاد کی چوکیاں بھی قائم تھیں۔ یہ تینوں امیر کبیر تھے۔ یوسف زئیوں نے کئی بار سورے کی چوٹی پر حملہ بولا مگر چونکہ چوکی بہت محکم اور چوٹی سخت نامموار اور بلند تھی اور راستے میں دشوار گزار گھائیاں تھیں، جس کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ کم و بیش دو ماہ تک اسی جگہ ڈیرے ڈالے رہے۔ آخر اسی راستے سے ناامید ہو کر مالاکنڈ کی چوٹی کے لیے جاسوس بھیجے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ غافل اور بے خبر ہیں اور راستہ بھی ہے، اس پر قبضہ کرنا آسان ہے۔

اس پر ملک احمد اور شیخ ملی اور ملک قرہ نے حکم دیا کہ رات کے پہلے پہر میں مالاکنڈ کی چوٹی پر دھاوا بولو اور کسی قدر آدمی ڈیرے میں چھوڑ دو، جو جابجا ڈیروں میں آگ جلاتے رہیں تاکہ سورے کی چوٹی والے یہ سمجھیں کہ لشکر یہاں مقیم ہے۔

چنانچہ کچھ لوگ ڈیروں میں رہ گئے جو آگ جلاتے رہے، باقی لشکر نے کوچ کرنا شروع کر دیا۔ ساری رات چلتے رہے۔ تاآنکہ صبح کے وقت مالاکنڈ کی چوٹی کو سر کر لیا۔ شاہ اویس اور اس کی چوکی خواب غفلت میں محو تھے۔ لشکر نے چڑھ کر چوکی والوں کو قتل کر دیا۔ شاہ اویس اور فرخ زاد دونوں بھاگ کر تھانہ پہنچ گئے۔ میر ہندا کو بھی خبر پہنچ گئی کہ یوسف زئی نے مالاکنڈ کی چوٹی سر کر لی ہے اور ادھر آ رہے ہیں۔ اس لیے وہ بھی وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر تھانہ آگیا اور تھانے کی حفاظت میں لگ گیا۔

یوسف زئیوں نے جب مالاکنڈ کی چوٹی سر کر لی تو چھ سات

سپل (دوہ کروہہ) آگے جا کر ڈاگ (موضع) میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس مقام کو آس پاس کے کثرت دیہات (اور مرکز) کے سبب ”خار“ شہر بھی کہتے ہیں۔ یہ ہموار میدان ہے اور ساتھ دریا بہتا ہے۔

سلطان اور سوات کی رعایا کو جب خبر پہنچ گئی تو نہایت ہراساں ہو گئے اور کہنے لگے کہ ”بلا“ سوات میں گھس آئی۔ اب اس کا دفعیہ مشکل ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے جملہ امرا اور رعایا کے ساتھ موضع تانڑہ میں مقیم ہو گیا اور تانڑہ ”خار“ سے جہاں یوسف زئی کا لشکر اقامت گزیرا تھا، تھمینا تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ”خار“ کی آب و ہوا بہت اچھی اور علاقہ ہموار ہے اور سوات کا ایک تمہائی حصہ اس سے تعلق رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی چوٹی کو سر کر کے نیچے اتر گئے تو چوٹی کے نیچے ’ملکوت‘ نام کا ایک سنگین قلعہ تھا۔ جس میں چوکی والے سامان رسد کا ذخیرہ رکھتے تھے اور کھانے پکانے کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ یوسف زئیوں نے اسے غارت کر دیا۔ یہاں سے بہت سا مال و اسباب ان کے ہاتھ لگا۔ یوسف زئی اسی طرح آگے بڑھتے رہے اور سواتیوں کے دیہات کو جو ہر طرف آباد تھے، ناخ و تاراج کرتے رہے۔ اسی طرح دوسرے دیہات کو بھی تباہ کرتے رہے۔ البتہ جو کوئی آکر اطاعت قبول کر لیتا تھا اسے امان دے دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے ”خار“ پر قبضہ کر لیا تو گویا تمہائی سوات ان کے تصرف میں آ گیا۔ اس لیے دوسرے یوسف زئی پیچھے سے اپنے اثاثے لے کر آتے اور مقبوضہ حصہ سوات میں آباد ہوتے جاتے اور سوات کی رعایا کو تسلی و تشفی دیتے تھے، جس کی وجہ سے لوگ واپس آ کر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہوتے لگے۔ اس طرح سے ہر گاؤں میں چند گھر یوسف زئی کے ہو گئے۔ باقی سوات کے لوگ

بستے تھے۔ یہ بہار کا موسم تھا۔ یوسف زئی سواتیوں کی چیزیں کھاتے تھے اور فصلوں میں گھوڑے چراتے تھے، سارا لشکر اللہ ڈنڈ اور شینکر گاؤں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان اس وقت تھانے میں مقیم تھا اور جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ جب یوسف زئی نے اپنے گھوڑوں کو تازہ دم کر لیا تو لشکر جنگ کے ارادے سے کوچ کرتا ہوا تھانے کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف سے سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ نکل کر تھانے سے ڈیڑھ میل آگے بڑھ آیا۔ دونوں لشکروں کا آمنہ سامنا ہوا۔ جنگ میں سلطان کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یوسف زئی اس کا تعاقب کرتے ہوئے تھانے سے مشرق کی جانب بارہ میل آگے دریا کے ترہنگ نامی گاؤں تک چلے گئے اور سلطان کا لشکر نہایت خراب و خستہ حالت میں ترہنگ میں داخل ہوا۔ راستے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ مال و اسباب غارت ہو گیا۔ ترہنگ سے یوسف زئی لوٹ کر پھر تھانے میں آ کر مقیم ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں جب سلطان نے شکست کھائی تو اس کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ یوسف زئی کا لشکر ان کا پیچھا کرتا رہا۔ سلطان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ صحیح راہ کھو کر غلط راستے پر جا پڑا اور لنڈاکی میں جو ترہنگ گاؤں کے بالمقابل دریا کے اس پار ہے، لشکر سے جدا ہو کر ترہنگ چلا گیا۔ وہاں سے ”سوی گلی“ کی چوٹی کے راستے دہشار ہوتا ہوا منگلور پہنچ گیا۔

سلطان جب لنڈاکی میں راستہ کھو گیا۔ خوف اور پریشان حالی میں شمال کی طرف دریا پار کر کے ملک حسن متراوی کے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ ملک حسن متراوی اس کا دشمن تھا۔ علاقہ بھی اس کا الگ تھا اور ہمیشہ سے سلطان کا مخالف تھا۔ اس لیے سلطان بہت سراسمہ ہوا کہ ایک بلا سے جان چھوٹی تو دوسری مصیبت میں

پھنس گیا۔

متراری سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اصل اور شجاعت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور متراریوں کے ماہرین انساب کا خیال ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسف زئی ہیں۔

ان کا یہاں آنا اس طرح ہوا کہ قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ قندھار کی حدود میں موضع 'گاڑکی اور نشکی میں آباد اپنی قوم یوسف زئی سے حوادث زمانہ کے سبب الگ ہو گئے اور یہاں آکر متوطن ہو گئے اور ہم ان کی اولاد میں سے ہیں۔

بہر حال سلطان نے اس خوف سے کہ کوئی متراری اسے نہ دیکھے ورنہ قتل کر دے گا۔ اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑ کے دائیں طرف ایک درے پر پہولیا جسے بت بھٹ کہتے ہیں اور کفار کے (ہندوؤں) کے زمانے سے وہاں بکثرت بت پڑے ہوئے تھے۔ جب وہاں یوسف زئی کا غلبہ ہو گیا تو انہیں توڑ ڈالا۔ یہ جگہ انبوہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

اس راستے پر سلطان جہاں تک سوار جاسکتا تھا، سوار ہو کر گیا اور جب گھوڑے کے جانے کا امکان ختم ہو گیا تو اتر پڑا اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ ہتھیار اور شاہی لباس وہاں اتار پھینکا اور پیدل درے میں چڑھتا رہا۔ تیسرے دن نہایت خراب اور خستہ حالت میں تھکا ماندہ گھر پہنچ گیا۔ گھر والے اسے رو پیٹ کر بیٹھ رہے تھے۔ سویم کی رسوم یعنی تیسرے دن کی خیرات و فاتحہ بھی ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو جب کئی دن تک اس کی خبر نہ ملی تو انہوں نے یہی خیال کیا تھا کہ جنگ میں کام آیا۔ اب وہ زندہ گھر پہنچا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں سلطان کے بہت سے عزیز و اقارب اور امیر مارے گئے۔ منجملہ ان کے شاہ اویس اور فرخ زاد اور میر سنجو

سواتی وغیرہم بڑے بڑے نامور اور مشہور امیر تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار رعایا اور عوام و اشراف مارے گئے تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ میر ہندا کے علاوہ دوسرا کوئی امیر زندہ نہ رہا۔ اس جنگ کو "جنگ تانڑہ (تھاند)" کہتے ہیں۔ اور نیز معلوم رہے کہ جس وقت سلطان اپنے لشکر سے جدا ہو کر ہریشان حال بھاگ رہا تھا تو یوسف زئی کے چند سواروں نے اسے دیکھ لیا اور اس کے تعائب میں چلے گئے، مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ سلطان ہے جب کچھ دور تک گئے تو سب نے دیکھا کہ وسط راہ میں سونے کی دو خوبصورت بالیاں ایک رومال میں بندھی ہوئی پڑی ہیں۔ یہ بالیاں سلطان نے اپنے کانوں سے نکال کر رومال میں باندھ کر اس خوف سے گرا دی تھیں کہ اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ سلطان ہے تو قتل کر دیگا سوار رومال دیکھ کر اتر پڑے اور اسے اٹھا لیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی دو بالیاں تھیں۔ اس اثنا میں سلطان بہت دور نکل گیا۔ اس کے آگے بھر متراریوں کی بستیاں تھیں۔ چنانچہ یوسف زئی سوار وہاں سے واپس لوٹ کر اپنے لشکر سے آ ملے۔

کہا جاتا ہے کہ تمام سلاطین سوات کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تھا تو اس کے دونوں کانوں میں سونے کی دو بالیاں ڈال دی جاتی تھیں۔ سلطان کے علاوہ کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کانوں میں سونے کی بالیاں پہن سکے۔ یہ سلطان کا خاص امتیاز تھا۔ بڑے بڑے امرا چاندی کے حلقے کانوں میں ڈالتے تھے۔ ابتدا میں جب یوسف زئی سوات پر قابض ہوئے تو وہ بھی اسی دستور کے مطابق اپنے کانوں میں سونے کے حلقے ڈالتے آئے۔ مگر وہ کشمیریوں کی رسم کے مطابق خوبصورت اور منقش ہوتے تھے، خصوصاً منڈڑ میں اکثر بہزاد خیل صدوزئی ڈالتے تھے اور یوسف نامہ میں اکثر اکوزئی خصوصاً آساخیل ملی زئی ڈالا کرتے تھے اور دوسری بات یہ واضح رہے کہ اس لڑائی میں

جب جانبین کی صفیں مقابل آ گئیں۔ کریم داد ابن عثمان الیاس زئی ابازئی نے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، میر ہندا کو سلطان کی صف میں دیکھا تو فارسی میں اسے یوں للکارا کہ۔

اے میر ہندا! اگر تم مرد ہو اور جنگ کا خیال رکھتے ہو تو آجاؤ میں حاضر ہوں۔ اس زمانے میں یوسف زئی لوگ نئے نئے کابل سے آئے تھے۔ فارسی خوب بولتے تھے، پس جب میر ہندا نے کریم داد کی للکار سنی تو اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر میدان میں نکل آیا۔ دونوں نے فارسی زبان میں دعوت جنگ دی کہ تم پہلے وار کرو، دوسرا کہتا تھا نہیں تم پہل کرو۔ آخر دونوں نے نیزے کے دو دو وار کئے مگر دونوں زہر ہوش تھے اس لئے کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ میر ہندا نے زہر کے اوپر قبا پہنی تھی۔ کریم داد جب لہزے کا وار کرتا قبا میں سے روئی نکال لیتا۔ نیزہ اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس اثنا میں دونوں لشکر بھی ہر سر پیکار ہو گئے۔ ابھی ایک دوسرے پر دو دو ہاتھ بھی نہ اٹھائے ہائے تھے کہ سلطان کا لشکر شکست کھا گیا۔ میر ہندا بھاگنے لگا تو کریم داد نے اسے آواز دی کہ اے میر ہندا! مت بھاگو، بھاگنا مردوں کو زیب نہیں دیتا۔ تم لاف زنی کرتے تھے، مگر میر ہندا کہاں ٹھہرنے والا تھا، بھاگ کھڑا ہوا۔ کریم داد دو تین میل تک اس کا تعاقب کرتا رہا اور وار کرتا رہا مگر اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ آخر کریم داد نے نیزے کی آبی اس کی زرے کے گریبان کے اندر کر دی اور بہت زور لگایا کہ میر ہندا گرجا گئے مگر وہ نہ گرا، کیونکہ اس کا گھوڑا بہت عمدہ تھا اور وہ خود بھی قوی پیکل شخص تھا۔ اس کے مقابلے میں کریم داد سبک اندام تھا اور

اس کے گھوڑے نے تازہ خوید * کھائی تھی، اس میں اتنا زور اور اتنی قوت نہ تھی۔ اسی طرح یہ دونوں آگے چلتے رہے۔ جب ہموار زمین سے نکل کر دریا کے قریب خراب اور ناپہوار جگہ پر پہنچ گئے تو میر ہندا کو گر جانے کا خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے ایک پیادے سے جسے 'ہفت منی' کے نام سے پکارتے تھے اور ذات کا مغل تھا کہا کہ اے ہفت منی یہ سوار تو مجھے نہیں چھوڑنا نظر آتا۔ ہفت منی نے اس پر تیر چلایا جو ہر ہند جگہ پر ایسا لگا کہ کریم داد گھوڑے سے نیچے گر گیا اور وہیں سر گیا اور کریم داد کے نیزے کی آبی میر ہندا کی زہر میں اٹکی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ آگے جا کر نکالا۔ یوسف زئی میں کریم داد کے علاوہ اور کوئی ناسور آدمی اس لڑائی میں نہیں مارا گیا۔ یوسف زئی نے اس جنگ کی بدولت سوات کے تہائی حصے پر قبضہ کر لیا اور ہر کسی نے سمجھ لیا کہ یوسف زئی کی قسمت کا ستارہ عروج پر ہے اور سلطان کے اقتدار کے سورج کو گہن لگ چکا ہے اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ یوسف زئی ان دنوں بڑے شوش اخلاق اور ٹھیک معاش تھے، اس لئے لوگ چاروں اطراف سے آکر ان کے مقبوضہ سوات میں آباد ہونے لگے۔ ان کے پہلو بہ پہلو ہر گاؤں میں یوسف زئی کے چند گھرانے آباد ہوتے رہے۔

سوات کا ایک تہائی حصہ جس پر سلطان اور ملک حسن متراوی کا قبضہ تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ سوی گلی کی چوٹی سے اوپر خزرہ اور منگلور تک سلطان کے قبضے میں تھا اور شاہ میلے کی چوٹی سے لنداکی اور مورے تک جو آبی اور سر سبز علاقہ تھا حسن متراوی کے زہر تصرف تھا۔ یوسف زئی کا لشکر بخار، تھاند، چکدرہ اور راسوڑہ میں ہوا * گندم اور جو کی تازہ آگی ہوئی فصل جس کے ہودے نرم اور کچے ہوتے ہیں اور جس میں غذائی قوت کم ہوتی ہے۔

ہوا تھا۔ اور ہمیشہ سلطان کے زیر نگین دیہات ہر شبخون مارتا، دھاوے بولتا اور قید و بند اور قتل و غارت میں دریغ نہ کرتا تھا۔ دیہات جلاتا اور تباہ و برباد کر دیتا تھا۔ لیکن متراویوں کے علاقے سے کوئی تعرض نہ کرتا تھا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ سلطان کا ملک مسخر کر لیں تو اس طرف متوجہ ہوں۔ بیک وقت دونوں طرف دست اندازی مناسب نہیں تھی۔

کچھ دنوں کے بعد یوسفزیوں کا لشکر منگور کی طرف روانہ ہو گیا دمغار سے آگے حسین ڈیری کے راستے سے آگے بڑھ کر صلاح و مشورہ کہا یوسف نامے نے کہا کہ ہارو! منگور کا قلعہ سخت سنگین ہے۔ راستہ تنگ اور سلطان بذات خود اس میں مقیم ہے۔ لشکر بھی اس کا بہت زیادہ ہے، اس پر قبضہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہم اپنے آپ کو ان کے نرغے میں دے دینگے اور کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ منگور نہ جائیں اور کبھی ایک سرے اور کبھی دوسرے سرے کے دیہات پر دھاوا بولتے رہیں۔ اس سے وہ خود بخود تنگ آجائیں گے۔ مگر مندڑ اس بات کو سننے کے لیے تیار نہ تھے انہیں منگور چلنے پر اصرار تھا۔

آخر مندڑ دریا سے اتر گئے۔ کہتے ہیں کہ منگور جانے کے لیے زیادہ زور الکی بن بہزاد مندڑ صدوزئی لگا رہا تھا اور وہی پہل بھی کر رہا تھا۔ جو ملک قرہ کا حقیقی بھائی اور ناسور شہسوار تھا آخر مندڑ تنہا روانہ ہو کر منگور پر حملہ آور ہوئے اور قلعہ کے باہر شہر منگور کو تاراج کیا۔ لوگوں کو تہ تیغ اور ہابند سلاسل کیا۔ مگر سلطان قلعے سے باہر نہ نکلا۔ دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیے گئے تھے اس لیے قلعے پر مندڑ کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا بالآخر لشکر اسی دن وہاں سے لوٹ کر دمغار آگیا۔ من چلے نوجوان شکار کے طریق پر ہمیشہ

جاتے اور سلطان کے گرد و نواح کے دیہات پر دھاوے بولتے۔ آخر چند دن قیام کرنے کے بعد سارا لشکر دمغار سے کوچ کر کے تھانے آ گیا۔ اب سلطان کی طرف سے یوسفزی کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

کہتے ہیں کہ انہی ایام میں عہد آگئی۔ اکثر نوجوان میدان میں نکل کر تماشے کرنے لگے۔ سوار نیزہ بازی کر رہے تھے، اسی اثنا میں بعض سر پھرے نوجوان شکار اور دھاوا ڈالنے کے طریق پر بغیر پوچھے اور بزرگوں سے مشورہ کرے بغیر تلاش گئے۔ تلاش تھانے سے شمال کی جانب ۱۶/۱۵ میل کے فاصلے پر دریائے سوات کے آس پار اور ۸ میل دریا پتھکولے سے اس طرف دونوں دریاؤں کے بیچ میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ بڑا زرخیز علاقہ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر کفار کے عہد کا قلعہ ہے۔ قلعے کے سامنے انار کے باغات ہیں تلاش کے میدانی علاقے میں اس وقت دھگان* کافر رہتے تھے۔ جو شجاعت میں مشہور تھے۔ ان کے اشراف و اعیان قلعے میں رہتے تھے اور رہا ہا سب کی سب نیچے بسے تھے۔ یوسفزیوں کا یہ دھاوا وہاں پہنچا اور تالاشیوں کے مویشی کو پکڑ کر ہانکنے لگا۔ کچھ سواروں کو تو ان کے پیچھے لگایا اور تجربے کار شہسوار دنبال میں رہ گئے۔ تالاشیوں کو ہتا چل گیا وہ اپنے مویشیوں کو چھڑانے کے لئے دوڑ پڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ 'کاٹ گلہ' کے درے تک پہنچ کر ان کی ناکہ بندی کر لیں۔ کاٹ گلے کا درہ وہ ہے جہاں تلاش کے دونوں پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ یہ انتہائی دشوار گزار اور سخت راستہ ہے۔ تالاشیوں کا خیال تھا کہ یہاں ان کی ناکہ بندی کر کے اپنے مویشی ان سے چھڑا لیں گے۔ مگر وہ وہاں پہنچے تو یوسفزی کے سوار مویشی وہاں سے گزار کر آگے نکل گئے تھے۔ جب تالاشی کاٹ گلے کے میدان میں پہنچے تو یوسفزیوں کے

* دھگان، نسلی یا مذہبی نام نہیں بلکہ ایرانی القاب تھے (روشن خان)

سواروں سے ان کی مدد بھیڑ ہوئی۔ جب اس مقام سے گزر کر ادھر آ گئے تو وہاں رباط نام کا ایک مقام ہے، جس میں سکانات پختہ اور اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں اور پرانی آبادی ہے۔ ایک بلند تودہ پر جس کے نیچے ایک عمیق خشک ندی ہے۔ ایک پیادہ تالاشی محمود بن شاہان یوسفزی، اکوزی، اہازنی کے تعاقب میں پہنچ گیا اور پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ محمود چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر گیا۔ دونوں کشتی لڑتے لڑتے نیچے ندی میں گر گئے۔ مگر اللہ نے محمود کو اس کے اوپر کر دیا۔ محمود نے چھری نکال کر اس کے پیٹ میں پھوست کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا اور چاندی کے دو حلقے اس کے کانوں سے نکال کر بھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے سواروں سے آ کر مل گیا اور سب مل کر درے میں داخل ہو گئے۔ مگر تالاشیوں نے پھر ناکہ بندی کر لی تھی۔ جسے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یارو! محصور ہو گئے، مردانگی کرو، وقت مردانگی ہے۔ اس طرح اکثر سوار اوپر چڑھ کر پہاڑ کی طرف سے نیچے آ گئے اور بعض شاہراہ پر درے میں داخل ہو گئے اور پھر سب نے مل کر تالاشیوں پر حملہ بول دیا۔ بہت سوں کو تہہ تیغ کیا۔ کپڑے اور اسلحہ چھین لیا اور صحیح و سلامت درے سے نکل کر اپنے لشکر سے آ ملے۔

کہتے ہیں کہ مذید بن ملک قرہ بن بہزاد صدوزئی مندڑ، خان گجو کا حقیقی بھائی جو شجاعت میں بے نظیر اور نہایت حسین و جمیل نوجوان تھا۔ ایک عمدہ عراقی مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی اثنا میں اس نے شمال کی جانب سے پہاڑ کے قریب ایک تالاشی پر وار کیا۔ اس نے نیچے درے میں چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر اوپر چڑھ کر بھاگنے کا قصد کر رہا تھا کہ مذید نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ گھوڑے نے اتنی بڑی چھلانگ لگائی کہ درے کے

دوسرے کنارے پر اگلے پاؤں چٹان میں اٹک گئے، اسی حالت میں تالاشی کے ایسا نیزہ مارا کہ نیزہ آ رہا نکل گیا۔ اسی اثنا میں اسماعیل بہزاد خیل جو مذید کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کی مدد کے لئے آ پہنچا اور شمشیر مار کر تالاشی کو ہلاک کر دیا۔ مذید نے جب دیکھا کہ اس کا گھوڑا چٹان کے ساتھ آدھا اوپر اور آدھا نیچے کھڑا ہے تو چھلانگ لگا کر نیچے اتر گیا اور اوپر چھڑھ کر گھوڑے کی لکام پکڑ کر اسے اوپر چڑھایا اور سوار ہو کر اپنے سواروں کے پیچھے چلا گیا۔ کٹ گئے کے جس درے میں مذید کے گھوڑے نے جست لگائی تھی اس کے دونوں کناروں کا فاصلہ اکبری گز سے نو گز ہے۔ اس جگہ دونوں طرف پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو اب تک عیاں و نمایاں ہیں اور اس جگہ کو ابھی تک ”گھوڑ ٹپ“ کہتے ہیں۔

الحاصل وہ دھاڑا فتح و ظفر کے ساتھ تھانے واپس آ گیا۔ مال و مویشی بہت سا، لے آئے جس پر ملک احمد نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب سلطان اور متراویوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو لشکر کو رخصت کر دیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوا اور تالاشیوں کا رہنا بھی اب ان کے اس کا کام نہ رہا اس لئے وہ بھی گھر بار چھوڑ کر تالاش سے نکل کر ہنجنکوڑے کے دروں میں داخل ہو گئے اور علاقے کو خالی کر دیا۔ اس طرح تالاش کا علاقہ بھی یوسفزی کے تصرف میں آ گیا اور وہ وہاں متوطن ہو گئے جب یوسفزیوں نے سوات کے دو تھائی حصے پر اپنا تصرف جما لیا تو باقی سب ”سمہ“ کو واپس آ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور پوشیدہ نہ رہے کہ اس وقت جب کہ مرزا الغ بیگ نے یوسفزیوں پر بہت مظالم ڈھائے اور انہیں جلا وطن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل کیا۔ اس کی دونوں رانوں میں سہلک پھوڑے نکلے اور بے انتہا

مصبیتوں اور بے حد سختیوں میں مبتلا ہو کر مرا *

اس کے کچھ عرصے بعد حضرت ظہیر الدین محمد بابر اللہ برہانہ بادشاہ ہوا اور کابل سے لغمان، جلال آباد، ننگر ہار، پشاور، دواہہ اشغر اور نہلاب کے تمام ممالک اپنے اثر میں لے آیا۔ یوسفزئی بھی بظاہر اس کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔

محمد بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا۔

کہتے ہیں کہ یوسفزیوں نے بادشاہ کے لئے پیشکشیں اکٹھی کر کے ملک احمد کو دیں اور ملک محمود بن یحییٰ اکوزئی علاؤ الدین زئی جو اس وقت کا مشہور سردار تھا اور چند دوسرے

* مرزا الغ بیگ کا انتقال ۸۹۰ھ میں ہوا۔ چند اہم تاریخی یہ ہیں ان سے یوسف زئی کے کابل سے نکلنے اور پشاور پہنچنے کے زمانے کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے۔ تیمور کی وفات ۸۰۷ھ کے بعد مرزا پیر محمد ابن مرزا جہانگیر کابل کا بادشاہ بنا۔ جو ۸۰۹ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد سیور غتمش کابل کا بادشاہ بنا جو ۸۳۰ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد امیر شیخ علی مغل کابل کا بادشاہ بنا۔ اس کے بعد حکومت مرزا ابو سعید کے ہاتھ آئی جو ۸۷۳ھ میں وفات پا گیا۔ اس کی وفات پر اس کے بیٹے مرزا الغ بیگ کو کابل کا بادشاہ بنایا گیا جس نے ۹۰۷ھ میں کابل میں وفات پائی۔ اواخر ۹۰۷ھ میں محمد ملیم بن امیر ذالنون نے کابل پر قبضہ کیا اس کے بعد ظہیر الدین بابر نے اواخر ربیع الثانی ۹۱۰ھ میں کابل کو فتح کیا۔ بحوالہ سالنامہ کابل ۱۹۳۳ع ص ۲۵ و ۱۶۰ (روشن خان)

یوسف زئی نوجوان اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ سمے سے نکل کر سوات چلے گئے۔ پھر اسی راستے سے چل کر سلطان شہی پہنچے اور ملک مبارک ابن پائندہ اکوزئی ملی زئی کے سہماں ہوئے۔ یہاں چار بھائی جو میراثی تھے اور خوئداد (ڈوم) کے فرزند تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سرکین، دوسرے کا درویش، تیسرے کا آدو اور چوتھے کا نام جونا تھا۔ آدو اور جونا دونوں نے اس رات کو ملک احمد کی خوب خدمت کی اور ساری رات سرود بجا کر اسے محظوظ کیا۔ آدو بہت خوش آواز اور خوبرو ہونے کے ساتھ ذی رائے بھی تھا۔ ملک احمد اس پر فریقتہ ہو گیا۔ صبح کو ملک احمد نے سرکین سے جو اس کا بڑا بھائی تھا کہا کہ آدو کو اجازت دو کہ یہ میرے ساتھ سفر کرے۔ اگر خدا مجھے خیر و عافیت سے لے آئے تو میں اس کے ساتھ بہت بھلائی کروں گا۔ سرکین نے خوشی سے آدو کو ملک احمد کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ وہاں سے اسی صبح کو تنگی، کاٹگلہ اور تالاش کے راستے روانہ ہو کر تری کے گزر پر دریائے پنجکوڑہ کو عبور کر کے باجوڑ پہنچ گئے۔ وہاں باجوڑ کے یوسف زئیوں کے یہاں اقامت کی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر ناوگئی کے راستے کابل گئے اور بادشاہ کی ملازمت حاصل کی۔ اور ظاہری مراحم سے سرفراز کئے گئے، مگر باطن میں اس کی نیت بہت خراب تھی۔

جس کا سبب یہ تھا کہ ننگرہار، پشاور اور کپانڑی کے دلازا کوں کے ملکوں نے جو بادشاہ کی نہایت وفادار رعیت تھے، بادشاہ کے حضور میں یوسف زئی کے خلاف استغاثہ پیش کیا تھا کہ انہوں نے باجوڑ کی لڑائی میں ملک ہیہو کو قتل کیا ہے اور چوہڑ بن کیمبل دلازا اور چند دوسرے نامور دلازا کو مچنی کی لڑائی میں قتل کر کے ان کے اکثر علاقے اپنے قبضے میں کر لیے ہیں۔ یہ لوگ مستقبل میں بھی ان کی

ترقی سے خوف کھاتے تھے کہ باقی ماندہ علاقے بھی ان سے چھین لیں گے۔ اس لیے رات دن ان کے خلاف بادشاہ سے چغلیاں کھاتے تھے اور بادشاہ کے وکیلوں اور امیروں کو رشوتیں دیتے تھے کہ ملک احمد کو قتل کر دیں۔

کہتے ہیں کہ دلزاکوں نے بادشاہ کو ستر ہزار روپیہ اس شرط پر دینا قبول کیا تھا کہ وہ ملک احمد کو قتل کر دے اور قتل کرتے وقت اسے بات کرنے نہ دے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملک احمد خوش تقریر اور طوطی جیسا خوش بیان ہے باتوں باتوں میں بادشاہ سے گلو خلاصی حاصل کر لے گا اور بادشاہ نے بھی ملک احمد کی اسی صفت کا شہرہ سن کر اسے بلایا تھا۔ اس زمانے میں گگیانی اور محمد زئی کابل میں رہتے تھے اور ترکلانی لغمان میں۔ ترکلانی ملک احمد کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ چنانچہ جس وقت بادشاہ ملک احمد کے نام فرمان بھیج رہا تھا، ملک سرخابی اور ملک بلو خان ترکلانی دونوں حاضر تھے، اس وقت ان دونوں نے بھی ملک احمد کو خط لکھا تھا کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں، کسی قسم کا خطرہ دل میں نہ لاؤ، آجائو بادشاہ تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کرے گا۔

کہتے ہیں کہ گگیانوں کے دو ملک بھی ملک احمد کے خیر خواہ تھے۔ ایک ملک احمد جو ملک احمد کا رشتہ دار تھا اور دوسرا ملک یحییٰ ابن شاہو ابن کند دونوں سڑنی ہونے کے سبب ملک احمد کے ساتھ ہمدردی اور ننگ کرتے تھے۔ ملک احمد ہمیشہ دربار جایا کرتا تھا، سلام کرتا تھا اور بادشاہ بھی بظاہر مہربانی سے پیش آتا تھا۔ اپنے پہلو میں بٹھاتا، مگر دل میں غصے سے بھرا ہوا تھا۔ رات دن اس کے قتل کرنے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ وہ رات بھی ان پہنچتی جس کی صبح کو اسے قتل کرنا تھا۔ دوستوں میں سے کسی

نے ملک احمد کو اطلاع دی کہ کل تمہارا مار ڈالنا مقرر ہے۔ ملک احمد نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور خفیہ مشورہ کیا۔ تمام رفقاء نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم سب اپنے دستار باندھ کر تمہیں اس کے ساتھ لٹکا کر دوسری طرف باہر اتار دیں گے جب آتر جاؤ تو بھاگی جانا اور اپنی جان بچالینا۔ جب آپ نہ ہوں گے تو پھر بادشاہ ہمیں قتل نہیں کرے گا اور اگر قتل بھی کر دیا تو ہماری بلائیں اس کے پیچھے۔ ہمارے نابود ہونے سے قوم نہیں بگڑتی اور اگر آپ کو قتل کر دیا تو ہماری قوم خوار و ذلیل ہو جائے گی۔ ملک احمد نے کہا کہ فرض کرو دستار ٹوٹ جائے اور میں گر کر لنگڑا ہو جاؤں اور جگہ سے ہل نہ سکوں تو پھر کیا ہوگا؟ اور دستار بھی نہ ٹوٹے اور میں صحیح سلامت آتر گیا۔ مگر چوکی سے گزرتے وقت پکڑا گیا اور پھر واپس لے آئے تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ ملک تاج الدین کے نام کی نسبت ہے، قدیم ایام سے آباء و اجداد سے بادشاہوں کے ساتھ ہمارا روزگار رہا ہے، اس لیے بھاگنا مجھے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے۔ سلیمان جیسا میرا تایا اسی کابل میں مرزا الخ بیگ کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ اگر بابر مجھے قتل کر دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بارے تم لوگ بھاگ جاؤ، اپنی جانیں بچاؤ، وقت ضائع مت کرو۔ چنانچہ اس کی رائے پر اسی رات کو اس کے تمام رفقاء بھاگ گئے اور کابل میں جا بیجا چھپ گئے اور ملک محمود ابتدا ہی سے کمال دینداری کے سبب قاضی کابل کے یہاں مقیم تھا۔ بادشاہ کو سلام تبعاً ملک احمد کے ساتھ کرتا تھا مگر بادشاہ کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آدو مطرب اور ایک خدمت گار دونوں ملک احمد کے ساتھ اس کے ڈیرے میں رہ گئے۔

جب صبح ہوئی تو بادشاہ کے آدمی آگئے اور ملک احمد کو لے جانے لگے۔ ملک احمد جیسا کہ اسے رات ہی اطلاع مل گئی تھی،

سمجھ گیا کہ وقت قریب آگیا ہے۔ اب اسے جان سے مار ڈالنے کی غرض سے لے جایا جا رہا ہے۔ اس دوران میں کابل کے سارے شہر میں خبر پھیل گئی تھی کہ ملک احمد کو قتل کرنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ بازار سے جب گزر رہا تھا تو تمام لوگ اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے اور آپس میں کہتے کہ دیکھو ایسے شخص کو قتل کرنے کے لیے بادشاہ نے بلایا ہے۔ ملک احمد بھی دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں کو بھی میرے قتل کئے جانے کی اطلاع مل گئی ہے اور مجھے دیکھنے کے لیے کھڑے ہیں۔ اسی حالت میں ملک میری گگیانی جو ملک احمد کا خیر خواہ تھا اس سے ماننے آیا، بہت رویا اور کہا کہ جب دلزاک جیسے بدخواہ یہاں موجود تھے تو تم کس لیے یہاں آئے۔ ملک احمد نے کہا کہ میں آپ جیسے گگیانی اور ترکلافی دوستوں اور خیر خواہوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس لیے کوئی خوف دل میں نہیں لایا اور چلا آیا۔ تقدیر کی خبر نہیں تھی۔ کہتے ہیں ملک میری گگیانی اس سے پہلے بھی جب ملک احمد کو دیکھتا تھا تو تائیف اور حسرت کرتا تھا اور اسے سلامت کرتا تھا کہ آپ یہاں کیوں آئے، آپ کا یہاں آنا مناسب نہ تھا اور ملک احمد یہی کہتا تھا کہ تقدیر ہی ایسی تھی۔

الغرض ملک احمد دربار پہنچ گیا۔ بادشاہ غیض و غضب میں بھرا تیر و کمان ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیٹھا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ جوانی ملک احمد سامنے آئے تو تیر چلائے۔ آخر جب ملک احمد دربار میں پہنچا اور آداب بجا لایا تو بادشاہ نے کمان کھینچی اور تیر چلانے چاہا۔ ملک احمد سمجھ گیا کہ بات کرنے کی سہلت بھی نہیں رہی اس لیے فوراً قبا کے بند کھولے اور سینہ تان کر بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو متحیر

ہو گیا۔ کمان کو نیچے کیا اور پوچھا۔ اے احمد! یہ تم نے کیا کیا؟

ملک احمد نے کہا خاطر میں جو آیا ہے کر گزریں۔ پوچھنے کی کیا حاجت ہے۔ بادشاہ نے اس سے پھر پوچھا کہ بند کھولنے سے تمہاری غرض کیا تھی؟ ملک احمد نے کہا کہ یہ میں ہوں۔ سینہ برہنہ کیے کھڑا ہوں۔ تیر چلائیے سبب پوچھنے کی ضرورت نہیں مبادا مرضی مبارک بدل جائے۔ جب ملک احمد نے بادشاہ سے تیر چلانے پر اصرار کیا تو بادشاہ نے کہا جب تک تم مجھے اس راز سے واقف نہیں کرو گے، اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔

آخر الامر ملک احمد نے کہا قبلہ عالم! ہر طرف سے خلقت کھڑی ہوئی ہے اور تماشا دیکھ رہی ہے کہ بادشاہ کس طرح تیر مارے گا اور میں نے قبا پہن رکھی ہے اس لیے میرے دل میں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر بادشاہ کا تیر اس میں اٹک کر رہ گیا تو ہر کوئی بادشاہ کے وار پر دل ہی دل میں ہنسنے لگے گا۔ اس لیے میں نے قبا کے بند کھول دیئے اور سینہ برہنہ کر کے کھڑا ہو گیا کہ بادشاہ کا تیر میرے سینے کے پار نکل جائے اور ہر شخص حضور کے وار پر آفریں اور شاباش کہے۔

بادشاہ کو ملک احمد کی یہ تقریر بہت پسند آئی۔ اس پر مہربان ہوا اور کہا۔ ملک احمد! خدا کی قسم اب نہیں ماروں گا۔ میرے قریب آجاؤ۔ اس کے بعد ملک احمد تسلیمات بجا لایا اور بادشاہ کے قریب گیا۔ بادشاہ نے کمان ہاتھ سے رکھ دی اور اس کی بہت آؤ بھگت کی، اسے تسلی اور تسلی دی اور پوچھا ملک احمد! بھاول لودھی افغان کیسا شخص تھا؟ ملک احمد نے کہا جہاں پناہ وہ اسے بخش تھا یعنی گھوڑے بخشا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا اس کا بیٹا سکندر کیسا نوجوان

ہے؟ ملک احمد نے کہا وہ خلعت بخشے ہوئے یعنی وہ خلعیتیں بخشتا ہے۔ پھر بادشاہ نے دریافت کیا اور میں کیسا آدمی ہوں۔ ملک احمد نے کہا کہ آپ سر بخشیں ہیں یعنی سروں کو بخشتے ہیں۔ اس پر بادشاہ اور بھی مہربان ہوا۔ ملک احمد کو خود اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر خلوت میں لے گیا اور جشن شراب نوشی کا آغاز کیا اور جب ساقی پیالے لے آئے۔ بادشاہ نے کچھ پیا اور باقی اپنے ہاتھ سے ملک احمد کو دیا۔ ملک احمد تسلیمات بجا لایا اور پیالہ لے کر پیا۔ ساقی نے پھر پیالہ لا کر بادشاہ کو پیش کیا۔ بادشاہ نے کچھ نوش کیا اور باقی پھر ملک احمد کو اپنے ہاتھ سے دیا۔ ملک احمد نے لیا اور آداب بجا لایا اور نوش کیا۔ اسی طرح دور شراب چلتا رہا۔ آخر الامر بادشاہ پر سکر کی کیفیت طاری ہوئی وہ کھڑے ہو کر رقص کرنے لگا۔ آدو مطرب نے سروں چھیڑا اور ملک احمد جو کہ فارسی گو، فصیح اللسان اور خوش آواز تھا۔ اس نے بادشاہ کی مدح شروع کی اس پر بادشاہ نے غایت مستی میں ملک احمد سے کہا کہ ملک احمد میں تمہارا مطرب ہوں۔ ملک احمد نے کہا کہ آپ میرے صاحب اور سارے جہان کے بادشاہ ہیں۔ بادشاہ نے پھر اسی طرح کہا ملک احمد نے کہا کہ آپ میرے بادشاہ اور میرے آقا ہیں۔ اسی طرح چند مرتبہ دونوں کی طرف سے ان باتوں کا تبادلہ ہوا۔ آخر بادشاہ نے ملک احمد کا ہاتھ پکڑا ملک احمد کے پاس اس وقت ایک اشرفی موجود تھی۔ بادشاہ کے ہاتھ میں رکھ دی۔ بادشاہ نے لے کر تعظیماً و تکریماً اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا۔ زان بعد بادشاہ نے اپنی قبا، تلوار، زر نگار اپنے گلے سے نکال کر ملک احمد کو عنایت کیے۔ ملک احمد شاہی آداب بجا لایا۔ بادشاہ کی عنایت کی ہوئی قبا خود زیب تن کی اور اپنی قبا اتار کر آدو مطرب کو دے دی۔

اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ ملک احمد اپنے دوسرے رفیقوں کو بلاؤ تاکہ انہیں بھی خلعتوں سے نوازوں اور انہیں گھروں کو رخصت کردوں۔ ملک احمد نے اپنے ساتھی بادشاہ کے پاس بھیجے۔ ملک محمود کو قاضی کے گھر سے اور باقیوں کو اقامت گاہ سے طلب کر کے حاضر کر دیا۔ بادشاہ سب سے نام بنام واقف تھا۔ اس لیے دوسروں کے بارے میں دریافت کیا کہ ملک احمد تمہارے دوسرے ساتھی کیا ہوئے؟ ملک احمد نے کہا قبلاً عالم انہیں بادشاہ کی مہربانی اور گھروں کو رخصت کا علم نہ تھا۔ شہر میں کہیں گھومنے پھرنے گئے ہیں۔ بادشاہ نے بموجب تحریر اور دفتری یادداشت جو نام بنام لکھے گئے تھے۔ ملک احمد کو خلعتیں عطا کیں اور آدو کے لیے سونے کے دو حلقے دئے اور خدام کو حکم دیا کہ اس کے کانوں میں پہنائیں۔ آدو کے ایک کان میں سوراخ تھا لیکن دوسرے میں نہیں تھا۔ چنانچہ ایک کان میں تو حلقہ پہنا دیا گیا دوسرے میں سوراخ کرنے کے لیے ایک باریک سیخ لائی گئی۔ آدو سیخ دیکھ کر ڈر گیا۔ ملک احمد کے قریب آیا۔ ملک احمد نے بادشاہ سے عرض کیا کہ قبلاً عالم یہ بہانہ ڈرتا ہے، ہم ڈیرے میں اس کے کان میں سوراخ کر کے حلقہ ڈال دیں گے۔ بادشاہ نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ غرض کہ بادشاہ نے ملک احمد کو پوری عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ملک احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر ناوگئی کے راستے باجوڑ آیا۔ وہاں سے سوات اور سوات سے سمہ میں سب لوگ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ یوسف زئی کو ان کی بخیریت واپسی کی اطلاع ملی تو سب نے آکر مبارک باد دی۔

دوسرے سال بادشاہ نے پھر بعض امور میں صلاح و مشورے کی

غرض سے ملک احمد کو فرمان کے ذریعے طلب کیا اور ملک سرخابی ترکلانی نے بھی ملک احمد کے نام خط بھیجا کہ گزشتہ دفعہ آپ نے بلا دیکھی تھی۔ اس دفعہ نہ ڈربن جمعیت خاطر کے ساتھ آئیں۔ بادشاہ نے سہربانی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ حیلہ بہانہ نہ کریں۔ جب بادشاہ کا فرمان اور ملک سرخابی کا خط ملک احمد کو علاقہ سمہ میں پہنچا ملک احمد نے اپنی قوم کو جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ بادشاہ کا فرمان اور ملک سرخابی کا خط آیا ہے، مجھے کابل طلب کیا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا صلاح ہے؟ قوم نے کہا کہ ملک صاحب بادشاہ کو آپ ہی نے دیکھا ہے ہم نے نہیں دیکھا اور اس کی حقیقت آپ ہی کو اچھی طرح معلوم ہے اس لیے جو آپ کی مرضی ہو وہی ہماری مرضی ہے۔ ملک احمد نے کہا کہ اے قوم! میں نے آس بار موت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس دفعہ میرا جی جانے کو نہیں چاہتا۔ قوم نے بھی اسی طرح کہا کہ ملک احمد صاحب! جب آپ کی رائے نہیں ہے تو نہ جائیں، مگر بعض دانشمندیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بادشاہ کے حکم سے روگردانی نہیں کرنی چاہیئے، اگر ملک احمد اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتے تو اس دفعہ شاہ منصور چلا جائے کہ یہ بھی ملک تاج الدین کے گھرانے کا فرد ہے۔ سلیمان شاہ کا فرزند اور ملک احمد کا عزیز ہے، اگر بادشاہ کا مقصد اس بلاوے سے محض یوسف زئیوں کی اطاعت کی طرف سے اطمینان حاصل کرنا ہے تو اس کے لیے شاہ منصور بھی کافی ہے۔ اس لیے یہ بات شاہ منصور سے کہہ دی گئی کہ اس دفعہ آپ بادشاہ کی خدمت میں چلے جائیں۔ شاہ منصور نے کہا کہ ملک احمد جیسی خوش بیانی میرے پاس کہاں ہے۔ بادشاہوں کے دربار کے آداب سے بھی واقف نہیں ہوں۔ پس میرے جانے سے کیا حاصل؟ مگر قوم مصر ہوئی کہ آپ

ضرور جاؤ۔ شاہ منصور نے لاچار ہو کر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ قوم نے بادشاہ کے لیے پمشکشیں جمع کر کے شاہ منصور کو دے دیں۔ شاہ منصور گھر سے موضع تھانے گیا اور ترقی کے راستے باجوڑ گیا۔ وہاں سے براہ ناوگئی کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے حضور میں نذر پیش کی مگر بادشاہ اس کے آنے پر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا اور کہا کہ میں نے تو ملک احمد کو بلایا تھا تم کیسے آئے۔ شاہ منصور نے ملک احمد کی طرف سے معذرت پیش کی۔ بادشاہ خاموش ہو گیا۔ شاہ منصور جب تک کابل میں مقیم رہا بادشاہ کے سلام کے لیے جاتا رہا اور بادشاہ بھی اس کے ساتھ عزت و شفقت کا برتاؤ کرتا تھا۔

آخر کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے شاہ منصور کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ شاہ منصور وہاں سے روانہ ہو کر گھر واپس آیا اور قوم کو سارا ماجرا سنایا اور مخفی نہ رہے کہ اس وقت میں یوسف زئی بادشاہ کے فرمانبردار تھے، مگر اس طرح نہیں کہ اس کے حاکم یا عامل کو چھوڑنے یا واجی قلنگ یا مالیہ دیتے کیونکہ وہ اتنی پروا نہیں کرتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ جس وقت ملک احمد نے کابل جانے سے انعام کر کے شاہ منصور کو بھیج دیا تو ملک احمد نے ساری قوم کو جمع کیا اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے کابل نہ جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ خود میرے پیچھے آئے گا یا فوج بھیجے گا تا کہ ہماری بیخ کنی کی جائے۔ پس اس کے آنے سے پہلے آئیے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تمام یوسف زئی جمع ہو کر مورا پہاڑ میں جس میں بے شمار غار اور درے ہیں گھس جائیں، تاکہ اگر وہ آجائے تو ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ چنانچہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام یوسف زئی جمع ہو گئے اور سب مورا پہاڑ میں داخل ہو گئے اور

رہ گئے کہ قلعہ انتہائی محکم تھا۔ وہاں سے لوٹ کر پھر دیارون واپس آیا۔

کہتے ہیں کہ جس دن بادشاہ نے دیارون سے جا کر منگور پر دھاوا بولا تھا۔ پنجکوڑے کے دریا سے پار ہو کر تلاش پہنچ کر کاٹ گلہ کے درے سے گزرا تھا وہاں صاف راستے میں جو ہموار اور چشمہ دار آبی زمین ہے۔ دو خوبصورت تناور دیار کے درخت کھڑے تھے۔ جنہیں انتہائی اتصال کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید ان دونوں کی چڑ ایک ہے۔ مگر یہ دونوں دراصل الگ الگ تھے جو کوئی بھی اس راستے سے گزرتا، کھڑا ہو کر تعجب کرتا اور قدرت کے اس نظارے کا تماشہ کرتا۔ بادشاہ بھی جب اس مقام سے گزرا اور دیار کے دونوں درختوں کو دیکھا تو بہت متعجب ہوا اور کچھ دیر کھڑا ہو کر تماشہ دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گیا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ جب واپسی میں اس راستے سے آؤں گا تو ان دونوں درختوں کو جڑ سے مٹی کے ساتھ اکھڑوا کر اپنے ساتھ کابل لے جاؤں گا۔ چنانچہ جب منگور سے واپسی میں ادھر سے گزرا تو حکم دیا کہ ان دونوں کو مٹی سمیت جڑ سے نکال لو اور کابل لے چلو انہیں وہاں لگائیں گے۔ امیروں نے عرض کیا کہ ان کا کابل لے جانا از بسکہ دشوار کام ہے۔ مناسب ہوگا کہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے ان پر کوئی نشان لگادیں تاکہ جو کوئی اس راستے سے گزرے، بادشاہ کی نشانی دیکھے اور اسے یاد کرے۔ بادشاہ نے بھی یہ بات پسند کی اور اپنے ترکش سے دو تیر نکال کر دونوں درختوں میں ایک ایک تیر پیوست کر دیا اور انہیں اسی طرح چھدا ہوا چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ دونوں تیر دیار کے ان دونوں درختوں میں دو سال تک پیوست رہے۔ جو کوئی اس راستے سے گزرتا تھا باہر کے ان

تیروں کو دیکھتا تھا اور جس کے پاس تیر کمان ہوتا تھا وہ بھی ان کے اتباع میں دیار کے ان درختوں کو نشانہ بناتا۔ اس طرح چند برسوں کے اندر بہت سے تیر ان دونوں درختوں میں پیوست تھے اور جب تک بادشاہ اور دوسرے لوگوں کے تیر پرانے ہو کر خود جڑوں سے گر نہیں گئے، درختوں میں پیوست نظر آتے رہے۔

ان واقعات کے واقعی مورخ اور محقق خواجو کہتے ہیں کہ دیار کے درخت جن میں باہر کے تیر پیوست تھے بارہا میں نے دیکھے ہیں اور جب وہ جڑ سے اکھڑ کر گر گئے تو اس وقت مہری داڑھی نکل آتی تھی، اس کے بعد اس روش کے مطابق دیار کے دوسرے درختوں کو بھی لوگ تیروں کا نشانہ بناتے رہے، یہاں تک کہ ان کے تنے تیروں سے چھنی ہو گئے۔ اس کے بعد گرد و نواح میں جہاں بھی دیار کا کوئی درخت نظر آتا لوگ اسے تیروں کا نشانہ بناتے۔ یہاں تک کہ آج پاس کے علاقے میں بھی دیار کا کوئی درخت باقی نہ رہا جسے تیر کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو۔ ایک مدت کے بعد کہیں جا کر لوگوں کی یہ عادت چھوٹی۔ ان میں آخری دیار کا درخت جو تیروں سے بھرا ہوا کھڑا تھا حال ہی میں گرا ہے۔ البتہ ان درختوں کی نشان دہی ابھی تک ہوئی تھی۔ لوگوں کا دستور یہ بن گیا تھا کہ جو کوئی وہاں جاتا ایک پتھر اس کے نیچے ڈال دیتا۔ اس طرح وہاں پتھروں کا ایک ڈھیر لگ گیا تھا۔

الغرض جب باہر منگور سے واپس آ کر اس جگہ مقیم ہو گیا جہاں دیار کے درخت تھے تو جاسوس اور گماشتے مقرر کئے تاکہ مورے کا راستہ دیکھیں۔ کیونکہ وہ تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں تھا، مگر ملک احمد نے راستوں کی محکم ناکہ بندی کر دی تھی اور مورے کا سارا پہاڑ لشکر سے بھر دیا تھا اس لیے جاسوسوں نے رخنہ اور راستہ نہ پایا اور تاخت

کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر اس نے یہ قصد کیا کہ قلندرانہ لباس میں خود مورا جائے اور راستوں اور لشکر کا احوال معلوم کرے اس طرح کی سیاحت اور جامرسی اس کا ہمیشہ کا دستور تھا اور اس کے لیے وہ مشہور تھا۔ چنانچہ چند خواص کی معیت میں قلندرانہ لباس پہن کر چمکے سے لشکر سے نکل کر مورے کے قریب پہنچا۔ وہاں سے مورے تک ایک دن کا راستہ ہے۔ اس طرح اس نے پہاڑ، راستوں اور لشکر کے احوال معلوم کئے لیکن ہر طرف سے اور ہر طرح سے انتظامات کو مضبوط اور مستحکم پایا۔

کہتے ہیں کہ مورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند اور اونچا مکان تھا جس میں ملک احمد کا چچا زاد بھائی منصور رہتا تھا اس لیے اسے شاہ منصور کا تخت کہا جاتا تھا اور مورے کی یہ چوٹی اب تک ”تخت شاہ منصور“ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اتفاقاً بقرہ عید کا دن تھا۔ شاہ منصور نے کئی گائے ذبح کر کے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا۔ تقسیم کرنے والوں کا ازدحام تھا۔ بابر بھی تماشہ دیکھنے کے لیے اوپر چڑھ کر صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ بابر جہاں بیٹھا ہوا تھا وہ شاہ منصور کے چہرے کے دروازے کے عین مقابل تھا اور اسی چہرے میں دروازے کے سامنے شاہ منصور کی دختر سماء بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی جو انتہائی خوبو، عاقلہ اور ہوشیار تھی اس نے انہیں دیکھا تو سمجھی کہ قلندر لوگ ہیں اس لیے گوشت روٹیوں میں لپیٹ کر اپنے آدمی کے ہاتھ ان کے لیے بھیج دیا۔ بابر نے اس سے گوشت لے لیا اور پوچھا کہ یہ کس نے بھیجا ہے۔ آدمی نے کہا یہ شاہ منصور کی دختر بی بی مبارکہ نے بھیجا ہے جو سامنے دروازے میں بیٹھی ہیں۔ بابر نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ پھر اس آدمی سے پوچھا کہ اس کی عمر کتنی ہے

اور کسی سے منسوب ہوئی ہے یا نہیں؟ آدمی نے کہا جوان ہے اور عقل و دانش، سیرت و خصالت اور عفت و فراست میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اور تاحال کسی سے منسوب نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف تھی اس لیے بادشاہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور بادشاہ کے دل میں اس کا خیال پتھر کے نقش کے مانند جم گیا۔ بابر وہاں سے نکلا اور گوشت جو روٹیوں میں لپیٹا ہوا تھا مکان کی پشت کی طرف ایک بڑی چٹان پر رکھ کر اس کے اوپر سے ایک پتھر رکھ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر اپنے لشکر میں آگیا۔

اس کے بعد ملک احمد اور شاہ منصور کے نام فرمان لکھا کہ بی بی مبارکہ کا رشتہ میرے ساتھ منظور کرالیں، میں آپ پر کوئی تعرض نہیں کروں گا اور بہت بھلائی کروں گا۔ ملک احمد اور شاہ منصور نے جب فرمان دیکھا تو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور اسے لکھ کر بھیجا کہ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے اور بالفرض ہوتی بھی تو مغلوں کے ساتھ ہمارا رشتہ ناطہ نہیں ہوا ہے اس لیے ہم یہ پیغام منظور نہیں کرتے۔ بادشاہ نے انہیں پھر لکھا کہ * میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے تم دونوں جب کابل آئے تھے تو میں نے دونوں کو خلعت سے سرفراز کر کے عزت کے ساتھ رخصت کیا تھا اور پھر جب دوبارہ ملک احمد کو بلایا تو وہ مجھ سے باغی

* ترک بابری میں رشتے کے بارے میں درج ہے :

اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے ان سے درخواست کی گئی۔ چنانچہ انہوں نے منظور کر کے ۲۸ محرم ۹۱۵ھ کو ملک شاہ منصور کے بھائی طاؤس خان دلمن کی ڈولی کے ساتھ آئے (روشن خان)

ہو گیا۔ اب خود یہاں آیا تب بھی وہ حاضر نہیں ہوا اور اب جب کہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں تو عذر پیش کرتے ہو اور انکار کرتے ہو۔ ہمارے ساتھ تمہارا یہ رویہ مناسب نہیں ہے جب کہ میں نے اپنی آنکھوں سے شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ کو دیکھا ہے جس کی نشانی یہ ہے کہ میں چند آدمیوں کے ساتھ قلندرانہ لباس میں بقرہ عید کے دن علاقے کی جانچ پڑتال کی نیت سے گیا تھا۔ شاہ منصور نے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع تھے ہم بھی قلندروں کی طرح چھپر کے دروازے کے مقابل صحن کے ایک کنارے پر بیٹھ گئے اور سامنے چھپر کے دروازے میں بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس طرح ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ چنانچہ اس نے کچھ گوشت بھی روٹیوں میں لپٹا ہوا ہمارے لیے بھیجا یہ گوشت روٹی ہم نے چھپر کے عقب میں ایک چٹان پر رکھ کر اوپر سے ایک اور پتھر رکھ دیا ہے یہ کام محض نشانی کے خیال سے کیا گیا تھا تاکہ تم منکر نہ ہو سکو۔ اب تم جا کر اسے دیکھ لو اگر یہ بات درست ہے تو تمہارا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ مناسب ہوگا کہ میرے ساتھ دوستی کرلو۔ یہی میرا سب سے بڑا مقصد ہے اور اگر نہیں کرتے تو میں کابل سے اسی مہم پر آیا ہوں اور کامیابی کے بغیر واپس لوٹنا میرے لیے باعث شرم ہے۔ پھر دیکھوں گا کہ خدا کو کیا منظور ہے۔ جو کچھ اسے منظور ہوگا وہی ہو کر رہے گا۔

ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا یہ خط پڑھا تو آدمی بھیجا وہ جگہ دیکھی۔ جیسا کہ بادشاہ نے لکھا تھا گوشت اور روٹی واقعی وہاں رکھی ہوئی تھی انہیں یقین آ گیا کہ واقعی بادشاہ آیا تھا اور اس نے بی بی مبارکہ کو واقعی دیکھا ہے۔ لیکن اسے رشتہ دینے پر یہ دونوں پھر بھی آمادہ نہ ہو سکے اور انہوں نے دوسرا بہانہ

کہا کہ ہم مغلوں سے بددل ہیں۔ مرزا الغ بیگ نے ہمیں قتل کیا اب آپ کے ساتھ ہماری رشتہ داری کیوں کر ہو سکتی ہے مگر شیخ ملی ملک قرہ اور دوسرے بڑے بڑے ملکوں نے ان سے کہا کہ بادشاہوں کے ساتھ سرتیزی اور درستی مناسب نہیں۔ امیر تیمور کا پوتا ہے اسے آپ کی سان و شوکت بھی معلوم ہے اور وہ قدر شناس بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آپ قوم کے نگہبان ہیں اور قوم کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں تو بی بی مبارکہ سے اس کا رشتہ منظور کر کے قوم کو اس مصیبت سے بچائیے۔ آخر ملک احمد نے قوم کی بات مان لی اور رشتہ دینے پر راضی ہو گیا۔ مگر شاہ منصور نے کہا کہ بادشاہوں کے شایان شان جہیز اور شادی کے انتظامات اور ساز و سامان کی میں طاقت نہیں رکھتا قوم نے سہا کہ جہیز کے سارے سامان کی ذمہ داری ہماری ہے ہم سونا اکٹھا کریں گے اور آپ کی عزت و آبرو رکھ لیں گے بالآخر شاہ منصور بھی راضی ہو گیا اور بی بی مبارکہ کا بادشاہ سے رشتہ منظور کر لیا۔

اس کے بعد یوسف زئیوں نے بادشاہ کی خدمت میں مبارک باد لکھ کر بھیجی اور شادی کی تاریخ * مقرر کر کے اپنے مطالب اس طرح عرض کئے کہ ہم نے بڑی کوششوں سے ملک احمد اور شاہ منصور کو رضامند کر کے بی بی مبارکہ کو آپ سے منسوب کروا دیا ہے۔ پس بادشاہ کے اخلاق حسنہ سے توقع یہ ہے کہ خوشی اور دوستی کا حق پیش نظر رکھیں گے اور شیوہ مہربانی ملحوظ خاطر رکھ کر ہماری تفصیر کو معاف کر کے ساری توجہ اس طرف مبذول فرمائیں گے۔ جونہی یہ خوش خبری بادشاہ کو پہنچی۔ فرط خوشی سے نوبت بچائی جانے لگی اور خوشیاں منائی جانے لگیں اور ان کا جو مسئول و مامول تھا سب گوش ہوش سے منکر وعدہ کیا کہ شادی کے اتمام

* شادی کی تاریخ ۲۸ محرم ۹۱۵ھ طے پائی تھی۔ (روشن خان)

کے بعد کابل روانہ ہو جاؤں گا اور کسی طرح سے بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

یوسف زئیوں نے اپنے اپنے حصے اور حیثیت کے مطابق سونا جمع کر کے شاہ منصور کو پہنچایا۔ شاہ منصور نے عوام کا سونا اور اپنے مقدور بھر سونا خرچ کر کے بی بی مبارکہ کے لیے شاپیانہ جہیز تیار کیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے شایان شان زیور اور نادر ملبوسات اور بیش بہا خلعتیں، گھوڑے، خیمے، شامیانے، تانبے کے ظروف، خادسائیں اور دیگر لوازمات بے عجلت ٹام تیار کر کے بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ بادشاہ نے اپنی جگہ اپنی تالوار بھیج دی۔ زان بعد بی بی مبارکہ کو ڈولی میں بٹھا دیا گیا۔ ملک احمد اور شاہ منصور لشکروں کی معیت میں روانہ ہو کر سورا پہاڑ سے اترے۔ تھانے سے ہو کر چکدرہ کی گزر گاہ سے دریا کے سوات کو پار کیا۔ چکدرہ، آج، کاٹ گاں اور تالاش ہوتے ہوئے تری کی چوٹی پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ تری کی چوٹی اور بادشاہ کے لشکر کے مابین ایک کروہد کی مسافت تھی۔ چوٹی کے نیچے بادشاہ کے امراء لشکر کے ساتھ جنہیں بادشاہ نے بی بی مبارکہ کے استقبال کے لیے بھیجا تھا، منتظر کھڑے تھے۔ جب ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا لشکر دیکھا تو اپنے غلاموں اور خادموں کو ان کے ساتھ کر کے بی بی مبارکہ کو رخصت کر دیا اور خود واپس چلے گئے۔ بادشاہ کے امیروں نے ڈولی اٹھا کر لشکر تک پہنچا دی۔*

* ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم نے بی بی مبارکہ کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی بیش بہا خوبیوں اور عقل و فراست کی بنا پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایوں جب ہندوستان سے شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا تھا تو افغانی آغاچہ اس کے ساتھ تھی۔ (روشن خان)

بی بی مبارکہ کے لیے بادشاہ کے خیمے کے برابر میں ایک خاص سرانچہ فایم کیا گیا تھا اس میں اسے پورے اعزاز کے ساتھ اتارا گیا۔ بادشاہ اور امراء کے اہل حرم اس کی ملاقات کے لیے آئے مگر اس نے کسی کی بھی تعظیم نہیں کی نہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نہ کسی سے بات کی۔ چنانچہ یہ رات اسی طرح گزر گئی۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد جب بادشاہ نے مسجد میں نماز ادا کی پھر بی بی مبارکہ کے خیمے کی طرف متوجہ ہوا۔ کنیزوں نے بی بی مبارکہ کو خبردار کیا کہ بادشاہ اس کی طرف آرہا ہے۔ جونہی بادشاہ خیمے میں داخل ہوا یہ فوراً پلنگ سے اتر کر اس طرح گھونگٹ میں دست بستہ کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ قریب پہنچا تو آداب بجا لائی اور ادب کے ساتھ کھڑی رہی۔ بادشاہ پلنگ پر بیٹھ گیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا پشتونے! (پختون زادی) بیٹھ جاؤ۔ بی بی مبارکہ پھر تسلیمات بجا لائی لیکن بیٹھی نہیں۔ بادشاہ نے پھر کہا پشتونے! بیٹھ جاؤ۔ اس طرح تین بار بادشاہ نے کہا کہ پختون زادی بیٹھ جاؤ مگر یہ پھر بھی نہ بیٹھی اور پھر دُعا، آداب و تسلیمات بجا لاتی رہی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا اور آنچل چہرے سے پٹا دیا لیکن اس نے حیا کے سبب پھر بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ بادشاہ اس کے اخلاق و سیرت اور صورت پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ بادشاہ نے پھر اس سے کہا کہ پشتون زادی بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد وہ بولی کہ میں ایک عرض رکھتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہو! بی بی مبارکہ نے پٹا پھیلا کر کہا کہ میں اپنی قوم کے لیے بادشاہ سے بخشش اور معافی کی خواستگار ہوں۔ اگر بادشاہ کی مہربانی ہو، میری مراد سے میری جھولی بھردی جائے اور میری قوم کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا پختون زادی تمہاری مراد سے تمہاری جھولی

بھردی اور تمہاری قوم کی تقصیر معاف کر دی خاطر جمع رکھو۔ وہ شکریہ کے طور پر پھر تسلیمات بجا لائی لیکن اسی طرح کھڑی رہی۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ ہلنگ پر بٹھا دیا اور باتوں میں مشغول ہو گیا۔ جب عصر کی اذان ہوئی بادشاہ اٹھا، بی بی مبارکہ نے جلدی سے بادشاہ کے جوتے سیدھے کر دیئے۔ بادشاہ ہنسنا اس کی پیشہ تھپکی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ سب تعلیم ملک احمد کی دی ہوئی ہے۔ یہ سب آداب تمہیں اسی نے سکھائے ہیں۔ اس کے بعد کہا کہ میں تم سے اور تمہاری قوم سے راضی ہو گیا۔ تمہاری خاطر انہیں معاف کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ باہر نکل کر چلا گیا۔ فی الواقع یہ تمام طور و طریق اور ادب و آداب ملک احمد کے تعلیم دیئے ہوئے تھے۔

اس کار خیر کے بعد بادشاہ موضع دیارون سے مراجعت کر کے باجوڑ کے راستے کابل تشریف لے گئے اور بی بی مبارکہ کو انتہائی اعزاز کے ساتھ کابل پہنچایا جو اس کی شریک حیات اور چہیتی بیوی تھی۔ اس بناء پر بادشاہ کے سارے اہل حرم کا اس کے ساتھ بغض و حسد دامنگیر ہوا اور ان کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اس کا بیٹا تولد ہو جائے تو اغلباً سلطنت اور بادشاہت افغانوں میں چلی جائے گی۔ اس لیے بی بی مبارکہ کو پوشیدہ طور سے کوئی ایسی دوا کھلا دی کہ وہ دائمی طور سے بانجھ ہو کر رہ گئی۔ اسی وجہ سے اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے بعد یوسف زئی مورا نامی پہاڑ سے اتر کر اپنے علاقوں میں آباد ہو گئے اور ملک احمد اور شاہ منصور کی دوستی اور تعلقات بادشاہ کے ساتھ استوار ہو گئے۔ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کے لیے جانبین سے آدمیوں کی ہمیشہ آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

چند سال بعد بابر ہندوستان آیا اور تمام ہندوستان کو مسخر

کر لیا۔ بی بی مبارکہ کے بھائی میر جمال ملک زئی ایک جماعت کے ساتھ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کے لیے آئے۔ بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوا اور جاگیر و منصب سے سرفراز کیا۔

بابر بادشاہ کی رحلت کے بعد نصیر الدین ہمایوں کے دور میں بھی بی بی مبارکہ اسی طرح صاحب عزت و وقار رہی بلکہ اس سے بھی زیادہ معظم و محترم ہو گئی۔ دارالسلطنت لاہور میں، قوم فرسولیاں کے محلے میں بڑے بڑے قصر اور عالی شان حویلیاں رکھتی تھیں۔ محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کے بیٹے اور پوتے بھی حسب دستور سابق جاگیردار اور منصبدار تھے، یہاں تک کہ محمد جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں بی بی اس کے ایک دو پوتے معزز و موقر تھے۔ میر جمال نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں وفات پائی۔ بی بی مبارکہ نے اپنی زندگی انتہائی دولت اور عزت میں گزاری حتیٰ کہ بڑی بوڑھی ہو گئی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں وفات پا گئی۔

اغفر لی ولہا ولجميع المومنین و المومنات برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اب اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب بابر بادشاہ سوات سے مراجعت کر کے کابل چلا گیا۔ یوسف زئی مورا سے اتر آئے اور سلطان اویس کے خلاف مہم میں مشغول ہو گئے۔ انہیں جب موقع ملتا سلطان کے لوگوں کو قید کر لیتے تھے اور ان کے ملک اور دیہات کو تہس نہس کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ سلطان عاجز آ گیا اور آخر کار اپنے تمام متعلقین، فوج وغیرہ کے ساتھ قلعہ منگور سے نکل گیا اور سوات کو چھوڑ دیا۔

وادی دریائے سوات پار کر کے تاج خیلہ گئے۔ اس کے بعد پہاڑ کو عبور کیا جس میں چار روز لگ گئے۔ زان بعد نیاگ درے

چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ نیاگ پہاڑوں کے درمیان ایک مقام (درہ) ہے۔ یہ سارا علاقہ آبی چشمہ دار اور سبزہ زار ہے اور ربیع کے دنوں میں چاروں طرف بڑی مقدار میں گھاس اور سبزہ ہوتا ہے اس کے گردا گرد ڈوما کفار آباد تھے اور اب بھی یہاں سب کے سب (ڈوما) کفار ہی آباد ہیں۔ سلطان اویس نے وہاں ایک شاندار اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام لاہور رکھا۔ جس کے ارد گرد کفار کے دیہات تھے ان سب کو اپنے تصرف میں لے آیا اور جیسے پہلے صاحب جاہ تھا اسی طرح پھر صاحب شوکت اور سلطنت کا مالک بن گیا اور مدت دراز تک بادشاہت کرنے کے بعد بدلی عارضے میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوا۔ فیروز شاہ اور قزان شاہ نام کے دو بیٹے اس کی بادگار تھے۔ بڑا بیٹا فیروز شاہ باپ کا جانشین ہوا۔ ایک روز قزان شاہ سیر و شکار کی غرض سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا ہوا تھا۔ اتفاقاً اس روز یوسف زئی کا دھاڑا جاسوسی کے لیے آیا ہوا تھا۔ قزان شاہ اس کی زد میں آ گیا۔ ایک یوسف زئی نے اس کے تیر مارا وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ یوسف زئی نے قزان شاہ کا سر کاٹ لیا اور لا کر خان کجیو کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خان موصوف اس وقت غوریا خیل کی مہم کے سلسلے میں نکلا ہوا تھا اور اس وقت دریائے لنڈا کے کنارے مقیم تھا۔ اس مہم کے حالات اپنے محل میں آئیں گے۔ فیروز شاہ نے مدت دراز تک بادشاہت کی اور عمر رسیدہ ہو کر مرا۔ فیروز شاہ کے بعد حکومت اس کے بیٹے سلطان ماہ کے حصے میں آئی۔ سلطان ماہ کے بعد زین اعلیٰ اس کا جانشین ہوا۔ اسی طرح یکے بعد دیگر کئی پشتوں تک سلطنت اسی خاندان میں رہی۔ حاصل یہ کہ جب سلطان اویس منگلور سے چلا گیا تو سارا سوات متراوی کے علاقے کے سوا یوسف زئیوں کے قبضے میں آ گیا۔

کہتے ہیں کہ یوسف زئیوں نے سلطان اویس کا سارا ملک سولہ سال کے اندر اندر اپنے تصرف میں لے لیا اور سترہویں سال متراویوں کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے خلاف فوج کشی کی۔ متراویوں کا ملک بڑا وسیع ہے اور دریائے سوات کی جنوبی طرف واقع ہے۔ دریائے سوات منگلور تک شمال کی طرف سے کاشغر سے آتا ہے اور منگلور سے دریائے پنجکوڑہ تک مغرب کی سمت میں بہتا ہے۔ پنجکوڑہ سے پھر دونوں دریا دریائے آگرہ اور اشغر تک جنوب کی جانب بہتے ہیں۔ اس کے بعد دریائے پشاور میں گر جاتا ہے۔ متراویوں نے جب یوسف زئی کی لشکر کشی کی خبر سنی تو سخت کھبراٹے اور اطراف و جوانب سے اکٹھے ہو کر بالگرام (بلوگرام) میں قلعہ بند ہو گئے۔ بالگرام (بلوگرام) ایک قلعہ کا نام ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور نہایت مضبوط اور اونچا ہے اور چونکہ پہاڑ سے گھرا ہوا ہے اس لیے دشمن اس پر آسانی سے حملہ نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ اس کے ارد گرد کے دیہاتوں کے ساتھ اس میں رہتا تھا اور دوسرے لوگ قلعے کے باہر ارد گرد کے دیہات میں رہتے تھے یوسف زئی کے لشکر نے کاٹ گلی میں ڈالے ڈالے۔ متراویوں کے تمام علاقے میں یہی جگہ ہموار بھی تھی، باقی سارا ملک پہاڑی ہے۔ یوسف زئی پھر روز قلعے کے قریب جاتے، متراوی بھی قلعے سے نکلتے اور باہم لڑائی لڑتے۔ ایک رات کو رحیم داد ابن ملک احمد خدر زئی کے ساتھ چھپ کر گیا اور پہاڑ کے اوپر چڑھ کر چوٹی پر قبضہ کر لیا۔ متراویوں میں سے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو یوسف زئیوں کا مقام لشکر قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ متراوی بھی حسب معمول قلعے سے نکل کر مقابلے کے لیے سامنے آئے اور جنگ شروع کی۔ لڑائی میں پہل پانی ابن ایسکو بٹی زئی یوسف زئی نے کی اور حاجی

شاہ نامی متراوی پر وار کیا اس لیے کہ زندگی نام کا اس کا بھائی کچھ دنوں پہلے متراوی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ فخر نام کے متراوی نے پٹی پر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزہ پائی کی زرے میں پیوست ہو گیا، پٹی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے گر گیا۔ پیر علی ابن میرک ملی زئی (نوری زئی) نے آگے بڑھ کر تلوار سے نیزے کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس طرح آدھا نیزہ متراوی کے ہاتھ میں رہ گیا اور آدھا پٹی کی زرے میں پھنس کر رہ گیا۔ اس کے بعد دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ جب متراویوں نے چوٹی پر لوگوں کو دیکھا تو سراسیمہ اور پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعے کے اندر جا گھسے۔ یوسف زئیوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ بالا اور زہرین سے جنگ ہوئی رہی۔ اسی اثنا میں رحیم داد خدر زئی بھی اپنے آدمیوں سمیت پہاڑ سے اتر آیا۔ پناہ گاہ اور خندقیں قلعے کے قریب تیار کیں اور تمام دن باہم لڑتے رہے۔ جب ایک پھر رات گزر گئی۔ متراوی قلعے کے ایک طرف سے جہاں مٹی کا تودہ ہونے کی وجہ سے خندق یا پناہ گاہ کے لیے جگہ نہ تھی نکل کر بھاگ گئے اور سارا مال و متاع چھوڑ گئے۔ چند آدمیوں کو محض اس لیے قلعے میں چھوڑ گئے کہ رات کو شور و غوغا اور ہا و ہو کرتے رہیں تاکہ یوسف زئی یہ نہ سمجھ سکیں کہ متراوی بھاگ رہے ہیں اور انہیں ہدایت کردی کہ صبح کے وقت وہ بھی بھاگ آئیں۔

الغرض تمام متراوی رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے۔ جب صبح ہوئی تو باقیماندہ لوگ بھی نکل بھاگے اور پہاڑوں میں گھس گئے۔ صبح کو یوسف زئی کو معلوم ہوا کہ قلعہ حالی ہے تو قلعے میں داخل ہو گئے اور اسے لوٹ لیا۔ اس قلعے سے بے انتہا مال و اسباب ان کے ہاتھ لگا۔ اب متراویوں کا سارا ملک بھی یوسف زئیوں کے قبضے میں آ گیا۔

متراوی کشی برسوں تک پہاڑوں میں سرگرداں و پریشان پھرتے رہے۔ بالآخر آہستہ آہستہ تمام متراوی آ کر اپنے اپنے موضعات میں رعیت بن کر آباد ہو گئے۔ یوسف زئیوں نے سارا سوات آپس میں تقسیم کر لیا اور سب اپنے اپنے حصے سے مطمئن ہو گئے۔ البتہ ملک حسن اور اس کے متعلقات شرم و ندامت کے باعث جلا وطنی اور محنت کشی اختیار کرتے ہوئے پہاڑوں میں بستے رہے۔ جب ملک حسن کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کے اقارب نے بھی یوسف زئی سے واپسی کی اجازت کی التجا کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہو گئے۔ قلعہ بالکرام (بلوگرام) کی فتح کے بعد پورے سوات پر یوسف زئی کا قبضہ ہو گیا اور کوئی ان کا منازع و مقابل باقی نہ رہا۔ اسی طرح سترہویں سال میں سارا سوات بھی ان کے تصرف میں آ گیا۔ اس اثنا میں یوسف زئی کے اکثر سردار جنہوں نے سوات کی مہم کا آغاز کیا تھا اور ابتدائی جنگیں لڑی تھیں، ملک قرہ، خان کجو کے والد اور موسیٰ ابن ایسکو کے والد اور زئی اور موسیٰ ابن ابوبکر کنا زئی منڈنڈ اور اس پائے کے دوست البتہ اپنے سردار وفات پا گئے تھے۔ ملک قرہ کی قبر موضع ٹھانے میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اللہم اغفر لی ولجميع المؤمنين والمؤمنات برحمتک بالرحم الراحمین۔

مقام چہارم

ملک دوآبہ میں گگیانیوں کی آمد ،
محمد باہر بادشاہ کا کابل سے پشاور آنا اور
کاہانزی کے دلزاکوں پر اس کی چڑھائی ۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

گگیانی قوم کے جو لوگ کابل میں رہ گئے تھے - بابر نے ان کی سخت مخالفت شروع کی ان کے لیے زندگی دشوار ہو گئی اس لیے انہوں نے کلیتاً کابل سے کوچ کیا اور یوسف زئیوں کے پیچھے آنے لگے مگر موسی زئیوں کا قبیلہ جو یوسف زئیوں کے ساتھ عداوت رکھتا تھا وہ کابل ہی میں رہ گیا - اس وقت گگیانیوں کا سردار ملک ہمزہ ابن یعقوب مغل خیل تھا جو بہت نامور، صاحب جاہ اور محمد بابر بادشاہ کا بہت مقرب تھا - ملک میرے لالہ زئی اور ملک یحیی میرزئی سردار بھی مشہور و معروف تھے اور دونوں کی ملک احمد ملک زئی کے ساتھ رشتہ داری اور قربت بھی تھی - ان دونوں نے بہ اتفاق چند نامور سرداروں کی مدد سے اس ملک احمد کے پاس دوآبہ بھیجا اور ان سے کہا کہ ملک احمد سے اپنی شکستگی و مصیبت زندگی ظاہر کرو اور بتاؤ کہ کابل میں زندگی دشوار اور جینا حرام ہو گیا ہے - اب آپ کے ہاں آئے ہیں - آپ کی نیکی اور سہربانی کے اسیدوار ہیں - چنانچہ یہ ملک اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ملک الملوک احمد کی خدمت میں آئے اور اپنا احوال بیان کیا - ملک احمد نے ان کو خوش آمدید کہا اور پرتباک خیر مقدم کیا اور یہ کہا کہ یہ بہت خوب ہوا - اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی ہمارے پاس بھیج دیا - مطمئن رہو اور خاطر جمع رکھو - میں نے سارا دوآبہ تمہیں دے دیا - جاؤ اس میں آباد ہو جاؤ - گگیانیوں کے یہ سردار واپس گئے اور اپنی قوم کو یہ خوش خبری سنائی - قوم

اس سے بہت خوش ہوئی اور کابل سے کوچ کر کے کڑپہ (گندھاپہ) کے راستے دواہہ آپہنچی اور ملک احمد، شیخ ملی اور خان کجوکے والد ملک قرہ سے ملاقات کی۔

وعدے کے مطابق یوسف زئیوں نے دواہہ گگیانیوں کے لیے خالی کردیا اور خود خوش و خرم دواہے سے روانہ ہو کر اشغر پار چلے گئے۔ دواہہ گگیانیوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور ہر شخص اپنے حصے میں آباد ہو گیا۔ گگیانی دو سال میں بڑے صاحب جمعیت اور آسودہ حال ہو گئے۔

آخرش اتفاقاً ایک دن ملک احمد اور شیخ ملی ایک سو بڑے بڑے نامور ملکوں کے ساتھ ملک ہمزہ گگیانی کے یہاں دواہہ آئے۔ ملک ہمزہ کو پہلے سے ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ اس لیے اس نے خاص جگہ بنائی تھی اور خیمہ لگایا تھا اور اس میں فرش بچھاٹے تھے۔ پلنگ بچھا کر اس پر بسترہ اور پشمنہ بچھا کر تکیہ رکھا تھا اور خود بھی بہت قیمتی اور نفیس لباس پہنے ہوئے بہت غرور اور تمکنت سے بیٹھا ہوا تھا۔ کسی سبب سے ملک احمد اس وقت پیچھے رہ گیا تھا اور دوسرے یوسف زئی ملک پہلے خیمے میں داخل ہوئے اور ملک ہمزہ سے ملے لیکن وہ ازراہ کبر و رعونت ان کے لیے کھڑا نہیں ہوا۔ بادل نا خواستہ بیٹھے بیٹھے ہر ایک سے ہاتھ ملاتا رہا۔ آخر میں ملک احمد خیمے میں داخل ہوا اور اپنے عزیزوں کے ساتھ کبر و رعونت کا یہ سلوک دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ ملک ہمزہ کی یہ حرکت اسے سخت ناگوار گزری۔ ملک احمد الٹے پاؤں باہر چلا گیا۔ اس نے ملک ہمزہ سے ملنا گوارا نہ کیا اور بہاواز بلند کہا کہ ”یہ وہ ناکس، بدطینت گگیانی ہیں جنہوں نے کابل میں بھی ہمارے ساتھ برا سلوک کیا تھا۔ اب میرا خیال تھا کہ شاید یہ

اپنے کٹھے پر پشیمان ہو کر میرے پاس آئے ہیں اس لیے میں نے دواہہ جیسا ملک ان کو دے دیا مگر معلوم ہوا کہ جبلی بدخصلتی اور بغض و عداوت اب بھی ان میں باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے میرے عزیزوں کے ساتھ بیٹھے بیٹھے ہاتھ ملایا۔ خیر اگر میں مرد ہوں گا تو اس کا یہ غرور اس کے سر سے نکال دوں گا اور کابل میں کی ہوئی برائیوں کا بدلہ لے لوں گا۔“

ملک احمد نے غیض و غضب میں جو باتیں کہیں۔ ملک ہمزہ اور دوسرے گگیانیوں نے لفظ بہ لفظ سنیں مگر کسی نے ہوں تک نہ کی۔ سب خاموش اور پشیمان رہے۔

الغرض ملک احمد قہر و غضب میں وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے عزیزوں کو آواز دی کہ آؤ، گگیانیوں کی نیت ہمیں معلوم ہو گئی۔ چنانچہ تمام ملک اسی وقت روانہ ہو گئے۔ رات کو کابل میں گزاری صبح اپنے گھر آ گئے۔ یوسف زئیوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ہر کسی نے اسے بہت برا محسوس کیا اور پھر گگیانیوں کے ساتھ دشمنی از سر نو تازہ ہو گئی اور کابل میں ان کے ساتھ کی گئی تمام برائیاں پھر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئیں۔ دلوں میں التقام کی آگ بھڑک اٹھی اور دن رات اسی کے بارے میں سوچنے لگے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ کگیانی ان دنوں کابلی بھیڑوں اور دہلیوں کے ریوڑ بکثرت رکھتے تھے۔ ملک ہمزہ کے پاس بے شمار ریوڑ تھے اس لیے اس نے نام و نمود کی غرض سے ہر آدمی کے لیے ایک دنبہ ذبح کیا تھا۔ چونکہ یوسف زئی ایک سو نفر آئے تھے اس لیے اس نے ایک سو دنبے ذبح کئے تھے اور انواع و اقسام کے کھانے پکائے تھے۔ ملک احمد کے جانے سے اس کے سارے کٹھے دھڑے پر پانی بھر گیا۔ تمام کھانے ضائع ہو گئے اور عام لوگوں کو کھلانے

بڑے۔ ملک ہمزہ سمجھ گیا کہ ملک احمد زبردست آدمی ہے اور آزرده خاطر ہو کر چلا گیا ہے۔ یہ ضرور کوئی بہانہ تلاش کر کے مصیبت کھڑی کر دے گا اور اس طرح کابل کا انتقام بھی لے لیگا۔ پس ضروری یہ ہے کہ حالات قطعی بگڑ جانے سے قبل کچھ فکر کی جائے۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ بادشاہ کے حضور کابل چلا جاؤں اور کسی طریقے سے اسے یہاں لے آؤں۔ جب بادشاہ میرے ساتھ آجائے گا تو ملک احمد کو چار و نا چار راضی ہونا پڑے گا اور صلح کر لے گا۔ اس طرح اس کی بوائی سے محفوظ ہونے جاؤں گا۔

چنانچہ ملک ہمزہ کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی اور اپنی تابعداری اور کمال فدویت اس پر ظاہر کی اور ازراہ خیر خواہی ملک گیری کا شوق دلا کر اسے پشاور کے لیے روانہ کر دیا اور اس طرح چند دنوں میں اسے اپنے ساتھ لے کر دوآبے میں آہنچا اور اسے اپنے گھر میں آتارا۔ ملک ہمزہ کے مشورے کے مطابق سب سے پہلے کلپانڑی کے دلزاکوں کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا اور سب کے یوسف زئی کے روساء کے نام اس مضمون کے فرمان بھیجے کہ ان فرامین کے پہنچنے ہی اپنے اپنے لشکر سمیت ہمارے حضور میں پہنچ جاؤ اور یاد رکھو کہ دلزاک کو اس بات کی اطلاع نہ ہونے پائے تاکہ وہ اپنے اپنے سواضع سے بھاگ نہ جائیں۔

سمہ میں اس وقت اکو زئی اور الیاس زئی آباد تھے۔ چنانچہ اس آوان میں اکو زئی کا نامی سردار ملک سر ابدال بن یحییٰ خواجو زئی علاؤ الدین زئی تھا اور دوسرا میر فتح خان بن موسیٰ بائی زئی یوسف زئی تھا اور الیاس زئی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ ملک سر ابدال اور میر فتح خان نے بادشاہ کے فرمان کے مطابق فوراً اکو زئی اور الیاس زئی کا لشکر اکٹھا کیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

انہیں دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور دونوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ بادشاہ نے ملک ہمزہ سے کہا۔ یوسف زئی کا لشکر آہنچا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ سب سے زیادہ متمرد اور سرکش کون لوگ ہیں تاکہ ان کے خلاف لشکر کشی کی جائے۔ ملک ہمزہ نے ملک سر ابدال اور میر فتح خان سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے سب سے پہلے کس پر چھاؤ کرنا چاہئے۔ ان دونوں نے ملک ہمزہ پر فیصلہ چھوڑ دیا اور کہا کہ آپ بڑے ہیں اور بادشاہ کے مقرب و معتمد ہیں۔ بادشاہ آپ کے گھر میں جلوہ فرما ہیں لہذا جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ ملک ہمزہ نے کہا کہ مجھے تو اپنا دشمن دلزاک سے زیادہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔ خصوصاً عمر خیل جو ہندوستان کی شاہراہ پر مقیم ہیں اور جب کبھی ہمارے سوداگر شاہراہ سے گزرتے اور ہندوستان آتے جاتے ہیں یہ لوگ ان پر تعدی اور مال و اسباب پر دست درازی کرتے ہیں۔ سوداگر ان کے ہاتھوں پریشان رہتے ہیں۔ اس پر ملک سر ابدال اور میر فتح خان نے کہا یہ بات بالکل درست ہے۔ ہمارے لوگ بھی ان کے ظلم و تعدی سے تنگ آ گئے ہیں۔ بلاشبہ دست اندازی، بدخصمتی اور خود بینی ان کا پیشہ ان کا ہے۔

اس زمانے میں کلپانڑی کا سارا علاقہ دلزاک کے قبضے میں تھا اور عمر خیل کے اس مقام پر جسے اب معصوم خان کابلی کا گھر کہا جاتا ہے۔ عمر خیل کے دو بڑے بڑے گاؤں تھے جو کلپانی کے نام سے ندی کے دونوں طرف آباد تھے۔ اس زمانے میں جب یوسف زئیوں اور گگیانیوں کے جو سوداگر ہندوستان آتے جاتے تھے وہ نیلاب (دریائے ستندھ) سے پار ہو کر جانتھ اور منیالہ سے ہوتے ہوئے سرخ وڑئی کے مقام پر دریائے لنڈا کو پار کر کے کلپانڑی کے راستے آتے، اس کے

بعد کم میں اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ دلزاک ان پر ڈاکہ ڈالتے اور دست درازیاں کرتے تھے اور اگر انہیں سودا گروں پر ڈاکہ ڈالتے اور انہیں لوٹنے کا موقع نہ ملتا تو یہ رہزنی کرتے۔ یوسف زئی کے ساتھ عمر خیل مخالفت اور دشمنی کرتے تھے۔ مزید برآں یہ سبب بھی تھا کہ ملک ہیو باجوڑ میں یوسف زئی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس سے پہلے دلزاک کے حالات میں گزر چکا ہے۔ ان حالات کی بنا پر سب سے پہلے عمر خیل کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلے کے بعد بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ رات کو موضع کلپانڑی کے قصد سے روانہ ہوا۔ اثنفر کے دریا کو عبور کر کے حصار بالول پہنچا اور صبح صادق کے وقت کلپانی ندی کے اس طرف والے عمر خیل کے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ گاؤں میں شور و غوغا ہوا تو ندی پار کے گاؤں میں بھی مٹا گیا۔ سب سے پہلے یہ شور و غوغا عمر خیل کے نامی گراسی سردار ملک جہاں شاہ نے سنا لیکن اس نے یہ خیال کیا کہ شاید کوئی شیر یا چیتا ندی پار کے گاؤں میں گھس آیا ہے۔

اس زمانے میں کلپانڑی کا علاقہ نرکل اور بانس کا گنجان جنگل تھا۔ سارے علاقے میں نرکل ہی نرکل تھے جس میں بے شمار آدم خور چیتے رہتے تھے اور آدمیوں کو آٹھا کر لے جاتے تھے، اسی طرح گیندے بھی بکثرت تھے۔

ملک جہاں شاہ نے فوراً نیزہ اور تلوار منبھالی اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کے گھوڑے کا نام ”گل بادام“ تھا اور بہت بہترین گھوڑا تھا۔ گاؤں والوں سے کہا کہ فوراً میرے پیچھے آؤ، دیر نہ لگاؤ۔ ملک جہاں شاہ حقیقت حال سے بالکل بے خبر تھا۔ اسے کیا پتا کہ باہر نے حملہ کیا ہے۔ جب وہ

اپنے گاؤں سے نکلا اور پل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ فوج ہر طرف سے گاؤں پر چڑھ رہی ہے۔ قتل و غارت، گری اور قید و بند کا بازار گرم ہے اور بادشاہ گاؤں کے عین وسط میں کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہے یہ منظر دیکھتے ہی ملک جہاں شاہ نے نعرے لگائے اور پکارا کہ اے عمر خیل! بیدار ہو جاؤ اپنے ناموس کی حفاظت کرو اور مردانگی کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اس کی اس پکار پر لوگ جاگ اٹھے اور گھر گھر جنگ چھڑ گئی۔ مگر زبردست لڑائی دو جگہوں میں ہو رہی تھی۔ ایک اس گاؤں میں اور دوسری ملک جہاں شاہ کے گاؤں کے متصل پل کے دہانے پر۔ تھوڑی دیر میں ملک جہاں شاہ کے گاؤں سے کمک بھی پہنچ گئی مگر دوسرے گاؤں میں کمک پہنچانے کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ پل پر مغلوں نے پہلے ہی قبضہ کر رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں سراج کلپانڑی میں ندی کا پھاٹک زیادہ چوڑا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ آمد و رفت کے لیے عمر خیل نے اس پل پر ایک پل بنا رکھا تھا۔ ان ایام میں یہاں کے بانس بہت لمبے، موٹے اور مضبوط ہوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک بانس سات سات گز لمبا ہوتا تھا۔ الحاصل صبح صادق کے وقت سے عصر کے وقت تک گھمسان کا رن پڑا اور اس پار کے گاؤں کے تمام مرد قتل ہو گئے، بچے اور عورتیں قید ہو گئیں اور مال و متاع غارت ہو گیا عصر کے بعد بادشاہ اس پار کے گاؤں کی طرف متوجہ ہوا۔ جب پل پر پہنچا تو دیکھا کہ جنگ ابھی تک ہو رہی ہے۔ اس پر وہ اپنی فوج پر گرجا کہ تم ابھی تک پار نہیں گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ بڑے نشانہ باز، تیر انداز اور بہادر لوگ ہیں۔ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے۔ اس لیے ان کو پیچھے ڈھکیلنے اور گاؤں میں داخل ہونے

کا اسکن نہیں ہے۔ بادشاہ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور خود پار چلا گیا اسی کی مشابعت میں سارا لشکر بھی گھوڑے دوڑا کر پار اتر گیا اور تیر برسانا شروع کیے۔ دلزاک نے بھی نہایت پامردی کا ثبوت دیا۔ سارا دن لڑتے ہو گیا تھا۔ تیر کھا کھا کر جسم چھانی ہو گئے مگر اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ سب وہیں مارے گئے۔ بادشاہ نے اس گاؤں میں داخل ہو کر اسے بھی خوب تباہ و برباد کیا، لیکن مال و مویشی، عورتیں، بچے دن ہی کو نکل کر کڑ مار کے پہاڑ میں گھس گئے تھے۔ اس لیے سلامت رہ گئے۔ گرد و نواح کے دوسرے دلزاک بھی خبر پاتے ہی بھاگ گئے۔ کوئی عمر خیل کی مدد کو نہ آسکا، ہر کسی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

اس زمانے میں سارے کپانڑی اور اس کے مضافات میں دریائے لنڈا کے کنارے اشغر، شاہباز گڑھ، کڑمار، شیر درہ، پنجتار اور سلسلہ کوہ کے دامن میں، رہند تک اور دریائے سندھ کے پار دونوں ہزارہ (ہزارہ اور کورخ ہزارہ) تربیلہ، لڑیکوئی، سنگرئی اور سوہان تک اور ساری وادی پشاور میں دلزاک ہی دلزاک آباد تھے۔ بڑی عظیم و کثیر خلقت تھی۔

دلزاک کی ایک خاتون مسماہ شاہ بوڑئی کا واقعہ اور اس کی بہادری۔

واضح رہے کہ اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب قضیہ پیش آیا۔ شاہ بوڑئی نام کی ایک عمر خیل دلزاک خاتون تھی جو رستم عمر خیل کی زوجہ اور عبدالرحمان عمر خیل کی بیٹی تھی۔ یہ دونوں بڑے نامور عمر خیل تھے۔ شاہ بوڑئی جب حالت صغر سنی سے نکل

کر باغیچہ کو پہنچی اور جوان ہوئی تو اللہ پاک نے اس کے ذہن میں مردانہ لباس راسخ کر دیا اس لیے وہ مردوں کا لباس پہنتی تھی اور ہمیشہ جوانوں کے ساتھ پھرتی، شب و روز بے کھٹکے جوانوں کے ساتھ مجالس و محافل میں بیٹھتی، گھوڑے کی سواری کرتی، کمر بند باندھتی، تیر اندازی کرتی اور نشانہ بازی کے مشہور کھیل (موخنہ) میں حصہ لیتی اور شبخون مارتی۔ شاہسواری میں لاجواب تھی اور سخت کمان استعمال کرتی تھی۔ کسی چیز سے اس کا تیر نہ رکتا تھا۔ جرگہ، معرکہ اور لڑائی میں حاضر ہوتی۔ دلزاک کے ہر اول دستے (مقدمۃ الجیش) کی سالار تھی۔ چونکہ ازدواجی زندگی پسند نہیں کرتی تھی اس لیے عورتوں کی صحبت سے بھی نفرت کرتی تھی۔ اس کے سامنے کوئی اس کی شادی کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ شوہر کے نام سے ایسی چڑتی تھی، گویا یہ نام اس کے لیے پیغام موت ہے۔ باکدامن تھی اور مردوں کی صحبت میں اس کے نسوانی جذبات مردہ ہو چکے تھے۔ مال و دولت اور شان و شوکت بہت زیادہ رکھتی تھی۔ بہت سے

ایک دن اس کے چند غلام فرار ہو گئے۔ یہ اپنے چند رشتہ داروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلی۔ راستے میں مختلف مقامات پر اس نے دو دو آدمی غلاموں کو پکڑنے کی غرض سے متعین کئے اور ایک جگہ یہ بھی رستم نامی ایک رشتہ دار کے ساتھ رات گزارنے کے لیے ایٹھ گئی۔ رستم ایک خوبرو اور دولت مند جوان تھا۔ دونوں نے آپس میں طے کیا کہ رات لمبی ہے اس لیے دونوں باری باری چوکیداری کریں گے۔ چنانچہ پہلے رستم سو گیا اور یہ جاگتی رہی۔ پھر جب رستم جاگ اٹھا تو یہ سو گئی۔ اس وقت رستم پر نفسانی خواہش نے غلبہ کیا۔ شہوان نے ورغلا یا اور اس نے ارادہ کیا کہ شاہ بوڑئی پر

ہاتھ ڈالے اور رخسار کا بوسہ لے کر اسے اپنے ساتھ بدنام کرے اس نے سوچا کہ شاید اس طرح وہ اس کے ہاتھ آجائے مگر ساتھ ہی اسے اس بات نے ڈرایا بھی کہ اگر اس اثنا میں اس کی آنکھ کھل گئی تو یہ جان سے مار ڈالے گی۔ اس لیے اس کا اسلحہ، تلوار وغیرہ اٹھا کر دور کہیں چھپا کر رکھ دیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا غرض یہ کہ اچھی طرح تیاری کرنے کے بعد آیا اور شاہ بوڑٹی کے رخسار پر اپنا منہ رکھ کر ایسے زور سے کاٹا کہ رستم کے دانت اس کے رخسار میں گھس گئے اور زخم سے خون بہنے لگا۔ یہ نیشہ سے ایک دم بیدار ہو گئی اور تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر تلوار غائب تھی۔ رستم اس اثنا میں تیزی سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور اس خوف کی وجہ سے اپنے گاؤں بھی نہ گیا۔ یہ رات بھر اسی جگہ شرمندہ بیٹھی رہی صبح کو یہ شرسار و خجل اور بادل نحواستہ اپنے گھر گئی۔ سارے دلزاک میں اس واقعے کا چرچا ہو گیا۔ اس نے شرم و خجالت سے گھر سے باہر نکلتا چھوڑ دیا۔ دن رات رستم کے قتل کرنے کی فکر میں غلطان و پیچاں تھی۔ بالآخر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اب اگر میں رستم کو قتل کردوں تب بھی یہ داغ تو مٹ نہیں سکتا جو مجھ پر لگ چکا ہے اور اگر اس کی ضد میں کسی اور سے شادی کر لوں تب بھی یہ داغ نہیں دھل سکتا اس لیے بہتر یہی ہے کہ رستم ہی کو اپنا شوہر بنالوں۔ قریبی رشتہ دار اور خوبصورت جوان ہے۔ اس نے اپنا یہ خیال اپنی ماں اور باپ پر ظاہر کر دیا۔ انہوں نے فوراً اس کی شادی کا بندوبست کر دیا۔ محفل آرائی ہوئی اور گانے گائے گئے، شہنائیاں بجیں، اسے زنانہ لباس پہنایا گیا، چوٹیاں گوندھی گئیں اور اس طرح شاہ بوڑٹی کی رستم سے شادی ہو گئی اس کے بعد وہ پردہ کرنے لگی اور گھر کی چار دیواری میں بیٹھ گئی۔ مگر گھوڑا اور تمام اسلحہ، تیر

کمان وغیرہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا تھا اسے وہ اپنے سے الگ نہیں کوئی تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ جنگ میں بھی شریک ہوتی تھی البتہ چہرے پر نقاب ہوتا تھا۔

جس دن بادشاہ نے ان کے گاؤں پر چڑھائی کی، رستم بہت بیمار اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی لاچار تھا۔ جب گاؤں والے شکست کھا گئے تو اس نے آکر رستم سے کہا۔ مغلوں کا لشکر گاؤں پر چڑھ آیا ہے۔ بیشتر عمر خیل مارے گئے جو باقی ہیں ان میں مقابلے کی تاب نہیں اب آپ بھی اٹھیں یہاں سے نکل چلیں میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں گی اگر کوئی تعاقب میں آیا تو میں اس سے نمٹ لوں گی۔ آپ فکر نہ کریں رستم نے کہا کہ مجھ میں تو حرکت کرنے کی طاقت بھی نہیں۔ میں کروں کر جاسکتا ہوں البتہ تم چلی جاؤ۔ شاہ بوڑٹی نے کہا جب آپ نہیں جاسکتے تو میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر دروازے کے اندر ڈال دی اور تلوار کمر سے باندھ لیا۔ جب لشکر اس کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے تو اس نے تیر مارنا شروع کیا اس کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ جس کے تیر ماری، تیر اس کی زہ توڑ کر سینے میں پیوست ہو جاتا تھا اور دم کے دم میں وہ دم توڑ دیتا تھا۔ اس پر مغلوں میں کھلبلی مچ گئی کہ اس چہرہ میں کوئی بلا ہے جس نے تباہی پھیلا دی ہے۔ بہت سے لوگ ہر طرف سے آکر اکٹھا ہو گئے۔ چھپر کو محاصرے میں لے لیا اور ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر کے اسے چھانی کر کے رکھ دیا۔ جب اندر سے تیر آنا بند ہو گئے تو لوگوں نے اندر جا کر دیکھا کہ ایک عورت کی نعش بڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ متعجب ہوئے۔

کسی نے اس واقعے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ اس نے فوراً قاصد بھیجا اور خبردار کیا کہ اس عورت کو قتل نہ کیا جائے، اسے زندہ پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ مگر جب بادشاہ کا قاصد پہنچا تو اس کی روح نفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔ ساتھ ہی اس کا شوہر بھی مارا گیا تھا۔ بادشاہ کو جب شاہ بوڑھی کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے لوگوں کو بہت سلاست کی اور کہا ایسی بہادر عورت کو مرد نہیں مارا کرتے۔ چاہئے تھا کہ اسے زندہ پکڑ کر لے آتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ اس زور سے تیر مارتی تھی کہ زرہ کو توڑ کر سینے سے پار ہوجاتا تھا۔ ہم یہ سمجھے کہ کوئی مرد ہے۔ اس لیے انجانے میں وہ قتل ہو گئی۔ بادشاہ اور اہل لشکر نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کی بہادری اور شوہر سے اس کی محبت اور فداکاری پر آفریں کہی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی بادشاہ کے حضور میں عمر خیل پر حملہ کا ذکر آجاتا تھا۔ بادشاہ عمر خیل کی شجاعت کی خصوصاً شاہ بوڑھی کی تعریف کرتا تھا۔

اللہم اغفر لہا و لجمع المسلمین و المسلمات۔
القصہ عصر تک لڑائی جاری رہی۔ دونوں گائوں کے بیشتر لوگ قتل ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے شکست خوردہ دلزاک کے تعاقب میں شاہباز گڑھ کا رخ کیا اور کڑھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ نو دس میل تک ان کا تعاقب کیا ہوا کہ رات ہو گئی۔ جس جگہ اس نے رات بسر کی تھی اب اس مقام پر لنگر کوٹ کا قلعہ ہے۔

اس واقعے کے بعد ملک سر ابدال نے بڑی عزت پیدا کر لی۔ بادشاہ اس پر بہت سہربان ہو گیا۔ یہ ابھی جوان اور عقل و تدبیر میں فائق تھا۔ سر ابدال اپنے لشکر اور تمام اہل افغان کے ساتھ بادشاہ کے لشکر سے کچھ فاصلے پر مقیم ہو گیا۔ جب رات گزر گئی اور صبح

ہوئی تو اکوڑی اور الیاس زئی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ چاہیں سے لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی یہ شور سنا گیا۔ بادشاہ نے لوگوں کو جنگ پر کمر بستہ دیکھا تو ہیبت زدہ ہو گیا اور یہ سمجھا کہ شاید پختونوں نے فریب دے کر اس مقام پر اپنے لوگوں کے درمیان لا کر پھنسا دیا ہے۔ اس لیے فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ فرار کی نیت سے تیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔

ملک سر ابدال نے بادشاہ کا یہ اضطراب دیکھا تو سمجھ گیا کہ بادشاہ کے دل میں ہماری طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اس لیے وہ دوڑ کر آیا۔ بادشاہ کو سلام کیا اور کہا بادشاہ سلامت آپ اپنے لیے بالکل خطرہ محسوس نہ فرمائیں۔ آپ ہمارے بادشاہ اور ہم آپ کے نمک خوار ہیں۔ آپ اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ تشریف فرما رہیں۔ ہم پختون ہیں، اسی طرح جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں یہ ہمارا قومی شعار بن گیا ہے آپ تردد نہ فرمائیں ہم ابھی جا کر معاملہ رفع دفع کر کے ان کے درمیان صلح و صفائی کرا دیں گے۔

اس کے بعد بادشاہ مطمئن ہو کر کھڑا ہو گیا۔ دل سے خطرہ نکل گیا۔ ملک سر ابدال گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑا ہوا گیا دونوں لشکروں کے درمیان پہنچا۔ طرفین ہاتھ میں ڈھالیں پکڑے ایک دوسرے پر تیر برسا رہے تھے۔ ملک سر ابدال زرہ پہننے ہوئے نہیں تھا۔ فریقین کو آواز دی اور ہاتھ اٹھا کر کہا کہ بس کرو، تیر اندازی بند کرو۔ مگر عین اسی وقت ایک تیر الیاس زئی کی طرف سے آکر اس کے لگا وہ تیر لگتے ہی گر گیا۔ اس پر طرفین ہیبت زدہ ہو گئے اور حیران و پریشان کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بادشاہ کو حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ بھی بے حد سراسیمہ اور غمگین ہوا۔

ملک سر ابدال بیہوش پڑا ہوا تھا - کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں - لوگوں کو پہچانا اور دریافت کیا کہ یہ لوگ کہاں ہیں؟ کسی نے کہا یہیں حیران و پریشان اور شرمندہ کھڑے ہیں اور بادشاہ بھی متحیر اور متفکر کھڑے ہیں - ملک سر ابدال نے کہا مجھے ڈیرے پر لے چلو اور طرفین کو وہاں بلاؤ - چنانچہ اس کے بعد اسے ڈیرے پر لے جایا گیا اور اکو زئی کے سارے سردار جاکر حاضر ہو گئے - بالآخر اس نے اکو زئی سے کہا -

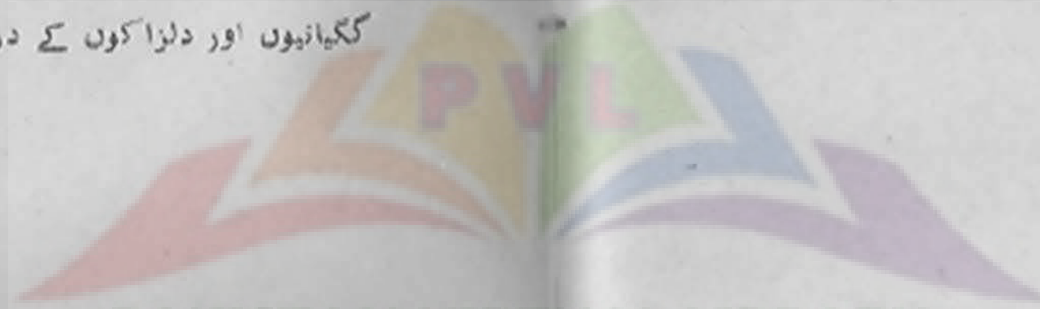
اے عزیزو! الیاس زئی کی یہ منشا نہ تھی کہ مجھے دکھ پہنچائیں لیکن میری تقدیر میں اسی طرح لکھا ہوا تھا - اب میری نصیحت اور وصیت سنو کہ میری حیات میں دونوں فریق ایک دوسرے سے گلے ملو اور بدی کو دل سے نکال دو، میرے معاملے میں کسی سے تعرض نہ کرو اور اگر تم صبر و ضبط نہ کر سکو تو یوسف سٹڈنڈ کے چند سرداروں کو بٹھا کر آپس میں مشورہ کرلو - میرے باب میں وہ جو نیک صلاح دیں اس پر عمل کرو اس سے زیادہ الیاس زئی کے ساتھ بدی نہ کرو -

اکو زئی کے سرداروں نے ملک سر ابدال سے کہا جو آپ کا حکم ہوگا - ہم اس کی تعمیل کریں گے - اس کے بعد ملک سر ابدال نے الیاس زئی سے متوجہ ہو کر کہا کہ بھائیو! اب آپ اپنے ڈیروں میں جائیں - اس پر الیاس زئی اٹھ کر ڈیرے میں گئے اور ملک سر ابدال پر حالت نزع طاری ہو گئی اور اس کی روح پرواز کر گئی - بادشاہ اس وقت تک کھڑا رہا جب تک ملک سر ابدال کی روح پرواز نہیں کر گئی - بادشاہ ملک سر ابدال کے انتقال سے بے حد خائف اور متوحش ہوا - تمام لوگوں پر سے اس کا اعتبار اٹھ گیا - اسی وقت وہاں سے اشغر کا رخ کیا - اشغر سے گزر کر دوآبہ آیا اور ملک ہمزہ کے

ہاں اتر گیا اور بادشاہ کے دل میں جو اغراض و مطالب تھے وہ سب کے سب التوا میں پڑ گئے - ملک ہمزہ بادشاہ کی خدمت اور مہمانی کے لوازم و شرائط کا مقدمہ بجا لایا - بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش کیں - بادشاہ کی طرف سے وہ بھی اعزاز و منصب سے سرفراز کیا گیا - اس کے بعد بادشاہ دوآبہ سے روانہ ہو کر کابل چلا گیا اور پایہ تخت کو رولق بخشی -

مقام پنجم

گگیانیوں اور دلزاکوں کے درمیان جنگ



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جب ملک سر ابدال کا انتقال ہو گیا تو الیاس زئی کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہوا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بادشاہ کا اعتماد بھی اٹھ چکا تھا اس لیے وہ بھی کوچ کر کے دوآبہ چلا گیا۔ اکو زئی نے ملک سر ابدال کی میت (جنازے) کو اس کے گھر سنگاؤ پہنچا دیا۔ دلزاک جو فرار ہو گئے تھے، لوٹ کر اپنے اپنے دیہات میں آباد ہو گئے۔ مگر اس پار کلہانی گاؤں بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ لوگ جنگ میں کام آگئے تھے، عورتیں اور بچے ہمدردی سے مارے گئے تھے۔ مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا۔ مویشی مارے گئے تھے۔ کچھ لوگ جو مال و مویشی اور عیال و اطفال لے کر بھاگے تھے وہ واپس آ کر اپنے گاؤں میں آباد ہو گئے۔ کچھ دلوں کے بعد باقی عمر بھلنے بھرنے میں بسر کر کے بڑے بڑے سردار بن کر ملک احمد کے پاس سوت گئے اور اس سے کہا۔

”ملک حمزہ گکیالی بادشاہ کو کابل سے لے آیا اور بے خبری میں ہم پر چڑھا لایا۔ ہمیں اس کے ہاتھوں قتل کرایا اور تباہ و برباد کر دیا۔“

ملک احمد کو سارے حالات معلوم ہو چکے تھے۔ ملک سر ابدال کی موت کی خبر بھی سن چکا تھا۔ اس نے ان سے کہا ملک حمزہ نے ہم ہمدردی تمہارے ساتھ نہیں میرے ساتھ کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ بادشاہ کو کابل سے لایا اور تم پر چڑھایا ہے مگر اس کا اصل

مقصود اور نشانہ میں تھا۔ وہ فی الحقیقت مجھے اپنا زور دکھا رہا تھا۔ خیر جو ہوا سو ہوا آئندہ کے لیے خاطر جمع رکھو اور جا کر اپنی تعمیر میں لگ جاؤ میں چند دنوں میں بونیر آرہا ہوں، تم بھی وہاں آجاؤ وہاں باہم صلاح و مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کریں گے۔

عمر خیل رخصت ہو کر اپنے گھروں میں واپس آگئے۔ چند دنوں کے بعد ملک احمد، شیخ سلی وغیرہ یوسف زئی کے ملک صاحبان اکو زئی کے پاس سمہ گئے اور ملک محمود ابن یحییٰ علاؤ الدین زئی سے ملک سر ابدال کی تعزیت کی اور ان سے کہا۔

”اے نمک فروشوں اور گائے چرانے والو! تم کہاں اور بابر کا دربار کہاں۔ تم کون تھے کہ مجھ سے پوچھے اور صلاح و مشورہ کئے بغیر بادشاہ کے ہاں گئے اور ملک ہمزہ گگیانی جیسے آدمی کے فریب میں آگئے جو قدیم الایام سے ہمارا دشمن ہے اور اس کے ساتھ لشکر کر کے عمر خیل کو تباہ و برباد کرادیا اور ملک سر ابدال جیسا عزیز کھو دیا۔“

اس کے بعد بونیر آیا۔ سب کو باہم اکٹھا کیا اور عمر خیل بھی آگئے۔ آپس میں جرگہ کیا اور ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ جو تمہارا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے، میں نے خنخی کا ننگ چھوڑ دیا۔ جاؤ ان پر لشکر کشی کرو اور ان سے اپنا انتقام لو۔ اس فیصلے کے بعد عمر خیل اپنے گھروں میں آئے اور لشکر جمع کرنے فکر لگ گئے۔

چنانچہ عمر خیل دلزاک کے بعض سربر آوردہ ملک دریائے سندھ کے پار کے علاقے میں گئے۔ وہاں سے لشکر لے آئے۔ اتنا لشکر اکٹھا ہو گیا جس کا کوئی حد و حساب نہ تھا اور پھر ہشیت اجتماعی سے دوا بے کی طرف کوچ کیا اور شرخ وڑی کے مقام پر دریائے لنڈا

پار کر کے ہشاور آگئے۔ ہشاور میں بھی سب دلزاک آباد تھے، اس طرح سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔

کہتے ہیں جب دلزاک کا لشکر دوا بے کی طرف روانہ ہوا۔ ملک ہمزہ نے میر فتح خان بن موسیٰ بائی زئی سولی زئی اور دادی بن بول بن فخرالدین یوسف زئی کو خطوط بھیجے کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ خنخی (خنشی) کے ننگ اور ناموس کا خیال کرو۔ لشکر لے کر میری مدد کے لیے پہنچو۔ آخر یہ دونوں جو اس زمانے میں زبیر بن سمہ میں مقدم آئے، خنخی (خنشی) کی عزت و ناموس کے نام پر، ملک احمد سے صلاح و مشورہ کیے اور پوچھے بغیر اپنے ہم نسبوں کی ایک تعداد کے ساتھ جن میں سے ہر ایک نامور شہسوار تھا۔ چل کھڑے ہوئے اور اشغر کے راستے دوا بے پہنچے۔ گگیانیوں کی عورتوں نے ان کی آمد کی خوشی میں گانے گائے اور شکریدہ ادا کیا۔ دادی نے میر فتح خان سے کہا کہ یہ ہمارا کس بات کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ فتح خان نے جواب دیا کہ الہ داد! یہ میرے اور تمہارے سر کا خون ہے جو ہم پر اچھا کر رہی ہیں۔ ملک ہمزہ نے میر فتح خان کو مبارک باد دی اور کہا کہ پہلے آپ صرف یوسف زئی کے سردار تھے اب آپ سارے خنخی (خنشی) کے سردار ہو گئے، ہم نے بھی آپ کو اپنا سردار بنالیا آپ کو یہ سرداری مبارک ہو۔

میر فتح خان ایک نامور اور بہادر آدمی تھا۔ سخاوت، شجاعت اور دولت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ آبا و اجداد سے صاحب عزت اور سربر آوردہ شخص تھا۔ اس کے ہاں ہمیشہ ولایتی غالیجے بچھے رہتے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے پکتے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس کے سہانہ ہوتے تھے۔ سارے یوسف زئی کا خان تھا اور عوام اس کو سلام کرتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کے خیل خانے

میں دوسرے نامور خوانین اور سردار گزرے۔ ان کی بھی اسی طرح عزت اور ان کو بھی اسی طرح سلام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد بارہا خان سردار ہو گیا اور بارہا خان کے بعد ظریف خان کے حصے میں سرداری آئی اور اس کے بعد محمد خان خان بن گیا۔ علی ہذا القیاس درجہ بہ درجہ تمام یوسف زئی ان کے مشق اور مطیع رہے۔

دادی کا اصلی نام اللہ داد تھا۔ اس کے باپ دادا قوم کے شجاع ترین اور صاحب مرتبہ تھے۔ چنانچہ پوپل کا خاندان اپنی بہادری کے لیے ساری ختھی (خشی) قوم میں مشہور تھا۔ کہتے ہیں کہ جب میر فتح خان اور دادی سواروں کی جمعیت کے ہمراہ اشغر کے راستے دواہہ کی طرف جارہے تھے اور مشہور و معروف حصار نالے تک پہنچ چکے تھے تو اس طرف سے لال منڈنڈ (خورد خیل) صدو زئی کا فرزند سرگین سلا۔ سرگین بے حد خوبصورت نوجوان تھا۔ شادی کر کے لوٹ رہا تھا۔ دلہن کی ڈولی اور براقی ساتھ تھے۔ میر فتح خان اور دادی نے اس سے کہا کہ ہم تو ختھی (خشی) کے ناموس کی خاطر گگیانیوں کی حمایت میں دواہہ جارہے ہیں کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے سرگین نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ دلہن کی ڈولی برات کے ساتھ گھر بھیج دیتا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو گھر لوٹ آؤں گا اور اگر جنگ میں کام آ گیا تب بھی کوئی پروا نہیں۔ چنانچہ سرگین نے ڈولی کو گھر بھیج دیا اور خود ان کے ساتھ دواہے چلا گیا۔

گگیانی پھر اس مرتبہ بھاگ کر کنڈل خیل و مغل خیل کی طرف پہاڑ میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور مال، سودھی، بھیڑ بکری سب کچھ ساتھ لے گئے تھے۔ تمام لشکری نیمہ وڑی میں مقیم تھے۔ نیمہ وڑی دواہہ میں ایک مشہور و معروف جگہ ہے۔ ملک ہمزہ نے وہاں ایک بہت بڑا شامیانہ کھڑا کر دیا تھا جس کی شان و شوکت امیروں

جیسی تھی۔ دوسرے ملکوں نے بھی اپنے اپنے حسب مقدور خیمے کھڑے کئے تھے۔ گگیانیوں کو کابل سے آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ ابھی ان کی خوبصورت، زندگی کا انداز اور ساز و سامان کوچیوں کا سا تھا۔ محمد زئی اس وقت تک کامہ (ننگر پار) میں آباد تھے۔ ملک ہمزہ نے ان سے اسداد و معاونت مانگی تھی اس لیے محمد زئی کا لشکر ان کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔

الغرض گگیانیوں کا بھی عظیم لشکر جمع ہو گیا تھا جس میں زیادہ تر سوار اور باقی پیادے تھے، ایک ہزار سوار تو صرف گگیانیوں کے تھے جو سب کے سب عراقی گھوڑوں پر سوار اور سر سے پیر تک زربوں میں شرق تھے۔ دلزاک کا لشکر جمعیت تام کے ساتھ پشاور سے روانہ ہو کر کل بیلہ گیا اور دریائے پشاور سے پار اتر کر سیدھا نیمہ وڑی گیا جہاں سے گگیانیوں کو ان کا لشکر دکھائی دیا۔ ان کی بڑی لشکر کی صفیں درست کیں۔ گگیانیوں کا لشکر بھی مقابلے کے لیے میدان میں نکل آیا اور اسی جگہ دونوں لشکروں میں اہم مقابلہ ہوا۔ پہلے تیروں کی جنگ شروع ہوئی۔ دلزاک سب کے سب تیر الدازی میں ماہر تھے۔ گگیانیوں کے اکثر لشکر کو گھائل کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر فتح خان، دادی، سرگین اور ملک ہمزہ لشکروں میں گھس گئے اور دست بدست جنگ شروع کر دی۔ ان کی دیکھا دیکھی سارا لشکر یکبارگی ٹوٹ پڑا اور نیزوں اور تلواروں کی ایک بے پناہ جنگ شروع ہو گئی۔ گگیانیوں نے پامردی اور بہادری کا حق ادا کر دیا۔ آفریں ہو ان کی ہمتوں پر مگر چونکہ دلزاک ان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے، سواروں اور پیادوں کا کوئی شمار نہ تھا، صفوں کی صفیں کھڑی تھیں۔ دلزاک ان پر ٹوٹ پڑے اور سارے گگیانی قتل ہو گئے۔ اگرچہ دلزاک بھی بے انتہا لقمہ اجل بنے، لیکن وہ

چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لیے کوئی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔ گگیانیوں کے ایک ہزار زرہ پوش بہادر جو عراقی گھوڑوں پر سوار تھے اور جن میں سے تین سو شہسوار صرف مکہ خیل کے تھے وہ ایک ایک کر کے سب قتل ہو گئے۔ مکہ خیل اس زمانے میں بڑے دولت مند، مشہور اور بہادر لوگ تھے اور دوسرے گگیانیوں کی نسبت سہل و آسان تھے لیکن اس لڑائی میں اکثر مارے گئے۔ ان کی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ اس جنگ کے بعد قبیلے کی حیثیت سے یہ لوگ بہت کمزور ہو گئے اور تھوڑے بھی رہ گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں گگیانیوں، محمد زئی اور یوسف زئی میں سے کسی نے بھی کمی نہیں۔ خصوصاً دادی ملی زئی نے بہادری کا حق ادا کر دیا۔ مگر گگیانیوں کا بخت برگشتہ ہو گیا تھا وہ بڑے مغرور ہو گئے تھے ان کا تکبر انہیں لے ڈوبا تھا۔ کوشش کے باوجود اپنی شکست کو فتح میں نہ بدل سکے اور تمام لوگ قتل ہو گئے اگر کوئی بھاگ کھڑا ہوا تھا تو دلزاک نے تعاقب کر کے اسے بھی قتل کر کے چھوڑا البتہ ان کے بچوں اور عورتوں سے ملک احمد کے لحاظ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اس لیے یہ بات ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں کو ناگوار گزرتی۔ کیونکہ گگیانی اور یوسف زئی بہر حال بھائی بھائی تھے اور دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کرتا تھا۔ دلزاک کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کل کو یہ ہم سے کہیں کہ اگرچہ ہم ان سے بددل ہو گئے تھے۔ تمہیں ان کے ناموس پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کیسے ہوئی۔ اس لیے عورتوں اور بچوں سے کچھ تعرض کیے بغیر واپس آ گئے۔ اپنے مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھایا اور دریائے اشغر کے کنارے آ کر ڈیرہ ڈال دیا۔ رات وہاں گزاری، صبح کو پشاور کے لیے روانہ ہو گئے۔ جو لوگ پشاور کے تھے

وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور جو زیرین علاقے کے تھے وہ فی الفور روانہ ہو کر 'سرخ وڑی' کے مقام پر دریائے لنڈا کو عبور کرتے ہوئے کھانڈی آگئے اور جو کھانڈی کے سمہ (میدانی علاقہ) کا لشکر تھا وہ جا کر ہنڈ کی گزر سے پار ہو کر اپنے اپنے دیہات میں چلے گئے اور دلزاک اس فتح پر بے حد مغرور ہو گئے۔

دوسرے یہ واضح رہے کہ اس وقت جب میر فتح خان اور دادی گگیانیوں کی حمایت میں ملک احمد کو اطلاع کئے بغیر گئے تھے، اس کی اطلاع ملک احمد کو مل گئی اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری۔ وہ بے حد غصہ ہوئے اور فوراً میر احمد عمر خیل صدوزئی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو واپس لے آؤ اور ان سے کہو کہ کیا تم گگیانیوں کی وہ بدی بھول گئے جو انہوں نے کابل میں ہمارے ساتھ کی تھیں اور ملک ہمزہ نے دوائے میں ہمارے ساتھ جو سلوک کیا تھا، وہ بھی تمہارے دلوں سے نکل گیا۔ تم کون ہو اور گگیانیوں کی حمایت سے تمہاری غرض کیا ہے۔ دلزاک میری आजائے گمشدہ ہیں پس تم عہد اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو، واپس آ جاؤ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت میر احمد عمر خیل پہنچا تو گگیانیوں اور دلزاک کی جنگ تیار تھی۔ جاہلین سے صفیں آراستہ ہو چکی تھیں۔ جنگ کا دن تھا۔ میر احمد، میر فتح خان اور دادی تک نہ پہنچ سکا۔ ایک طرف کھڑا رہ گیا۔ جونہی جنگ شروع ہوئی، میر احمد کو خنخی (خشی) کے ننگ و ناموس کے خیال نے بے اختیار کر دیا اور وہ بھی دلزاک پر ٹوٹ پڑا۔ تلوار چلانا شروع کیا اور کشتوں کے لیے لگا دیئے یہاں تک کہ خود بھی جان دے دی۔ جس وقت میر احمد میدان میں کود رہا تھا تو دادی نے اسے دیکھ لیا تھا۔

جب وہ جنگ میں کام آگیا تو دادی نے کسی سے پوچھا کہ یہ بہادر کون تھا؟ اسے بتایا گیا کہ میر احمد عمر خیل صدوزی تھا اور ملک احمد نے اسے تمہارے پاس بھیجا تھا کہ تمہیں واپس بلا لائے مگر وہ اس وقت یہاں پہنچا جب جنگ شروع ہو چکی تھی اور اس وجہ سے وہ تم سے نہ مل سکا اور خنخی (خشی) کے ننگ سے مجبور ہو کر وہ بھی جنگ میں کود پڑا اور مر گیا۔ دادی نے کہا کہ میر احمد پر صدا رحمت ہو۔ ننگیالی اسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد دادی بھی تلوار سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کی منگنی ہو گئی تھی، منگیترہ گئی۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ سے قبل ایک دن دادی اپنے خسر سے کہیں راستے میں ملا تھا۔ خسر نے اس سے کہا دادی! جنگ میں ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے محل جوش سے کام نہیں چلتا۔ ہر کام ہوش و حواس میں رہ کر کرنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ میری بیٹی بیٹھی رہ جائے۔ دادی شرم کے مارے اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسی وقت انہیں ایک راہ رو نظر آیا تھا جو انہیں پہچانتا بھی نہ تھا، وہ اپنا دل بہلانے کے لیے ایک ٹھا گارہا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

کہ د نورو نیزے لنہے د دادی نیزہ دہ لویہ

اگر دوسرے لوگوں کے نیزے چھوٹے ہیں تو کیا ہوا دادی کا نیزہ تو بڑا ہے۔

کہ ہر خوشوارہ ڈیرشی د دادی ور تہ خو بو یہ

پہر چند کہ سوار زیادہ ہو جائیں مگر دادی کو تو (جنگ میں) ضرور شریک ہونا چاہئے۔

دادی نے یہ سن کر اپنے خسر سے کہا کہ آپ نے یہ اشعار سنے؟ اب آپ فرمائیں کہ میں اپنی ناموری کہاں چھپاؤں جب کہ

میرا نام ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اس نے کہا کہ بیشک حقیقت یہی ہے۔ جاؤ خدا پر بھروسہ رکھو اور اپنے نام کو بٹہ نہ لگنے دو جو مقدر میں ہوگا وہ ضرور پیش آئے گا۔ غرض یہ کہ جب ملک احمد اور یوسف زئیوں کو گگیانیوں، محمد زئی اور یوسف زئی کے قتل ہونے کی خبر ملی تو بہت دلگیر و غمگین ہوئے اور ان کی رگ حمیت و غیرت پھڑک اٹھی اور خنخی (خشی) توب (برادری) کے ننگ کا خیال دامن گیر ہوا۔

پہر کوئی ملک احمد کو ملامت کرتا تھا کہ آپ تمام خنخی (خشی) بلکہ سڑاہن کے سردار ہیں۔ گگیانیوں کی رسوائی آپ کی رسوائی ہے۔ آپ نے ایک ہمزہ کی وجہ سے قوم کے ایسے بہادر ضائع کر دیئے ہیں آپ کے لیے مناسب نہ تھا اور میر فتح خان، دادی، میر احمد اور سرکین کے عزیز بھی آکر ملک احمد سے شکوہ و شکایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم انہیں بہائی اور عزیز دلزاک کو ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ اب ان کا بدلہ لیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم سے خود بخود بدلہ کھڑا ہو جائے گا۔ ملک احمد نے ان سے کہا

آپ ذرا صبر کریں میں بھی اپنے ان بھائیوں اور عزیزوں کو نہیں بھول سکتا۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں اور بہانہ ڈھونڈتا ہوں۔ گگیانیوں کے اور سردار بھی آئے اور ملک احمد سے فریاد کی۔

ملک احمد نے انہیں بھی تسلی دی اور ان کی دل جوئی کی اور کہا کہ اب آپ لوگ جائیں اور خاطر جمع رکھیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں ان سے سارے خنخی (خشی) کا انتقام لے کر دم لوں گا۔ گگیانیوں نے نصیحت ہو کر چلے گئے۔ ملک احمد شب و روز اسی فکر میں لگا رہا کہ اللہ کی تلاش کرتا رہا۔ دلزاک اس فتح سے اور زیادہ مغرور اور بدست

کابل میں رہ گئے تھے۔ ترکلانی لغمان میں اور محمد زئی ننگر پار میں تھے۔ محمد زئی کے قبضے میں اس وقت کوئی ملک نہ تھا۔ پس ملک احمد نے فیصلہ کیا کہ ہرچند موسیٰ زئی نے ہمارے ساتھ برائی کی ہے مگر اس وقت مصلحت یہ ہے کہ ہم ان کی تقصیر معاف کر دیں اور اپنے ساتھ انہیں سلائیں تاکہ خشی (خشی) کی یہ سہم اللہ تعالیٰ کامیاب کر دے۔ ان کے علاوہ اتمان خیل، ترکلانی اور محمد زئی کو بھی بلالینا چاہئے کیونکہ ایک بڑی اور عظیم سہم درپیش ہے۔ چنانچہ ملک احمد نے شیخ ملی کو چند یوسف زئی سرداروں کی سعیت میں کابل روانہ کیا اور ان سے کہا کہ جاتے ہوئے پہلے دواآہ جائیں اور گگیانیوں سے کہہ دیں کہ ملک احمد اور تمام یوسف زئی نے موسیٰ زئی کی تقصیر معاف کردی ہے۔ اب آپ کے چند معززین میرے ساتھ کابل چلیں تاکہ انہیں لے آئیں اور اتمان خیل ترکلانی اور محمد زئی کو بھی لے آئیں اس لیے کہ یہ سہم سب کی مشترک سہم ہے۔

شیخ ملی وغیرہ دواآہ کو گئے اور گگیانیوں کو حالات سے مطلع کیا۔ گگیانی ملک احمد کے پیغام اور معافی سے بے حد خوش ہوئے ان کے چند سردار شیخ ملی کے ہمراہ ننگر پار گئے اور محمد زئیوں کو ملک احمد کا پیغام پہنچایا کہ ہمارے ساتھ لشکر کریں۔ چنانچہ محمد زئی نے ان کے ساتھ لشکر کرنا قبول کیا۔ زان بعد لغمان گئے اور ملک احمد کا پیغام ملک سرخابی بن شمو سالا زئی اور ملک بلو خان برم شاہ زئی ترکلانی کو پہنچایا اور ان سے لشکر کشی کا تقاضا کیا۔ اس کے بعد کابل گئے اور موسیٰ زئی گگیانیوں کے پاس گئے اور ان تک ملک احمد کا پیغام پہنچایا۔

ہم نے تمہاری ساری خطائیں معاف کر دیں اور اپنے سارے خون سے بھی در گزر کیا اب تم پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ آؤ

ہو گئے تھے۔ خوب لاف زنی کرتے تھے۔ اب انہوں نے یوسف زئی کے ساتھ دست اندازی اور بدخصاتی شروع کردی۔ اس وقت یوسف زئی بگیاڑے میں مقیم تھے۔ جگہ جگہ ان کے گاؤں آباد تھے۔ اتفاقاً ایک دن یوسف زئی کی سستورات بگیاڑے کی ندی (موجودہ کلپانڑی نالہ) پر کپڑے دھو رہی تھیں۔ کپڑے سکھانے کے لیے دھوپ میں پھیلا رکھے تھے اور خود بے حجاب بیٹھی ہوئی تھیں۔ اچانک دلزاک کا ایک گروہ جو کلہانی سے بگیاڑے گیا ہوا تھا ادھر سے گزرا۔ ان میں سے ایک بد ذات نے پردے کی چادر (پٹوئے) وہاں سے اٹھا لی عورتوں نے آواز دی کہ اے کم بخت دلزاک ہمارے پردے کی چادر (پٹوئے) نہ لے جا واپس دے۔ اگر تو نے چادر واپس نہ دی تو یاد رکھ کہ ملک احمد زندہ و پائندہ ہے یہ چادر تمہارے سروں کے خون سے رنگ دی جائے گی۔ اس بدبخت نے گالیاں دیں واپسی تباہی بکا اور کہا، ملک احمد میرا کیا کر لے گا۔

غرض یہ کہ دلزاک پردے کی چادر لے گیا۔ سارے یوسف زئی میں اس بات کی شہرت ہو گئی۔ ملک احمد کو بھی معلوم ہو گیا اسے اس پر بہت غصہ آیا۔ اس نے کہا اگر میں نے سارے خشی (خشی) کا بدلہ دلزاک سے نہ لیا تو میں سلطان شاہ کا فرزند نہیں۔ اس کے بعد اس نے ساری قوم کو بلایا۔ جرگہ کیا اور دلزاک کے کلی استیصال اور بیخ کنی کے فیصلے کے بعد لشکر کی فکر میں لگ گیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت موسیٰ زئی گگیانی یوسف زئیوں سے اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ ملک حسن بن چنگا اور ملک شبلی ابن توری موسیٰ زئی نے مرزا الغ بیگ کے عہد میں کابل میں یوسف زئیوں کو قتل کر دیا تھا۔ اب کابل میں تنہا رہ گئے تھے اور دوسرے گگیانی نیچے دواآہ چلے آئے تھے۔ کسی قدر اتمان خیل ان کے ساتھ

تاکہ سب مل کر خشی (خشی) کے تنگ و ناموس کا بدلہ لیں ۔
موسیٰ زئی نے جب یہ پیغام سنا تو بے حد خوش ہوئے کہ
ملک احمد نے ہمارا گناہ معاف کر دیا اور پھر شیخ ملی جیسے معزز
آدمی کو ہمارے پاس بھیجا ۔ سب نے بالاتفاق اس مہم میں شرکت
کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر لے کر روانہ ہو گئے ۔ اتمان خیل کو بھی
ساتھ میں لیا اور لغمان پہنچے مگر ترکلانی ان کے ساتھ اس مہم میں
شریک نہیں ہوئے ۔ لغمان سے ننگر پار آ گئے ۔ محمد زئیوں نے اخلاص
کا مظاہرہ کیا اور اطلاع ملتے ہی تیزی سے ان کے ساتھ آکر
بگیاڑے میں مقیم ہو گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت محمد زئی کا کوئی علیحدہ اور مستقل ملک
نہیں تھا ۔ دوسروں کے ساتھ تبعاً و طفیلی کی حیثیت سے رہا کرتے تھے ۔
چنانچہ کابل میں گگیانیوں کے ساتھ رہتے تھے اور جب گگیانی کابل
سے دو آنے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو ننگر پار تک یہ بھی ان کے
ساتھ تھے ، مگر پھر یہ ننگر پار میں رہ گئے ۔

بگیاڑے سے کاٹلنگ دو تین کرو یعنی ۹ ، ۱۰ میل کے فاصلے
پر مشرق کی طرف تھا ۔ شیخ ملی نے وہاں جا کر ملک احمد سے ملاقات
کی اور اس سے کہا کہ بگیاڑے میں ایک عظیم لشکر مقیم ہے ۔ کل
یہ لشکر یہاں پہنچ جائے گا اس کی سہمائی کا انتظام کرنا چاہئے ۔
ملک احمد نے فوراً دیہات میں قاصد بھیجے اور حکم دیا کہ کل کے
لیے ہر ایک سہمائی کی تیاری کرے ۔

اسی طرح ہر ایک نے اپنے اپنے گاؤں میں سہمائی کی تیاری کی ۔
اور ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے اور واضح رہے کہ جس وقت
شیخ ملی لشکر کی غرض سے کابل گیا ہوا تھا ۔ ملک احمد یہاں
لشکر اکٹھا کرنے کی فکر میں لگ گیا تھا ۔ چنانچہ سوات ، باجوڑ ،

سندھ اور اشغر کے تمام یوسف زئیوں کو اپنے جنبہ داروں اور ہمسایوں
سپوت اور اتمان خیل مشوانی گدون ، کخار ، راہوانڑی ، رنڑی ،
کاسی ، سواتی اور شلمانی بڑیس وغیرہ سب کو بلا کر کاٹلنگ کے ارد گرد
اپنے دیہات میں ٹھہرا دیا تھا اور اب شیخ ملی کا انتظار کر رہا تھا
اتنی خلقت جمع ہو گئی تھی کہ خدا ہی ان کا حساب کر سکتا تھا ۔
دوسری طرف کپانڑی کے دلزاک کو بھی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ
شیخ ملی کابل لشکر اکٹھا کرنے کی غرض سے گیا ہے اور یہاں
ملک احمد لشکر جمع کر رہا ہے اس لیے انہوں نے بھی اپنے آدمی
بشاور ، ہار ہزارہ ، سانگڑاؤ ، اکوڑی ، تربیلہ اور دریائے سندھ کے
اس پار پھور ، شیر درہ ، پنجتار اور دریائے لنڈا کے کنارے تک
بھجے اور ایک عظیم لشکر اکٹھا کیا اور سب کو شہباز گڑھ
کے پہاڑ کے دامن میں ”مقام“ نامی رود (ندی) کے کنارے طول طویل

مقام میں ٹھہرا دیا ۔
کہتے ہیں کہ اس زمانے میں دلزاک کے معالک (علاقے)
میں زیادہ تر لوگ ، مگر یہاں شریسر ، مشدہ اور بدیعابلہ لوگ
تھے ۔ ان کے ہمسایوں میں ایک نسل کے لوگ بھی نہیں تھے اور
ان کے حمایتی بھی سب بدذات اور کعبیے لوگ تھے ، وہ بھی ایک
ایک گھسرتھا اور ان میں بھی زیادہ تر اہل پیشہ دوم اور اسی
قسم کے دوسرے لوگ تھے ۔

الحاصل دلزاک کا لشکر یوسف زئی کے لشکر کی نسبت بہت
زباہہ تھا ۔ اسی بنا پر وہ ازراہ نصوت و غرور یوسف زئیوں کو گالیاں
دینے اور لاف زنی کرنے پر اتر آئے اور یہ طعنے دینے لگے کہ
یوسف زئی خوار و زار ہے سرو مامان کابل سے آئے ۔ ہم نے انہیں پالا ،
ملک دیا اور اب ہمارے ہی ماتھے مقابلہ و مقاتلہ پر آمادہ اور لڑے

اس کے ساتھ ہی کلپانڑی سے دریائے لنڈا، پیمپور، پنج تار، شیر درہ شہباز گڑھ اور کڑھ مار تک کے عوام جنہیں دلزاک نے اپنے دیہات سے جنگ کے لیے جمع کیا تھا سب اسی دن بھاگ کر دریائے سندھ کے کنارے 'منارہ' زروبی چلے گئے۔ ان کی سرانمگی کا یہ عالم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

دلزاک پر گویا کہ وہ دن قیامت کا دن تھا۔ خخی (خشی) کے سوار ان کے تعاقب میں منارہ، زروبی تک گئے۔ قتل و غارت گری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور قیدی بنانے میں بھی کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی۔ منارے سے اکثر سوار اسی دن اور بعض دوسرے دن کاٹلنگ واپس پہنچے۔ خخی کا پیادہ لشکر بھی دو تین کروہ یعنی ۹، ۱۰ میل تک شکست خوردہ دلزاک کے تعاقب میں گیا۔ جب تھک کر واپس لوٹا تو ان کے دیہات پر نازل ہو گیا۔ دلزاک متمول لوگ تھے اور کوئی بھی اپنا اثاثہ لے کر نہیں گیا تھا اس لیے ٹوٹ مار میں بے انتہا دولت اور سروسامان اس کے ہاتھ لگا حتیٰ کہ لوگوں کے گھر بھر گئے۔

ملک احمد اور شیخ ملی نے ابتدا ہی میں حکم دے دیا تھا کہ دلزاک کے غلام اور کنیزیں جس کسی نے پکڑے وہ ان کے ہونگے مگر اصیل اور آزاد لوگوں کو قید نہ کیا جائے۔ اس لیے ان کے ڈر کی وجہ سے اکثر لوگوں نے قیدیوں کو راستے ہی میں رہا کر دیا۔ بعض لوگ ان کو گھروں تک لے آئے مگر پھر ملک احمد کے کہنے سے سب کو آزاد کر دیا۔ بعض افراد کے ہاتھوں خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں لگی تھیں ان میں سے کچھ لوگوں نے انہیں چھپالیا اور بعد میں ان کو اپنے عقد میں لے آئے۔

ازاں جملہ ایک ملک ہندال ابن علی خان آکو زئی خواجو زئی

دعو زئی کی والدہ تھی جو بے حد حسین و جمیل اور پاکدامن بی بی تھی۔ علی خان نے اسے قیدی بنالیا تھا پھر اسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کے بطن سے علی خان کے چار فرزند پیدا ہوئے جن میں سے ایک موسیٰ دوسرا عیسیٰ تیسرا ہندال اور چوتھا کامران تھا۔ علی خان کی طرح اور بھی کئی لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ خان کجیو ابن ملک قرہ اس وقت ایک نوخیز جوان تھا اور اس جنگ میں شریک ایک لشکر کا سردار تھا۔ دلزاک کے تعاقب میں منارے تک گیا تھا۔ اچانک راستے میں باقی خان ناسی ایک دلزاک سردار کا سامنا ہو گیا جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھاگا جا رہا تھا۔ باقی خان کی ایک نہایت خوش شکل اور کنواری لڑکی تھی اور جس کے لیے خان کجیو نے پیغام بھیجا تھا مگر اس نے رشتہ دہنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جونہی خان کجیو پر اس کی نظر پڑی اس نے اپنے آواز سے اسے بلایا اور کہا اے خان کجیو! ہم اپنی بدخلصتی کے سبب ذلیل و خوار، تباہ و برباد اور گھر سے بے گھر ہو گئے اب ہمیں روکے ہوئے لشکر کو روکو ورنہ میری قوم کے یہ معدودے والد افراد جو بچ گئے ہیں وہ بھی دریائے سندھ میں ڈوب کر ختم ہو جائیں گے اور میری بیٹی جس کے تم طلبگار تھے اور میں نے انکار کر دیا تھا وہ میرے ساتھ ہے میں اسے تمہارے عقد میں دیتا ہوں۔ صرف اتنی بہت چاہتا ہوں کہ کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ جاؤں تو اس کی رخصتی کر دوں۔

خان کجیو نے جب اس کا یہ دل سوز بیان سنا اور اسے اس مصرت میں دیکھا تو اس کا دل ہسیج گیا اور انسانی ہمدردی کے جذبے نے اسے بے اختیار کر دیا۔ فوراً اپنے لشکر کو آواز دی۔

"اے میری قوم! بس کرو چھوڑ دو واپس آجاؤ جو ہوا سو ہوا۔"

اب ان سے تعرض نہ کرو، بہر حال یہ پختون ہیں۔“ اس کے کہنے پر ہر کسی نے ہاتھ روک لیا اور سارا لشکر وہیں سے واپس آگیا اور دلزاک منارے سے پیپور کے راستے اپنے علاقوں میں چلے گئے اور پشاور کے دلزاک ہزارے سے واپس آکر دوسرے راستے سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں دریائے سندھ کے پار رہنے والے دلزاک زیادہ قتل ہوئے تھے کیونکہ ہراول دستے میں زیادہ تر یہی لوگ شامل تھے۔ جنگ میں بھی سب سے پہلے انہوں نے حصہ لیا تھا۔ اس لیے یہی لوگ زیادہ مارے گئے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ بہادری ان دو سو سواروں نے دکھائی تھی جو سب سے پہلے پار گئے تھے۔ خصوصاً سلیم خان ابن معدود خان ابن پوپل، سید اور جوکا پسران دلخک ابن پوپل ملی زئی کہ ان تینوں شہسواروں جیسا دادی ابن پوپل کے بعد سارے پختونوں میں کوئی نہیں گزرا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا رستم تھا۔ ان کے بعد میر اور پیر علی، سیرک ملی زئی ایسور زئی کے بیٹوں نے اس جنگ میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ اس کے بعد بھی ہر دور میں پوپل کی اولاد میں تین چار صف شکن پیدا ہوتے رہے۔ البتہ موجودہ وقت میں ایسا کوئی نامور آدمی نہیں ہے مگر بابا، جوکا کا بیٹا اور پوپل کا پوتا جو سارے ملی زئی کا سردار تھا اور جس کا سارا جسم زخموں کے نشانات سے بھرا ہوا تھا۔

پچھلے سال جب کہ ۱۰۳۲ھ تھا۔ ناحق رات کی تاریکی میں ملی زئی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یوسف زئی بلکہ سارے خخی (خشی) کا یہ دستور رہا کہ لوگ لڑائی کے دن نیک فالی اور نیک شگون کی خاطر پوپل کے گھرانے کے آدمی کو آگے کرتے تھے اور اللہ پاک

فتح و ظفر نصیب فرماتا تھا۔

خان کجوا ملک قرہ کا بیٹا اور بہزاد کا پوتا جو بچپن کے وقت سے عمدہ اخلاق اور پسندیدہ خصائل کا حامل تھا۔ انتہائی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے امارت کے آثار اس کی پیشانی میں چمک رہے تھے۔ اور ہر کسی کو یہ توقع تھی کہ وہ یقیناً اوج کمال کو پہنچے گا اور امارت و صدارت کی کرسی پر متمکن ہوگا۔ جس طرح کہ اس کے والد بزرگوار ملک قرہ ابن بہزاد عالی مرتبت اور بلند پایہ صدو زئی منڈاڑ تھا۔

چنانچہ ملک احمد اور شیخ ملی کے بعد وہی قوم کا سردار بنا ملک کجوا اہل کنہی کی کثرت اور جنگ جو جوانوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی یہ لوگوں پر بھاری اور غالب تھا اور دولت و ثروت کی وجہ سے بھی سارے منڈاڑ میں مشہور ترین تھا۔ اس کی والدہ بڑی عاقلہ، بہادر، صالحہ اور عارفہ خاتون تھیں۔ جس کا نام موندہ تھا۔ اس جیسی لائقہ و فائدہ دوسری عورت افغانستان میں نہیں گزری۔ یہ پانچ سگے بھائی تھے: ایک مزید دوسرا میر داد، تیسرا خان کجوا چوتھا بوسے (بوی) پانچواں جائے آخر الذکر عنفوان شباب ہی میں سوات کی جنگ میں مارا گیا تھا اور باقی چاروں زندہ تھے اور ہر ایک ریاست و سیاست میں قابل تھا اور ہر ایک بہت نامور اور معروف تھا۔ خان کجوا اس جنگ کے زمانے میں نوخیز جوان تھا۔ صورت و سیرت اور شجاعت و فراست میں نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ملک احمد، شیخ ملی اور خخی (خشی) کے دوسرے اعیان اس کا نوجوانی میں بھی بے حد احترام کرتے تھے۔ ہر کام میں اس سے صلاح و مشورہ کرتے تھے اور اس سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح خان کجوا بھی ملک احمد اور شیخ ملی کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

پھر اس میں ان کی تابعداری کرتا تھا۔ ملک احمد اور شیخ ملی اس سے کہتے تھے کہ اب آپ تمام یوسف زئی کے مستقل سردار بن جائیں اور ہم آپ کے مدد و معاون ہوں گے، مگر اس نے ان کی یہ پیش کش قبول نہ کی۔

دلزاک کے ساتھ جنگ میں جب اس نے انتہائی بہادری کا مظاہرہ کیا تو اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

اس کے بعد خان کجیو سارے یوسف زئی سرداروں کے ہمراہ ملک بائی خان دلزاک کے ہاں ہزارہ گیا اور پورے اعزاز کے ساتھ اس کی بیٹی سے عقد نکاح کر کے اسے اپنے گھر لے آیا۔ ابراہیم خان جو خان کجیو کا جانشین اور اس کا قائم مقام تھا وہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ پہلی ازواج کی بدنسبت یہ خان کجیو کی بہت محبوب بیوی تھی۔

مقام ششم

شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا قوم خخی (خشی) میں تقسیم کرنا۔

کہتے ہیں کہ جب دلزاک نے جنگ میں شکست کھائی اور بھاگ کر دریا جے سندھ کے آس پار چلے گئے تو اس پار کا سارا علاقہ ان سے خالی ہو گیا۔ خخی (خشی) کی ساری قوم کاٹلنگ میں جمع ہو گئی سب سے پہلے تو ملک احمد نے کابل سے آئے ہوئے لشکر پر توجہ دی اور اس کے بعد ممالک کی تقسیم شروع ہوئی۔ حصے بخرے لگ رہے تھے۔ اسی اثنا میں محمد زئی کے سرداروں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

”خان ہم تو اوگرے (چاول) کا بھرا ہوا کاسہ مانگتے ہیں ہمیں تو ایسا دے دیں کہ ہم اوگرے سے سیر ہو جائیں۔“

ملک احمد نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم اشغر کا ملک مانگتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو جاؤ اشغریں نے تم کو دے دیا تمہیں مبارک ہو۔ لیکن تم پر بھی یہ لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو خخی (خشی) کا چوتھا فرزند سمجھو اور خخی (خشی) کے ہر اچھے

آپ ہی ان کو ممالک عطا فرمائیں۔“
چنانچہ ملک احمد نے ان اقوام میں سے ہر ایک کو اس کے
مناسب حال ممالک (علاقے) عطا کر کے سب کو رناملند کیا ہر کوئی
اپنا اپنا حصہ پا کر خوش ہو گیا۔ ہر کسی نے دعاغے خیر کی اور اس
طرح سب رخصت ہو گئے۔

گگیانی دواہد اور نصف باجوڑ میں جو انہیں دیا گیا تھا، جا کر
آباد ہو گئے اور محمد زئی عجلت کے ساتھ ننگر پار گئے۔ وہاں سے خانہ وار
آئے اور اشغر میں بس گئے اور اشغر کے یوسف زئی وہاں سے اٹھ کر
دوسرے ممالک میں متوطن ہو گئے اور ترکلانی اگرچہ خشی (خشی) کا
تیسرا فرزند تھا مگر چونکہ وہ لشکر میں شامل ہو کر دلزاک کی جنگ
میں شریک نہ ہوئے تھے اس لیے انہیں ملک کا کوئی حصہ نہیں دیا
گیا۔ بہت سالوں کے بعد جب شیخ پتور کی جنگ بھی ہو گئی تو
یہ لوگ لغمان میں سے آ کر باجوڑ میں (خان کجور کے عہد امارت میں)
آباد ہو گئے، جن کا ذکر اپنے محل میں آجائے گا۔

شیخ ملی اور ملک احمد کا انتقال۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ملک احمد کی ریاست کا سلسلہ
بڑھتا گیا اور دن دوئی رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ تمام خشی (خشی)
بلکہ سارا افغان اس کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا اور اس کی ملک گیری
کے غلغلے اطراف عالم میں پھیل گئے۔ اس کے چند سال بعد شیخ ملی
نے کسی مرض میں مبتلا ہو کر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کا
سفر اختیار کیا۔ اور موضع ”غور بندھے“ میں سوات سے دمنغار جانے
والی شاہراہ کے کنارے ایک ہموار قطعہ زمین میں مدفون ہوا۔ اللہ تعالیٰ

برے میں شریک رہو۔ ملک احمد کی زبان سے یہ سن کر یہ لوگ
کھڑے ہو گئے۔ ملک احمد کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔
”خان! بموجب اس کے کہ انسان عبید الاحسان (انسان
احسان کا بندہ ہے) ہم آپ کے غلام ہیں آپ کا جو حکم ہوگا ہم اس
کی تعمیل کریں گے اور آپ کے دائرہ اطاعت سے کبھی باہر قدم نہیں
نکالیں گے۔“

اس کے بعد گگیانی کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا۔
”خان! ہم تو پہلے سے دواہد میں سکونت پذیر ہیں۔ ہمارا تو ملک ہی
وہ ہے۔ البتہ اب موسیٰ زئی بھی آگئے ہیں۔ ان کی ضرورت کے مطابق
ہمیں کچھ ملک اور عنایت فرمائیں۔“

ملک احمد نے ان کی یہ گزارش بھی قبول کر لی اور دواہد کے
علاوہ نصف باجوڑ، دانشکول سے عنبر، لاشوڑے تک اور ناوگئی سے
چارمنگ تک، جو اس سے پہلے خلیل کا حصہ تھا۔ گگیانیوں کو
مزید مرحمت کیا۔ اس پر گگیانیوں نے بھی کھڑے ہو کر شکریہ ادا
کیا۔ وہ بھی بے انتہا خوش تھے۔ اس کے بعد محمد زئی اور گگیانیوں
دونوں نے ملک احمد سے عرض کیا۔

”خان یہ ممالک سب آپ نے فتح کئے تھے ان پر ہمارا کوئی
حق نہ تھا مگر جب آپ نے ہم پر خود کرم فرمایا اور اپنی مہربانی
سے یہ ممالک ہمیں عطا کر دیئے تو ہم سب آپ کے غلام ہو گئے۔
اب یہ تمام بقیہ ممالک دیر، باجوڑ، بائبرہ سے جندول اور پنجکوڑہ
تک اور سارا سوات، بونیر، چملہ، تنول تک اور سارا سمہ، نوشہرہ
اور سرخ وڑئی، دریائے لنڈا کے کنارے تک اور دریائے سندھ کا
پورا ساحلی علاقہ یہ سب آپ کا علاقہ ہے۔ لہذا اتمان خیل، گدون،
کخار، روانڑی، کاشی اور دوسری متعدد اقوام آپ کے ساتھ رہیں اور

اس کی اور سارے مومنین و مومنات کی مغفرت فرمائے۔ اس کی قبر کے ارد گرد چنار کے درخت کھڑے ہیں اور اب اس کے چاروں طرف ایک بڑا قصبہ بھی آباد ہو گیا ہے جس میں اس کی قبر عیاں و نمایاں ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ ملی نہایت متدین، متقی، شب بیدار، صائم الدہر شخص تھا۔ وہ جہاں کہیں جاتا خدمت گار وضو کے لیے پانی کا لوٹا ساتھ لیے پھرتا۔ وہ ملک احمد کے ماتحت سارے یوسف منڈنڈو کا مقتدا تھا اور ان کی ہر مصیبت اور ہر مہم میں شریک اور غمخوار تھا۔ تمام دیہات، ممالک، قبیلے اور گھر اس کی تقسیم پر آباد تھے اور ابھی تک اس کی تقسیم یوسف منڈنڈو میں جاری و ساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی زمین کے متعلق یوسف زئی میں کوئی تنازعہ پیش آتا ہے تو غصے میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا یہ تم شیخ ملی سے لکھا لائے ہو۔ یعنی کیا یہ زمین تم کو شیخ ملی نے دی ہے جو دعویٰ کرتے ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ملی کا کیا ہوا بندوبست لوگوں کے نزدیک اب تک مستند ہے اور وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اخوند درویشہ صاحب نے تذکرۃ الابوار والاشرار میں لکھا ہے۔

”شیخ ملی نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں ضرورت مندوں کی حاجت روائی دنیاوی لالچ سے کبھی نہیں کی بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کی۔ پس اگر میں اپنے قول میں سچا ہوں تو ممالک کی جو تقسیم اور حدود کے جو تعینات میں نے یوسف زئی کے مابین کئے ہیں وہ قیامت کے دن تک باقی رہیں اور اگر جھوٹا ہوں تو خدا کرے کہ یہ تقسیم باقی نہ رہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے اس قول میں سچے تھے اس لیے آج تک اس کی تقسیم ہر قرار ہے۔ شیخ ملی کی اولاد میں سے اس وقت کچھ یوسف زئی میں اور کچھ ہندوستان میں ہیں۔“

شیخ ملی کی وفات کے ایک سال بعد ملک احمد نے بھی اپنی حیات مستعار جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے دار بے مدار سے عالم پائدار کو انتقال کیا اور سوات میں الہ ڈنڈ ڈبری اور موضع تھاند کے درمیان شاہراہ کے متصل اس جگہ جو قدرے نشیب و فراز میں ہے، مدفون ہوئے۔ اللہ پاک اس کی اور سارے مسلمان مرد اور عورتوں کی مغفرت کرے۔

اس کے انتقال پر سارے یوسف زئی بلکہ خضی (خشی) میں کاؤں کاؤں اور گھر گھر میں ماتم برپا ہو گیا تھا۔ اس کے غم میں ہر کوئی اشک بار اور ماتم کناں تھا۔ اس جیسا عالی شان اور ممالک گیر شخص اس کے بعد سارے افغان میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا۔ اس کے بعد صرف خان کچو کا نام لیا جاسکتا ہے۔

خان کچو کی سرداری کا آغاز اور غوریا خیل کی ان کے ساتھ کشمکش

ملک احمد کے بہت سے بیٹے تھے جن میں سے صرف دو نامور تھے۔ ایک الہ داد اور دوسرا اسمعیل۔ یہ دونوں ملک احمد کی حیات میں جوان ہو گئے تھے مگر ان دونوں میں سرداری کے مقابلے میں اختلاف پیدا ہو گیا اور باہم کینہ اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ دوسرے قرابت داروں سے بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام کے قابل کوئی آدمی نہ رہا سب آپس ہی میں لڑ جھگڑ کر ختم ہو گئے اس لیے قوم نے آپس میں جرگہ کر کے فیصلہ کیا کہ ان میں ایک بھی سرداری کا اہل نہیں ہے۔ انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کو قتل کر دیا اب ان میں کام کا کوئی آدمی باقی نہیں

رہا۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا قابل آدمی ہو جسے قوم کی یہ ریاست اور حکومت سونپ دی جائے۔ چنانچہ بہت غور و خوض کرنے کے باوجود انہیں خان کجیو کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آیا۔ جو قوم کی رہنمائی اور ریاست کے اس منصب کا اہل ہو۔ خان کجیو کے بچپن ہی سے بزرگی کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ منڈنڈ کے تمام قبائل میں قوت اور شوکت کے لحاظ سے بھی وہ سب پر فائق تھا۔ اس کے عزیز و اقارب بھی سب سے زیادہ تھے اور سب دولت مند اور مرد میدان بھی تھے۔ اس لیے سب لوگوں نے بالاتفاق اسے مسند ریاست تفویض کردی اور 'خان' کے لقب سے منقب کر دیا۔ خواص و عوام سب اسے خان کہتے تھے۔ چونکہ وہ لائق و قابل تھا اس لیے اس کا کام دن بہ دن ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بام ترقی کو پہنچا اور تمام اہالیان افغانستان اس کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ جس کا ذکر اپنے محل میں آجائے گا۔

اس تاریخ سے ملک تاج الدین کے گھرانے سے سرداری نکل گئی اور اس کی اولاد نے اپنا آبائی اور جدی مقام کھودیا۔ اگرچہ اب بھی اس گھرانے میں بعض نامور لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ ان میں سودا نامی ملک زیور کا بیٹا بڑا معزز اور معمر آدمی ہے اور آج جب کہ سنہ ہجری ایک ہزار تینتیس ہے، سودا حیات ہے۔ اسی طرح ملک احمد کے چچا زاد بھائی شاہ منصور کی اولاد میں سے بھی چند آدمی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں ہندوستان میں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ جب خان کجیو مسند ریاست و امارت پر متمکن ہوا تو ممالک مقبوضہ کی حفاظت اور بلاد مفتوحہ کی حراست اور ملکی امور کے انتظام اور عوام الناس کے بندوبست میں ملک احمد سے فائق

اور لائق ثابت ہوا اور ملک افغانستان کے سارے باشندے، دھگان، گوجر، ہندی، نیلای، سواقی، گبری، تنولی اور کوہستانی کافر سب اس کے مطیع و تابع فرمان ہو گئے۔

اس کے عہد امارت میں ملک بہت آباد و خوش حال ہو گیا۔ رعیت اور لشکر بھی ملک احمد کے وقت سے زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ ہر کسی کے پاس ایسے اچھے اچھے سامان، اچھے اچھے ہتھیار اور بہترین گھوڑے موجود تھے جو کہ امیروں اور بادشاہوں کی سرکار کے لائق ہوں اور یہ بات تمام عالم میں مشہور تھی کہ خان کجیو کے زمانے میں یوسف زئیوں میں ایک لاکھ نیزے تھے۔ یعنی ایک لاکھ سوار و پیادہ نیزہ باز تھے۔

کہتے ہیں کہ بعض مہمات میں خان کجیو نے یوسف زئی، گگیانی، محمد زئی، ترکلانی اور اپنے توابع میں سے اتمان خیل، گدون، کھار، گبری، مہیار، ماندوری، پڑیچ، وردگ، روانڈی، کانسی، سرکانڈی، ابدال، ترین، مشوا، پینی، کاڈ، شیارزی، (شنواری) لون، تورانی، روغانی، خشک اور دھگان اقوام سواقی، متراوی، اعوان اور گوجر وغیرہ سے لشکر اکٹھا کیا تو ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ ہو گیا۔ یہ بغیر اس کے کہ ہزارہ کے دلزاک اور مانگڑاد، تربیلہ اور حسن ابدال وغیرہ کے لوگ نہیں آئے تھے۔ حالانکہ اگر ان کو بھی طلب کیا جاتا تو وہ بھی ضرور حاضر ہوتے اور لشکر کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو جاتی۔

شیخ نپور کی جنگ

خان کجیو نے جو مشہور جنگیں لڑی ہیں ان میں سے ایک

مشہور جنگ شیخ تپور کی جنگ ہے۔ یہ جنگ غوریا خیل سے لڑی گئی تھی۔ شیخ تپور پشاور شہر میں ایک مشہور و معروف مقام ہے۔ کہتے ہیں کہ خان کجیو کے عہد میں ایک حادثے کے بعد داؤد زئی غوریا خیل، سہمند و خلیل کے لوگوں سے موضع ترنگ، قلات و مقر اور قرہ باغ سے جو غوریا خیل کا اصلی وطن ہے، ہجرت کر کے یوسف زئی کے علاقے میں آگئے اور خان کجیو اور دوسرے یوسف زئی سرداروں کے سامنے اپنا عجز اور پریشانی ظاہر کر کے اپنی معاش اور آبادی کے لیے ایک علاقے کی استدعا کی۔ خان کجیو وغیرہ نے ان کی یہ التماس قبول کر لی اور کلپانڑی اور بگیاڑے کے نواح میں چند دیہات جو زراعت کے قابل اور زر خیز تھے انہیں دے دیئے۔ یہ اس میں آباد ہو گئے۔ پھر ایک وقت آیا کہ سہمند اور خلیل کے لوگ بھی ایک واقعے کے بعد اپنے وطن سے بے وطن ہو کر پشاور آگئے اور پشاور کا علاقہ مرزا کامران ولد ظہیر الدین بابر بادشاہ کی مدد سے دلزاک سے خالی کرالیا تھا اور داؤد زئی قربت اور مودت کے خیال سے کلپانڑی اور بگیاڑے سے اٹھ کر پشاور میں ان کے ساتھ ہی سکونت پذیر ہو گئے۔

اس جنگ کا منشا اس طرح تھا کہ جب خلیل اور سہمند کے لوگ اپنے اصلی وطن سے پشاور آگئے تو اس وقت پشاور اور اس کے مضافات میں دلزاک آباد تھے۔ دلزاک بڑے غالب و توانا تھے، انہوں نے ان کی معاش کے لیے کوئی علاقہ نہیں دیا۔ دلزاک ہمیشہ سہمند و خلیل کے حالات میں مزاحم ہوتے تھے۔ آخر سہمند و خلیل کے لوگ جنہیں غوریا خیل کہتے ہیں۔ مجبور ہو کر کابل میں مرزا کامران کے پاس ان کے ظلم و ستم کی شکایت لے گئے۔

مرزا کامران نے ان کی شکایت سنی اور ان کی مدد کے لیے

ایک زبردست فوج کے ساتھ ان کے ہمراہ پشاور آیا اور دلزاک پر قہر خندا وندی بن کر نساڑل ہو گیا۔ چنانچہ اس جنگ میں اکثر دلزاک قتل ہو گئے اور جو بچ گئے وہ فراری ہو کر جائقرا اور قریزی کے پہاڑوں کے راستے دریا ئے سندھ کو عبور کر کے ہزارہ اور مانگٹاؤ کے دلزاک کے ساتھ متوطن ہو گئے اور غوریا خیل دلزاک کی جگہ پشاور میں آباد ہو گئے۔ چونکہ پشاور شہر شاہراہ پر واقع ہے اور اسی راستے سے تمام کاروان بالا و پایاں جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ ان سے محصول اور ٹیکس وصول کرتے تھے اور ملک بھی بہت زر خیز اور آبی تھا۔ فصلیں اور پیداوار اچھی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ سوداگری بھی کرتے تھے۔ اس لیے تھوڑے ہی عرصے میں دولت مند ہو گئے اور تعداد میں بھی بڑھ گئے، انتہائی غلبہ اور شوکت حاصل کی۔ خصوصاً خلیل نے بڑا اوج حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں سہمند اکثر نگر ہار میں مقیم تھے اور خلیل سب کے سب زبیر پشاور میں آباد تھے اور علی وجہ الاستقلال والا نفرد پشاور خلیل کا تھا۔ پشاور سے ڈکد، کڑپہ، آخورہ، جائقرا، نیلاب، نوشہرہ، شیخ تپور اور دواپے تک سارے علاقے خلیل کے قبضے میں تھے۔ بلکہ تمام غوریا خیل کا ملک بازید ابن محمود خلیل اسحاق زئی محمد زئی، عیسیٰ زئی مالی زئی کا تھا جو بڑا عالی مرتبہ ملک تھا اور نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کو بڑا عزیز تھا۔ سب لوگ اس کے فرمانبردار تھے۔ خلیل قوم بھی سب صاحب جمعیت ہو گئی۔ اچھے اچھے لباس پہنتے، انواع و اقسام کے کھانے اور پکوان ان کے یہاں پکتے تھے۔ ان کے طبیلے گھوڑوں سے بھرے رہتے تھے ہر شخص خوانین اور امرا جیسی زندگی گزارتا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں عیاشی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ سارے پختونوں میں ان جیسے عیاش لوگ دوسرے

نہیں تھے۔ بذل و سخا، ایثار و بخشش اور آدمیت و مروت بھی ان میں دوسروں سے زیادہ تھی۔ ہر شخص رستم صفت اور یوسف صورت تھا۔ جب چند برس اس شان سے گزر گئے اور ان کا زور اور قوت کمال کو پہنچ گئی تو قدیمی عداوت نے ان کا دامن کھینچا اور یوسف زئی کی وہ پرانی عداوت جب کہ ہندو راج کے اوائل میں جوڑ کے درے میں یوسف زئی نے خلیل کو قتل کیا تھا۔ ان کو یاد آئی اس لیے یوسف زئی کے ساتھ بدخصلتی کا آغاز کیا۔ بدی کو اپنا شعار بیا لیا۔ کاروانوں اور مال و اسباب پر دست درازی کرنے لگے اور ہندو راج کی برائی یاد دلاتے رہتے خصوصاً جب جاڑوں کا موسم آجاتا اور دریا پایاب ہو جاتے تو ان کے سوار رات کو نکل کر دریاؤں کے پار مالاکنڈ کے آس پاس جا کر نالوں اور غاروں میں چھپ جاتے تھے۔ جب صبح ہو جاتی تھی تو بھرام ڈھیری، کردی نکہ، وڑی، گڑی، پشاو، اور دوسرے نواحی علاقوں کے مال اٹھا کر اور سوبشیوں کو ہانک کر لے آتے۔ اسی طرح ان کے پیادے بھی جاتے اور مالاکنڈ سلطان شہئی، کاجگہ اور اس کے گرد و نواح کے پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے۔ سارا دن اسی طرح سے گزار کر شام کے وقت کوئی لکڑہارا یا گھاس کاٹنے والا مل جاتا تو اس کو قید کر کے پشاو لے آتے۔ اس طرح کلپانی اور بگیاڑے پر شب و روز دھاوے بولتے اور شب خون مارتے۔ رات دن ان پر ایک کر دیا تھا۔ اسی طرح کڑپہ اور خیبر کے راستوں کی بھی ناکہ بندی کرتے تھے۔ جن پر سے یوسف زئیوں کے کارواں اوپر نیچے آتے جاتے تھے۔ یہ لوگ ان پر تاخت کر کے انہیں لوٹ لیتے تھے۔

اتفاق سے ایک دن یوسف زئی کا ایک کارواں اوپر کابل جا رہا تھا۔ جب وہ خیبر کے کڑپہ میں پہنچا خلیل نے اسے لوٹ لیا اور دو

خوبصورت نوجوانوں کو قصداً و عمدہ قتل کر دیا۔ یہ دونوں نوجوان میر رستم کے سگے بھائیوں اور عمر ابن سیدو ابن تانڑی یوسف زئی اکو زئی ابا زئی کے بیٹے تھے۔ تانڑے کا گھرانہ یوسف زئی میں بہت ممتاز اور نمایاں تھا۔ عمر اس زمانے میں نامی گرامی اور بڑا مشہور ملک تھا۔ اس کے بعد میر رستم ابا زئی کا نامور ملک تھا اور موجودہ وقت میں میر رستم کے دونوں بیٹے کمال خان اور جلال خان ابا زئی کے ملک ہیں۔ ابا زئی ابتدائی زمانے سے اشغر کے سرے پر آباد ہیں۔ ملک تانڑی کے وقت سے دونوں ابا زئیوں کے درمیان یہی علاقہ ان کا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ قافلے والوں نے ان دونوں نوجوانوں کی لاشیں لا کر اشغر میں ان کے باپ کے ہاں پہنچا دیں۔ باپ نے ان پر بہت جزع و فزع اور ماتم کیا۔ پھر انہیں دفن کرنے کے بعد ان کے خون آلود کپڑے لے کر خان کجیو کے پاس منارے گیا۔ خان کجیو اس وقت لوڑہ منارہ میں مقیم تھا۔ کیونکہ دلزاک کے ہاتھ مال کے بعد سارے بہزاد خیل یہیں مقیم ہو گئے تھے۔ عمر نے اپنے بیٹوں کے وہ خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دیے اور بہت آہ و نالہ کیا اور خلیل کے ظلم و تعدی کو بیان کیا۔ خان کجیو اس کی داستان مظلوسی سن کر بے حد دل گیر ہوا اور خلیل کے ظلم و شرارت پر سخت مشتعل ہوا مگر ازراہ مصلحت ضبط و تحمل سے کام لیا اور عمر سے کہا کہ عمر جو کچھ کہتے ہو بجا کہتے ہو۔ تم پر بے حد ظلم ہوا ہے۔ تمہارے تو جگر گوشے تھے مگر مجھے بھی وہ اپنے بیٹوں سے کم عزیز نہیں تھے۔ مجھے ان کے قتل سے جو دکھ پہنچا ہے کوئی اور اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ بارے صبر اچھی چیز ہے۔ دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔ خلیل چونکہ بڑی قوت والے لوگ

ہیں اگر میں فوراً ان پر لشکر کشی کردوں اور اپنا انتقام نہ لے سکوں تو ہماری بڑی خفت ہوگی کیونکہ گگیانی اور محمد زئی خلیل کے ساتھ ساتھ ان کی سرحد پر آباد ہیں۔ معلوم نہیں وہ جنگ میں سچائی اور خلوص کے ساتھ ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں، پس اس کا علاج یہ ہے کہ فی الحال صبر و ضبط سے کام لیں۔ خلیل شریر اور فتنہ انگیز لوگ ہیں۔ آج نہیں تو کل گگیانیوں اور محمد زئیوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس طرح وہ خود بخود ان کے دشمن ہو جائیں گے اور مجھ سے مدد کے لیے التجا کریں گے اس وقت میرا داؤں ان پر چل جائے گا۔ مجھے ایک بہانہ ہاتھ آجائے گا اس وقت میں خلیل پر سارے خخی (خشی) کا لشکر ڈال دوں گا اور ان سے تمہارے بیٹوں کا خاطر خواہ انتقام لے لوں گا۔ اس طرح خان کجوں نے عمر کی دل جوئی کی اور اسے تسلی و دلاسا دے کر واپس بھیج دیا۔ خلیل اپنی بد اعمالیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ یوسف زئیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ خان کجوں کے پاس اکثر ان کے ہاتھوں ستائے ہوئے فریادی آتے تھے۔ اس کا قہر و غضب بھی دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب یہ لوگ مرزا کامران کو کابل سے لائے تھے تو ان کے مقاصد میں یوسف زئیوں پر تلخت بھی شامل تھا۔ چنانچہ سرما کا موسم تھا یہ مرزا کامران کے لشکر کے لیے پشاور اور اشغر کے دریاؤں میں پایاب جگہیں معلوم کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے۔ یوسف زئی اس حال سے آگاہ ہو گئے تھے اور جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ بھی تھے مگر مشیت الہی کچھ اور تھی۔ کابل میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ مرزا کامران کو الٹے پاؤں پشاور سے کابل جانا پڑا جس کی وجہ سے خلیل کا مقصد پورا نہ ہوا اور ان کے دلوں کی حسرت دلوں پی میں رہ گئی۔

اس تھوڑے عرصے بعد ملک محمد خان بن سلطان گگیانی جو بڑا متدین، متشرع، بڑا منتظم اور مرجع خاص و عام تھا۔ کسی کام سے پشاور گیا تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ملک بازید بن محمود کی مسجد میں گیا۔ امام کے پیچھے نیت باندھ کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اسی وقت بار کے نام زکریا زئی اور ولی نام زکریا زئی دونوں گئے اور ابن نماز میں قیام کی حالت میں بلا وجہ پیچھے سے چہرے کا وار کر کے شہید کر دیا۔ اس کے بیٹوں کو واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ جا کر ان ہی خون آلود کپڑوں میں والد کی نعش کو دوا بے لے آئے اور دفن کر دیا۔ یہ اندوہ ناک واقعہ گگیانیوں کے لیے بڑا ناقابل برداشت ثابت ہوا، ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت تمام گگیانیوں کا سردار ملک شیخو بن خواجی تھا، سارے گگیانی اس کے مطیع تھے۔ نصیر الدین ہمایوں بادشاہ بھی اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ملک شیخو نے ملک محمد خان شہید کے بیٹے کو باپ کے خون آلود کپڑوں کے ساتھ خان الخوانین خان کجوں کے پاس روانہ کر دیا اور ملک خواجو لالہ زئی اور ملک آدم لالہ زئی دو نامور اور معتبر ملکوں کو اس کے ساتھ بھیجا۔ یہ تینوں پہلے اشغر گئے۔ ملک خضر خان اور ملک بیگی محمد زئی کو تمام حالات بتائے اور استغاثہ پیش کیا۔ ان دونوں نے ان سے کہا کہ آپ پہلے خان کجوں کے پاس جائیں کیونکہ وہ سارے خخی (خشی) کا خان ہے یہ مہم اسی کے اقبال سے انجام کو پہنچے گی۔

یہ تینوں وہاں سے روانہ ہو کر خان کجوں کی خدمت میں گئے اور ملک محمد خان کے خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دیے اور خلیل کے ظلم و تعدی کی داستان سنائی۔ خان کجوں بہت غمگین ہوا۔

ملک محمد خان کے قتل کا سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد ان سے کہا کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا اور ضروری ہو گیا ہے کہ خلیل کے ظلم و تعدی کا ہاتھ توڑ دیا جائے۔ یہ میرا فرض ہے میں انشاء اللہ ان کا انتظام کروں گا۔ آپ یہ کپڑے اسی طرح لے کر ملک سر ابدال اور ملک بارا خان اکو زئی کے پاس جائیں اور فریاد وزاری کریں تاکہ وہ بھی فکر میں لگ جائیں۔

چنانچہ یہ تینوں حضرات روانہ ہو کر ملک بارا خان اور ملک سر ابدال کے یہاں گئے۔ وہ کپڑے ان کے آگے ڈال دیئے اور خلیل کے ہاتھوں ظلم و ستم کی داد و فریاد کی۔ یہ دونوں بھی بہت متاسف و متالم ہوئے اور ان سے کہا کہ اب آپ جائیں اور بے فکر رہیں یہ ہماری مہم ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہم اس سلسلے میں ضرور کچھ کریں گے۔ آپ لوگ بھی لشکر کی فکر میں لگ جائیں ہم بھی انشاء اللہ بڑی ہجرت سے آرہے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ملک خضر خان محمد زئی اشغری محمد زئی کا سردار اور قوم کا سربر آوردہ تھا۔ نہایت عالی رتبہ، صاحب شوکت اور بڑا مدبر تھا اور سارے محمد زئی اس کے فرمانبردار تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد سعید خان بھی اس کی طرح بڑے اقتدار کا مالک تھا اور محمد سعید خان کے بعد ہر دور میں اس کی اولاد میں بڑے بڑے نامور سردار پیدا ہوئے جو سارے محمد زئی کے امیر و مقتدا بنے۔ ملک بیگی بن بہرام بھی ملک خضر خان کے ماتحت صاحب حکم اور قوت و حشمت کا مالک تھا۔ ملک سر ابدال ابن موسیٰ ابن نیک بی یوسف زئی اکو زئی خواجو زئی شیخ سینا کا بھتیجا بھی خان کججو کا مقابل تھا صرف فرق یہ تھا کہ خان کججو منڈنڈ کا سردار تھا اور ملک سر ابدال یوسف کا۔

لیکن شروع ہی سے یوسف و منڈنڈ بلکہ سارے خضی (خشی) کی سرداری منڈنڈ کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے خان کججو خان خانان تبا اور اس کے بعد ملک سر ابدال کا مقابل سارے سڑہ بن میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ ملک سر ابدال کے خاندانی بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ البتہ ام ولدہ (غیر افغان بیوی) سے ایک بیٹا متولد ہوا تھا۔ جس کا نام بختی تھا جو نہایت حسین اور خوبصورت تھا۔ اس کی اولاد اب تک باقی ہے اور شیخ سینا ملک سر ابدال کا چچا یوسف زئی کے اعظم اولیاء اور مشائخ کبار میں سے ایک تھا۔

ملک بارا خان ابن موسیٰ سوہل اکو زئی بائی زئی بھی بڑا عالی مرتبہ سردار تھا۔ یہ میر فتح کا بھائی تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ ملک بارا خان اپنی قوم میں بہت ممتاز تھا۔ تلوار کا ایسا دھنی تھا کہ جنگ کے دوران میں ملک احمد کے حکم سے اس کے گھوڑے کی دو طرفہ لگام پکڑی جاتی تھی کیرنکہ یہ بڑا زور آور اور غصہ ور شخص تھا۔ موقع اور محل کو نہیں دیکھتا تھا۔ دشمن اگر ہزار کی تعداد میں ہوتا تب بھی اس کو پروا نہ ہوتی تھی۔ یکہ و تنہا ان پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ یہ کلپانڈی میں سکونت پذیر تھا اور غلہ ڈھیر کے قریب اس کا بہت بڑا بازار تھا۔ سرخ وڑئی (دریا غے لنڈا) کا گھاٹ بھی اسی کا تھا جس کا محصول اس کے یہاں آتا تھا۔ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ کلپانڈی میں فوت ہوا، وہیں اس کی قبر ہے۔ اس کی اولاد ابھی تک یوسف زئی میں موجود ہے۔ سب صاحب وقار ہیں۔ سلیمان نامی اس کا ایک بیٹا اب (۱۰۲۲ھ) تک حیات ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ملک خواجو وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد خان کججو نے یوسف زئی و منڈنڈ کے سرداروں کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور ایک خاص مقام پر انہیں طلب کیا۔ چنانچہ خان کججو کے

آدمیوں کے بہنچنے ہی ملک بارا خان ملک سر ابدال اکو زئی خواجو زئی اور خدائے داد بن یارے ابن میر احمد صدوزئی جسے لوگ بادشاہ کہتے تھے ، ملک بین ابن خدائے داد (تاجو خیل) صدوزئی جو خان کججو کے بعد صاحب جرگہ تھا ، وغیرہ اور دوسرے بہت سے سردار بھی مقررہ جگہ پر خان کججو کے پاس آکر حاضر ہو گئے ۔

آپس میں صلاح و مشورہ کیا اور کہا کہ غوریا خیل بہت زور آور لوگ ہیں اور ساتھ ہی ان کا ملک ہم سے دور بھی واقع ہے ۔ ہم بہت کٹھن ہے اس لیے بوسف زئی ، محمد زئی ، ترکلانی اور گگیانی چاروں قبیلوں کا ایک مشترکہ لشکر تیار کرنا چاہئے ۔ اس کے بعد ان کی طرف بڑھیں ۔ مگر یہ بھی لازم ہے کہ پہلے ہم لشکر کا اہتمام کریں اور اشغر جا کر مقیم ہو جائیں ۔ اس کے بعد خشی (خشی) کا لشکر از خود ہمارے پیچھے آکر اکٹھا ہوتا رہے گا ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کوئی اپنے گھر والوں کو ساتھ لے چلے تاکہ جنگ میں کوئی حیلہ سازی نہ کرسکے اور جو توابع لوگ ہیں خواہ اصیل ہوں ، خواہ غلام ، خواہ سادو ، خواہ شریک سب لشکر میں شریک ہوں اگر کوئی نہ گیا اور اپنے آپ کو لشکر میں شریک ہونے سے بچایا تو اس کا خیل خانہ تاراج کردیا جائے گا اور ہر ایک سردار اپنے وابستگان و متعلقات لشکر کے مناسب حال اخراجات و سامان ضرورت اپنے ہمراہ لے جائے ۔

چنانچہ سب نے امر فیصلے پر دعائے خیر کی اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ خان کججو ، ملک سر ابدال ، ملک بارا خان ، ملک خدائے داد بادشاہ وغیرہ نے سعد اور نیک ساعت میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر کوچ کیا اور کپانڑی میں جا کر ڈیرے ڈال دیئے اور خیمے اور شامیانے کھڑے کر دیئے ۔ جس جس کو ان کی آمد کی اطلاع ملتی تھی وہ

کپانڑی میں آکر ان کے ساتھ مقیم ہو جاتے تھے ۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں خیموں اور شامیانوں کا ایک شہر آباد ہو گیا اور اتنا بڑا لشکر تیار ہو گیا کہ گویا کسی بادشاہ کا لشکر ہو ۔ یہاں سے خان کججو نے محمد زئی ، گگیانی ، ترکلانی ، اتمان خیل ، گدون اور سواتی وغیرہ کو خطوط روانہ کئے کہ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ فی الفور اشغر پہنچ جائے ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت جرگہ ہو رہا تھا اس وقت ملک جوکا اور کریم داد الیاس زئی سالار زئی دونوں ناسور سردار بھی موجود تھے ۔ دونوں نے اس وقت خان کججو اور ملک سر ابدال سے عرض کیا کہ آپ دونوں کو الیاس زئی کے حالات کا علم ہے کہ ابھی اسی سردی کے موسم میں قزان شاہ ابن سلطان اویس نے ہم پر لشکر کشی کی تھی اور ہمارے تین چار دیہات کو تاراج کیا تھا اور باقی گاؤں بمشکل ہم نے اور ملی زئی نے مل کر تلواریں زور سے بچائے ۔ قزان شاہ ہمارے قریب تر ہے اور وہ داؤں لگائے بیٹھا ہے اگر ہم لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمارے دیہات پر چڑھ دوڑے گا اور انہیں تاراج کردے گا ۔ اس لیے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں لشکر سے معاف کردیا جائے گا ۔

خان کججو اور ملک سر ابدال نے ان سے کہا کہ اچھی بات ہے تمہاری خدمت یہی ہے کہ تم قزان شاہ کے شر سے اپنی حفاظت کرو ۔ اگر ہم بخیریت واپس آگئے تو ان سے بھی نمٹ لیں گے البتہ کرم علی ابن فتح خان الیاس زئی سالار زئی کو کسی قدر آدمیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ کردو تاکہ غوریا خیل دلاور نہ ہو جائیں اور ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ الیاس زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں ۔ اتفاق سے کرم علی وہیں موجود تھا ۔ اسے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ

کردیا اور باقی الیاس زئی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ کرم علی بہادری میں سید جوکا پوپل خیل کا ہم پلہ تھا اور نہایت عالی مرتبت اور صاحب دولت تھا اور پوشیدہ نہ رہے کہ قزان شاہ، سلطان اویس ابن سلطان پکھل ابن سلطان جہانگیر کا سب سے چھوٹا فرزند تھا۔ یوسف زئی کے غلبے کے سبب سوات سے بھاگ گیا تھا اور دریائے سوات کے اس پار شمال کی طرف پہاڑوں میں رہتا تھا اور دریا کے اس پار بالمقابل درویش خیل، باز خیل، چندہ خورہ، اور سوی گلی تک الیاس زئی کے دیہات آباد تھے۔ یہ سارے گاؤں قزان شاہ سے متصل تھے یہ ہمیشہ ان پر ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ جب خان کجو غوریا خیل کی مہم پر نکلا تو قزان شاہ کو موقع مل گیا۔ وہ فوراً کاشغر (چترال) گیا۔ کیونکہ کاشغر اس کے قریب تھا۔ وہاں سے ایک زبردست لشکر لے آیا۔ کاشغری لوگ سب مسلمان اور سنی تھے، ترکی زبان بولتے تھے اور ان کی رعایا سب کافر لوگ تھے۔ الیاس زئی پر چڑھ دوڑے اور ملک جوکا سالا زئی کے گاؤں دیولٹی پر دھاوا بول کر اسے تاراج کردیا پھر چندہ خورہ جاتے ہوئے جو دیہات درمیان میں واقع تھے انہیں بھی تاراج کیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ اس کے بعد الیاس زئی کے دھاوے بھی ہر طرف سے نکل آئے اور سید ابن دلخسک پوپل خیل ملی زئی کے گاؤں پنج گرام (پنجی گرام) پہنچے۔ پنج گرام الیاس زئی کے قریب آباد تھا۔ سید بذات خود بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے قزان شاہ کے لشکر کو شکست دی۔ قزان شاہ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ کڑ کی چوٹی سے اسے پار کردیا۔ اس طرف ان کی حد تھی۔ الیاس زئی کے دیہات سے جس قدر آہی پکڑ کر اور سامان

لوٹ کر لے گئے تھے سب ان سے چھین لائے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کردیا۔

اس کے ایک ماہ بعد بہار کا موسم شروع ہوا۔ بسندور (بسنٹ) آیا بسندور کفار کا ایک تموار ہے جس میں وہ مسلمانوں کی عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں۔ جب بہار کا موسم آتا ہے۔ ہر طرف پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ہر مرد، عورت عیش و عشرت کا سامان تیار کر کے لگتا ہے۔ ہاتھوں میں مہندی رچاتے ہیں، نفیس لباس پہنتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں اور سیر و تفریح کے لیے صحرا کی طرف نکل جاتے ہیں۔

ملک جوکا نے قزان شاہ کے لیے جاسوس مقرر کئے کہ وہ بسندور منانے کا دن اور موقع و محل معلوم کریں کہ وہ کس مکان میں جائے گا اور عیش و عشرت کرے گا۔ جاسوس اس کے بسندور کا دن اور مقام عیش و عشرت معلوم کر کے واپس آگئے۔ ملک جوکا نے عیادت کے ساتھ الیاس زئی کا ایک زبردست دھاوا تیار کیا اور راتوں رات جا کر اس مکان کے چاروں طرف نالوں اور کھڈوں میں چھپ گئے۔ جب صبح ہوئی تو قزان شاہ بے کھٹکے دل جمعی کے ساتھ اپنے خاص مطربوں کی معیت میں اس مکان میں جا اترے، مگر ابھی اترے بھی نہیں تھا کہ چاروں اطراف سے الیاس زئی ان پر ٹوٹ پڑے، تیروں کے وار کر کے اسے قتل کردیا اور سر کاٹ کر گھر لے آئے۔ دوسرے دن قزان شاہ کا سر لے کر لشکر کے ساتھ خان کجو کے پاس روانہ ہو گئے اور دریائے لنڈا کے کنارے جب کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، خان کجو کے پاس پہنچ گئے۔ خان کجو اس کے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا اور آفریں کہا۔ شادیانے اور نقارے بجائے اور اس مہم کو نیک فال سمجھا اور کہا غوریا خیل کی فتح ہمیں اللہ نصیب

کردے گا۔ قزان شاہ کا سر ایسے وقت میں پہنچا کہ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی سب لوگ ایک دوسرے کو قزان شاہ کی موت پر مبارک باد دے رہے اور کہہ رہے تھے کہ اب پیچھے سے مطمئن ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ خان کجیو کپانڑی سے نہایت عجلت میں روانہ ہو کر دریا کے کنارے شیخ تپور کے بالمقابل مقیم ہو گیا اور اونچی جگہ پر خیمہ نصب کر دیا۔ باقی لشکر نے ارد گرد اور دریا کے کنارے کنارے دور تک ڈیرے ڈال دیئے گئے۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ گیہوں کے کھیت لہلہا رہے تھے، بالیاں نکلی ہوئی تھیں۔ ساز و سامان سب کے پاس موجود تھا۔ جو لوگ خیمے رکھتے تھے انہوں نے خیمے کھڑے کر لیے اور جن کے پاس خیمے نہیں تھے، انہوں نے جھونپڑے بنالئے۔ اس کے بعد ملک خضر خان بارک شاہ زئی اور اس کا بیٹا محمد سعید خان اور ملک بیگی بن بہرام بارک شاہ زئی اور میر پائندہ بن قاسم اتمان زئی اور محمد زئی کے دوسرے سردار بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ آئے اور خان کجیو کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

بعد ازاں ملک شیخو بن خواجو خوبے زئی گگیانی، ملک خواجہ لالہ زئی اور ملک آدم لالہ زئی خواجہ گل ابن ابوبکر تبوزئی بسوزئی اور میر ابدال ابن بہزاد الداد خیل، بہزاد اور گگیانیوں کے دوسرے ملک بھی بڑی بڑی جمعیتوں کے ساتھ جن میں اکثر سوار تھے آکر خان کجیو کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔ اس کے بعد ملک مٹہ خان بن شمو سالار زئی ترکلانی باجوڑی اور ملک احمد بن کیمل ابن بختی علاء الدین زئی یوسف زئی اور ملک عیسیٰ ابن میر داد موسیٰ زئی گگیانی باجوڑ کے راستے سے ایک ساتھ آئے اور خان کجیو کے لشکر کے ساتھ مقیم ہو گئے۔

اغرض رفتہ رفتہ تھوڑے ہی دنوں میں سارے خضی (خشی) کے لشکر آکر جمع ہو گئے اور شیخ تپور کے بالمقابل ڈیرے ڈال دیئے۔ اتنا بھاری لشکر اکٹھا ہو گیا کہ اس کی مثل افواج کا اجتماع سارے افغانستان میں نہ کسی نے دیکھا ہوگا نہ سنا ہوگا اور مخفی نہ رہے کہ جس وقت خان الخوانین خان کجیو خضی (خشی) کے لشکر کے اہتمام میں لگا ہوا تھا۔ ملک بازید بن محمود خیل اسحاق زئی عیسیٰ زئی مالی زئی جو خلیل کا سب سے بڑا سردار اور نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کا مقرب تھا۔ ہمایوں بادشاہ سے ملنے کے لیے کابل گیا ہوا تھا اور اس کے حضور میں موجود تھا۔ ملک بنے ابن میر داد اسحاق زئی مالی زئی جو اس کا چچا زاد بھائی اور نائب تھا۔ ملک بھلول عیسیٰ زئی صدو زئی کہ یہ دونوں خلیل کے نامی گرامی ملک تھے۔ غوریا خیل کے لشکر جمع کرنے کے انتظام میں لگ گئے۔ جا بہ جا اپنے آدمی بھیجے۔ چونکہ یہ لوگ اکثر اس وقت ننگرہار اور بعض پشاور میں تھے۔ چنانچہ سلیمان شاہ ابن زنگی مہمند اودی زئی جو اپنے وقت کا مشہور شجاع تھا، کا قبیلہ پشاور میں تھا۔ اس نے جا بہ جا آدمی بھیجے۔ مہمند، خلیل اور داؤد زئی کا سارا لشکر جس میں ہر ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھا۔ خصوصاً خلیل سب کے سب مسلح تھے اور انا ولا غیری (یعنی ہمچنین دیگرے نیست) کے زعم باطل میں مبتلا تھے اور پوری جمعیت اور انتہائی شان و شوکت سے کوچ کرتے ہوئے خزم کے اس طرف ڈب کے کنارے شیخ تپور میں ڈیرے ڈال دیئے۔

اس زمانے میں غوریا خیل بالعموم اور خلیل بالخصوص بڑے اہل ثروت تھے۔ ہر کسی کے پاس فرش، فرش، خیمے اور شامیانے موجود تھے جو کھڑے کر دیئے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

بادشاہ کا لشکر ہو۔ جس جگہ خان کججو اور خلیل کا لشکر آئے سامنے پڑا ہوا تھا وہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

کہتے ہیں کہ خلیل کا لشکر بہت زور و شور کے ساتھ آکر شیخ تپور میں اترا۔ ہر کسی کو ان کے زور و قوت کا عام ہو گیا۔ چونکہ خلیل کے لشکر میں سب گھوڑ سوار تھے وہ بھی عراقی گھوڑوں پر تمام زرہ پوش اور لوہے میں غرق تھے اور اس لیے خشی (خشی) کے لشکر کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ پار چلے جائیں اور خدا نخواستہ شکست کھا جائیں تو سب دریا میں ڈوب جائیں گے۔ اس لیے خان کججو اور گگیانیوں کے موا کہ گگیانی خلیل کے جانی دشمن تھے، مارا لشکر اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ اگر خلیل کے ایک دو سفید ریش معزین اور ملک بازید کے گھرانے کی دو عمر رسیدہ مستورات اور قطب عالم شیخ میر داد متی زئی کے پوتے بطور جرگہ خان کججو کے پاس آجائیں تو ہمارے لیے اس قدر عذر خواہی بھی کافی ہے۔

یہ بات ملک خضر خان محمد زئی سے کہی گئی کہ آپ اپنی طرف سے یہ بات خان کججو کے گوش گزار کریں اگر ان کی رضا ہو تو ہم اس بات کی کوشش کریں۔ لیکن اس سے قبل کہ ملک خضر خان کججو تک یہ بات پہنچائے، خان کججو کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ خان کججو کو اس پر بہت غصہ آیا اور فوراً اٹھ کر ملک سر ابدال کے ڈیرے پر گیا اور اس سے کہا: ”اے میرے بھانجے یہ لوگ مجھ سے پوشیدہ کیا مشورہ کرتے ہیں کہ غوریا خیل کے جرگے کو بلانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو اگر غوریا خیل کے لوگ بطور عذر خواہی یہاں آگئے تو میں انہیں تمہارے ہی ڈیرے میں قتل کردوں گا۔“ سر ابدال نے عرض کیا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ آپ کی مرضی کے بغیر کچھ کرسکیں جو آپ کی مرضی ہوگی وہی ممل میں آئے گا۔ اس کے

بعد خان کججو ملک سر ابدال کے ڈیرے سے اٹھ کر اپنے ڈیرے میں چلا گیا چند دن گزرنے کے بعد خان کججو نے خشی (خشی) کے تمام روسا کو طلب کیا اور دریا پار کرنے کے بارے میں استفسار کیا۔ ملک خضر خان نے اپنی خشی (خشی) کے مقتضی کے مطابق وہ بات خان کججو سے کہی۔ خان کججو سمجھ گیا کہ یہ بات اپنی جرگہ کے مشورے سے کہی رہا ہے اس لیے جرگے کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اپنی جرگہ نے کہا کہ خان! ہم آپ سے زیادہ سمجھ دار نہیں ہیں جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ اس جرگے میں آدو اور جونا نام کے مطرب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ خان کججو نے ان سے کہا کہ اے مطربو! تم بھی کچھ کہو، مطربوں نے خان کججو کی مرضی کو تار لیا تھا۔ فوراً سرود چھیڑا اور بلند آواز سے یہ غریبی کہی۔

خیمہ رکھہ ولاہہ لویہ
تدستہ تلہہ بویہ
د پھیورشی ترلر غویہ

خان کججو دقروہ زویہ
اوس ہم ہر شان شیخ تپور
او کہ نہ وی دا خیمہ ہم

ترجمہ۔ اے قرہ کے فرزند خان کججو! آپ نے بہت بڑا خیمہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب جس طرح سے بھی ہو شیخ تپور آپ کا جانا ضروری ہے اگر نہ گئے تو آپ کا یہ خیمہ تمام عمر کا آپ کے لیے طعنہ ہو جائے گا۔

اور دوسری غریبی یہ کہی۔

بارا خان د موسیٰ زویہ
کل خضی د سرہ گرد کڑلور د لورہ
کہ سوداوار غورے پرینہو
دے بدشی ہر گورہ غرہ خیلہ زورہ

ترجمہ - موسیٰ کے بیٹے بارا خان سارے خضی (خشی) کو
تم نے تمام اطراف سے اکٹھا کر دیا۔ اگر اس دفعہ تم نے غوریا خیل
کو چھوڑ دیا تو یہ اپنے زور میں آکر مغرور ہو جائیں گے۔

جب ان مطربوں نے یہ غریبی کہی تو ہر کسی کے دل پر
اس کا اثر ہوا اور ہر کسومہ میں جنگ کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس پر
خان کجوں نے لوگوں سے کہا کہ اے جرگے والو! میں آپ لوگوں
سے اور کیا کہوں حقیقت یہی ہے جو ان مطربوں نے آپ کے سامنے
بیان کر دی۔ باقی آپ کی مرضی ہے۔ البتہ اس دفعہ غوریا خیل کا
بندوبست نہ کیا گیا تو پھر تم خود دیکھ لو گے کہ غوریا خیل
تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں وہ اتنے مغرور ہو جائیں گے کہ
تمہیں پہاڑوں میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔

اس کے بعد ہر کسی نے خان کجوں کی مصلحت پسند کی اور
کہا کہ اس دفعہ خضی (خشی) کا لشکر اللہ تعالیٰ نے اتنا فراہم
کر دیا ہے کہ اس کے بعد شاید یہی اتنی تعداد میں پھر کبھی جمع
ہو سکے۔ بس صلاح یہی ہے کہ دربا کو عبور کر کے ان سے لڑیں،
پھر جو بھی خدا کو منظور ہو۔

کہتے ہیں کہ اس سہم میں خضی کے جتنے مذہبی پیشواؤں کے
خاندان تھے سب آگئے تھے اور اس جرگے میں حاضر تھے۔ خان کجوں
نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”اے ہمارے پیران محترم!
یہ دن ہم پر بڑا سخت آن پڑا ہے۔ آپ ہمارے آستانہ دار ہیں اور ہم

آپ کے خدمت گزار ہیں۔ ہمارا آپ پر حق ہے، اگر کسی صاحب
کو کشف یا الہام سے آنے والے واقعے کے متعلق کچھ معلوم ہو تو
ہمیں اس سے آگاہ کریں۔“

کہتے ہیں کہ شیخ جلو ابن عثمان ملی زئی خواجو زئی جو
یوسف زئی میں کشف و کرامات میں مشہور تھے، ان کے درمیان سے
سر اٹھا کر کہنے لگے کہ اے لوگو! سب سن لو میں جلو اس عثمان
کا بیٹا ہوں جس نے کابل میں مرزا الغ بیگ کے وقت میں ملک سلیمان
شاہ کو یوسف زئی کے قتل کا اشارہ کیا تھا اور پھر اسی طرح ہوا تھا۔
اب میں بھی آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ماہ جمادی الاول کی
بارہ تاریخ کو ہار ہو کر مقابل کے سامنے آ جاؤ گے، اسی ماہ کی تیرہ
تاریخ کو تمہاری زبردست جنگ ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دیگا
کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مدد و معاون ہیں۔ اس کے
بعد جذبے میں آکر تین بار کہا کہ غوریا خیل شکست کھا گیا
اور پھر کہا ”اس عصا سے جو میرے ہاتھ میں ہے، غوریا خیل
کے بند سے خضی (خشی) کو مخلصی دی اور اسے آزاد کر دیا۔“

شیخ جلو کے اتنا کہنے سے تمام خضی کو تقویت حاصل ہوئی
اور فتح اور نصرت کو اپنا شامل حال جانا۔ یہ عین وہی وقت تھا
کہ اسی وقت قزان شاہ کا سر بھی پہنچ گیا۔ جیسے پہلے لکھا گیا
ہے خوشی دو گنی ہو گئی اور اسے نیک فال سمجھا گیا۔

اس درمیان میں غوریا خیل کو بھی خبر مل گئی کہ خضی کے
بیشتر لوگ اس بات پر راضی ہیں کہ اگر غوریا خیل کا جرگہ
عذرخواہی کے لیے ہمارے (یوسف زئی کے) پاس آ جائے تو ہمارا عذر
ہو جائے گا، مگر غوریا خیل انتہائی مغرور اور بدست تھے، صلاح و
آشتی کے لیے آمادہ اور راضی نہ تھے، اس لیے فتنہ انگیزی شروع کی۔

کسی قدر آدمیوں کو اس پار دو آئے بھیج دیا۔ اس وقت چونکہ دوا بہ
کے لوگ دریا پار کر کے اشنغر آئے ہوئے تھے اور دیہات خالی پڑے
ہوئے تھے۔ انہیں موقع مل گیا اور گکیانیوں کے دیہات کو
نذر آتش کر دیا۔

مقام ہفتم

یوسف زئی کا دریا نے لٹدی کو عبور کرنا اور
غوریا خیل وغیرہ سے آن کی جنگ۔

خان کجی اور لشکر کے دوسرے اعیان کو غوریا خیل کے
ہاتھوں گکیانیوں کے دیہات جلائے جانے کا علم ہوا تو انہیں بہت
غصہ آیا اور سب نے دریا پار جا کر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔
چنانچہ بہت سی کشتیاں اور شناں فراہم کئے ان میں سے ایک شناں
سر آدم سے اونچا تھا۔ اس کے بعد خان کجی نے ملا احمد ابن
خدا ایداد متی زئی الوزئی کو غوریا خیل کے پاس بھیجا۔ ملا احمد بہت
زمانہ پہلے خلیل سے آیا تھا اور خواجہ زئی ملی زئی میں سکونت پذیر
تھا، شیخ خیلہ میں اس کا گھر تھا اور کایش خیل کا پیش امام تھا
اور بہت دانا شخص تھا اس کے ذریعے ملک نبی اور ملک بھلول کو
کہلا بھیجا کہ اگر آپ دریا کے اس پار جنگ کرنا چاہتے ہیں تو
ہمارے لیے راستہ کھلا چھوڑ دیں تاکہ ہم دریا کو پار کر کے میدان
میں پہنچ سکیں اور اگر آپ یہ بات پسند نہ کریں تو پھر آپ کے لیے
ہم راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جائیں گے۔ آپ دریا پار کر کے
ادھر آجائیں، پھر جو اللہ کو منظور ہو دیکھا جائے گا۔

ملا احمد دریا کے پار گیا اور ملک نبی اور ملک بہلول کو یہ پیغام پہنچایا۔ یہ پیغام سن کر دونوں خوش ہوئے اور اس سے کہا کہ بہت اچھی بات ہے ہم راستہ چھوڑے دیتے ہیں آپ اطمینان کے ساتھ دریا پار کر کے اس طرف آجائیں۔ ملا احمد نے واپس آکر خان کجھو کو ان کا جواب سنا دیا۔ خان کجھو نے یوسف اور مندڑ کو بلا کر کہا کہ تم یوسف اور مندڑ آپس میں قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکلتے وہ پہلے پار چلا جائے۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو مندڑ کا نام نکلا، لیکن مندڑ اس پر آزرده خاطر ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم پہلے پار جائیں اور غوریا خیل بدعہدی کر کے حملہ کر دیں تو ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ خان کجھو ان کی اس بات سے بہت دل گیر ہوا۔ وہ فکر مند بیٹھا ہوا تھا کسی نے پوچھا کہ خان عالی آپ اتنے سلول کیوں بیٹھے ہیں؟ خان کجھو نے کہا ہمارے یوسف اور مندڑ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ہر جنگ اور ہر مہم میں بطور نیک فالی مقدمۃ الجیش پوپل کا گھرانہ میدان میں اترتا تھا مگر آج میں خلاف معمول بات دیکھ رہا ہوں، خدا خیر کرے۔

اس پر سلیم خان ابن معدود ابن پوپل اور سید اور جو کا پسران دلخاک ابن پوپل نے کھڑے ہو کر کہا کہ اچھی بات ہے خان! جب آپ کی مرضی یہی ہے تو پہلے ہم پار جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر تینوں روانہ ہو گئے۔ خان کجھو نے حکم دیا کہ پہلے ان کو کشتی دے دو کہ یہ پہلے پار ہو جائیں ان کے بعد باقی لشکر یکبارگی کشتیوں اور شنازوں سے دریا پار کرے مبادا غوریا خیل ان پر ٹوٹ پڑیں اور دہو کہ دیں۔ اس کے بعد سلیم خان اور جو کا تمام ملی زنی قوم کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلے گئے چنانچہ سارا لشکر

ایک دفعہ میں شنازوں اور کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلا گیا۔ اور ڈب کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے اور ہر کسی نے اپنے اپنے برابر میں موافق حال خندق کھودی اور کانٹے بچھا دئے رات اسی جگہ گزاری

جب صبح ہوئی تو خان کجھو نے حکم دیا۔ کہ لشکر میں جتنے مطرب ہیں، انہیں بہترین گھوڑے اور ہتھیار دے دیئے جائیں تا کہ سب سے پہلے وہ غوریا خیل کے سامنے جائیں اور جنگ کا آغاز کریں اس سے خان کجھو کی غرض قوت نمائی تھی۔ چنانچہ اہل لشکر نے اپنے اپنے مطربوں کو بہترین گھوڑے اور ہتھیار دیئے انہیں خوب آراستہ کر کے میدان میں بھیج دیا۔

کہتے ہیں کہ سات سو مطرب لشکر کے ساتھ تھے، اور اس وقت ان کے سردار، یوسف زئی بلکہ سارے خخی (خشی) میں شیتیکی اور ادو تھے۔ یہ دونوں مندڑ صدو زئی کے ڈوم (مطرب) تھے، یہ دونوں ان سات سو مطربوں کے ساتھ ہو کر لشکر سے نکل کر آگے چلے گئے۔ اور خرم میں پہنچ گئے۔ خرم، علی ترکی معدود زئی خلیل کا گاؤں تھا اور باشندوں نے اسے خالی کر دیا تھا مطربوں نے اس گاؤں کو نذر آتش کر دیا اور ایک لاغرو بیمار بیل کو جسے گاؤں والے لے جا نہ سکے تھے، زخمی کر دیا۔ اور واپس آ گئے جب گاؤں سے دھواں بلند ہوا اور آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ تو خلیل سمجھ گئے کہ ان کے گاؤں کو جلا دیا گیا ہے اس لئے ان کے نعائب میں نکل آئے مگر اس وقت تک یہ لوگ واپس آ گئے تھے۔ اسی اثناء میں قزو کے نامی ایک مطرب جو عرصہ ایک سال سے خلیل سے آ کر یوسف زئی میں احمد ولد کیمیل بن بخشی اکو زئی خواجہ زئی علاؤ الدین زئی کے پاس آباد ہو گیا تھا،

کسی بہائے سے مطربوں سے پیچھے رہ گیا تھا پھر گھوڑا دوڑا کر خلیل کے سواروں میں گھس گیا اور سلام کرنے کے بعد ان سے کہا کہ میں آپ لوگوں کا نمکخوار ہوں۔ اسی لئے ایسے سخت وقت میں پھر آپ کے پاس آ گیا ہوں یہ گھوڑا اور اسلحہ یوسف زئیوں کا دیا ہوا ہے انہوں نے اس کی خاطر مدارات کی اور پوچھا یہ سوار کہاں کے تھے؟ فتوے نے کہا یہ سوار تو سارے کے سارے مطرب تھے، جو خان کجیو کے ساتھ آئے ہیں اور اپنی نمود اور جنگ کے آغاز کے لئے نکلے تھے۔ یہ سن کر خلیل نے ایک دوسرے سے کہا جب ان کی اس قدر فوج صرف مطربوں کی ہے تو ان کا لشکر نہ جانے کتنا ہوگا اور بعض خلیل نے کہا کہ خان کجیو ہم پر اپنی فوج کی کثرت کا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور ہمیں اپنا زور دکھاتا ہے خیر حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی اور کل میدان جنگ میں اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ مطرب لوگ وہاں سے لوٹ کر خان کجیو کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا اور یہ حال اس سے کہہ دیا۔ خان کجیو بہت خوش ہوا انہیں انعام سے سرفراز کیا اور کہا کہ ہمارا فال نیک ثابت ہوا کہ ہمارے مطربوں نے ان کا گاؤں جلا دیا۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی۔ دوسرے دن جب لڑائی ہوئی تو فتوے کے مطرب اس میں مارا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب مطربوں نے غوریا خیل کا گاؤں جلا دیا تو وہ بڑے غضبناک ہوئے۔ اور رات یہ صلاح کی کہ کل ہی ان پر حملہ کر دیا جائے اور میدان میں ان سے لڑا جائے۔ خان کجیو کو جاسوسوں نے آ کر فوراً اطلاع دی کہ کل غوریا خیل حملہ کریں گے۔ خان کجیو نے اسی وقت تمام ڈیروں میں قاصد بھیجے اوو منادی کرائی کہ ”ہر شخص جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔“

جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو جمادی الاولیٰ کی تیرہ تاریخ تھی۔ غوریا خیل علی الصباح اپنے ڈیروں سے نکل کر روانہ ہوئے ادھر کے لوگ بھی تیار و مستعد بیٹھے ہوئے تھے فوراً اپنا لاؤ لشکر لے کر نکل آئے اور صفیں بنا لیں۔ اسی وقت خان کجیو نے ملک سر ابدال، ملک خضر خان اور ملک بیگی محمد زئی سے کہا کہ ”اے محمد زئی! میرے ننگ کرنے والے محمد زئی بھائی!

برادری پالنے اور نیکی کرنے کا یہی دن ہے۔ مجھے آپ اور یوسف زئی کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں ہے ترکلائی اگرچہ بہادر لوگ ہیں مگر بہت تھوڑے ہیں صرف دو سو سوار آئے ہیں۔ اور گگیانی اگرچہ ہمارے بھائی ہیں ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ملک محمد خان کے قتل ہونے پر ہم سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں لیکن مجھے ان پر بھروسہ نہیں ہے کیونکہ وہ لاف زن اور تیز زبان ہیں۔ اب محنت اور ضرورت کی دو جگہیں ہیں جو پیش آئی ہیں ایک سامنے غوریا خیل سے مقابلے کی دوسری پیچھے سے حملہ کرنے والوں سے محافظت اور نکمہائی کی۔ اب آپ جو مقام پسند کریں اسے اختیار کر لیں ملک خضر خان اور ملک بیگی نے ان سے کہا۔ کہ خان اعظم ہم آپ کے غلام ہیں آپ نے ہمیں ایک کاسہ اوگرہ میں خربہ لیا ہے (یہاں اوگرے کے کاسہ سے مراد ملک اشغر ہے) اب جو بھی مشکل خدمت ہو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ خان کجیو نے کہا کہ آفرین باد! مجھے آپ سے بھی توقع تھی میں جو آپ لوگوں پر ناز کرتا تھا تو اسی دن کے لئے اب آپ سارے محمد زئی ایسا کریں کہ بجانب سہیل (جنوب) چلے جائیں اور ان نالوں اور کھڈوں کی طرف صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ اور ہماری پشت پناہی کرتے رہیں۔ اگر پیچھے سے ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو آپ ان کا دفعیہ کریں اور کوئی حملہ آور نہ

ہو تو تب بھی آپ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب فرمائے اور دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہو تو پھر آپ بھی آئیں اور ان کا تعاقب کریں ان کے مارنے اور قتل کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور اگر خدانخواستہ ہمیں شکست ہوئی تو پھر فی الفور ہمارے پاس پہنچ جائیں تا کہ ہمارے لوگوں کو آپ کی وجہ سے استقامت حاصل ہو جائے اور ان کی ہمت بندھ جائے۔

اس ہدایت کے مطابق محمد زئی نے اپنا لشکر ایک الگ صف میں کھڑا کر دیا اور ہورے خلوص نیت سے ان نالوں اور کھڑوں کے بالمقابل صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد خان کجیو کو دلجمعی حاصل ہو گئی۔ اور اپنے لشکر کے اہتمام میں لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ خان کجیو نے سارے خشی (خشی) کا لشکر سات صفوں میں تقسیم کر دیا چھ صفیں پیادوں کی بنائیں اور ایک صف سواروں کی بنائی اور اس ہیئت سے کھڑی کر دی کہ پہلی صف ڈھال والے پیادوں کی تھی جو برہنہ تلواریں ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھے اور پانچ صفیں ان کے پیچھے تیر اندازوں کی تھیں اور ساتویں صف سواروں کی کھڑی کر دی مگر یہ ساتوں صفیں کچھ ایسے سلیقے اور ترتیب سے کھڑی کی تھیں کہ ان کے درمیان کوئی تفاوت اور کشادگی نہیں تھی۔ اور سواروں کو بھی ان کے پیچھے اتنا متصل کھڑا کر دیا کہ سواروں کے نیزوں کی انہاں پیادوں کی پشت سے لگی ہوئی تھیں۔

کہتے ہیں کہ سوار اس صف میں اتنے زیادہ ہو گئے کہ یہ صف ان کے لئے بالکل ناکافی ہو گئی چنانچہ بقیہ سواروں کو ٹولیوں کی صورت میں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑا کر دیا اور خان کجیو جب یہ صف بندی کر رہے تھے تو وہ ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار تھے اور ہر ایک صف کے آگے پھر رہے تھے۔ اور سب کو جنگ کی

تعلیم و تلقین کرتے اور کہتے جاتے تھے کہ۔

میرے بھائیو اور عزیز دوستو! غور یا خیل زور آوری، بہادری اور شجاعت میں مشہور ہیں اور سب عراق گھوڑوں پر سوار ہیں اور ہر ایک کی کمر میں مشہد اور مصر کی بنی ہوئی تلواریں لٹک رہی ہیں پھر ملک بھی ان کا اپنا ہے ہمارا وطن یہاں سے بہت دور ہے اور بیچ میں ایک عظیم دریا حائل ہے ہمارا ناسوس (زناند) بھی اس بار ہمارے ساتھ ہے پس یہ وقت بہادری اور مردمی کا ہے اگر ہمارے قدم اکھڑ گئے اور ہم نے شکست کھائی تو ہم سب قتل ہو جائیں گے یا دریا میں غرق ہو جائیں گے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔ دنیا میں تماشا بن کر رہ جائیں گے عزت خاک میں مل جائے گی،

اور دوسری یہ بات بھی فرمائی کہ ملک بارا خان ابن موسیٰ اکو زئی بائی زئی سولی زئی، سید اور جوکا، دلخک ابن پوپل کے بیٹے جنگ کے وقت غایت شجاعت سے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اپنی جان سے بے پروا ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایسے وقت میں ان کے گھوڑوں کی لگائیں مضبوطی سے پکڑے رہیں تا کہ بے فائدہ اور بے محل دشمن کے لشکر میں گھس کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں یہ لوگ مجھے بہت عزیز ہیں۔ لشکر میں اور بھی بہت شجاع اور بہادر لوگ ہیں مگر مجھے ان کی اتنی فکر نہیں ہے لیکن اگر خدانخواستہ ہمیں شکست کا سامنا ہوا تو پھر ان کو چھوڑ دیا جائے کہ جو کچھ ان سے ہو سکے کر ڈالیں،

ایک بات یہ بھی فرمائی کہ ”گگیانیوں کے سواروں کو

اپنے سواروں کے درمیان میں اور ان کے پیادے اپنے پیادوں کے درمیان میں رکھو اس لئے کہ یہ لوگ تیز زبان ہیں۔ کہیں بھاگ نہ کھڑے ہوں اور ہماری صفوں میں بھی بھگدڑ نہ مچ جائے۔ نیز فرمایا، کہ جب وہ لوگ یعنی غوریا خیل ایک تیر کے فاصلے پر آجائیں تو ہر صف کے تیر انداز تیر اندازی شروع کر دیں مگر اس طرح کہ تیر تمام صفوں کے سروں کے اوپر سے جائیں اور سوار بھی پیادوں سے ایسے مل جائیں کہ ان کے نیزے اپنے پیادوں تک پہنچ سکیں پھر جب پیادے شمشیر زنی کی حد پر پہنچ جائیں تب ان سے آگے ہو کر دشمن کے سواروں سے مبارزت طلب کریں۔

کہتے ہیں کہ خان کجھو صفوں کو درست کرنے اور جنگ کی ہدایت دینے کے بعد اپنے برق رفتار گھوڑے سے اتر گیا۔ اور اپنے آپ کو خوب مسلح اور زہ پوش کر کے ایک دوسرے عراقی قوی گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے قبیلے والوں صدو زئی کے پاس تمام صفوں کے دنبال میں آ گیا اور ملک سر ابدال ملک بارا خان ملک سلیم خان مید اور جوکا، دلخک پوپل خیل ملی زئی کے بیٹے اور کرم علی الیاس زئی اور ملک بین (تاجو خیل) اور ملک خدائداد (میر احمد خیل) صدو زئی ان کے ساتھ تھے اور ہر ایک سے کہتے جاتے تھے کہ ”مردانگی کا یہی وقت ہے دیکھو قدم پیچھے نہ ہٹیں بزدلی نہ دکھانا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور آگے بڑھو اس کے بعد صفوں سب (۷) مغرب کی جانب غوری خیل کے لشکر کی طرف بڑھیں اور غوریا خیل کا لشکر ان کی طرف بڑھنے لگا۔

اس اثناء میں میر فتحیہ مہمند مریم زئی جو مہمند کا نامور سردار تھا پانچ سو سواروں کے ساتھ کھڈوں اور نالوں میں چھپنے کی غرض سے جنوب میں اس جگہ کی طرف روانہ ہوا جہاں سے خان کجھو

کو خطرہ لاحق تھا اور لشکر خلیل، داؤد زئی، مہمند، بعض توابع مثلاً چمکنی، زبانی، شنواری، اور نیلابی وغیرہ ملک نبی و ملک بہلول کے ساتھ خان کجھو کی طرف روانہ ہو گئے غوریا خیل نے خان کجھو کا لشکر دور سے دیکھا تو انہیں ایک ہی صف دکھائی دی اس لئے انہوں نے بھی اپنے لشکر کو ایک لمبی کھوکھلی سی صف میں صف آراء کیا خان کجھو نے جب دیکھا کہ ان کے لشکر کی صف خان کجھو کے لشکر کی صف سے بھی لمبی ہے تو بہت متوحش ہوا حالانکہ صفوں کی قلت و کثرت کا اسے کوئی علم نہ تھا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب آئے۔ تو خان کجھو سمجھ گیا کہ غوریا خیل کا سارا لشکر ایک ہی صف ہے وہ بہت خوش ہوا اور اپنی فتح کا اسے یقین ہو گیا اور کہا غوریا خیل نے جنگ کی تدبیر میں غلطی اور بیوقوفی کی کہ سارے لشکر کی ایک صف بنا دی۔ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں رکاوٹ کمزور ہوتی ہے۔ پانی اسی جگہ کو توڑ کر بہنے لگتا ہے اور غوریا خیل نے جب دور سے خان کجھو کی فوج کے پیچھے لشکر کے غول کے غول دیکھے تو سمجھ، شاید گاڑے بھینسوں کے گلے ہیں خان کجھو نے ہمارے لئے سیاہی سی بتائی ہے ہمیں مرعوب کرنا چاہتا ہے مگر جب قریب آ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ سب فوج ہے ہر ایک کی امید اپنی زندگی سے منقطع ہو گئی۔ اور کہنے لگے کہ اتنی بے حساب افواج سے ہمارا چھٹکارا ممکن نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ ملک خواجو ابن بابو داؤد زئی جو بڑا عالی مرتبت اور بہادر تھا اور سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ اس نے سب کچھ اتار کر پھینک دیا اور کہا کہ اس قدر بے پناہ لشکر سے ہماری نجات محال ہے پس کیا فائدہ کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالوں اور اتنا بوجھ اٹھائے پھروں

چنانچہ وہ اس طرح جنگ میں شریک ہوا اور مارا گیا۔

یوسف زئیوں سے غوریا خیل کا شکست کھانا۔

القصد جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ایک تیر کے فاصلے پر پہنچ گئے تو خلیل کے سواروں نے یکبارگی خخی (خشی) کے لشکر پر گھوڑے دوڑائے۔ خان کجھو نے فوراً حکم دیا ”تیر اندازو! تیر اندازی شروع کرو تاخیر نہ کرو“

اس حکم کے ملتے ہی تمام صفوں نے یک بارگی تیروں کی بوچھاڑ کر دی، تیروں کی ایسی بارش ہونے لگی کہ دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے تیروں کے چلنے سے فضا میں ایک سنسپاٹ پیدا ہو گئی اور جب فضا میں تیر ایک دوسرے سے ٹکراتے تو ایک گونج پیدا ہوتی سواروں کے جسموں میں اتنے تیر پیوست ہو گئے کہ بعض کے پیس، بعض کے چالیس اور بعض کے تو سو سو تیر تک پیوست ہو گئے۔ اس بے پناہ تیر اندازی نے مہوں کو اوندھا کر کے زمین پر بچھا دیا اکثر یوسف زئیوں کی صفوں تک پہنچ بھی نہ سکے دور ہی گر کر ڈھیر ہو گئے اور بعض بے خود ہو کر سرجوں میں گر گئے اور بعض رکابوں میں پھنس کر لٹک گئے گھوڑے انہیں گھسیٹتے ہوئے صفوں تک لے آئے وہاں گر گئے یا مارے گئے غرض یہ کہ ان پر تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے وہم گمان میں بھی نہ تھی۔ تیروں کی ایسی بارش نہ کانوں نے سنی اور نہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھی گئی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو کہتا ہے کہ میں نے حسن ابن الیاس اکو زئی خواجو زئی ملی زئی ابو بکر خیل کو بارہا یہ کہتے

ہوئے سنا کہ اس جنگ میں جتنے یوسف زئی گھوڑوں پر بغیر زین کے ننگی پشت پر سوار تھے، خان کجھو نے سب کو پیادہ کر دیا۔ یوسف زئی کیا بلکہ سارے خخی (خشی) کے پیادے سواروں سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں چنانچہ میں بھی برہنہ پشت پر سوار تھا۔ خان کجھو نے مجھے بھی پیادہ کر دیا جس وقت غوریا خیل ایک تیر کے فاصلے پر آ گئے اور انہوں نے ہم پر ہلہ بول دیا تو ہماری طرف سے تیر برسانے شروع کر دیے گئے میں نے بھی تیر اندازی شروع کی یہاں تک کہ جب غوریا خیل تلواروں کی زد میں آئے تو میں اس وقت تک دس تیر چلا چکا تھا گیارہویں تیر کی باری نہیں آئی فوراً تلوار سونت لی اور دست بدست جنگ شروع کر دی اسی طرح تمام لشکر کو قیاس کر لو اور جس وقت دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا تو شمشیروں، خنجر، نیزوں اور کلہاڑیوں کی ایسی مار پڑی کہ میدان میں آدمیوں اور گھوڑوں کی لاشوں کے ڈھیروں کی پہاڑیاں بن گئیں۔ گھوڑوں اور آدمیوں کے جسم تیروں سے پھلنی ہو گئے تھے اور تلواروں کی ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہر طرف میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اقبال نے خان کجھو کا ساتھ دیا اس کا لشکر بھی بے حد و حساب تھا کہ غوریا خیل کا لشکر اس کے مقابلے میں عشر عشر بھی نہیں تھا۔ فتح و نصرت نے خان کجھو کے قدم چومے اور غوریا خیل شکست کھا گئے۔ ان کے زیادہ موار تو پہلے پہلے ہی میں گر گئے تھے اور جو صحیح سلامت رہ گئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پیادوں نے پشاور کا رخ کیا خخی (خشی) کے لشکر ان کے تعاقب میں تھے۔ جہاں جسے جا لیتے تھے، وہیں اسے قتل کر دیتے تھے، کھیت اور راستے لاشوں سے بھر گئے مگر آفرین ان کی ہمت پر خصوصاً خلیل کی ہمت پر کہ شکست کھانے پر بھی ہلٹ ہلٹ کر اس طرح جنگ

کرتے رہے اور تیروں ، تلواروں کے ایسے وار کرتے رہے کہ لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ۔

کہتے ہیں کہ عین اسی وقت کرم علی ابن فتح خان الیاس زئی سالار زئی جو نہایت صف شکن اور اپنے وقت کا جنگجو تھا زرہ پوش اور لوہے میں غرق تھا، خلیل کے چند پیادوں کے تعقب میں جب کہ وہ بھاگ رہے تھے گھوڑا دوڑایا اسی اثناء میں ایک پیادہ نے اس کے ایسا تیر مارا کہ اسی جگہ گھوڑے سے گر کر جان بحق ہو گیا ۔ اس کا گھوڑا اسی جگہ کھڑا رہ گیا اور یوسف زئی کے سوار بھی اس کے چاروں طرف اکھٹے ہو گئے ناگاہ خواجہ خضر ابن چوہڑ اور شاہی ابن سید احمد اماخیل الو زئی خواجو زئی ملی زئی کہ یہ دونوں آپس میں قریبی رشتہ دار تھے ، آگئے اور کرم علی کو پہچان لیا دیکھا کہ مرا ہوا پڑا ہے اور گھوڑا پاس کھڑا ہے اور چاروں طرف سوار بھی کھڑے ہیں ۔ کہنے لگے۔

”اے نامردو کرم علی جیسا بہادر جوان قتل کر دیا گیا اور تم کھڑے ہوئے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہو وہ لوگ تم سے صحیح سلامت بچ کر نکل گئے“ سواروں نے کہا کہ یہ پیادے ایسے نشانہ باز ہیں کہ ان کے تیر کے لیے کوئی ڈھال نہیں وہ کسی کے قابو میں نہیں آتے ان دونوں نے کہا یہ افسوس کی بات ہے ۔ کہ کرم علی جیسا جوان قتل ہو گیا اور قاتل بچ کر نکل گئے ۔ ہم قوم کو کیا منہ دکھائیں گے! یہ دونوں فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور انہیں جا لیا اور یکبارگی ان پر تیر برسائے شروع کر دیئے۔ خلیل کے پیادوں نے بھی تیر مارنے شروع کئے انہوں نے خواجہ خضر کے ایسا تیر مارا کہ ڈھال میں چھید کر کے پار نکل کر اس کے بازو میں پیوست ہو گیا اسی طرح شاہی کے سر پر خود کو اس طرح نشانہ بنایا

کہ خود سے پار ہو گیا اگرچہ شاہی بچ گیا ۔ ان واقعات کا واقعہ نویس خواجو لکھتا ہے کہ میں نے شاہی مذکور کو بار بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ خلیل کے تیر انداز نے اتنے زور سے تیر مارا تھا کہ میرا سر چکرائے لگا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا مگر اسی اثناء میں دوسرے سوار بھی ہماری مدد کے لیے پہنچ گئے اور ان پیادوں کو قتل کر دیا اور وہ کمان جس سے شاہی کو زخمی کیا تھا کوئی آدمی ”صدوم“ لے آیا مسجودوں اور حجروں میں پھرائی گئی اور لوگوں نے اسے دیکھا وہ کمان اتنی سخت تھی کہ کوئی شخص اسے کھینچ نہیں سکتا تھا ۔ وہ کمان مارے یوسف زئی میں مشہور تھی ۔

الغرض خلیل کے ان پیادوں پر آفرین ہو کہ شروع میں ایسے تیر مارے اور ایسی تلواریں چلائیں کہ حق ادا کر دیا اور آخر میں شکست کی حالت میں بھی ایسے پھیر کھائے اور تیروں اور تلواروں کے ایسے وار کئے کہ خشی (خشی) کے بہت سے سوار ان کے ہاتھوں ڈیر ہو گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے خان کجوع کے سر پر بھی ایک پیادے نے تیر مارا تھا جو اس کے خود کو توڑ کر سر میں چبھ گیا تھا اور خود کی وجہ سے زیادہ اندر نہ جا سکا پھر بھی سر میں ایسا پیوست ہوا تھا کہ اس کش مکش کے عالم میں اسے کوئی نکالنے کی جرات نہ کر سکا نہ تیر نکالنے کا موقع تھا اور نہ خود اتار سکتا تھا ۔ اس لیے باہر کا حصہ خان کجوع نے توڑ کر پھینک دیا اور کچھ حصہ خود اور سر میں اٹکا ہوا رہ گیا اور وہ اس کی پروا کئے بغیر دن بھر لڑتا رہا جب رات ہوئی ڈیرے میں آیا تو جراحوں نے نکالا جس کی وجہ سے اسے درد و الم سے دوچار ہونا پڑا ۔ مگر اللہ نے اپنا فضل کیا جان بچ گئی۔ سب نے اللہ کا شکر ادا

کیا اور خیرات اور صدقہ بھی دیا۔ داؤد زئی نے بھی اس جنگ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہر جگہ خلیل کے ساتھ کھڑے رہے۔ کہیں بھی پسپائی اختیار نہیں کی۔ لیکن مہمند بڑے بے غیرت نکلے انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا سب کے سب اپنے توابع اور ہمسایوں جیسے سرغلانی، زاخیل، چمکنی، ملا گوری، زیرانی اور شنواریوں کے ساتھ جنگ کئے بغیر بھاگ نکلے اور مراسیمہ ہو کر نالوں میں گھس گئے۔ محمد زئی نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور انہیں بھاگ آئے۔

محمد زئی نے ان کے بہت سے نامی گرامی مواروں کو قتل کر دیا پھر خان کجیو کی خدمت میں آئے۔ خان کجیو نے ان کی بہادری کے صلے میں ان پر بڑی نوازشیں کیں اور شاباش اور آفرین کہا۔ اس کے بعد وہ دوسروں کے ساتھ مل کر غوریا خیل کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ پشاور شہر تک چلے گئے اور راستے میں جس کسی کو پایا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

اور پھر ہر جانب سے لشکر، پشاور، سر بند، شیر گڑھی، چہل گڑی ٹوپہ اوڑم (جمروڈ) تک گیا اور خلیل، مہمند اور داؤد زئی کے گاؤں کو تاخت و تاراج کر دیا اور قتل و غارت گری اور قید و بند میں کوئی کمی نہیں کی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو لکھتا ہے کہ میں نے ملک تنی ابن عبدالرحمن ابن شیخ احمد گگیانی مغل خیل سے بارہا یہ بات سنی کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اس جنگ میں شامل ہوا تھا۔

اور بارہ غلام اور کھڑوں کی کئی بڑی بڑی گھڑیاں اور بے شمار مویشی مال غنیمت میں لایا تھا۔ اسی پر خخی (خشی) کے سارے لشکریوں کو قیاس کرو۔

خان کجیو لشکر کی معیت میں پشاور کے مقام گور گھڑی تک

خود ان کے تعاقب میں گیا۔ وہاں ایک بلند جگہ پر شامیانہ نصب کیا گیا جس میں خان کجیو نے استراحت کی۔ سارا لشکر اطراف و جوانب میں پھیلا ہوا تھا۔ لوٹ مار اور قید و بند میں کسی نے کمی نہ کی۔ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد اور تمام اطراف میں سوار بھیج کر لشکر کر طلب کر لیا اور اعلان کرا دیا کہ اب بس کرو جو ہوا سو ہوا۔ غرض یہ کہ اسی طرح (فتح و کامرانی کا) تقارہ بجاتا اور خوشی اور فتح و نصرت کے گیت گاتا لشکر روانہ ہوا اور اسی روز عصر کے وقت اپنے ڈیرے میں ڈب کے کنارے آ کر مقیم ہو گیا اسی وقت شیخ جلو ابن شیخ عثمان اساخیل اکو زئی خواجو زئی ملی زئی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے خان کجیو کے چند معتبر آدمیوں کے ساتھ تمام لشکر میں ہر ایک ڈیرے میں گیا اور غوریا خیل کے تمام گرفتار شدہ لوگوں کو رہا کر دیا اور انہیں اسی وقت لشکر سے نکال دیا۔ رات گزارنے کی اجازت بھی نہ دی۔

الغرض شیخ جلو نے جو کچھ فرمایا تھا۔ اور جو بات کہی تھی تمام واقعات اسی طرح پیش آئے خان کجیو نے وہ رات اسی جگہ گزاری علی الصباح کوچ کر کے دریائے لنڈا سے پار آ گئے وہاں سے سب لوگ رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں خخی (خشی) کے پانچ سو آدمی مارے گئے تھے جن میں زیادہ تر یوسف زئی تھے ان میں یہ چار آن کے نامور سردار تھے ۱۔ کرم علی الیاس زئی ۲۔ مید ابن دلخک ابن پوپل (ملی زئی) یوسف زئی ۳۔ الو ابن مانا بان دولت اکو زئی بائی زئی مولی زئی ۴۔ غازی خان ابن خان مندثر ملک زئی اور زخمیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جسے زخم نہ آیا ہو۔ کہتے ہیں کہ شیخ تہور کی جنگ کے بعد خان کجیو کا درجہ

بہت بلند ہو گیا تمام پختون قومیں (قبائل) ان کی مطیع و فرمان بردار ہو گئیں اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکے شیخ تپور کی جنگ کے تین سال بعد خان کجوا اپنے تمام لشکر کے ساتھ پشاور شہر آئے اور بگرام (پشاور) کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ دار کا نام سکندر اوزبک تھا اور نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کی طرف سے کابل سے آیا ہوا تھا۔ یہ قلعہ چونکہ سنگین اور بہت مضبوط تھا اس لیے فتح کئے بغیر واپس آئے۔ دوسری بار دریائے سندھ کو عبور کر کے سنجہ، گھمپ وغیرہ کے علاقوں پر تاخت کیا مال، مویشی لوٹے، لوگوں کو قید کیا اور بہت سے مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

تیسری بار پھر خضی (خشی) کی تمام افواج کو جمع کر کے دریائے سندھ کو عبور کیا اور چھچھ، ہزارہ، کورلہ ہزارہ مانگڑاؤ اور اس کے توابع اور مضافات کو فتح کرنے کے بعد دستور اور پکھلی کی طرف متوجہ ہو گئے جب موضع کوٹ بارو پہنچ گئے اور پکھلی کے سلطان غیاث الدین تیرک کو ان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے نفیس اور اعلیٰ سے اعلیٰ اشیا بطور ہدیہ و تحفہ بھیجیں اور سال بہ سال اس کی پیشکشی قبول کر کے ان کا مطیع و فرمان بردار ہو گیا۔ وہاں سے واپس ہو کر ملک گگھڑ کی طرف روانہ ہو گئے اور جب گگھڑ کے سلطان آدم کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے بھی سلطان غیاث الدین کی طرح تحفے تحائف بھیجے پیشکش اور اطاعت قبول کی اس کے بعد خان کجوا اپنے دولت خانہ تشریف لے آئے۔

خان کجوا کے ممالک متصرفہ کا ذکر۔

حاصل یہ کہ سارا علاقہ سندھ تا اشغر تا دریائے لندا اور دریائے سندھ۔ سارا سوات تاتوروں اور تیرات، پنجکوڑہ تا نیاگی جو لاہور کے نام سے مشہور اور سارا بونیر، چملہ تانتول، سارا اشغر اور سارا دوا آبہ اور سارا باجوڑ، ہندو راج تک اسمار ناوہ گئی کوئٹہ اور ساری وادی پشاور کڑپا تک، خیبر، ننگر پار، تیراہ، کوہاٹ اور تمام خٹک اور دریائے سندھ کے اس پار نیلاب، سنجہ تا گھمپ سوہانہ مرگد، گگھڑ، پکھلی تک یہ تمام ممالک اس نے مستخر کر لیے تھے اور اس کے باشندے اس کے تابع و فرمان بردار تھے۔ جس وقت وہ کسی مہم پر بلائے جاتے تھے کسی کو حکم سے مرتابی تو کجا عذر کی بھی مجال نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں کہ ان ممالک سے ڈیڑھ لاکھ لشکر اکٹھا ہوتا تھا۔ خان کجوا نے کئی برسوں تک نہایت شان کے ساتھ حکمرانی اور سرداری کی اس کے ساتھ ہی اس سے بعض کرامات اور خوارق بھی ظاہر ہوئے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھا، ہر کوئی اس سے استمداد باطنی طلب کرتا تھا اور اس کی دعا سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے تھے۔

خان کجوا کی خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات۔

کہتے ہیں کہ خان کجوا ابھی نوجوان تھا ایک روز رفع حاجت کے لیے گاؤں سے کہیں دور نکل گیا ناگاہ ایک سفید ریش نورانی صورت نیک سیرت، خوش شکل بزرگ سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے ان بزرگ

کی بڑی تعظیم و تکریم کی وہ اس پر مہربان ہوئے ان کے ہاتھوں میں پختہ سیٹھا خربوزہ تھا انہوں نے اسے دیا خان کجیو نے ادب کے ساتھ خربوزہ لیے لیا وہ بزرگی تھوڑی دور آگے جا کر غائب ہو گئے اور خان کجیو وہ خربوزہ لا کر پانی کے قریب بیٹھ گیا اس میں سے آدھا اس نے کھا لیا اور آدھا چادر میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد طہارت میں مشغول ہو گیا وضو کر کے دو گانہ ادا کیا اور درود و وظیفہ سے فارغ ہو کر چادر اٹھائی تو خربوزہ غائب تھا۔ ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملا اور اس گرد و نواح میں کوئی انسان بھی نہیں آیا تھا اس لیے بہت متعجب ہوا۔ آخر یہ یقین کیا کہ وہ صاحب خواجہ خضر علیہ السلام تھے۔ اور جو خربوزہ مجھے عنایت کیا وہی میرا حصہ تھا جو میں نے کھا لیا۔ اس نے آدھے خربوزے کے لیے جو غائب ہو گیا تھا بہت افسوس کیا۔

چند دنوں کے بعد ایک دوسرا فقیر خان کجیو سے ملاقی ہوا جو صاحب کشف و کرامات تھا۔ خان کجیو نے اس سے اس خربوزے کا حال کہا۔ فقیر نے کہا وہ صاحب مہتر خضر علیہ السلام تھے اور جو خربوزہ انہوں نے تمہیں دیا تھا وہ بادشاہی تھی اگر تم سارا خربوزہ کھا لیتے تو پورے بادشاہ ہو جاتے یعنی صاحب سکہ اور صاحب خطبہ بادشاہ ہوتے مگر جب آدھا کھا لیا اور آدھا چھوڑ دیا تو آدھے بادشاہ ہو جاؤ گے یعنی صاحب سکہ صاحب خطبہ نہیں ہو گے لیکن ملک، زور و قوت اور شان و سطوت بادشاہوں کی سی حاصل ہو گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد خان کجیو بادشاہ ہو گئے اور کئی برسوں تک سلطنت و اسارت کی۔ البتہ کمی صرف یہ تھی کہ سکہ ان کے نام کا نہ چلتا تھا اور خطبے میں ان کا نام نہ لیا جاتا تھا جب عمر رسیدہ ہو گئے تو علاقہ صوابی میں اقامت اختیار کر لی

اور وہیں کچھ مدت کے بعد وفات پا گئے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں جو خان کجیو کی پہاڑی (گجوانوڈیری) کے نام سے موسوم ہے، دفن کئے گئے ان کی قبر مشہور و عیاں ہے اور لوگ دور دراز سے زیارت کے لیے آتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنی رحمت و بخشش سے سرفراز فرمائے۔

ان کی وفات کے تین چار سال بعد ملک بارہا خان بھی وفات پا گئے اور بارہا خان کے تین چار سال بعد ملک سرابدال بھی وفات پا گئے ملک سرابدال کی قبر شیرخانے میں ہے۔ پہلے ان کی قبر پر حجرہ بنا ہوا تھا اب وہ ہوسیدہ ہو کر گر گیا ہے۔

اللهم اغفر لنا وجميع المسلمين و المسلمات برحمتك
یا ارحم الراحمین۔

نظم

شکر شکر چہ مکتوب شدہ
دا کتاب پہ بند اسلوب شدہ
دا کتاب اول طویل وو
دیر پر دے کبھے قال و قیل وو
طویل پر خہ کہ دیر بندوی
بارے بیا ترے ملال زہ وی
نور پہ حکم ما د خان
چہ حافظ دے د قرآن
پہ پند کبھے لکھ نور دے
تمام پند پہ منور دے
شہامت پور دہ وطن دے
پہ پند خوئی خصلت موصوف دے
پہ پند علم کے فہیم دے
پہ پند شوکت کے د امیر دے
دا کتاب مے منتخب کر
پہ پند سن مے حساب کر
پہ پند زر، سل اتیا دے
غیر ہم د محرم دہ
نور کہ زیات لہ دے نہ کبھینہ
خوبہتر مے آوص دعا دہ
پاک مولیٰ د خان معین شدہ
د پیر چا پہ دے آمین شدہ

نظم

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے
کہ پہ کتاب عمدہ اسلوب میں لکھی گئی
پہ پہ کتاب بہت طویل تھی
اور اس میں قیل و قال کی بہت گنجائش تھی
طوالت پر چند کہ اچھی چیز ہے
مگر طوالت پر کسی کے پسند خاطر نہیں ہوتا
پس میں نے اسے خان (رحمت خان) کے حکم سے
جو قرآن کریم کا حافظ ہے
سر زمین پند میں اس کی مثال سورج کی سی ہے
جس کی روشنی سے سارا ہندوستان منور ہے
شہامت پور (طورو مردان علاقہ یوسف زئی) اس کا اصلی وطن ہے
اور پہلی بھیت میں سکونت پذیر ہے
وہ اچھے اخلاق سے متصف ہے
اور لوگوں میں (اپنے اخلاق حمیدہ کے لیے) مشہور و معروف ہے
وہ پر علم کا فہم رکھتا ہے
اور شرع (محمدی) پر مستقیم ہے
اس کی شان و شوکت اگرچہ امیروں جیسی ہے
مگر خو خصلت فقیروں جیسی ہے (اور عجز و مسکینی اس کا شعار ہے)
میں نے اس کتاب کو منتخب کیا

حواشی

۱۔

تواریخ حافظ رحمت خانی

مؤلف

خان روشن خان

روشن پورہ - نواں کلی - صوابی مردان

اسلامی جمہوریہ پاکستان

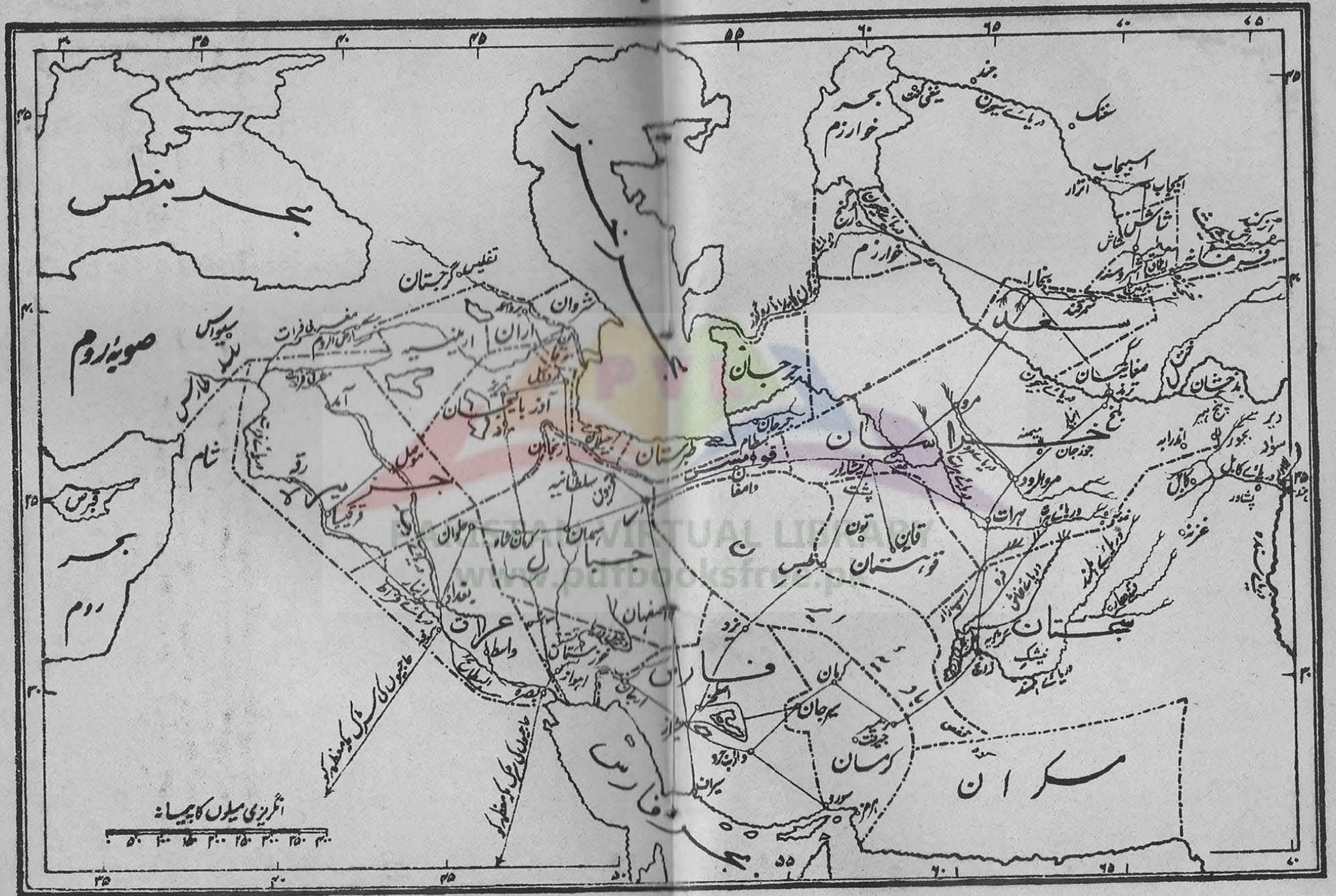
اور اسے اچھی طرح مرتب و مہذب کیا
من ہجری کی رو سے حساب لگا لیا (اور تاریخ و تالیف بھی نکل آئی)
اور دل کو اس مختصر سے بھی نجات مل گئی
ہجری من گیارہ سو اسی ہے
اور ایک سال اس کے اوپر ہے (یعنی گیارہ سو اکیاسی)
مہینہ محرم الحرام کا ہے
جیسا کہ معظم (مؤلف) کو یاد ہے
اب اس سے زیادہ کچھ لکھا جائے
تو وہ محض فضول ہو گا
اب بہتر یہ ہے کہ دعا کریں
جو ہر کلفت اور دکھ کی دوا ہے
اللہ تعالیٰ خان (حافظ رحمت خان) کا معین و مددگار ہو
اور ہر کوئی اس پر آمین کہے

تہمت تمام شدہ

پدا الکتاب تواریخ حافظ رحمت خان من تصنیف
میاں معظم شاہ سرکار محمد عظیم اللہ خان بہادر
خلف الصدق عمدة الامراء العظام آسوة الکبراء الفخام
خان الخوانین معظمین ساکن روح علیین دلاور الملک
ہزۃ الدولہ دوندی خان بہادر بہرام جنگ مغفور و مرحوم

کاتب الحروف

مرزا محمد اسمعیل قندھاری بتاریخ ۲۶ ماہ جولائی ۱۸۶۳ ع





ابتداء

الحمد للہ کتاب ”تواریخ، حافظ رحمت خانی“ کا اردو ترجمہ مکمل ہو گیا۔ دیری دیرینہ خواہش تھی کہ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو جائے تاکہ اس اہم کتاب سے استفادے کا دائرہ صرف پشتو جاننے والے حضرات تک محدود نہ رہے۔ جن اہل علم کی نظر سے یہ اصل کتاب گزر چکی ہے وہ اسکی تاریخی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ اس کتاب کے اردو ترجمہ کی اشاعت کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے محسوس کیا کہ اس پر مفصل حواشی لکھے جائیں تاکہ جو تاریخی دور اس کتاب میں زیر بحث آیا ہے اس سے پہلے اور بعد کے یوسف زئی کے تاریخی حالات بیان کر دیے جائیں تاکہ یہ حواشی اور کتاب کا متن مل کر ایک منسوط و مرتب تاریخ بن جائے۔ چنانچہ میں نے بے شمار کتابوں کے مطالعے کے بعد حواشی میں اس دور سے پہلے اور بعد کے حالات کو اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ اس کے مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کی ابتدا سے پہلے یوسف زئی قبیلہ کے آباء واجداد کون تھے۔ کہاں آباد تھے، اپنے اصلی وطن سے کب اور کن حالات میں نکلے اور کابل اور پشاور کے علاقے میں کب آ کر آباد ہوئے اور کتاب کے اختتام کے بعد ان کے قبائل اور خاندان کہاں کہاں

جا کر آباد ہوئے ، ان نے کیا کیا کارنامے انجام دیے اور تاریخ میں کیا مقام پایا ؟ یوسف زئی کی قومی تاریخ کی یہ تمام ضروری باتیں میں نے نہایت اختصار کے ساتھ قلم بند کردی ہیں ۔

یہ کام بہ ظاہر آسان نظر آتا ہو لیکن اس کام کی واقعی مشکلات کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جنہیں علمی و تحقیقی کاموں کا تجربہ ہے میں نے نہایت کاوش سے یوسف زئی قبیلہ کے شجرہ پائے نسب بھی مرتب کر دیے ہیں، اس سلسلے میں بھی مجھے جو دشواریاں پیش آئی ہیں اور جو تنگ و دو کرنی پڑی ہے اس کا اندازہ ہر کوئی نہیں لگا سکتا ۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ ایک مفید کام انجام پا گیا ۔

ان شجروں کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ کتاب میں جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے ان کا تعلق کن خاندانوں سے تھا اور انکے آباء و اجداد کون تھے ؟ مجھے یقین ہے کہ اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے ۔ میری تحقیقی کا پہلا حصہ اُس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب افغان قوم بنی اسرائیل کے معزز لقب سے ہکاری جاتی تھی ۔

یہ بات اس قوم کے بزرگوں، عالموں اور صوفیوں کے اقوال اور مورخین کے افکار و تحقیقات سے ثابت ہے کہ افغان قوم کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے ہی سے نقل و حرکت شروع ہو گئی تھی ۔ اس کی تاریخی بحث اور مختصر روداد آپ کو اس کتاب کے حواشی میں ملے گی ۔

میری تحقیق کا دوسرا حصہ ظہور اسلام کے بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے کہ افغان قوم نے اسلام کب قبول کیا اور اس کے بعد سے ان کی قومی سرگزشت کیا رہی ہے اور میری تحقیق کا تیسرا حصہ کتاب ہذا کے اختتام یعنی خان کجیو کے عہد کے بعد کی سرگزشت سے تعلق رکھتا ہے ۔

تمام زندہ قومیں اپنے مشاہیر اور قومی محسنین کی یاد سناتی ہیں اور انکی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے مختلف تقاریب کا اہتمام کرتی ہیں ۔ ان یادوں اور تقریبوں سے ان نامور رفتگان کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اگر ہم انہیں یاد نہ رکھیں تو ان کا کچھ بکڑتا بھی نہیں ۔ البتہ اس روشنی میں اس قوم کی اجتماعی اخلاق کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے ۔ زندہ قومیں اپنے بزرگوں اور محسنوں کو یاد کر کے اور ان سے اظہار عقیدت کر کے نہ صرف اپنے قومی اخلاق کا ثبوت پیش کرتی ہیں بلکہ وہ بزرگوں کے اخلاق، سیرت اور ان کے کارناموں کی روشنی میں اپنے شاندار مستقبل کے لئے نئی راہیں تلاش کرتی ہیں اور بزرگوں کے تجربات سے سبق حاصل کر کے ان غلطیوں سے بچ جاتی ہیں جن سے محفوظ رہنا کسی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا ۔ بزرگوں کی یہ ہادیں اور تقریبیں قوموں کی اجتماعی اخلاقی زندگی ناہنے کا معیار ہوا کرتی ہیں ۔ میں یہ ذمہ داری اس جذبے کے تحت اپنے سر لیتے ہوں کہ انسان صرف اپنے والدین کا فرزند ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی قوم کا وارث بھی ہوتا ہے اور قوم کی وراثت کے ساتھ اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں ۔

ہماری قوم کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہم آج جو کچھ ہیں وہ اس لئے ہیں کہ کل ہم کیا تھے اور یہ کہ انسان کی عملی زندگی کی مشلات کا حل وعظ و نصیحت کے بجائے قومی تاریخ کے زیادہ علم اور صحیح تر واقفیت میں ہوتا ہے ۔

قومی تاریخ کے یہ اہم مباحث میں نے آسان زبان اور مادہ اسلوب میں بیان کر دیے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے گی ۔

روشن خان

۱۹ ستمبر ۱۹۷۵ ع

حضرت ابراہیم نے کعبان پہنچ کر آباد ہو گئے لیکن جب ایک مدت تک ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی بیوی کی خویش پر حضرت ہاجرہ کے ساتھ دوسری شادی کر لی جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل کی نسل بنی اسماعیل کہلائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق حضرت اسماعیل کی نسل سے ہے۔ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کے بطن سے بھی ایک بیٹا تولد کیا جسے اللہ تعالیٰ نے شرفِ اہوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے جو حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور نکاح قطورہ سے کیا تھا۔ جن کی اولاد بنی قطورہ کہلائی۔ قطورہ سے حضرت ابراہیم کے چھ بیٹوں کا ہمت چلتا ہے جن کے نام یہ ہیں زمران، یقان، مدان، مدیان، اسحاق (ہشیاق) اور سوخ (شوہا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر کا سفر بھی کیا تھا، مصر کے بادشاہ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔

حضرت اسماعیل ابھی شیرخوار تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم نے انہیں اور انکی والدہ کو حجاز میں لا کر اس مقام پر چھوڑ دیا جہاں آجکل مکہ کا شہر آباد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے آب و گیاه وادی میں ماں اور بچے کے لئے زندگی کا ہر سروسامان مہیا کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس مقام پر ایک آبادی بھی ہو گئی۔ یہیں حضرت اسماعیل نے پرورش پائی سن رشد کو پہنچے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم سے کبھی کبھی اپنی بیوی اور بیٹے کو دیکھنے کے لئے آجایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو مقام نبوت پر سرفراز فرمایا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے ملکر اللہ کی عبادت

باب - ۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب دس واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے تورات میں ان کا جو سلسلہ نسب بیان کیا گیا ہے صاحب قصص القرآن مولانا حفص الرحمن سیوہاروی نے بعض ناموں میں تلفظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بن آزر (تارح) بن نحور (ناحور) بن سروج بن رعو بن فالج (فلج) بن عابر (عبر) بن شالح (شالح) بن ارفخشاد (ارفکسد) بن سام (سم) بن نوح علیہ السلام۔ حضرت نوح کے دو بیٹے اور بھی تھے جن کے نام یافث اور حام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بھائی اور تھے جن کے نام نحور اور حاران تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام حاران کے بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی ان کے بتوں کو توڑ ڈالا اور بادشاہ وقت کے خدائی دعوے کو جب انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا تو اس کی ہاداش میں انہیں آگ میں ڈالا گیا لیکن خدا کے حکم سے آگ سے زندہ و سلامت بچ گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے اپنا آبائی وطن چھوڑ دیا اور کعبان کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس سفر میں ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے حضرت لوط بھی تھے۔

کے لئے ایک مکان تعمیر کیا جو کعبہ اور بیت اللہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عیسو اور دوسرے بیٹے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ روبن (رابن) شمعون، لاوی، یہودا، نفتالی، جد (جاد) آشور، اشکار (یشجر) زبولوں (روئیل) یوسف، بنیامین اور دان۔ یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقام نبوت پر سرفراز فرمایا تھا۔ وہ اللہ کی جانب سے اسرائیل کے لقب سے سلقب تھے۔ اسرائیل کے معنی لاڈلا یا جوان مرد کے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر موجود ہے۔

وقطعنم اثنتی عشرة اسباطا آسما (الاعراف : ۱۶۰)

(اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندان کے بارہ گروہوں میں منقسم کر دیا)

اور انکی فضیلت و بزرگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے !

یا بنی اسرائیل اذکر و نعمتی الی انعمت علیکم وانی

فضلتکم علی العالمین (البقرہ : ۱۱۶)

(اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جن سے میں

لئے تمہیں سرفراز کیا تھا اور میں نے تمہیں دنیا کی تمام

قوموں میں فضیلت و برگزیدگی عطا فرمائی تھی۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام ملک کنعان میں رہتے تھے۔ بعد میں جب یوسف^{۱۴} مصر پہنچے اور اقتدار وہاں حاصل ہوا تو انہوں نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کنعان سے اپنے پورے خاندان، تمام مال و اسباب اور چوپایوں کے ساتھ مصر پہنچے تھے۔ یہ سفر انہوں نے ان گاڑیوں میں کیا تھا جو مصر سے انہیں لانے کے لئے بھیجی گئی تھیں۔ مصر کے سفر میں ان کے ساتھ خاندان کے جو افراد تھے ان کی تعداد بھوؤں کو چھوڑ کر چھاسٹھ تھی۔ حضرت یوسف اور انکے دو بیٹے تھے۔ اس طرح حضرت یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب ملکر ستر تھے۔ حضرت یعقوب کی عمر اس وقت ایک سو تیس برس کی تھی۔ مصر میں وہ مزید سترہ برس زندہ رہے۔ اس طرح حضرت یعقوب کی کل عمر ایک سو سنیالیس برس کی ہوئی۔ حضرت یعقوب نے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ ان کی نعش کو کنعان میں باپ دادا کے قبرستان میں لے جا کر دفن کرنا۔ ان کی اولاد نے اس وصیت پر عمل کیا۔ اور بادشاہ مصر کی اجازت سے ان کی نعش کو کنعان لے جا کر آبائی قبرستان میں دفن کیا۔ اور خود بعد اہل خاندان کے مصر لوٹ آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب ایک سو دس برس کی عمر کو پہنچے تو بیمار ہوئے۔ انہوں نے اپنے تمام بھائیوں کو جمع کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ ان کی نعش کو بھی کنعان لے جا کر اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کریں گے۔ حضرت یوسف کا انتقال ہوا تو حالات بدل گئے بھائیوں نے ان کی نعش کو کنعان لے جانا چاہا تو انہیں اس کی اجازت نہ ملی۔ چنانچہ انہوں نے نعش میں خوشبو بھر کر اسے تابوت میں بند کر دیا اور اسے عارضی طور پر مصر میں دفن کر دیا۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد مصر کے حالات بدل

گئے اب جو نسل وہاں موجود تھی اسے سابق عزیز مصر (حضرت یوسف) سے وہ جذباتی لگاؤ نہ تھا۔ حکومت میں تبدیلی آچکی تھی اور کوئی سیاسی مصلحت یا مذہبی عقیدت ان کی نعرش کے مصر لے جانے میں مانع نہ رہی تھی۔ اہل مصر کو بنی اسرائیل کی کثرت اور قوت سے بھی خطرہ لاحق تھا۔ چنانچہ مصر کے بادشاہ نے اپنی قوم سے کہا دیکھو! اسرائیل ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھ حکمت عملی سے پیش آنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اور زیادہ نہ ہو جائیں اور جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہمیں ملک سے نکال باہر کریں چنانچہ اس نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے وہ ان سے سخت کام لیتے تھے تاہم بنی اسرائیل کی طاقت بڑھتی رہی اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس لئے قبطی نبی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہو گئے۔ اور ان پر اور زیادہ تشدد کیا جانے لگا۔ وہ ان سے سخت محنت کے کام لیتے تھے۔ ان سے اینٹ اور گارے بنواتے عمارتوں کی تعمیر میں اور کھیتوں میں ان سے مزدوروں کا کام لیتے تھے، قبطیوں نے نبی اسرائیل کی زندگی تلخ کر دی تھی۔

بنی اسرائیل پر اہل مصر کا ظلم و تشدد انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نجات کے لیے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا! حضرت موسیٰ نے فرعون (بادشاہ مصر) سے کہا!

بنی اسرائیل کو چھوڑ دو، تاکہ یہ ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں۔ فرعون اس کے لیے تیار نہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دے دے لیکن مشیت ایزدی نے بنی اسرائیل کی نجات کے تمام اسباب پیدا کر دیے اور حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں انہیں فرعون کی غلامی کے عذاب سے نجات مل گئی۔ بنی اسرائیل کو اس وقت مصر میں چار سو تیس سال گزر چکے تھے اور عورتوں اور بچوں

کو چھوڑ کر ان کے مردوں کی تعداد تقریباً چھ لاکھ تھی۔ حضرت موسیٰ انہیں فلسطین کے راستے سے نہیں لے گئے حانکہ وہ راستہ نزدیک کا تھا۔ وہ انہیں بحیرہ قلزم کا چکر کھلا کر جنوب کی طرف سے بیابان کے راستے سے لے گئے حضرت موسیٰ کو اندیشہ تھا فلسطینیوں سے مڈبھیڑ ہو جائے اور ان کی قوم ڈر کر مصر واپس ہو جائے۔ بنی اسرائیل مصر سے مسلح نکلے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی نعرش ان کے ساتھ تھی۔ مصر کے مقام سقات سے کوچ کر کے یہ لوگ بیابان کے کنارے ایتام (ایتم) میں ٹھہرے۔ رات کو روشنی کا ایک ستون اور دن کو بادل کا ایک ستون ان کے آگے چلا کرتا تھا تا کہ وہ رات اور دن میں برابر سفر جاری رکھ سکیں۔

فرعون کو خبر ملی کہ بنی اسرائیل چلے گئے تو اس نے ایک لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ اور جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم کے کنارے ڈھیرے جما رہے تھے، انہیں جا لیا۔ بنی اسرائیل اس کے لشکر کو دیکھ کر گھبرا ئے لیکن حضرت موسیٰ نے انہیں تسلی دی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر سمندر میں داخل ہو گئے۔ سمندر نے انہیں راستہ دے دیا۔ بنی اسرائیل صحیح سلامت پار نکل گئے۔ ان کے تعاقب میں فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں بنے ہوئے راستے پر دوڑا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی اپنی جگہ پر آ گیا اور فرعون اور اس کا سارا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔

ہارون کی بہن مریم اور بنی اسرائیل کی عورتوں نے فرعون سے نجات کی خوشی میں دف بجا بجا کر خدا کی حمد کا ایک نغمہ گایا جس کا مضمون یہ تھا

خداوند کی حمد و ثنا گاؤ

کیونکہ وہ جلال کے ساتھ فتح مند ہوا ہے
اس نے گھوڑے کو اس کے سوار سمیت سمندر میں ڈال دیا
ہے۔ وہ جگہ جہاں فرعون غرق ہوا تھا آج کل خلیج سوئیز کہلاتی ہے
موسى اسرائیل کو بحیرہ قلزم کے مشرق کی جانب لے گئے اور
ایلام پہنچے اور کوہ طور کے دامن میں ڈیرے جمائے۔ پھر یہاں سے
کچھ مقامات تبدیل کرتے ہوئے چالیس سال تک اس صحرائے سینا
میں رہے جہاں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کھانے پینے کی اشیا
وافر مہیا تھیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم
سے کہا کہ چلو ہم اپنا ملک واپس لے لیں۔ مگر مصر میں بہت
عرصے تک غلامی میں رہنے کی وجہ سے ان کی آزادانہ فطرت اس
درجہ بدل گئی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ کے بار بار ہمت دلانے
اور آزادی کی زندگی کی ترغیب دینے پر بھی کسی طرح آمادہ نہ ہوئے
یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چالیس سال تک میدان
تیمہ میں بھٹکنے پر مجبور کر دیا تا کہ اس مدت میں ایک
نئی نسل تیار ہو جائے جو آزادی کی قدر کو سمجھ سکے جو عزت
نفس کی مالک ہو اور پرانی نسل جو مصر میں غلامانہ ماحول میں
بڑھی پلی ہے وہ مرکھب جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ اس
وقت جوان اور بوڑھے تھے وہ سوائے یوشع اور کالب کے سب مر
گئے اور ایک نئی نسل نے جوان ہو کر ان کی جگہ لے لی جو
عزت نفس کی مالک تھی، آزادی کی قدردان تھی اور غلامی کی
زندگی گزارنے کی بجائے فرماوائی کی خواہش سے جن کے سینے پھولے
ہوتے تھے۔

بنی اسرائیل کی یہ نئی نسل رفتہ رفتہ خلیج عقبہ کے کنارے
کنارے اردن کی طرف بڑھتی رہی یہاں تک کہ ایلات پہنچ گئی
حضرت ہارون یوشع اور کالب ان کے ساتھ ساتھ تھے البتہ حضرت ہارون
نے اس سفر کے دوران میں وفات پا گئے۔ دریائے اردن کی مشرقی
جانب اموریوں کے دو بادشاہ عوج کافر اور سیحون حکمران تھے بنی
اسرائیل نے ان پر حملہ کر کے انہیں شکست دی اور ان کے علاقوں
پر قبضہ کر لیا اس وقت ان کا مرکز مواب کا میدان تھا

یہاں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو مخاطب کیا اور کہا :
”اے بنی اسرائیل ! جب تم دریائے اردن عبور کر کے ملک
کنعان میں داخل ہو تو وہاں کے تمام بتوں کو توڑ ڈالنا اور
اس ملک پر قبضہ کر کے اس میں بسنا۔ کیونکہ خدا نے وہ
ملک تمہیں دیا ہے۔ تم قرعہ ڈال کر ملک کو اپنے گھرانوں
میں میراث کے طور بانٹ لینا۔ جس خاندان میں زیادہ آدمی
ہوں اسے زیادہ حصہ ملنا چاہیے اور جس خاندان میں کم آدمی
ہوں اسے کم پر راضی ہو جانا چاہیے اور جس خاندان کے قرعہ
میں جو جگہ نکلے وہ اس کا حصہ ہوگا۔ تم اپنے آبائی
قبائل کے مطابق اپنی اپنی میراث لینا۔ لایوں کے رہنے کے
لئے انہیں شہر دینا اور شہروں کے نواح کی آراضی بھی ان ہی
کو دے دینا۔ شہر ان کے رہنے کے لئے اور ان کے نواح کی
آراضی ان کے چوپایوں کے لئے ہو (معلوم رہے کہ لاوی ان
میں علما کا طبقہ تھا) یعنی ہر قبیلہ اپنی میراث کے مطابق
لاویوں کے لئے مسکن اور زمین دے۔

حضرت موسیٰ نے قوم کو وصیت کی اور یسوع بن نون کو
بنی اسرائیل کا پیشوا مقرر کیا اور نصیحت کی کہ تم میرے بعد یسوع

بن نون کی پیروی کرنا اور ان کی ہدایت پر چلنا وغیرہ وغیرہ حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس سال کی عمر میں مواب کے ملک (شرقی اردن) میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی تھے۔ بنی اسرائیل کو انہوں نے فرعون مصر کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ سینا کی وادی میں ان کی تربیت کی انہیں بت پرستی اور شرک سے ہٹا کر توحید کی تعلیم دی نیز انہیں بتایا کہ فلسطین کی سرزمین خدا نے انہیں ایمان لانے کے عوض و انعام میں دینے کا وعدہ کیا ہے۔

حضرت یسوع خدا کی طرف سے نبی مقرر ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کے پروگرام کے مطابق بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت اور انہیں آگے بڑھانے میں مصروف رہے۔ انہوں نے اپنے دو جاسوس اپنے سامنے کے ”یریحو“ شہر میں حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجے اور اس کے تیسرے روز شہر پر حملہ کر دیا۔ پر دریا ئے اردن حائل تھا لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے لیے بحیرہ قلزم میں راستہ بنا دیا تھا حضرت یسوع اور ان کی قوم کو دریا ئے اردن میں راستہ دے دیا وہ صحیح سلامت دریا کے پار اتر گئے۔ حضرت یسوع نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں کے بارہ سرداروں کو دریا سے ایک ایک پتھر اٹھانے کا حکم دیا اور باہر لے جا کر انہیں بطور یادگار گاڑ دیا۔ ان کے پاس وہ صندوق بھی تھا جو حضرت موسیٰؑ نے انہیں بیت المقدس میں رکھنے کے لئے دیا تھا اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

یریحو (اریحا) شہر پر انہوں نے قبضہ کر لیا اور پھر عثمی شہر پر تین ہزار لشکر کے ساتھ چڑھائی کر دی لیکن یہاں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے چھتیس آدمی مارے گئے۔ حضرت یسوع

اور قوم کے دیگر افراد کو اس شکست کا بہت صدمہ ہوا اور وہ اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر رونے پینے لگے اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے۔ حضرت یسوع اولدھے منہ زمین پر پڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں علم ہوا کہ تمہاری شکست کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیلیوں نے گناہ کیا ہے اس عہد کو جو انہوں نے ہم سے باندھا تھا توڑ دیا ہے یریحو (اریحا) پر قبضے کے وقت جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور جس کی حیثیت قومی ملکیت کی تھی انہوں نے اس میں چوری کی وہ قوم کے مال میں خیانت کے مرتکب ہوئے۔ جب تک چور کو اس کی سزا ملے گی تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی چور کی سزا یہ ہے کہ اسے چوری شدہ مال اور اس کے اہل و عیال اور اس کے مال و اسباب کے ساتھ آگ میں جلا دیا جائے

حضرت یسوع نے سب کو جمع کیا اور خدا کا حکم سنایا اور دریافت کیا کہ یہ گناہ کس نے کیا ہے؟ عکن بن زراخ نامی ایک شخص نے جواب دیا کہ میں نے اعتراف کیا کہ یہ گناہ اس سے رواں ہوا ہے اس نے بتایا کہ جب مال غنیمت میں اس نے بابل کی ایک لکھن چادر، دو سو مثقال چاندی اور پچاس مثقال سونے کی اینٹ دیکھی تو دل میں لالچ پیدا ہوا اور اس نے ان چیزوں کو چھپا لیا۔ حضرت یسوع نے آدمی بھیجے اور وہ اس شخص کے ڈیرے سے تمام مال برآمد کر لائے۔ حضرت یسوع نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مال کے ساتھ عکن کو اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس کے بیلوں گدھوں بھیڑ بکریوں اور اس کے دیگر ساز و سامان کے ساتھ وادی عکور میں سنگسار کیا پھر آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ پر پتھروں کا ایک بڑا ڈھیر لگا دیا۔

اس کفارے کے بعد بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہو گئی اور

انہوں نے تمام فلسطین اور اس کے گرد و نواح کے علاقے پر قبضہ کر لیا جس میں اکتیس بادشاہ تھے۔ ان تمام ممالک پر قبضہ کر کے انہیں حضرت موسیٰؑ کی وصیت کے مطابق بنی اسرائیل کے قبائل میں تقسیم کر لیا۔ یہاں وہ تقریباً چودہ سو برس تک حکمران رہے۔

بنی اسرائیل میں قیام حکومت کے بعد تقریباً چار سو سال تک ان کی توجہ اور ہمت دین کی بنیادیں مضبوط کرنے میں صرف ہوئی رہیں جو شخص ان میں دینی ریاست اور ذمہ داری کا اہل ہوتا تھا اسے وہ کاہن کہتے تھے۔ اسے گویا کہ حضرت موسیٰ کی خلافت و نیابت کا مرتبہ حاصل ہوتا تھا۔ یہ ایک دینی منصب تھا جس کے لئے حضرت ہارون کے خاندان سے ہونا شرط تھی اس لئے کہ حضرت موسیٰ کے کوئی اولاد نہیں تھی کاہن تمام امور دینی نماز، روزہ، قربانی وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا۔ امور سیاست کے تصفیہ و احکام کے اجرا کے لئے انہوں نے ستر سردار منتخب کئے تھے۔ کاہن کا اپنا مرتبہ بہت بڑا تھا لیکن وہ ان دنیاوی امور سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ تقریباً چار سو سال تک دینی و دنیاوی نظام بنی اسرائیل میں اسی طرح چلتا رہا لیکن اس کے بعد پڑوس کے ممالک سے نبرد آزمائی شروع ہو گئی اور حالات میں رفتہ رفتہ انقلاب پیدا ہونے لگا اور بنی اسرائیل کو اپنی ریاست و سلطنت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تو انہوں نے طالوت کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا۔ حضرت طالوت کی رہنمائی میں بنی اسرائیل کو پھر جاہ و حشمت حاصل ہو گئی۔ فلسطین کا کافر بادشاہ جالوت مارا گیا۔ حضرت طالوت نے سینتالیس سال تک حکومت کی۔ حضرت طالوت کے انتقال کے بعد حضرت داؤد تخت حکومت پر رنق افروز ہوئے ان کی سلطنت کے حدود ایک طرف حجاز تک اور دوسری طرف یمن و بلاد روم تک پھیل گئے۔

حضرت داؤدؑ نے چالیس سال تک نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حکومت کے بعد انتقال فرمایا انہوں نے حضرت سلیمانؑ کو اپنا جانشین بنا دیا تھا حضرت سلیمان کی سلطنت کے حدود اور بھی زیادہ پھیل گئے۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بیت المقدس کی اعلیٰ پیمائے پر تعمیر کی۔ جس کی وصیت ان کے والد حضرت داؤد نے انہیں کی تھی۔

بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ کا قصہ یوں ہے کہ صابیوں کے زمانے میں یہاں ایک شاداب بغیچہ تھا جس میں پتھر کی ایک مورٹی تھی۔ اس مورٹی پر سنتوں (نذر و نیاز) کا تیل جڑھایا جاتا تھا پھر اس جگہ ایک مندر تیار کر دیا گیا۔ جب بنی اسرائیل کا اقتدار ہوا تو وہ اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے اور اسے قبلہ بنا لیا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو جب مصر سے لے کر چلے تو ان کا ارادہ بیت المقدس کو اپنے اقتدار میں لانا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان سے اور ان کے دادا حضرت اسحاقؑ سے اس کا وعدہ کیا تھا۔ مصر کے سفر کے دوران میں حضرت موسیٰ وادی سین میں آئے۔ یہاں انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ملا کہ وہ عہدہ لکڑی کا ایک صندوق تیار کریں۔ اس کے طول و عرض، شکل و صورت اور دیگر صفات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پوری رہنمائی کر دی تھی۔ اور یہ بھی فرمایا دیا تھا کہ اسے تیار کر کے صابیوں کے پتھر پر رکھ دیا جائے۔ اور قربانی کے لئے ایک خاص قربان گاہ تیار کی جائے۔ یہ تمام ہدایات اور ہر چیز کے بارے میں پوری تفصیل، توریت میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی حسب ہدایت صندوق تیار کیا اسے میدان تہہ میں خیموں کے وسط میں نصب کر دیا گیا۔ اس میں وہ تابوت بھی

رکھ دیا جس پر خدا کی طرف سے نازل شدہ احکام درج تھے۔ اس صندوق کے قریب ایک مذبح (قربان گاہ) بھی تعمیر کیا گیا اور حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مذبح کا متولی مقرر کیا گیا۔ بنی اسرائیل اس صندوق کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور مذبح میں اللہ کے نام پر قربانیاں پیش کرتے تھے یہیں حضرت موسیٰ پر وہی نازل ہوا کرتی تھی۔

بنی اسرائیل نے شام پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس صندوق کو بیت المقدس میں صابیوں کے پوجا پاٹ کے پتھر پر رکھ دیا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ وہ صندوق ان کا قبلہ بنا رہا۔ حضرت داؤدؑ نے ارادہ کیا کہ اس پتھر کی جگہ جس پر صندوق رکھا تھا ایک مسجد تعمیر کر دیں مگر وہ اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اور اپنے بیٹے اور جانشین حضرت سلیمان کو اس مسجد کی تعمیر کے لئے وصیت کر گئے۔ حضرت سلیمان نے اپنے والد حضرت داؤد کی وصیت کے مطابق اپنے دور حکومت میں یہ مقدس مسجد تعمیر کی جو چار سال میں مکمل ہوئی۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی وفات کو پانچ سو سال گزر چکے تھے۔ حضرت سلیمانؑ تقریباً باون سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گئے۔

زوال بنی اسرائیل

حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے رجمام کو بادشاہ بنانے کے سلسلے میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اکٹھے ہوئے اور رجمام کے سامنے اپنے کچھ مطالبات پیش کئے۔ رجمام نے ان مطالبات کو مسترد کر دیا۔ بنی اسرائیل کے دس قبیلے اس بات سے ناراض ہو کر چلے

گئے اور انہوں نے رجمام کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ انہوں نے اپنی حکومت کا نام اسرائیلی حکومت رکھا۔ یہودا اور بن یاسین دو قبیلوں نے رجمام کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور سلطنت یہودیہ اپنی حکومت کا نام رکھا۔ یہاں سے بنی اسرائیل میں بھوٹ پڑ گئی۔ ان دونوں حکومتوں کی تاریخ باہمی قتل و غارت اور نفاق اور سازشوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اس باہمی نفاق اور جنگ و جدل کا نتیجہ تھا کہ دونوں اپنی حکومتوں کو قائم نہیں رکھ سکے۔ مصریوں اشوریوں بابلیوں اور رومیوں کی تاخت و تاراج کا تختہ مشق بنے رہے۔ اس دور میں فلسطین کے یہودیوں اور اسرائیلیوں میں بہت سے نبی مبعوث ہوئے رہے جو انہیں خدا کا پیغام سناتے، ہدایت کرتے اور آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں کرتے تھے۔

مشہور شہر شوروں (سامریہ) کی اسرائیل ریاست جو الجزیرہ اور موصل وغیرہ میں قائم تھی۔ اشوریوں کے ہاتھوں ۷۲۱ ق م میں تباہ ہوئی اور یہودیہ کی ریاست جو شام و فلسطین میں قائم ہوئی تھی ۵۹۷ ق م میں بابلیوں کے ہاتھوں برباد ہوئی۔ الغرض چودہ سو سال حکومت کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی دونوں حکومتیں صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں

اسرائیلی سلطنت کا آخری بادشاہ ہوسیع تھا۔ جس پر نینوا کے شاہ شور نے حملہ کیا اور شوروں (سامریہ) محاصرہ کا کر لیا۔ اس محاصرے نے تین سال تک طول کھینچا۔ چوتھے سال شوروں (شارون) پر قبضہ ہو گیا۔ اور ہوسیع کو قید کر لیا گیا۔ اس قبضے میں جتنے اسرائیل ہاتھ آئے تھے اشور انہیں نینوا لایا اور مشرق کی طرف خراسان اور علاقہ جیحون سحون، میں اور دریائے سندھ تک انہیں آباد کر دیا اور شوروں (شارون) میں اسرائیلیوں کی جگہ اپنے

آدسیوں کو لے جا کر آباد کیا۔

اسرائیلیہ کے بعد اشوری بادشاہ شرجون ثانی کو یہودیہ پر حملہ کرنے کا براہ راست موقع مل گیا اور چند سال کی چھیڑ چھاڑ کے بعد یہود کا بادشاہ حزقیا اس کا باج گزار بن گیا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشوریہ کے بادشاہ شرجون ثانی اور اس کے جانشین سخیرب نے لشکر کشی کر کے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ اس جنگ میں حزقیا گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کے لڑکے کو تخت نشین کر کے سخیرب نے اپنا بجگزار بنا لیا۔ سخیرب کا دعویٰ ہے کہ اس جنگ میں اس نے دو لاکھ ایک سو پچاس یہودیوں کو قیدی بنایا، اشوری بادشاہ نے حسب سابق ان قیدیوں کو بھی مشرق کی طرف جلا وطن کر کے ایران، بخارہ، بلخ، جوزجان یعنی خراسان اور دریائے سندھ کے علاقوں میں مختلف مقامات پر انہیں آباد کیا

اس کا اثر یہ ہوا کہ یہودہ اور بھی کمزور ہو گیا اور اس کی سلطنت نینوا کے آگے جھکی رہی اور باقاعدگی سے خراج ادا کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ نینوا والوں کے وارث اہل بابل نے ۵۹۷ ق م میں یروشلم پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا۔ انہوں نے بادشاہ کے بیٹے صدقیا کو تخت پر بٹھا کر اسے اپنا باج گزار بنا لیا وہ یہودیہ سے دس ہزار منتخب قیدیوں کو ان کے بال بچوں سمیت بابل لے گئے۔ صدقیا بادشاہ یہودہ کئی سال تک تو بخت نصر کا وفادار رہا اور پابندی کے ساتھ خراج ادا کرتا رہا لیکن پھر اس نے اپنی آزادی اور استقلال کا ہرچم لہرایا جس پر بخت نصر نے طیش میں آ کر اس پر فوج کشی کی اور یروشلم کو تباہ و برباد

کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور حملہ کر کے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے پندرہ ماہ تک طول کینچھا۔ بالآخر بخت نصر کو کامیابی حاصل ہوئی۔ یروشلم فتح ہو گیا۔ اور پیکل کو تباہ کر دیا گیا۔ صدقیا کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے سامنے اس کے بیٹوں کو قتل کیا گیا پھر اس کی آنکھیں نکالی گئی اور اسے قید کر کے بابل لے جایا گیا بخت نصر پچاس ہزار یا ایک لاکھ یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا انہیں ابران اور بابل کے آس پاس آباد کیا۔ جہاں وہ تقریباً ستر برس تک غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے اس دوران میں بہت سے یہودی ادھر ادھر کے علاقوں میں بھاگ گئے ان حوادث کے بعد فلسطین میں یہودیوں کی تعداد بہت توڑی رہ گئی۔

نینوا کے اشوری

اشوری قدیم سامی نسل کے لوگ تھے اور اسرائیلی سلطنت کے ماتحت لیکن اندونی طور پر دریائے دجلہ کے بلائی حصہ میں آزادی اور خود مختاری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل کے آپس کے اختلافات اور طوائف الملوکی کو دیکھ کر انہیں حالات سے فائدہ اٹھانے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنی طاقت کو منظم کیا اور گرد و نواح کے علاقوں کو تاراج کرنا شروع کیا انہیں اس میں بڑی کامیابی ہوئی۔ انہیں ہر طرف وحشت اور بربریت کا بازار گرم کر دیا۔ انہیں جن لوگوں کی طرف سے مخالفت کرنے یا سدراہ بننے کا خطرہ پیدا ہوتا اسے گرفتار کر کے اس کے اعضا الگ الگ کرنے، انہیں پنجوروں میں بند کر کے لٹکا دیتے اور انہیں طرح طرح کے عذاب دے

بابل والوں کا عروج و زوال

اہل بابل ، نو بابلی یا کلدانی قوم سے ایک ہی قوم مراد ہے ۔ اشوریوں کے زوال کے باعث بابل والوں کو اپنا حلقہ اقتدار حدود مملکت وسیع کرنے کا موقع مل گیا ۔ نیوپلیسر نے جو جنوبی عراق کے دلدلی علاقے کا قبائلی سردار تھا ۶۲۶ ق م میں بابل میں نئی شاہی خاندان کی بنیاد رکھی ۔ ان قبیلوں نے اشوریوں کے خلاف ایران کے مادیوں کی مدد کی تھی ۔ بخت نصر اس نیوپلیسر کی اولاد میں سے تھا وہ زرتشت فاتح اور شان و شوکت رکھنے والا بادشاہ تھا ۔ اس کے بعد بابل کے تخت پر چار بادشاہ بیٹھے ۔ آخری بادشاہ بال شازر (بخت نصر کا نواسہ) تھا ایک مرتبہ وہ جشن منا رہا تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا کہ دیوار پر ایک غیبی ہاتھ کچھ لکھتا ہوا نظر آیا ۔ اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ پارسی بادشاہ اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا ۵۳۹ ق م میں سائرس (خورس ، اخویرس یا و کورش) ایرانی نے بابل کو فتح کر کے بابلی سلطنت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ۔

ایرانیوں کی سلطنت کا قیام

وسط ایشیا کے آریہ قبائل کی ایک شاخ ۱۵۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک کسی وقت افغانستان کی وادیوں میں سے گزرتی ہوئی ایران کے شمالی اقطاع میں آ بسی تھی اور انہوں نے بحیرہ خزر (کیسپین) کے جنوب میں گیلان کے علاقے میں ڈیرے جما لئے تھے ۔ یہاں سے یہ خانہ بدوش آریہ قبائل ایران کے وسطی اور مغربی سرسبز و شاداب

کر ہلاک کرتے ۔ ان کی وحشت و بہمیت سے لوگوں کے دلوں پر خوف طاری ہو گیا تھا ۔ اشوری پہلی قوم ہے جس نے فن حرب کو ترقی دے کر فوج منظم کی ، اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ۔ گھوڑ سواروں پر رسالہ منظم کیا ، لوٹے کے ہتھیاروں ، تیر ، کمان ، بھالے ، تلواریں اور فصیلوں کو گرانے کے لئے منجینیقیں اور سرنگوں وغیرہ کا استعمال کیا ۔

وادی دجلہ ، فرات کی سرزمین ، بابلیہ ، ایلام ، ایشیا کے کوچک کے مشرقی حصے ، آرمینیا ، سامریہ ، یہودیہ ، ایران اور دریائے سندھ کی وادی ، یہ تمام علاقے صدیوں تک اشوری بادشاہوں کی تاخت و تاراج کا میدان اور تختہ مشق بنے رہے ۔ یہاں کے بادشاہ اور حاکم ۔ اشوری بادشاہوں کو خارج دیتے تھے اور جہاں کوئی بادشاہ سر اٹھنے کی جرات اور سر کشی کا ارادہ بھی کرتا تو اس پر فوج کشی کر کے اسے سخت ترین سزا دی جاتی تھی ۔

اشوریوں کا زوال

۶۱۲ ق م میں ایران کے سودی (میدی مادی) سردار سیاک سیر نے جس کا دوسرا نام اوآ کیشنر (کشتری) ہے بابل کے حکمران قبائل کی مدد سے نینوا اور اشوریہ پر چڑھائی کر کے اشوریوں کی فوج کا قلع قلم کر دیا ، شاہی خاندان کے افراد کو نیست و نبود کر دیا ملک کو تہس تہس کر دیا ۔

علاقوں میں پھیلتے چلے گئے، اور رفتہ رفتہ تھران اسپہان اور شیراز کے علاقوں پر چھا گئے۔ یہ قبائل اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی اپنی طاقت کے بل پر مختلف علاقوں پر قابض ہو گئے تھے۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں ان قبائل کے اتحاد و اجتماع سے تین ریاستیں قائم ہوئیں۔ شمالی اور وسطی علاقے میں میدی (میڈی) قبائل آباد تھے جس کے سرداروں نے دیانکو نامی ایک سردار کو جو بہت انصاف پرور تھا، اپنا بادشاہ بنا لیا جس نے میڈیا کی ریاست قائم کی۔ اس کے جنوب میں اسپہان کے قریب پر سو خامنشی کے نام سے ایک ریاست بنی جس کا بانی پسخامنش نامی ایک سردار تھا۔ ان کی ریاست کے جنوب میں شراز کے قریب پارسیوں کی ایک ریاست قائم ہوئی۔ یہ خطہ اب تک فارس کے نام سے مشہور ہے۔

میدیوں کا پہلا قابل ذکر بادشاہ فراورت ہوا جس کا دوسرا نام کھشتری تھا۔ اس نے ۶۷۵ ق م سے ۶۵۳ ق م تک بائیس سال حکومت کی۔ میدی بادشاہ اشوری بادشاہ اسیر ہدون کے ماتحت رہا اور وقت پڑنے پر وہ اسے ہر قسم کی امداد دینے کا ہابند تھا لیکن اس کے بیٹے نے ۶۱۲ ق م میں نینوا کو تاراج کر کے اشوریوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

بابل کے کلدانی بادشاہ نیوپلیمسر اور بخت نصر اشوریوں کے حلیف تھے۔ میدی بادشاہ نے اپنی ایک بیٹی بخت نصر کے ساتھ بیاہ دی تھی اس طرح اقتدار بابل والوں کے ہاتھ آ گیا۔ لیکن ۵۵۹ ق م میں ہارمی شہزادے سائرس (اخویرس خورس یا کورش) نے وسطی آریائی ریاست کے حکمران پسخامنش کے پوتے کمبوجیا کو شکست دی اور اس کی وسطی اور جنوبی دونوں ریاستوں پر قبضہ کر لیا اور پھر ۵۵۰ ق م میں میڈیا کے بادشاہ کو شکست دیکر اس کی ریاست کو بھی اپنی

سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد ۵۳۹ ق م میں بابل پر چڑھائی کر کے دیوتاؤں کی قدیم ترین ریاست کو ایران کی سلطنت میں شامل کر لیا۔

سائرس کی سلطنت ہندوستان (یعنی ہند) سے کوش تک ایک سو ستائیس (۱۲۷) صوبوں میں بھیلی ہوئی تھی جن میں اسرائیلی بھی ستر سال سے شلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس نے ان کو واپس یروشلم جانے کا حکم دیا اور آباد کرنے اور مسجد (ہیکل) کو از سر نو تعمیر کرنے کا فرمان صادر کر دیا۔ چنانچہ کتاب مقدس کے مطابق ۵۳۹ ق م میں یروشلم واپس گئے جبکہ صرف بخت نصر کے ہاتھوں قید ہونے والوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی۔ ان میں سے جو لوگ خوش حال ہو گئے تھے انہوں نے وطن (یروشلم) واپس جانے کے مقابلے میں یہاں رہنے کو ترجیح دی۔

اس کے عہد میں مشرق و مغرب کی طرف مہمیں بھیجی گئیں اور دریائے سندھ کی وادی سے لے کر بحیرہ روم تک اور بحیرہ خزر و بحیرہ ہورال سے لے کر بحیرہ عرب اور خلیج فارس تک وسطی و مغربی ایشیا کے تمام ممالک ایرانیوں کی وسیع سلطنت کے صوبے بن گئے۔ جن پر شہنشاہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم جنہیں سطراب کہا جاتا تھا حکومت کرتے تھے۔ ایرانی شہنشاہ نے خراج لے کر مقامی بادشاہوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جلا وطنی کی پرانی پالیسی جس پر گزشتہ فاتحین عمل کرتے رہے تھے، ترک کر دیں۔

یہاں پر ایک واقعے کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ بادشاہ نے قیام حکومت کے تیسرے سال جشن کے طور پر ایک عظیم الشان ضیافت کی جس میں تمام صوبوں کے وزراء اور امرا شریک تھے ملکہ کو بھی شرکت کی دی گئی جسے اس نے قبول نہ کیا بلکہ

کی اس حکم عدولی پر وزرا اور امرا نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور کسی دوسری کنوری لڑکی کو ملکہ بنانے کے لئے منتخب کر لیا جائے۔ چنانچہ حکومت کے ساتوں مال بادشاہ کی نظر انتخاب ایک اسرائیلی لڑکی آستر پر پڑی۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے اور اسے اس کے چچازاد بھائی مردکی (مردخائی) نامی ایک اسرائیلی نے پالا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں بخت نصر قیدی بنا کر یروشلم سے لایا تھا۔ آستر کے ملکہ بنائے جانے پر اس سے بادشاہ کے وزیر و مشیر خاص ہامان کو جو عمالقمہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، بے حد حسد پیدا ہو گیا چنانچہ اس نے منصوبہ بنایا کہ تمام اسرائیلیوں کو ان کے بال بچوں کے ساتھ قتل کر دیا جائے۔ اس نے بادشاہ کو اسرائیلیوں کے خلاف بوڑھا شروع کیا۔ وہ بادشاہ کے کان ان کے خلاف بھرتا رہا۔ ایک روز اس نے بادشاہ سے عرض کیا حضور! اسرائیلی مملکت کے تمام صوبوں اور شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے دستور قوم سے نرالے ہیں اور بادشاہ کے قوانین کو بھی نہیں مانتے انہیں قوم کے درمیان رہنے دینا مناسب نہیں۔ ان کا وجود مملکت کے لئے خطرہ ہے ان کا ہلاک کر دیا جانا ہی مملکت کے مفاد میں ہے ہامان نے ان کے ہلاکت کے اور بہت سے فائدے بتائے اور ایک گراں قدر رقم شاہی خزانے میں داخل کرنے کی پیش کش کی بادشاہ اس کی باتوں میں آ گیا اور اسرائیلیوں کے ہلاک کر دیے جانے کے حکم پر دستخط کر دیے۔ شاہی فرمان کی نقلیں تمام صوبوں کو بھیج دی گئیں اور ایک دن اور ایک ہی وقت سے اس منصوبے پر عمل شروع کیا گیا۔ مردکی (مردخائی) کو اسرائیلیوں کے خلاف اس سازش کا علم ہوا تو اس نے قصر شاہی کے سامنے گریہ وزاری کی۔ ملکہ آستر کو حالات کا علم ہوا تو اس نے ایک خوجہ سرا سے مردکی

کو کہلا بھیجا کہ تم تین دن تک متواتر روزہ رکھو میں اور میری سہیلیاں بھی روزہ رکھیں گی اور اس حالت میں، میں بادشاہ کے حضور میں جا کر اپنی قوم کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی درخواست کروں گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ملکہ نے بادشاہ کی دعوت کی ہامان کو بھی اس دعوت میں شریک کیا گیا تھا۔ ملکہ نے ہامان کے سامنے بادشاہ کو بتایا کہ ہامان نے اسرائیلیوں کو قتل کرانے کا منصوبہ کیوں بنایا۔ بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ مردکی نے ایک موقع پر جبکہ دو خواجہ سرا بادشاہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے کس طرح بادشاہ کی جان بچائی تھی ملکہ آستر کو یہ بات مردکی کے ذریعے معلوم ہوئی تھی۔ ملکہ نے راز بتانے والے کا نام راز میں رکھا تھا۔ بادشاہ کو ہامان کی اس بدنیتی اور سازش کا علم ہو گیا۔ بادشاہ نے اسے سولی پر چڑھا دیا اور مردکی کو اس کے محل کا مختار بنا دیا ملکہ آستر کی درخواست پر بادشاہ نے فرمان جاری کر دیا اور فوراً تمام صوبوں میں اعلان کرا دیا گیا کہ اسرائیلیوں کو بھی دوسری رعایا کی طرح امن و امان اور عزت سے زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے۔ بادشاہ کے اس فرمان پر پورے ملک میں خوشی مٹتی گئی اور اسرائیلیوں نے مسکھ اور چین کی سانس لی۔ (کتاب مقدس کے باب آستر میں اس واقعے کی تفصیل موجود ہے) مولانا حفظ الرحمن مائرس (فورس) کے بارے میں اپنی مشہور تصنیف قصص القرآن میں لکھتے ہیں۔

یہود کے لئے اس کا عروج و ظہور، آزادی اور امن و اطمینان کا بہت بڑا سبب بنا اسی لئے وہ اس کی شخصیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ان کے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں اس کو ”خدا کا چرواہا“ اور بنی اسرائیل کا

نجات دہندہ کہا گیا ہے۔

سائرس کے بعد اس کا بیٹا کمبائس دوم (کمبوجیہ) تخت نشین ہوا۔ اس نے آٹھ سال حکومت کی۔ یہ چونکہ لاؤلد تھا اس لئے اس کے انتقال کے بعد اس کے والد کے مشیر کا لڑکا دارا ۵۲۱ ق م میں تخت حکومت پر بیٹھا اس نے بھی مشرق و مغرب کی طرف مہمیں روانہ کیں اور دریائے سندھ کی وادی بلکہ پنجاب سے لے کر بحیرہ روم تک بحیرہ خزر و بحیرہ یورال سے لے کر بحیرہ عرب اور خلیج فارس تک وسطی اور مغربی ایشیا کے تمام ممالک جو ایرانیوں کی وسیع سلطنت کے صوبے تھے اس نے ان کی از سر نو تنظیم کی۔ اور تمام علاقوں کو تیسس صوبوں میں تقسیم کیا۔ اس نے صوبے کے لئے مرزبانی اور صوبے کے حاکم کو مرزبان کا لفظ اختیار کیا۔ دارا نے تقریباً پینسٹھ سال حکومت کی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا دارا دوم تخت نشین ہوا ۴۸۵ ق م میں دارا دوم بھی فوت ہو گیا تو اس کی جگہ اس کا لڑکا ارتخششتا بادشاہ بنا اس نے اپنے معتد خاص نجمیا اسرائیلی نبی کو بیت المقدس جانے کا حکم دیا کیونکہ بیت المقدس کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ بادشاہ نے نجمیا نبی کو فوج اور دیگر سازو سامان کے ساتھ بیت المقدس روانہ کیا۔ نجمیا کے وہاں جانے کی وجہ سے بیت المقدس کی تعمیر کے کام میں تیزی پیدا ہو گئی اور بادشاہ کی دلچسپی کی وجہ سے تعمیر کا کام جلد مکمل ہو گیا

ایران میں اس وقت جو اسرائیلی رہائش پذیر تھے وہ سکندر کے ایران فتح کرنے تک آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۳۵۶ ق م میں سکندر کے جانشین اینٹوکس ثانی نے جو ملک شام و ایران کا خود سر حاکم تھا جب ممالک مفتوحہ میں یونانی رسم و

مذہب کو پھیلانا چاہا تو تمام ملک میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشک بن اشکان نامی رئیس نے اسرائیلیوں کی حمایت سے سکندر کے صوبے دار کو قتل کر دیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اشک نے جو حکومت قائم کی وہ اس کے باپ اشکان کے نام پر سلسلہ شاہان اشکانی کہلاتا ہے۔ اشکانی سلطنت کا مجموعہ زمانہ حکومت تقریباً ۴۸۳ سال ہے حدود مملکت جو پہلے تھیں وہ اشکانی عہد میں بھی قائم رہیں یہاں وہ امر کابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد کئی اسرائیلی قبائل نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اگرچہ تعمیر کر لئے تھے جس کے آثار اب تک موجود ہیں

۳۳۶ ق م کا واقعہ ہے کہ ایران کے بادشاہ اردوان ثانی جو خاندان اشکانی کا آخری بادشاہ تھا اور اسرائیلیوں کے ساتھ جس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا حکومت اسرائیلیوں کی تھی۔ اس کے خلاف پارسیوں نے بغاوت کی اور بادشاہ کو قتل کر دیا اور اردوان بن ساسان ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اردشیر نے اسرائیلیوں کے امپیریاں پر کمر باندھی۔ اسرائیلی اس وقت ایران میں رہ رہے تھے۔ ان کے نام سے مشہور تھے۔ شاہ پور اول نے اپنے ایک کتبے میں اس قوم کا ذکر وہ ابغان، کے نام سے کیا ہے شاہ پور سوم کے عہد میں اس قبیلہ کو اپاکان، کے نام سے موسوم کیا گیا ہے 'افغان' اسی لفظ کی بدلی ہوئی شکل ہے اردشیر بابکن نے اسرائیلیوں کو خوب قتل کیا۔ کچھ لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں سرزمینی کی حالت میں وہاں سے نکل پڑے اور جس کا جدھر سنا اٹھا ادھر نکل گیا۔ اسرائیلیوں کے کچھ قبائل خراماں بخارا اور وادی دریائے سندھ میں اشوریوں کے زمانے سے آباد چلے آ رہے تھے چنانچہ کچھ گروہ ان کے پاس آ کر آباد ہو گئے۔ یہ علاقہ چونکہ کافی

زرخیز تھا ان کی گزر اوقات اچھی طرح پہنے لگی - یہاں انہوں نے کافی طویل عرصہ گزارا اور پختون کے نام سے مشہور ہوئے جیسا کہ پہلے ہم نسل لوگ بنی پخت پختون کے نام سے پکارے جاتے تھے اسرائیلیوں کے جو قبائل دریائے جیحون اور سیحون کی وادی اور بدخشان کے جنوبی علاقے میں آباد تھے جب ان پر بیرونی حملہ آوروں کا دباؤ پڑا تو وہ بھی وہاں سے نکل جانے پر مجبور ہوئے ادھر وادی دریائے سندھ و خراسان پر بھی انقلاب کے بادل منڈل لانے لگے چنانچہ ان کی نظریں اپنے ان ہم نسل لوگوں پر پڑیں جو موجودہ افغانستان کی پہاڑیوں، غور، غرjestان قومستان اور کوہ قفس میں بیرونی حملہ آوروں سے دور و محفوظ زندگی گزار رہے تھے - چنانچہ وادی دریائے سندھ اور خراسان میں مقیم اسرائیلی بھی وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے اور سب نے رخت سفر باندھا اور زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقوں کو چھوڑ کر انہی پہاڑوں میں آکر آباد ہو گئے - یہاں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ ضرور تھے لیکن ان پہاڑوں میں زندگی کا سرو سامان مفقود تھا - ان کی گزر اوقات نہایت مشکل سے ہوتی تھی اور پہاڑوں کے درمیان ان کی زندگی قید و بند کی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی - دشمن کی نگاہ سے دور و محفوظ علاقے کا حدود اربعہ اس طرح تھا - شمال میں نیشاپور جنوب میں مکران مغرب میں بادید ایران (صحرائے اعظم جسے دشت لوط بھی کہتے ہیں) اور کچھ حصہ کرمان اور مشرق میں ہرات واقع تھا اور دریائے اسفراز بہ رہا تھا اس میں ایک علاقے کا نام پشت یا پخت تھا یعنی قوم پختون کا علاقہ اس کو مرکز کی حیثیت حاصل تھی -

ان پہاڑوں کے مشرق اور شمال کی طرف کابل اور قندہار کے میدانی علاقوں میں آریہ نسل کے لوگ آباد تھے - اس دوران میں

بدھت نے عروج حاصل کیا کچھ عرصے بعد ہندو دوبارہ بر سر اقتدار آ گئے جس کا ثبوت تاریخ اور آثار قدیمہ سے ملتا ہے یہاں یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وہ ساتھی جو صوبہ جات ایران میں آباد تھے اور سائرس بادشاہ کے زمانے میں یروشلم واپس چلے گئے تھے اور ان کے جانے سے پہلے جو یروشلم میں آباد تھے ان سب لوگوں پر کیا ہستی - قلم کے حتی تاریخ شام میں ایک جگہ لکھتا ہے :

عزیرت عیسوی کے بعد رومیوں نے یروشلم پر حملہ کر کے پانچ ماہ تک محاصرہ جاری رکھا - آخر ستمبر ۸۰ ع میں یروشلم شہر فتح کر لیا - محصور شہر کے درد ناک انجام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب رومی سپاہیوں نے شہر پر حملہ کیا تو محصور خاندانوں نے باہم سب کو مار دینے کا عہد کر لیا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا - ان حالات کا نتیجہ ایسے مورخ کے قلم سے کھینچا گیا ہے جو خود جنگ میں شریک تھا - شوہروں نے انتہائی محبت کے ساتھ بیویوں سے معاف کیا ، بچوں کو گود میں اٹھایا انہیں پیار کیا دونوں طرف بوسے دیے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی لیکن وہ جو عزم کر چکے تھے اسے پورا کئے بغیر نہ رہے اور اسے اس طرح پورا کیا گویا یہ سب کچھ اجنبیوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے - انہیں اندازہ تھا کہ اگر دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو انہیں کن اذیتوں سے سابقہ پڑے گا... وہ بڑی بری حالت میں تھے لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا انہیں ایک کم تر درجے کا گناہ معلوم ہوا

شہر تباہ کر دیا گیا ، ہیکل کو آگ لگا دی گئی نو سو پچاسی دیہات برباد ہوئے ۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ دس لاکھ یہودی اس جنگ میں تباہ ہوئے ، بہت سے قیدی بنا لئے گئے اور انہیں روم لے جایا گیا ۔ اس سے پیشتر اشوری اور کلدانی ، یہودیوں کو جا بجا منتشر کر چکے تھے ۔ اس انتشار کی تاریخ میں ایک روسی باب کا اضافہ ہوا ،

ابن خلدون نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے :

” اس اثنا میں طیش (طیطوس) روسی نے بیت المقدس فتح کر کے بے شمار مال غنیمت اور لاتعداد یہودی قیدیوں کو روم میں اپنے باپ کے پاس بھیجا ۔“

ابن کریوں کہتا ہے :

” اس حادثہ میں چھ لاکھ یہودی مارے گئے اور تقریباً ایک لاکھ گرفتار کر لئے گئے ۔ رومیوں نے ان قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا ۔ بیت المقدس سے روم آتے ہوئے راہ میں یہودیوں کو جیتے جی درندوں کے سامنے ڈال دیتے تھے بعض کو بورے میں باندھ کر شکاری کتوں کے سامنے بھیج دیتے تھے اور وہ انہیں بھاڑ ڈالتے تھے ۔ جنہیں روم لایا گیا تھا ان میں سے بعض پر رومی بچے فنون جنگ کی تعلیم کے دوران میں اپنا ہاتھ صاف کرتے تھے

یہ واقعہ بنائے بیت المقدس کے گیارہ سو ساٹھ سال بعد ہوا ، القصہ ایران کی حکومت بھی اس وقت کمزور ہو چکی تھی اور ان کے

مشرقی مقبوضات کے نظم و نسق میں ضعف آچکا تھا جیسا کہ مید عبد الجبار شاہ اپنی تصنیف ” بنی اسرائیل یا ملت افغانہ “ میں تاریخ رحمت نصر قدیم کے حوالے سے لکھتے ہیں :

” شمشاہ تاتار نے ایک خط میں فسطیطیہ (اور شام) کے شمشاہ ایکس کام فی سن (کیلی نے سن) کو اپنے ملک تاتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس دریائے آمو (جیحون) کے پار بنی اسرائیل کے دس قبیلے رہتے ہیں جو اگرچہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ بخاری رعیت اور غلام ہیں ۔“

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسرائیلیوں کے دس اور یہودا کے دو قبائل نے ایفوا اور بابل کے حکمرانوں سے بہت تکالیف برداشت کیں ان قبائل کی بڑی تعداد کو قیدی بنا کر خراسان اور ایران کے مختلف مقامات پر آباد کیا گیا ۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کی نشاندہی اور مختصر سی تشریح کر دی جائے ۔

یہ وہی لوگ تھے جو بعد میں ساسانیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور ایک عرصہ کے بعد تاتاریوں کے حملوں اور ان کی یلغاروں کی وجہ سے دوبارہ نقل مکانی پر مجبور ہوئے اور اپنے تحفظ کے لئے اپنے ہم نسل لوگوں کے ساتھ کوہ قفس ، غور ، غرجستان اور قوہستان میں آباد ہو گئے ۔ اس وقت صرف یہی ایک علاقہ تھا جسے محفوظ سمجھا جا سکتا تھا ۔ یہ سب لوگ یہاں آ کر آباد ہو گئے اور اسلام قبول کرنے تک یہیں آباد رہے فتوح البلدان جلد دوئم اس علاقے کے متعلق لکھتا ہے ۔

جنگ کے خیال سے انہیں صرف دیکھنے کے واسطے عربوں نے

دشت پشت کی راہ لی ان میں سے بہتیرے بھوک اور پیاس سے ہلاک ہو گئے مجبوراً واپس لوٹے اور کابل کے طرف بڑھے ۔

خراسان

قدیم فارسی زبان میں خراسان کے معنی مشرقی زمین کے ہیں ۔ زمانہ وسطی کے ابتدائی دور میں اس کا اطلاق اس ملک پر ہوتا تھا جس میں وہ تمام اسلامی صوبے شامل تھے جو بادیہ ایران کے مشرق سے شروع ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں کی سرحد تک واقع ہوتے تھے ۔ خراسان کے حدود شمال مشرق میں تمام ممالک ماوراء النہر (دریائے جیحون کے اس پار) اور جنوب میں سجستان اور قوہستان شامل ہو جاتا تھا وسطی ایشیا کی طرف خراسان کی سرحد دشت چین اور ہندوستان کی طرف ہندوکش کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی ۔

عربوں کے زمانہ وسطی میں خراسان کو آسانی کی غرض سے چار ربعوں میں تقسیم کیا گیا تھا ۔ یہ چاروں ربع چار بڑے شہروں کے نام پر تھے ۔ جو مختلف زمانوں میں خراسان کے دارالحکومت بھی رہے تھے یہ چاروں ربع نیشاپور ، مروے ، ہرات اور بلخ تھے ۔

ہرات کے متعلق زندہ الاخبار عبدالرحمن قاسمی تاریخ قدیم ہرات میں ابوالمعاس معمری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ :

خراسان میں بہترین مقام ہرات ہے اور ہرات ہر متر انبیا علیہم السلام نے دعائے خیر کیا ہے ۔

دریائے جیحون فارسی بولنے والی قوموں اور ترکوں کے درمیان یعنی ایران اور توران کے مابین حد فاصل تھا ۔ عرب ان تمام لوگوں

کو تورگ کہتے تھے جو غیر ایرانی تھے اور دریائے جیحون کے شمال مشرق میں رہتے تھے ۔ اس دریا آس کے پار اس نام کے علاوہ اس ملک کو ہیتل بھی کہتے تھے ۔ ہیتل ایک قوم تھی جو پانچویں صدی عیسوی میں سلطان ماسان کی شدت سے دشمن رہی ۔ انگریز ان کو سفید پن کہتے تھے ۔ ان کا تعلق تاتاری نسل سے تھا ۔ کامل ابن اثیر نے لکھا ہے کہ :

ہیاطلہ (ہیتل) تبت اور ترک باشندے تھے ۔

جیحون اور سیحون دریاؤں کے نام عربوں نے یہودیوں سے سن کر اختیار کئے تھے جو شام میں انہی ناموں سے موجود تھے ۔ ربعہ نیشاپور میں ایک علاقہ شامات تھا ۔ یعنی شام والوں کی مسکن ، اہل ایران اسے طاق آب کہتے ہیں ۔ یہ علاقہ بہت زرخیز تھا مروے کے قریب علاقہ ہرمزقرہ شہر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر باشان (بسان) شہر واقع تھا ۔ اسی نام کا ایک علاقہ شام میں دریائے اردن کے

پانچ خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا ۔ اس کے سات دروازے تھے ۔ ان میں سے ایک باب کا نام باب ہندوان تھا اور ایک کا نام باب الیہود تھا یہاں ہر حزقیل نبی کی قبر ہے جو وہاں آباد جلا وطن اسرائیلی قیدیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے تھے ۔ انہوں نے تمام عمر وہیں بسر کی اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے ۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے :

یہاں ہر حضرت حزقیل نبی کا مزار ہے ۔ اس پر ایک قبہ بنا ہوا ہے جس کی ہم نے زیارت کی ۔

ایک اور نبی کے متعلق جغرافیہ خلافت مشرقی میں درج ہے :

بیت المقدس سے منتقل کیا تھا۔ بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے میمنہ (سبارک شہر) کر دیا گیا۔

جنرافیہ خلافت مشرقی میں جی لی اسٹریٹج نے بھی اسی طرح میمنہ کا ذکر کرتے ہوئے آگے اسپہان کے بارے میں لکھا ہے کہ :
 ” یہاں پہلو بہ پہلو دو شہر آباد تھے۔ مشرق میں ”جے“
 تھا جس کی فصیل تھی اور فصیل ہر سو برج تھے اور مغرب میں
 الیہودیا یعنی یہودیوں کا شہر جو ”جے“ سے دگنا بڑا تھا
 الیہودیا کے بارے میں یہ روایت ہے کہ یہ نام یہودیوں کی
 وجہ سے پڑا تھا۔ جو یہاں قدیم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے
 زمانے میں آباد کئے گئے تھے۔ الیہودیا اور جے کی آب و ہوا
 بیت المقدس کی سی تھی“

الغرض علاقہ جوزان یا جوزجان کے بڑے بڑے شہروں میں
 ہر ایک زمانہ وسطی میں بڑے درجے کا شہر تھا مگر اب اس کا وجود
 باقی نہیں رہا اس کی جگہ آجکل جو شہر آباد ہے اسے خیرآباد کہا
 جاتا ہے۔ ابن ہوکل کی تحریر کے مطابق الیہودیا اور فاریاب کے
 درمیان میں موسان (موسلیان) نامی شہر آباد تھا جو تقریباً الیہودیا کے
 برابر تھا۔ اب اسے ندیان کہتے ہیں۔ اسی پہاڑی علاقے میں مسان نام
 کا ایک چھوٹا سا شہر بھی تھا۔ نیز ایک اور شہر برکان یا شبوغان تھا
 جو اب تک موجود ہے۔ یہ شہر علاقہ جوزجان کا مرکزی شہر تھا اور
 جوزجان کا حاکم یہاں رہتا تھا الیہودیا یا میمنہ اس کا بعد دارالحکومت
 بنا اس کے جنوب میں ایک دن کی راہ پر اور اتنے ہی فاصلے پر الیہودیا
 سے مشرق کی جانب انبار نام کا ایک شہر تھا چونکہ عراق والے انبار

ساوا کا شہر جو ہمدان اور مروے کے وسط میں خراسان والی
 شاہراہ پر واقع تھا۔ اس کے چار میل مغرب میں حضرت سماؤل
 نبی کا مزار تھا۔

مولف لب لباب لکھتا ہے:

”کیقباد (کمبوچہ پسر خورس، کورش، سائرس) کے زمانے
 میں بلخ اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کے انبیاء حزقیل
 الیاس، اور سماؤل علیہم السلام بیک وقت موجود تھے۔

الیاس نبی جو غازی پیغمبر سے مشہور ہے، باجوڑ کے جنوب میں
 علاقہ اتمان خیل کے رنگ برنگ میں دفن ہے جو بہت مشہور ہے
 دارالحکومت بلخ کو چھوڑ کر یہ ربیعہ مغرب میں جوزجان
 اور مشرق میں طخارستان کے دو بڑے علاقوں میں منقسم تھا۔ جوزجان
 یا جوزان ربیعہ بلخ کا مغربی علاقہ تھا جس میں سے مروے روز سے جانے
 والی سڑک گزرتی تھی۔ جوزجان کا تمام علاقہ نہایت زرخیز تھا۔
 مروے روز سے تین منزل کے فاصلے پر بلخ کی طرف طالقان نامی شہر
 تھا۔ پہاڑوں میں جوزان کا شہر تھا۔ جہاں علاقہ جوزان کا حاکم
 گرمی کے موسم میں رہا کرتا تھا۔

شہر میمنہ جو طالقان سے دو منزل آگے بلخ جانے والی سڑک
 پر تھا اب بھی ایک با رونق شہر ہے۔ عہد وسطی کے ابتدائی زمانہ
 میں یہ شہر الیہودان یا الیہودیا کہلاتا تھا اور جوزجان کا صدر مقام
 سمجھا جاتا تھا۔ یاقوت مورخ نے اس کا نام جہود الکبریٰ لکھا ہے۔
 وہ لکھتا ہے کہ :

اس میں پہلے یہودی آباد کئے گئے تھے۔ جنہیں بخت نصر نے

کے جلا وطن یہودی یہاں آباد ہو چکے تھے اس لئے یہ نام پڑ گیا تھا جسے اب سرپل کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ انبار نامی ایک گاؤں علاقہ باجوڑ میں اور دوسرا تحصیل ضوایی میں قوم افغان کے مسکن ہیں۔ شرح طبقات ناصری میں عبدالحی حمیدی لکھتا ہے!

جوزان (جوزجان) کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جوزجان ایک مشہور علاقہ تھا جو ربع بلخ کا مغربی حصہ تھا اور دریائے آمو تک پھیلا ہوا تھا۔ جنوب میں دریائے ہرمند، مشرق میں بامیان اور حدود غزنی تک چلا گیا تھا اور مغرب میں ہرات اور دریائے مرغاب اس کے متصل تھے۔ اس علاقے میں سیمنہ جس کا پہلا نام الیہودیہ تھا اور انبار جس کا موجودہ نام سرپل ہے یہ علاقہ ۳۳ھ میں احنف بن قیس نے فتح کیا۔

یہ وہی جوزان ہے جس کا ذکر کتاب مقدس (تورات) میں اسرائیلیوں کی جلا وطنی اور یہاں بسانے کے سلسلے میں ہوا ہے۔ القصہ! ہر قوم جہاں جہاں آباد ہوتی ہے اور کچھ عرصہ بعد جب وہ دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے تو وہاں کچھ نشان ضرور چھوڑ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر بدھ مت، آریں اور ہندو اقوام نے جہاں جہاں بود و باش اختیار کی تھی آثار قدیمہ سے ان کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اسی طرح افغان قوم نے بھی اپنے نشانات چھوڑے ہیں جن کا ذکر آئندہ سطور میں آ رہا ہے۔

ان علاقوں میں آباد ہونے کے بعد ان کو پختون اور افغان کے نام سے پکارا جانے لگا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے بنی اسرائیل کے دس قبیلے جن کو نینوا کے بادشاہ نے خراسان کی طرف بھیجا تھا کچھ

عرصہ بعد شاہ نینوا کے لشکر نے بیت المقدس پر چڑھائی کی اس نے بادشاہ یہودا کو باجگزار بنا لیا اور تباہی و بربادی کے ساتھ ساتھ یہودا کے دونوں قبیلوں سے دو لاکھ ایک سو پچاس قیدی بنا کر اسرائیل کے ان دس قبیلوں کے پیچھے روانہ کیا کتاب مقدس کے باب یرمیاہ میں نصیحت بنام سوآب سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قیدیوں میں بہت زیادہ تعداد بنی پخت سوآب کی تھی وجہ یہ کہ ان کا علاقہ موجودہ اردن میں دریائے اردن سے جانب مشرق تھا اشوریوں کا سامنا اور مقابلہ پہلے الہی سے ہوتا تھا کونکہ یروشلیم پہنچنے میں بنی پخت ہی راستے میں مانع تھے۔ اور اشوریوں کا راستہ صرف یہی تھا جس کو ہار کر کے وہ یروشلیم پہنچتے بنی پخت نے سخت مقابلہ کیا ہوگا مگر شکست کھا کر قیدی بنا لئے گئے جو قید و بند اور مرنے سے بچے ہوئے وہ مغرب کی طرف دریائے اردن ہار کر کے یروشلیم پہنچے ہوئے کتاب مقدس کے باب یرمیاہ میں درج ہے حضرت یرمیاہ اسرائیلی حکومت کے خاتمے کے بعد یہودا میں نبی مبعوث ہوئے۔ وہ بنیامین اور بنی یہودا کے دونوں قبیلوں کی ذیلی شاخوں تک باری باری پہنچے اور نصیحتیں کی اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ بادشاہ یہودا کو بھی نصیحت کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ یہاں پر صرف بنو پخت سوآب کے متعلق حضرت یرمیاہ نبی کی پیشگوئی کا اقتباس ذیل میں درج ہے سوآب کی بابت اللہ پاک یوں فرماتا ہے :

اب سوآب کی تعریف نہ ہوگی سوآب برباد ہوگا اس کے بچوں کے لوحہ کی آواز سنائی دیتی ہے۔

غارت گر ہر ایک شہر ہر آئیگا۔ سوآب کو ہر لگا دو تا کہ آڑ جائے کونکہ اس کے شہر اجاڑ ہونگے۔ ان میں کوئی بسنے والا نہ ہوگا۔

موآب ابتدا ہی سے آرام سے رہا ہے نہ تکلیف پہنچی نہ اسیری میں گیا اب یہ بد مست اور نافرمان ہوئے ہیں خدا تعالیٰ ان پر جابر حملہ آور بیجھینگے تاکہ ان کو چکنا چور کریں ۔ جس طرح تمہارے عزیز سلطنت اسرائیلیہ کو اپنے اوپر بھروسہ تھا رسوا اور تباہ ہوا تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم پہلوان ہیں اور جنگ کے لئے زبردست مورما ہیں لیکن من لو موآب غارت اور اس کے شہروں کا دھواں اٹھیگا ۔ اور اس کے چیدہ جوان قتل ہونے کو ہیں اور نزدیک ہے کہ موآب پر آفت آئے ۔ ارد گرد والو سب اس پر افسوس کرو اور تم سب جو اس کے نام سے واقف ہو کہو کہ یہ موٹا عصا اور خوبصورت ڈنڈا کیونکر ٹوٹ گیا ۔

موآب کا سینگ کاٹا گیا اور اس کا بازو توڑا گیا ۔ کیونکہ یہ نافرمان ہوئے موآب اپنی قے میں لوٹیگا اور مسخرہ بنے گا کیا اسرائیل (اسرائیلی سلطنت) تیرے آگے مسخرہ نہ تھا ۔ اے موآب کے بشندو شہروں کو چھوڑ کر جٹانوں پر جا بسوگے اور کبوتر کے مانند بنوگے جو گہرے غار کے منہ کے کنارے ہر آشیانہ بناتا ہے ۔

موآب کے سب گھروں کی چھتوں پر اور اس کے بازاروں میں بڑا ماتم ہوگا کیونکہ میں نے موآب کو اس برتن کی مانند جو پسند نہ آئے توڑا ہے ۔ وہ واویلا کریں گے اور کہیں گے کہ اس نے کیسی شکست کھائی ۔ موآب نے شرم کے مارے کیونکر اپنی پیٹھ پھیری ۔ پس موآب سے ارد گرد والوں کے لئے ہنسی اور خوف کا باعث ہوگا ۔ کیونکہ دشمن عقاب کی مانند اڑیگا اور موآب کے خلاف بازو پھیلائے گا وہاں کے شہر

اور قلعے لئے جائیں گے اور اس دن موآب کے بہادروں کے دل زچہ کے دل کی طرح ہونگے ۔ اور موآب ہلاک کیا جائے گا ۔ اس لئے کہ خدا سے باغی ہوئے ۔

اے ساکنان موآب جو کوئی دہشت سے بھاگے گڑھے میں کریگا ۔ اور جو گڑھے سے نکلے دام میں پھنسیگا ۔

ہائے تجھ پر اے موآب کموس کے (اشوری) لوگ ہلاک ہوئے کیونکہ تیرے بیٹوں کو اسیر کر کے لے گئے اور تیری اہلیاں بھی اسیر ہوئیں ۔

یرمیاہ نبی نے جو نصیحت فرمائی تھی ، اس پر کان نہ دھرا کیا ان کی پیشگوئیاں حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں ۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ بعد اشوریوں کی فوج سیخرب کی امارت میں یہودیوں پر چڑھ آئی وہ جب موآب ۔ (شرق اردن) سے فارغ ہوا تو یروشلم پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ وہاں کے یہودیوں نے اپنے نبی کے ذریعہ خدا سے دعا کیا کہ ان کی زاری کی اور توبہ کی جس کے نتیجے میں خدا نے معاف کر دیا اور دشمن ہر ایسا مرض لایا کہ ایک رات میں دشمن کے ایک لاکھ پچاسی ہزار لشکری مر گئے یروشلم دشمن سے محفوظ رہا لیکن ارد گرد کا علاقہ برباد ہو گیا ۔ یہودا کے بادشاہ حزقیاہ کم تخت پر قبضہ جمائے کی اجازت مل گئی لیکن اسے تمام بقایا خراج ادا کرنا پڑا ۔

سیخرب واپس ہو گیا ۔ لیکن موآب (شرق اردن) میں بمطابق پیشینگوئی یرمیاہ نبی ”وہ سب کچھ ہوا جن کے متعلق کہا گیا تھا اور سیخرب کے دعوے کے مطابق یہاں سے دو لاکھ ایک سو پچاس یہودیوں کو گرفتار کر کے یروشلم پہنچنے سے قبل ان کو نینوا کی

طرف روانہ کیا تھا۔ پھر ان قیدیوں کو مملکت اسرائیل کے اسیروں کے بیچھے مشرق کو روانہ کیا مسخیر کر کے حملے کا اثر یہ ہوا کہ یہود اور بھی کمزور ہو گیا اور اس کی قوت مزید گھٹ گئی بنی پخت سوآب کے متعلق کتاب مقدس باب تواریخ سے اقتباس۔

بنی پخت سوآب طاقت اور اقتدار بھی رکھتا تھا۔ حضرت داؤد کے عہد حکومت میں ان کے مورثیان اعلیٰ، جو یوآب، یوشع، ابیشے اور عسائیل تھے سب حکومت پر حاوی تھے اور یوآب وغیرہ کے مشورہ ہی سے سب کچھ ہوتا بلکہ بعض اوقات تو حضرت داؤد نے شکوہ کی صورت میں ان کی زبردستی اور بالادستی اور سر تیزی کا اظہار بھی فرمایا ہے اور حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں بھی انہی کا زیادہ اثر تھا۔ دونوں زمانوں میں پوری فوج بھی ان ہی کی سر پرستی میں تھی

باب سموئل سے ظاہر ہے کہ بنی پخت کے مورثیان اعلیٰ، یوآب، ابیشے، اور عسائیل، حضرت داؤد کی بڑی بہن ضروبا بیٹھے تھے ”بابل سے آنے کے بعد بیت المقدس کو نئے سرے سے بنانے میں بھی انہی لوگوں کی اولاد کا بڑا ہاتھ تھا۔ واضح رہے کہ اشوریوں کے بعد بخت نصر یروشلم سے جو لوگ قیدی بنا کر لائے تھے انہی میں یہ لوگ بھی تھے۔ چنانچہ کتاب مقدس باب عزرا میں درج ہے۔

سائرس (اخویرس) شاہ ایران کے فرمان سے قیدیوں کو واپس یروشلم بیجھنے پر انہیں واپس شدہ گن میں سے صرف اس قبیلہ بنی پخت سوآب کے جو یوشع اور یوآب کی اولاد میں سے ہیں دو ہزار آٹھ سو بارہ (یا اٹھارہ) افراد تھے۔

اور دوسری دفعہ ارتخشستا بادشاہ کے وقت میں عزرا نبی

کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں جو یروشلم پہنچے تو بنی پخت سوآب میں سے دو سو مرد تھے۔

آگے درج ہے کہ۔

بنی پخت سوآب سے جن آٹھ آدمیوں نے غیر نسل کی عورتوں سے شادیاں کی تھیں، انہوں نے عزرا نبی کی ہدایت سے ان عورتوں کو طلاق دے کر چھوڑ دیا تھا۔

اس کے آگے درج ہے۔

بیت المقدس کی تعمیر کے دوران سلیمان بن خارم اور حسب (سرداران) بنی پخت سوآب نے دوسرے حصے اور تنوروں کے ارج کی مرمت کی۔

ان خادوں لکھتا ہے

یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا بھانجا تھا جو سوربا کے نام سے مشہور ہے وہ حضرت داؤد کا وزیر رہا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ابتدائی زمانے میں بھی وزیر رہا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ یوشع بن شارخ وزیر بنا۔

مختصر یہ کہ وہ پہلے دس اسرائیلی قبائل خراساں وغیرہ میں جہاں جہاں آباد کئے گئے تھے۔ یہ دوسرے نووارد یعنی بنو پخت سوآب کے جلا وطن قیدی بھی ان کی بستیوں میں پہنچائے گئے۔ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے جان پہچان ضرور تھی کیونکہ مفارقت میں اتنا وقت نہیں گزرا تھا جو ایک دوسرے کو بھول جاتے۔

پختون کی وجہ تسمیہ میرے خیال میں یہ ہے۔

جیسے جیسے بنی پخت وغیرہ پہلے آباد شدہ اسرائیلیوں کے پاس پہنچے تو وہ لوگ ان کو بنی پخت بولتے تھے اور ایک عام آواز نکلی ہوگی کہ بنی پخت آئے۔ اس کا اثر یہ ہوا ہوگا کہ انہوں کے علاوہ جو ان کو خوب جانتے تھے، غیر نسل والوں نے بھی جب یہ آواز سنی ہوگی تو وہ بھی ان کو پخت پکارنے لگے ہونگے۔ چونکہ یہ سب تو ایک برادری کے لوگ تھے۔ یہ نام پخت ان پر بھی حاوی ہوا جو پہلے آباد ہو چکے تھے۔ صرف اتنا ہوا کہ بنی پخت سے اس وقت ایک قبیلہ مراد تھا۔ لہذا بنی کا لفظ نکال کر صرف پخت اور نسبت کے لئے ن لگا کر پختن اور وقت گزارنے پر پختون ہوا۔ جو کل پوری قوم کا نام بن گیا اور اس سے ان کی وحدت اور یکجہتی پیدا ہوئی۔ یہ لوگ اگرچہ منتشر حالت میں اپنی برادری کے لوگوں میں جگہ جگہ بسائے گئے اور ان کی آبادیاں بھی غیر قوموں میں شامل تھیں مگر اس کے باوجود کچھ مقامات ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں کہ وہاں مشرق اردن کی وادی بنی پخت موآب کی نسبت سے یہ نام ہیں۔ جو پختون قوم کے نشانات ہیں۔ مثلاً نیشاپور کے جنوبی علاقہ میں پخت، ہشت، کا علاقہ۔ دوئم پختیا، پکتیا، جو گردیز سے جانب مشرق واقع ہے۔ موئم باجوڑ میں پخت، ہشت، کا علاقہ اور مرکزی قصبہ ہے۔

اور اس کے علاوہ پختون قوم اور پختو زبان کی ایک اہم نشانی وجہ تسمیہ خوارزم بھی ہے۔ زبدہ و اخبار اور ایک اور کتاب قلمی نسخہ، خوارزم کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

ارد شیر ساسانی شاہ ایران کے حکم سے یہاں اس دشت میں چار سو اسرائیلی سخت سزا دینے کے طور پر بھیجے گئے تھے۔ خیال تھا کہ

یہ لوگ وہاں دشت و بیابان میں ذریعہ معاش نہ ہونے کی سبب مر کھپ جائیں گے۔ مگر خلاف توقع جب کچھ عرصہ بعد جا کر دیکھا گیا تو انہوں نے ہانی (جیحون) کے کنارے جھونپڑے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں رہتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ تمہارا گزارہ یہاں کسے ہوا۔ انہوں نے جواب دیا، خوارزم، جس کا مطلب ان کی زبان میں یہ تھا کہ ہانی میں جو بھی چیز ملی اس کے گوشت پر وقت گزارا یعنی سچل کے گوشت پر۔ خو ارزم، (خو=گوشت، ار= ناقص قسم، م=ہانی) کے الفاظ قابل غور ہیں۔

مختصر یہ کہ سارے جلا وطنوں کا قومی نام پختون ہوا اور اس نام کے تحت سارے قبیلوں نے اپنے اپنے نام ذیلی شاخوں کی شکل میں بھی قائم رکھے۔ اور اپنے مساکن پر کوئی نسب قبائلی نام رکھا اور کوئی شام وغیرہ کی دیہاتی آبادی کے ناموں پر موسوم ہوئے۔ اور کوئی گزشتہ اقوام کے پرانے ناموں پر یاد ہوتے ہیں جو گزشتہ زمانہ میں یہاں سکونت پذیر رہے ہیں

الافغان

پخت نصر جو قیدی بابل لایا تھا اور وہ کچھ بابل کے نواح اور بعض ایران کے ملک میں آباد کئے تھے ابتدا میں یہ لوگ موسایان اور ملیحانان کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد افغان کے نام سے موسوم ہوئے۔ ساسانیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جب یہ لوگ ایران کے ملک سے بہاں خراسان وغیرہ پہنچے تو انہیں افغان ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ دونوں جتھوں کے باہم ملنے پر پختون اور افغان دونوں نام اس علاقہ میں رائج ہوئے۔

عرب اب بھی سلیمانی کہتے ہیں جیسا کہ ارمیا و برخیا علیہم السلام اور آصف و افغنہ و ملک طالوت وغیرہ وغیرہ بھی اسی قوم کے اکابر گزرے ہیں اور افغنہ بہت نامور ہستی یاد کی جاتی ہے اس وجہ سے ساری قوم کو دونوں ناموں پر اتفاق ہونا دشوار نہ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ افغان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں افغان اکابر و مشائخ اور افغان مورخین قدیم سے بتواتر اس پر متفق ہیں کہ اس قوم نے اپنا نام افغان بن ارمیا، بن طالوت علیہ السلام کی نسبت سے اختیار کیا ہے۔

لقد کان فی قصصہم عبرة لاولی الالباب

باب دوم

جیسا کہ باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بنی اسرائیل افغان (پختون) پہاڑوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ روایت ہے کہ سرور کونین حضرت محمدؐ کے زمانے میں حضرت خالد کی طرف سے افغانوں کو پیغام ملا۔ کیونکہ ان کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ اس پر افغانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور قیس کی سرکردگی میں جو اس قبیلہ کے بزرگ ترین آدمیوں میں سے تھے، ایک وفد سربراہ اور وہ اشخاص کا مدینہ منورہ بھیجا۔ خالد کی وساطت سے رسول کریمؐ سے ملاقات کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول کریمؐ نے انہیں اور ان کی قوم کو دعا دی اور ہدایت کی کہ وہ واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ نیز قیس کا نام عبدالرشید رکھا۔ یہ لوگ خوش خوش واپس آئے اور اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ رفتہ رفتہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ قیس نے ۴۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وصلی کے علاوہ اپنے پیچھے اصلی اولاد بھی چھوڑی۔ لیکن ہر افغان ان کا وارث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

یہ چونکہ اہل کتاب تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر بھی ان کا ایک وفد یروشلم گیا تھا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے

مبعوث ہونے کے بعد بعضوں نے ان کے دین کو بھی قبول کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت محمدؐ نبی آخر الزمان آئیں گے۔

چنانچہ وفد کے وہاں بھیجنے پر جب ان پر حقیقت واضح ہو گئی تو رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو ان کا شرف بہ اسلام ہونا وقت کا تقاضا تھا اس لئے کہ یہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ مغرب کی طرف ماسانیوں کی حکومت تھی جو ان کے سخت دشمن تھے اور ان ہی کے ظلم و ستم کی بدولت وہ ایران سے نکل کر یہاں پہاڑیوں میں رہنے پر مجبور ہوئے تھے۔ مشرق اور شمال کی طرف زابلستان، سیستان اور کابل تک تاتاری آریں مذہب اور نسل کے لوگ آباد تھے جن کی طاقتور حکومتیں قائم تھیں اور جنوب کی طرف مکران کا علاقہ تھا جس میں بلوچ قوم آباد تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رسول کریمؐ کے مبعوث ہونے کی خبر سنتے ہی یہ اس طرف مائل ہو گئے اور ان میں ایک نئی زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ چونکہ وہ علاقہ جہاں یہ لوگ رہتے تھے۔ کافی وسیع تھا۔ اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ ان سب کے اسلام قبول کرنے میں کافی وقت صرف ہوا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران میں ابوموسیٰ نے خوزستان فارس اور مکران پر حملے جاری رکھے۔ جس وقت وہ سلوس پہنچے تو اہل سلوس قلعہ بند ہو گئے۔ ابوموسیٰ نے ان کا محاصرہ کیا جو کئی دن تک جاری رہا۔ جب اہل سلوس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہا تو انہوں نے اسان چاہی اور ان کے مرزبان نے درخواست کی کہ ان میں سے ۸۰ آدمیوں کو اسان دی جائے تو وہ شہر کا دروازہ کھول دے گا اور حکم تسلیم کر لے گا۔ ابوموسیٰ

نے اس کی درخواست منظور کی۔ اس نے ۸۰ آدمی چن لئے۔ مگر اپنے تئیں ان میں شامل نہ کیا۔ جن لوگوں کو اسان دی گئی وہ اسان میں رہے۔ مرزبان کو قتل کر دیا گیا۔ ابوموسیٰ نے ان کے قلعے میں ایک مقام دیکھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ دانیال نبیؑ کی لاش ہے حضرت دانیال کو بخت نصر بیت المقدس سے قیدیوں کے ہمراہ لایا تھا۔ اور سلوس میں معہ اہل خاندان کے نظر بند کر دیا تھا اور انہوں نے یہیں وفات پائی۔ تبرک کے طور پر لاش کو محفوظ رکھا تھا۔ ابوموسیٰؓ نے یہ قصہ حضرت عمرؓ کو لکھا۔ جواب آیا کہ کفن دو اور دفن کر دو۔ چنانچہ انہوں نے دانیال کو دریائے کرخہ کے کنارے دفن کر دیا۔ اور آگے بڑھے۔ فارس فتح کیا اور کرمان کے آخر میں کوہ قفس پہنچ گئے۔ یہاں ان کا مقابلہ ایرانی اور بلوچ قوم سے ہوا۔ کوہ قفس میں اس وقت خشئی افغان (پختون) قبائل آباد تھے۔ جنہوں نے ان کی اچھی طرح آؤ بھگت کی اور اسداد کی۔ اسلامی لشکر کے پاس راشن کی کمی تھی۔ انہوں نے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ذبح کرنے کے لئے پیش کیں۔ اسلامی لشکر کے سربراہ نے قیمت ادا کرنی چاہی۔ اور اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھا۔ کہ بخت (پخت) کے اونٹ ہمارے اونٹوں سے زیادہ موٹے ہیں۔ ان کی قیمت کیا ادا کی جائے؟ جواب ملا کہ قیمت گوشت کے تناسب سے ادا کی جانی چاہئے۔ چنانچہ اس تناسب سے قیمت ادا کی گئی۔ بخت سے مراد یہاں پخت (پختون) ہیں۔ تاریخ طبری نے بھی یہ ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد اسلامی لشکروں کا کافروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں یہ ان کی اسداد کرتے تھے۔ چنانچہ جب احنف بن قیس خراسان کے امیر مقرر ہوئے تو صغانیہ کے بادشاہ کے

مقابلہ میں ان کے ساتھ ایک ہزار افغانی اور چار ہزار عرب سپاہی تھے۔ جغرافیہ خلافت مشرقی نے تشریح کی ہے۔ کہ جیرفت (کرمان) کے جنوب مشرق میں وہ کوہستانی علاقہ تھا جسے جبل القفص کہتے تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں اس کے بعید حصوں میں پہاڑی لوگ آباد تھے۔ اور بلوچ (بلوچ) کے قبیلے اس علاقے کی مشرقی سرحدوں پر جسے بادہ ایران کا جنوبی حصہ سمجھنا چاہئے آوارہ گرد رہتے تھے۔ اس دور افتادہ علاقہ کے ایک حصے کو انخواش یعنی قبائل خواش (خواشی قبائل) کا وطن کہتے تھے۔ یہ قبیلے زیادہ تر شتریان تھے۔ اور ایک وادی میں رہتے تھے۔ یہاں گرمی کی وجہ سے نیشکر کی کاشت ہوتی تھی۔ جو سجستان اور خراسان کو دسوار کی جاتی تھی۔ یہ وادی اس پہاڑی ملک کا ایک ٹکڑا تھا۔ جو بادہ ایران کے جنوبی سرے اور مکران کے درمیان تک گیا تھا۔ اس پہاڑی ملک میں سات پہاڑ الگ الگ تھے۔ بیان ہوا ہے کہ ہر پہاڑ کا سردار جدا جدا تھا۔ جو اس پر حکمران تھا۔ ان پہاڑی لوگوں کے پاس اس زمانے میں گھوڑے نہ تھے۔ عام طور پر وہ کرد جیسے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور مویشیوں کے مالک تھے۔ بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے اور ان کے علاقہ میں شہر نہ تھے۔ اسی پہاڑی علاقہ کے جنوبی حصہ میں کھجور کے درخت خوب پھلتے پھولتے تھے اسی علاقہ میں ایک اور شہر منوقان یا منوجان جو جیرفت سے پچاس میل جنوب میں واقع تھا۔ اس شہر کے ایک حصے کا نام کونیں، اور دوسرے کا نام زاسان (زمن، زمند) تھا اور ایک قلعہ جو اب تک باقی ہے ان دونوں کے بیچ میں تھا، اور اسی قلعہ میں ایک مسجد تھی جو میان کہلاتی تھی۔ معلوم ہے کہ زاسن - زمندافغان، ایک قبیلہ ہے۔“

آگے لکھتا ہے:

جوئے سلیمان کا آباد و معمور شہر ریگان سے ایک مرحلہ مغرب میں واقع تھا اس شہر کی زرخیز اراضی ایک ندی سے میراب ہوتی تھی، جو شہر میں سے گزرتی تھی۔ شہر کے عین وسط میں ایک مسجد اور قلعہ تھا مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ شہر جیرفت کے اعمال میں شامل تھا۔“

ابن ہوکل ایک اور جگہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کرمان سے سجستان کے دارالحکومت زرنج کو جانے والی سڑک کے کنارے بالکل بیچ کی منزل پر بادہ کا تنگ ترین حصہ ایک فلساں تھا یہاں ایک مختصر سی وادی ہے۔ جس میں چشمے ہیں ایرانی اسے نصرت آباد کہتے تھے۔ اور بلوچی اسے اسبی یا اسفی کہتے تھے۔ اس مقام کا ایک نام اسپیدا بھی پڑھنے میں آیا ہے یہ اسبی، اسفی اور اسپیدا ایک ہی نام ہے یعنی ایسفی - مقدسی نے اس مقام کو علاقہ سجستان میں شمار کیا ہے۔ ابن ہوکل نے مقام مذکورہ صوبہ کرمان کے متعلق بتایا ہے۔ اس علاقے میں یہی ایک شہر تھا۔ اس کی آبادی بہت تھی اور بہاں قابل زراعت زمین بھی بہت تھی جو نہروں (قنی) سے میراب ہوتی تھی۔ لیکن شہر کے گرد مکانات کے بالکل قریب تک صحرائے آب آہا ہوا تھا۔

سید صباح الدین مولف، ہندوستان کا عہد وسطی، لکھتے ہیں:

”۶۴۴ عیسوی میں حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت عربوں نے ہورا ایران، ہرات تک تسخیر کر لیا تھا۔ اس وقت مکران کے پہاڑی علاقوں میں افغان اور بلوچ آباد تھے ان پر بھی عربوں کا حملہ ہوا۔“

الغرض جب رفتہ رفتہ یہ لوگ مشرق بہ اسلام ہوئے تو ان میں نئی زندگی، نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہوا۔ اور اسلامی لشکروں

کے ساتھ وقتاً فوقتاً شمولیت سے اسے اور بھی تقویت پہنچی۔ جس وقت محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تھا تو یہ لوگ کافی تعداد میں ان کے ساتھ تھے۔ اس سے ان کو ملتان اور سندھ کے علاقے دیکھنے کا موقع ملا۔ جو ان کی صلاحیت اور بیداری کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی مالی حالت بھی اچھی ہوتی گئی۔ جس سے ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوا اور انہوں نے اپنا اپنا سردار منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔ جن میں غور کی امارت بہ نسبت اوروں کے زیادہ مضبوط تھی۔ روایت ہے کہ اس دوران میں ان کو اپنے شجرہ ہائے نسب کا خیال پیدا ہوا اور اس ضمن میں انہوں نے اپنی تنظیم کی۔ اور اپنے آپ کو چار گروہوں میں تقسیم کیا۔ سڑابنی۔ غورغشتی، بتنی (بتنی) اور کرلانی۔ ان میں پہلے تین قبیلے زیادہ تعداد والے تھے جبکہ کرلانی تعداد میں کم تھے۔ چار گروہوں میں تقسیم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اشوری دو جتھے سلطنت اسرائیلی اور یہودا کے لائے تھے۔ اور بابلی بھی دو جتھے لائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اس یادگار کو قائم رکھنے کی خاطر گروہوں کی تقسیم بھی اسی لحاظ سے کی۔ شام و فلسطین سے جس جس طرح نکل کر یہ لوگ آئے تھے۔ اس حساب سے ان کے چار گروہ بنتے چلے گئے تھے۔ اور پھر ہر قبیلے کے ساتھ اس کی ذیلی شاخیں سینکڑوں تک پہنچتی ہیں۔ تنظیم نو کے تحت جب انہوں نے چار گروہ بنائے۔ تو اپنی قومی وحدت اور سیاسی تدبیر کو جس میں ان کے معاشی اور اقتصادی پہلو زیر غور تھے، ان کو برقرار رکھنے کی خاطر ان کے سامنے اپنے اسلاف میں سے اپنا ایک مورث اعلیٰ اور ایک مرکزی شخصیت مقرر کرنے کا سوال پیش آیا۔

ایک ایسی قوم جو سینکڑوں سال سے جلا وطنی قید و بند اور دربدر

منتشر حالت میں ٹھوکر بن کھا رہی تھی۔ انہیں باقاعدہ اپنے شجرہ ہائے نسب کا کیا علم ہو سکتا تھا۔ یہ ان کا ایک کارنامہ عظیم ہے۔ کہ وہ تنظیم نو کے تحت ایک ہی نام پر اکٹھا ہونے پر آمادہ ہوئے۔ اسکی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے قریب ہو گئے، نا اشنائی ختم ہوئی، محبت نے جنم لیا اور اپنی معاشی ترقی اور اقتصادی تحفظ کے لئے بیک آواز کمر بستہ ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لوگ خراسان اور وادی دریائے سندھ کے علاقوں میں جہاں سے بہت ہی کس مہر سی کی حالت میں نکل جانے پر مجبور کئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سوخرو کیا۔ اور اسلام کی برکت اور یکجہتی کی بدولت انہوں نے وہ علاقے واپس لے لئے۔ ہندوؤں کو وہاں سے نکال کر قابض ہوئے اور پنجاب و ہندوستان بلکہ بنگال و مدراس پر سینکڑوں سال حکومت کی۔ ان میں بڑے بڑے اولیا، علما اور مشائخ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تمام ہندوستان میں اسلام کو پھیلایا۔ اور دین اسلام کی پوری خدمت کی۔ اور ان کے مزارات اب بھی جگہ جگہ ملتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ کافی شور و غوغا کے بعد باہمی صلاح و مشورہ سے سب نے ایک آواز سے اس کو اپنا مورث اعلیٰ مقرر کیا اور وہیں سے ان کے شجرہ ہائے نسب کی بنیاد پڑی۔ اس سے اتفاق و مضبوطی پیدا ہوئی اور اہل خاندانی علم قرار دیا۔

دوسری جانب مسلمانان عرب نے ہندو، آریہ اور بدھ مت کو جنگی چھیڑ چھاڑ سے کافی کمزور کر دیا تھا۔ وہ ان پر لشکر کشی کرتے اور فتح حاصل کر کے ان کو اپنا باجگزار بنا لیتے تھے۔ کچھ مدت بعد پھر بغاوت ہوئی اور وہ لشکر کشی کر کے پھر ان پر فتح حاصل کر لیتے یہ سلسلہ جاری رہا۔

ادھر افغانوں کو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ پہاڑوں سے نیچے اتر آئے اور مشرقی جانب توجہ کی۔ اور میدانی علاقہ میں اپنی نوآبادیات قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ غوریوں کی ریاست مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ کچھ عرصہ بعد شیخ حمید لودی افغان جو لوری خاندان سے تفاق رکھتا تھا برسر اقتدار آیا۔ اور اس نے ہندوؤں کا مقابلہ کیا چنانچہ غیر افغان مورخین فرشتہ اور ٹاڈ راجستان یہ حالات یوں بیان کرتے ہیں :-

”حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کی سرکردگی سے ۵۳۱ میں کرمان کی طرف سے اور احنف بن قیس نے سیستان اور قوہستان وغیرہ اور نیشاپور پر قبضہ کیا۔ ان لوگوں (افغانوں) نے مسلمانوں سے موافقت کی۔ نیز ہرات، بادغیس، غور، غرجستان، مروے، طالقان اور بلخ بھی مسلمانوں کے تصرف میں آئے۔ اور قیس بن ہیشم خراسان میں اور احنف بن قیس مروے، طالقان اور نیشاپور میں اور خالد بن عبداللہ ہرات، غور اور غرجستان میں والی ہوئے۔ خالد بن عبداللہ معزولی کے بعد افغانوں کے ساتھ کوہ سلیمان میں متوطن ہوئے تھے۔ اور اپنی بیٹی ایک معتبر افغان کو جو شرف اسلام سے مشرف ہوا تھا، نکاح میں دیدی تھی۔ القصد قوم افغانان کا گروہ زراعت اور تحصیل فائدہ معاش میں مشغول ہوا۔ اور اسلام کے سبب امن و سکون نصیب ہوا۔ گائے، گھوڑے، بکری وغیرہ ہر چیز بڑھ گئی۔ اور جو اہل اسلام محمد بن قاسم کے ساتھ آ کر ملتان میں متوطن ہوئے تھے۔ ان سے رابطہ آشنائی رفت و آمد و تعلق بنایا جب ان کی طاقت مزید بڑھ گئی۔ اور افغان کی اولاد کثرت سے بڑھ گئی۔ تو ۵۳۱ میں قوہستان اور غرجستان وغیرہ اپنے علاقوں سے نکل کر ہندوؤں کے مقبوضات کے تصرف پر کمر باندھیں۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بعد میں لاہور کے راجہ نے افغانوں پر لشکر کشی کی۔

جو برہمن ہندو کے پال خاندان سے تھا۔ اور اس کا نام جے پال تھا۔ اس ضمن میں راجہ جے پال کا ذکر آیا تو مناسب ہے کہ چند لفظوں میں تعارف کرا دیا جائے۔ اس کے باپ کا نام است پال (ست پال) تھا اور بیٹے کا نام اند پال۔

مشرق میں کشمیر سے ملتان تک اور شمال مغرب میں چترال اور لغمان سے کوہ سلیمان تک خود مختار حکمران تھا بلکہ کابل و قندھار بھی اس کے زیر اثر تھے اور بہت سے ہندو رائے اور راجے اس کے حکم بردار تھے۔ دارالحکومت لاہور تھا جو پشاور سے جانب مشرق پچاس میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ سے جانب مغرب واقع تھا اور راجہ کے رہائشی مکانات اور قلعہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ہند (وے ہند - ہند) کے مقام پر تھا جو دریائے سندھ پر قلعہ اٹک سے سولہ میل شمال کی طرف واقع تھا اور ہند سے جانب شمال مغرب چھ میل کے فاصلہ پر دارالحکومت لاہور واقع تھا۔ ان دونوں مقامات کے درمیان ایک بڑا شہر واریانا، آباد تھا۔ یہ تینوں ایک دوسرے سے ایسے لگے ہوئے تھے کہ ایک شہر دکھائی دے رہا تھا۔ مقامات مذکورہ کے اب تک یہاں نہ صرف آثار موجود ہیں بلکہ یہ اس وقت بھی سکونتی قصبے ہیں جن پر قبیلہ اباخیل یوسف زئی ساکنان و قابضان ہیں اور انہی پرانے ناموں سے یہ اب بھی موسوم ہیں۔

واضح رہے کہ اس زمانے میں پنجاب کا لاہور نہ تھا بلکہ اس وقت پنجاب کا مرکزی مقام سیالکوٹ تھا۔ پنجاب کا لاہور بعد میں ایک چھوٹے سے گاؤں دریائے راوی کے کنارے، کوہار، نے لاہور کے نام سے شہرت پائی۔ یہ بھی معلوم رہے کہ یہاں ہند۔ و لاہور کے قرب و جوار میں کالنجر۔ کانگڑ۔ نگرانی (نگر کوٹ)۔ بھڑوچ۔ ٹانڈہ۔ مہان۔ ڈیلور (ڈیلی) گودائی۔ اجمیر، مٹھرا وغیرہ شہروں کے آثار

قدیمہ انہی ناموں سے موسوم اور ویران موجود ہیں۔ لہذا جب بھی لاہور کا ذکر سامنے آئے تو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دسمبر ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے غلام ایاز کی قبر نواں کلی ترلانڈی اور کالو خان کے درمیان صوابی مردان سڑک کے جنوبی کنارے پر ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے۔ اور یہ مقام لاہور سے پندرہ میل شمال کی طرف ہے۔ ایاز کی قبر عوام میں مشہور ہونے کے علاوہ ایک قلمی نسخہ میں جو اس زمانے کے ایک ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو خود اس موقع پر موجود تھا۔ سلطان غزنوی اور جیے پال کی جنگوں کا ذکر با تفصیل موجود ہے۔ لکھا ہے کہ جنگ بھڑوچ سدوم (ضلع مردان) میں فتح پانے کے بعد سلطان نے وہاں مرکز بنایا جہاں ایاز کی قبر موجود ہے اور یہیں ایاز اپنی طبعی موت مرا۔ اور موضع ترلانڈی سے شمال میں عام راستے کے کنارے اونچی جگہ پر دفن کیا گیا۔

یہ قلمی کتاب جناب عبدالقادر استاد کے پاس موجود تھی۔ یہ شمس الدین ماسٹر کے بڑے بھائی اور موضع حمزہ کوٹ تپہ سدوم ضلع مردان علاقہ پشاور کے رہنے والے ہیں۔ اور میں نے خود اپنی تسلی کے لئے حمزہ کوٹ جاکر عبدالقادر استاد سے ملاقات کی اور ہر قسم کا اطمینان اس بارے میں حاصل کر لیا۔ اس کے بعد میں نے یہ تمام حالات اللہ بخش یوسفی مرحوم کو بھیج دیئے تھے جو انہوں نے اپنی تاریخ یوسف زئی افغان میں درج کئے۔ کچھ عرصہ بعد مجھے یوسفی صاحب مرحوم کا کراچی سے خط ملا جس میں کافی پریشانی کے ساتھ لکھا تھا کہ ایاز کی قبر تو لاہور (پنجاب) کے رنگ محل میں موجود ہے اور ایک پارٹی اس پر فلم بنا رہی ہے وغیرہ۔ میں نے پھر

میں نے اپنی مزید تسلی کرائی اور ایک دوست سردار خان موضع نٹوہہ کو ساتھ لے کر لاہور روانہ ہوا رنگ محل جا کر ایک خانقاہ میں مسجد اور اس کے صحن میں ایک قبر دیکھی اور اوپر دروازے پر کتبہ یوں لکھا ہوا تھا۔ "ملک ایاز غلام سلطان محمود غزنوی، اندر جا کر زیارت کی۔ باہر اسی خانقاہ کی کچھ دکانیں ہیں انہیں میں دروازے سے شمال کی طرف متصل ایک صراف کی دکان تھی۔ میں نے اور میرے ساتھی نے دکاندار کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھنا شروع کیا۔ کہ بھائی یہ کتبہ کونسا لکھا گیا ہے اور یہ قبر کس کی ہے؟ اس نے تعجب سے کہا جب تم نے کتبہ پڑھ لیا تو پوچھنے کی کیا بات ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ کتبہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ سلطان محمود غزنوی اور ایاز کے وقت میں یہ لاہور تو پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور انہوں نے تو اس لاہور کو دیکھا ہی نہیں تو ایاز یہاں کیسے پہنچا اور اس کی قبر یہاں کیسے بنی۔ وہ میری اس بات سے زیادہ خفا ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی خانقاہ کی انجمن کا سکرٹری (ناظم) ہے۔ میں اس کو نرم کرتا رہا اور سمجھاتا رہا کہ بھائی یہاں ملک ایاز ایک گورنر گزرا ہے جو آپ کے موجودہ گورنر امیر محمد خان جیسا زبردست اور سخت آدمی تھا۔ رضیہ سلطانہ اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ایک وفد ساتھ لے کر دہلی سے لاہور آئی تھی اور وہ بڑی منت سماجت سے راضی ہوا تھا اور رضیہ نے لاہور کے علاوہ ملتان کی گورنری بھی اس کے حوالہ کی تھی اور یہ نیک اور بزرگ شخص تھا۔ مختصراً یہ کہ میں نے ملک ایاز کی بہت تعریفیں کیں۔ بات راست آئی اور ہم کو دکان میں بیٹھنے کے لئے کہا اور چائے منگوائی پھر قصہ یوں شروع کیا میں تعجب سے سنتا رہا۔ بیان کیا کہ پاکستان بن جانے کے وقت میں فسادات کے دوران میں یہاں ہندوؤں کے اس اونچے

مکان کو گرایا گیا تو اس کے ملیے سے اصل کتبہ گر کر ٹوٹ گیا جس پر صرف ”ملک ایاز“ لکھا ہوا تھا - سکرٹری نے صاف اقوار کیا اور اس نے یہ تسلیم کیا کہ اصل کتبہ میں غلام ایاز سلطان محمود غزنوی نہ تھا بلکہ ہم نے جب دروازہ دوبارہ بنایا تو میں نے خود از سر نو کتبہ تیار کر کے اس پر اپنے خیال سے اس طرح لکھا - کیونکہ میرے خیال میں صرف وہی ایاز تھا جو سلطان محمود غزنوی کا غلام تھا اور ملک ساتھ اس لئے لکھا کہ پہلے کتبہ میں موجود تھا - میں نے التماس کی کہ یہ کتبہ نکال کر وہ اصل کتبہ کی طرح دوسرا لگا دیں ورنہ اس غلط کام سے تو ساری تاریخ غلط ہو جائے گی - اس نے کہا کہ تم ایک خط لکھ کر مجھے دے دو اور میں انجمن کا سکرٹری ہوں اراکین انجمن کا اجلاس بلا کر اس غلطی کا ازالہ کیا جائے گا وہاں سے واپس آ کر یوسفی صاحب کو کراچی خط روانہ کیا کچھ عرصہ بعد جب میں دوبارہ کسی اپنے کام سے لاہور گیا تو رنگ محل جا کر دیکھا کہ وہی غلط کتبہ بدستور لگا ہوا تھا - میں نے دکاندار سے ملاقات کی اس نے خاطر مدارات کی اور معذرت ظاہر کر کے کہا کہ حکومت پاکستان نے اس خانقاہ کو محکمہ اوقاف کے حوالہ کیا ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا اور یہ جرم جو میں نے کیا ہے اس پر سخت نادم ہوں - مجھے بھی انتہائی افسوس ہوا ہم نے وہاں سے اٹھ کر محکمہ اوقاف کے دفاتروں میں جا کر دوڑ دھوپ اور کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ہمارا مذاق اڑایا گیا - اس قسم کی غلطیوں سے بعض اوقات سمجھدار لوگ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں - لاہور اور جے پال کے سلسلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب ابو ریحان البیرونی کی تحریر جو ائند پال کے خط کے بارے میں ہے ، نیز اس خاندان کا تعارف کرا دوں -

”منجملہ ان راجگان (کوشانی) کے ایک کنک (کنشک) جس کی طرف برشاور (پشاور) کی بہار یعنی بدھ مت کی خانقاہ منسوب ہے اور کنک چیت کہلاقی ہے - اس سلسلے کا آخری راجہ لگتور مان (ساکا) تھا - اس کے وزیر کی جو ایک کار برہمن تھا زمانے نے موافقت کی اور اس کو اتفاقاً اتنے دقیقے (خزانے) مل گئے جن سے اس کو بہت مدد ملی اور طاقتور ہو گیا - اسی کے ساتھ دولت نے اس کے آقا سے منہ پھیرا اس لئے کہ زمانہ قدیم سے اس کے گھر میں (یہ تحریک) چلی آتی تھی - راجہ لگتور مان کے اخلاق و عادات بگڑ گئے اور وہ برے کام کرنے لگا - وزیر کے پاس اس کی بہت سی شکائیں پہنچیں اور اس نے سزا کے لئے راجہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا پھر برہمن وزیر کو خود اپنی بادشاہت کا سزا ملا - اس کا ذریعہ یعنی مال اس کے پاس موجود تھا وہ ملک (سلطنت) پر قابض ہو گیا -

اس کے بعد برہمنوں نے بادشاہت کی (جن میں کار کے بعد) پہلا راجہ سامندر تھا پھر کمکو ہوا اس کے بعد بھیم راجہ ہوا پھر است پال اس کے بعد جے پال اس کے بعد ائند پال پھر (جے پال ثانی) اس کے بعد تروچن پال ہوا جو ۵۴۱ء میں قتل کیا گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھیم پال بادشاہ ہوا - اس خاندان کا یہ آخری بادشاہ تھا - اور ان کے مرنے کے بعد ہند (وے ہند = ہند) اور لاہور (الاہوار) یعنی ہندی لاہوری بادشاہت کا سلسلہ ختم ہو گیا - اور اس خاندان میں کوئی آگے سلگانے والا بھی باقی نہیں رہا - اس خاندان کے لوگ وسعت ملک و دولت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے شریفانہ اخلاق اور احسان و سلوک کرنے کے دلدادہ تھے - ہم کو ائند پال کا خط سلطان محمود غزنوی کے نام اس وقت کا جب کہ دونوں کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے ، بہت پسند آیا - اس نے محمود غزنوی کو لکھا تھا کہ ”ہم

نے سنا ہے کہ ترکوں نے آپ کے مقابلے میں بغاوت کی ہے اور خراسان میں پھیل گئے ہیں۔ اگر آپ منظور کریں تو پانچ ہزار سوار اور اس سے دو گنا (دس ہزار) پیادے اور ایک سو ہاتھی کے ساتھ ہم خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اگر فرمائیے تو اپنے بیٹے کو اس سے دو گونہ تعداد کے ساتھ روانہ کریں۔ میری اس پیشکش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم آپ کو اس ذریعہ سے خوش کریں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم آپ سے شکست کھا چکے اور یہ نہیں چاہتے کہ آپ پر میرے سوا دوسرا کوئی غالب آجائے۔“ یہ تو راجہ جسے پال اور ان کے خاندان کا بیان اور تعارف ہوا۔ اب اپنے شروع مضمون کو واپس آتا ہوں۔ الغرض راجہ جسے پال کے ساتھ افغانوں کی جنگ و جدل اور مقابلوں نے کافی شدت اختیار کر لی۔ اور اس چھیڑ خانی میں کافی عرصہ گزر گیا۔ اور اخیر میں افغانوں کی قیادت شیخ حمید لودی نے سنبھالی۔

سخت مقابلہ ہوا اور کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اور اسی طرح پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں پشاور اور کرمان کے درمیان ہوئیں اور افغانوں کی امداد کے لئے دیگر مسلمان آئے تھے۔ اور لاہور کے راجہ نے بھی کافی زور لگایا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑوں کی گھٹڑ قوم سے جو اس وقت کافر تھی راجہ لاہور کی مخالفت پیدا ہو گئی اور گھٹڑ کافروں نے قرب و جوار کے سبب سے افغانوں کی مخالفت چھوڑ دی۔ راجہ نے افغانوں سے صلح کی۔ اور چند مواضع افغانوں کے لئے چھوڑ دیئے۔ اور افغانوں نے کوہستان پشاور میں ایک حصار تیار کر کے خیبر نام رکھا تا کہ ساسانی الپتگین و سبکتگین کے حملوں سے راستہ محفوظ رہے۔ افغان ولایت یعنی سلسلہ کوہ سلیمان پر مسلط ہوئے۔ اور ولایت لاہور خیبر کے سبب سے محفوظ رہا۔ راجہ جسے پال نے بھاٹیہ (قوم بھٹی) کے راجہ سے جو جسے پال کے ماتحت تھا۔ مشورہ کر کے یہ طے کیا

کہ شیخ حمید کی جو کہ افغانوں کے درمیان صاحب اقتدار شخص ہے۔ امارت تسلیم کر لی جائے۔ چنانچہ شیخ حمید نے ولایت لمغان اور ملتان کے نظم و نسق کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور ہر علاقہ مذکور میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے۔ اس تاریخ سے افغانوں نے مسند امارت پر قدم رکھا۔ اور صاحب جاہ و اقتدار ہوئے۔ کافی عرصہ گزرا خیبر سے مغرب کی طرف حکومت کی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ حکومت غزنی کی وراثت ساسانی الپتگین کو پہنچی۔ سبکتگین اس کا سپہ سالار تھا اور اکثر اوقات لمغان اور دیگر افغان مقبوضات پر تاخت لا کر لوگوں کو اسیر کرتا تھا اور تباہی مچا کر افغانوں کو تنگ کرتا تھا۔ جب الپتگین فوت ہوا۔ اور سبکتگین اس کا قائم مقام ہوا۔ اور شیخ حمید نے اختلافات میں صلاح و فلاح نہ دیکھی تو اس کو پیغام دیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اسلام کی شرکت کے سبب سے نہایت یک جہتی ہے اور کافروں کے مقابلے میں ایکجا ہونا بہتر ہے۔ سبکتگین نے شیخ حمید کی تجویز کو پسند کر کے منظور کیا۔ اور جسے پال کی شکست کے بعد ہمدردی تمام سے پیش آیا۔ اور ملتان کی جاگیر شیخ حمید کے نام مقرر رکھی اور بحال سابق رہنے دینے کا وعدہ کیا۔ افغانوں اور سبکتگین کے درمیان تعلقات معمول پر آئے اور اچھے رہے۔ شیخ حمید کے بعد اس کا لڑکا نصیر ملتان میں حکمران رہا۔ اور نصیر کے بعد اس کا لڑکا ابوالفتح داؤد ملتان کا حکمران ہوا۔ اور ملتان میں بکثرت افغان آباد ہوئے تھے۔ سلطان محمود نے اپنے باپ سبکتگین کے خلاف عمل کیا اور افغانوں کے قبائل کو مقہور اور معزول کر کے ان میں سے سرکشوں (بہادروں) کو تیغ کے گھاٹ اتارا۔

سلطان محمود کے زمانے میں افغانوں کی کاروائیاں تاریخ کے صفحوں پر زیادہ تر نمایاں ہونے لگی تھیں۔ مشرقی مصنف لکھتے ہیں کہ

گو اس سلطان کو ان لوگوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں کرنے کے مواقع پیش آتے رہے۔ تاہم یہ ان کی فوجی خدمات کی بہت قدر کرتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کی فتوحات کا بڑا حصہ ان لوگوں (افغانوں) کی شجاعت و جوانمردی کے باعث اس کو نصیب ہوا تھا۔

شیخ حمید کے ابتدائی دور میں افغان قوم کو پہاڑوں سے نکل کر میدانی علاقے پر قبضہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ لیکن محمود غزنوی کی مداخلت کے سبب اس کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی پھر غوریوں کے وقت میں انہیں پہاڑوں سے نکلنے کا دوبارہ موقع ملا اور وہ اپنے اپنے سامنے والے علاقے پر قابض ہو گئے۔ خاشی قبائل اور غوریا خیل کوہ قفص سے اتر کر غوریا خیل، ارگنداب، ترنگ، مقر اور قرہ باغ پر قابض ہو گئے۔ جو قندہار سے جنوب مغرب کے کونے پر واقع ہے۔ اور زمیں (زمند) قبائل زمیندار پر قابض ہوئے۔ خاشی قبائل دریائے نیشک پر جس کا بعد میں نام بھی دریائے خاشی ہوا قابض ہوئے۔ یہ علاقہ بھی لیشکے کا علاقہ کہلاتا تھا۔ اور اس کا صدر مقام گڑکوہ تھا۔ شمال کی جانب گگیانی ترکانی اور جنوب کی طرف جہاں دونوں دریاؤں کا دواہ ہے۔ اور علاقہ نوشکی کے نام سے مشہور ہے اس پر یوسف زئی قابض ہو گئے۔

کوہ قفص کی تشریح یوں ہے کہ قفص کے معنی ہیں قید خانہ یا پنجرہ۔ قیدخانہ اس لئے تھا کہ یہ لوگ قید کی صورت میں دلیا سے الگ تھلگ سینکڑوں سال رہے۔ ادھر ادھر جانا ان کے لئے محال تھا۔ پنجرہ اس لئے کہ جس طرح پنجرہ میں کوئی پرندہ بند کر دیا جائے۔ تو وہ موذی جانوروں کے امتیصال سے بچ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے جیسے وہ قید و بند میں رہے اس کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی رہے۔

جغرافیہ خلافت مشرقی، خاش اور گڑکوہ کی تشریح یوں کرتا ہے:-
”دریائے خاش علاقہ غور کے پہاڑوں سے نکل کر دریائے فرہ اور ہلمند کے

بیج سے گزرتا ہوا جھیل زرہ میں گرتا ہے ابن ہسکل نے اس دریا کا نام نہر نیشک لکھا ہے نیشک اس معمور مقام کا نام تھا۔ جو زرنج کے بالکل مشرق میں واقع تھا۔ خواش اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اور یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ وہ علاقہ جو دریائے خاش کے کناروں سے ملا چلا گیا تھا۔ علاقہ نیشک کہلاتا تھا۔ نیشک کے علاقہ کا بڑا شہر گڑکوہ تھا یہ شہر زرنج سے شمال میں ایک منزل پر تھا۔ زرنج کے شمالی دروازے کا نام اسی شہر کے نام پر باب گڑکوہ (کاڑے) تھا اور یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔

لرغونی میری ہستی

چہ دہ یوسف زو و کوہ سلکونہ

ملک مے نشکے۔ مینہ مے کار کے

غوریا خیل کا تراوسہ پیغورونہ

یہ وہی مقام اور علاقہ ہے جہاں سے یوسف زئی اور ان کے

متعلقین کابل کی طرف چلے گئے تھے۔

افسوس کہ میں یہ تحقیق نہ کر سکا کہ یوسف زئی اور ان کے قریبی قبائل کے اجداد قفص کے پہاڑوں میں کب اور کہاں سے آئے تھے کہاں سے میری مراد سر زمین ایران ماوراء النہر (جیحون پار) خراسان، زابلستان اور وادی دریائے سندھ ہے البتہ میرا یہ قیاس ہے اور زیادہ ان لوگوں کی روایت بھی ہے کہ ان لوگوں نے بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی کے بعد مراغہ میں جو شمالی ایران کے علاقہ آذر بائیجان میں واقع تھا، منتقل ہو کر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں صدیاں گزاریں اور خوش تھے لیکن عرصہ دراز کے بعد ایک وقت ایسا آیا ہوگا کہ ان کو مجبوراً یہ علاقہ چھوڑنا پڑا اور اپنے خویش و اقارب سمیت مشرق کی جانب کوچ کر کے دریائے سیحون کے جنوب میں

فرغانہ کے نسیا زیرین میں مقیم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کے مسکن مراغہ کی نسبت سے یہاں ایک چھوٹا سا شہر مرغینان کے نام سے مشہور ہوا۔ یعنی سراغہ کے لوگ، مرغینان کے بارے میں جغرافیہ خلافت مشرق لکھتا ہے ”صوبہ فرغانہ کا وہ حصہ جو دریائے سیحون کے جنوب میں تھا علاقہ نسیا یا نسائیہ کہلاتا تھا۔ اس کا کچھ حصہ بلند تھا اور کچھ نیچا، اور اسی لحاظ سے ایک حصہ کو نسائیہ بلند اور دوسرے کو نسائیہ پست کہتے تھے۔ نسائیہ بلند، پہاڑیوں میں واقع تھا جس میں خوفند یا خواکند کا شہر تھا اور نسائیہ پست میں مرغینان کا چھوٹا سا شہر تھا،“ قیاس غالب ہے کہ خشی قبائل کے علاوہ بقایا کند اور زمند قبائل بھی شمالی ایران سے ادھر آنے والوں میں تھے۔ کسی قبائل تو پہلے سے یہاں آباد تھے لہذا یہ نو وارد بھی اپنے ہم نسل لوگوں کے پاس جگہ بہ جگہ آباد ہوئے ہوں گے۔ واضح رہے کہ دونوں دریاؤں سیحون و جیحون جو اسرائیلی رکھے ہوئے نام ہیں، کے درمیانی علاقہ میں انہیں افغان قبائل کے ناموں سے پہاڑ، دریا شہر اور دیہات موسوم ہوئے مثلاً نہر کاسان، زامین (زمند) کا بڑا شہر کاسی غر (کاشغر) کش کا شہر۔ کسانیا یا کشانی جو صوبہ سغد کا سب سے زیادہ آباد شہر تھا۔ شاؤغر دریائے سیحون کے کنارے واقع تھا اور یہاں قریب متصل ایک مقام کا نام یسی تھا جو حضرت داؤد کے والد یسی کے نام سے موسوم تھا اور یہ مقام شاؤغر کے دامن میں واقع تھا۔ اور یسی شہر سے شمال میں ایک دن کی راہ سوران (یعنی سوری مورانی خاندان) کا ایک بڑا شہر تھا۔ اور اس کے کچھ فاصلہ پر برکی شہر تھا۔ جس میں ارٹو کی رہائش تھی۔ سیحون کے بائیں ہاتھ خجندہ سے ایک فرسخ جنوب کی طرف، کند، کی بستی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غوریاخیل کی کسی شاخ کی سکونت تھی۔ اور اس علاقہ میں تون

نام کا ایک شہر بھی تھا۔ شہر خاشت اور دریائے خواش وغیرہ بہت نشانات ایسے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ وہاں رہ رہے تھے۔ اخیر میں جب حالات خراب ہوئے ہونگے تو ان لوگوں نے وہاں سے جنوب کی طرف روانہ ہو کر جگہ بہ جگہ عارضی قیام بھی کیا ہوگا اور عرصہ دراز کے بعد غرجستان، غور، پشت اور کوہ قفص وغیرہ محفوظ پہاڑوں میں اپنی برادری کے لوگوں کے پاس پہنچے ہونگے۔ واللہ اعلم الغرض جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ افغانوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ہندوؤں کو نکال کر دم لیں گے اور اس سلسلہ میں مدتوں سے ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ کسی حد تک وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کی قیادت شیخ حمید کے ہاتھ میں تھی۔ جو ایک بہادر قائد کے علاوہ مدیر رہنما بھی تھا۔

جن علاقوں پر وہ قابض ہوئے۔ گرفت مضبوط رکھی۔ افغانوں کو قندہار کے علاقہ میں بسایا اور ان کی تنظیم کی۔ شیخ حمید کے بعد اس کے لڑکے نصیر کے وقت میں کوئی نئی فتوحات تو نہ ہو سکیں البتہ اس نے اپنے باپ کے مقبوضات کو قائم رکھا۔ اس کے بعد نصیر کا لڑکا ابوالفتح داؤد ملتان میں حکمران رہا۔ اور قندہار غور وغیرہ پر امیر محمد سوری افغان حکمران تھا۔ ان کے دور حکومت میں سلطان محمود غزنوی نے سر اٹھایا۔ اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے قبل افغانوں سے چھیڑ چھاڑ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں افغانوں کو ہندوؤں کے انخلا میں رکاوٹ پڑی اس میں کافی عرصہ گزرا۔ سلطان محمود نے خراسان کا تمام علاقہ فتح کیا دریائے سندھ باجوڑ سب علاقہ اس کے قبضے میں تھا مگر ہندو اپنی اپنی جگہ پر بطور اس کی رعایا کے مسلط رہے۔ اس وقت افغانوں کے مساکن کے بارے میں کتاب الہند البیرونی

جیسلمیر کے بھٹی قوم کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ زابلستان وغیرہ سے بھاگے - تو اس نے دریائے سندھ پر قوم تک کو مغلوب کر کے ممالک مقبوضہ پر پایہ تسلط جمایا - اور سالباپور (سیالکوٹ) کو دارالحکومت بنایا -

جٹ قوم کی قدیم تاریخ کا کچھ لب لباب معرض تحریر میں آچکا ہے - اب ہمیں کچھ لکھنا ہے تو یہ کہ جیٹی بزرگ اعظم کا دارالحکومت جیٹون پر تھا - اس قوم کے پسماندوں نے اس حکومت اور اپنی قوم کے نام و لقب کو خسرو شاہ (غزنی کا آخری بادشاہ) کے زمانے تک برقرار رکھا - جٹ قوم کی تاریخ میں مذکور ہے کہ وہ دریائے سندھ کے غریب حصہ سے وارد ہوئی ہے - اور اس کی مورث اعلیٰ جادو قوم تھی جس کی پرانی تاریخوں سے یہ بات متشرع ہے کہ وہ زابلستان وغیرہ سے آئی ہے - خلاف توقع نہیں -

ڈیکونکسن مورخ اصل تاریخوں کے حوالہ سے ناقل ہے کہ قوم یوچی المعروف جٹ پانچویں اور چھٹی صدیوں میں پنجاب پر تسلط ہوئی -

بزرگان راجپوت نے سکندر کے زمانے میں اس رسم کی پابندی کی کہ وہ اپنی افواج کے آگے آگے بلدیوچی کا بت لئے ہوئے میدان کارزار گرم کرتے تھے - آریں سوانح نگار رقمطراز ہے کہ نرغہ سکندر کے زمانے میں دریائے سندھ کی قومیں بھی جھنڈوں کا استعمال کرتی تھیں - اور جس وقت ماتحتوں کو حکومت دی جاتی تھی تو ایک جھنڈا بھی عطا کیا جاتا تھا جب سکندر نے اقوام سندھ کو مغلوب کیا تو بحیرہ کیسپین کے اقطاع قدیم شاہی خاندان کے پسماندگان میں منقسم کر دیئے جس کی وجہ سے وہ سکندر کے حلقہ اطاعت میں رہے وقت جنگ امداد کا عہد و پیمان کیا - سکندر نے مطیع و فرمانروا گروہوں کو اپنے ہاتھ سے جھنڈے دے

کر اسی دستور پر عمل کیا جو ان کے یہاں زمانہ قدیم سے رواج پذیر تھا -

من ہجری کی پہلی صدی میں مسلمانوں نے راجپوتوں پر خونخوار حملہ کیا - حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہندو فوج مکران پر تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی کے بعد کوہ پامیر سے روشنی پھیلتے پھیلتے اس سر زمین پر پھیل گئی جو دریائے گنگا و جمنا پر آباد و معمور تھی جس کے سینکڑوں برس بعد بدیشہ کے اورنگ حکومت پر شاہان اسلام نے قدم رکھا -

یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ راجپوت قوم کی اکثر شاخیں ایشیا کے قطعہ بلند اور جیٹون و سیحون کے کناروں ہی سے نقل مکانی کر کے راجپوتانہ میں سرسبز و شاداب ہوئی ہیں - میتھیا (میتھین) قوم کے بہادر سلطنت پارتھیا کی اس نو آبادی کے باشندے تھے جن کی حکومت دوسری صدی عیسوی میں دریائے سندھ پر واقع تھی -

آریں مورخ دوسری صدی عیسوی میں گزرا ہے لکھتا ہے کہ سفید رنگ کے ہن لوگ اپنے تاجدار وقت گولاس کے لشکر میں شامل تھے اور یہ وہ فرمانروا تھا جس کی حکومت دریائے سندھ کے ساحل پر واقع تھی - کیرلی گڑھ کی سیہات قوم ایک شمالی قوم ہے - جس کی سکونت دریائے سندھ کے اطراف میں تھی - گو مورخین حال اس کے حالات سے بالکل لاعلم ہیں مگر بھٹی قوم کی قدیم تاریخ میں ان مقبوضات کا بارہا ذکر ہے جو انہوں نے دریائے ہیفیس کے دونوں ساحلوں پر وسیع کئے تھے - چونکہ قوم بھٹی اور سیہات کے باہمی تعلقات شادی کا ہاتوا تر تذکرہ دیکھا گیا ہے اس لئے اغلب ہے کہ وہ بھی راجپوت ہی ہوں گے - اس قوم کی سکونت موات میں تھی جو صوبہ

اشنغر کی ایک قسمت ہے اور جہاں سکندر کے عہد کی قوم اساکانی بود و باش رکھتی تھی۔ قوم سیہات بھی جس نے کمان والے چتوڑ کی اعانت کی تھی غالباً اس اساکانی فرقے ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس نے سکندر سے مقابلہ کیا تھا۔ اس اساکانی قوم کی بود و باش کوہ جوت سے دریائے سندھ تک تھی۔

۷۲۹ ع میں جب قوم بھٹی کا فرمانروا راوتنو حسین شاہ (غوری سے) شکست کھا کر دریائے ستلج کے پار فرار ہوا تھا تو اس لشکر میں سیہات، بارہہ، جودی، جوتیا اور بوٹا قوم کے مہابی شامل تھے۔ قوم بھٹی نے زابلستان سے خارج البلد ہونے پر پنجاب کو یکے بعد دیگرے اپنا دارالقرار بنایا۔

چنانچہ راجپوتوں اور مکنڈے نیویا کی قدیم اقوام کے طریقہ سے دریائے آکس جیچوں کی قوم جیٹی کے اصول و رسوم کی مشابہت اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ان کا تعلق سیٹھیا سے ہے جہاں تہذیب کی بنیاد پڑی تھی۔ اقوام قدیم آسی ویت عرف جاٹ کا اسپالہ کے مندر میں تہور کے اسپ سفید سے فال بینی کرنا مذہبی خیالات کی مطابقت کی ایک نمایاں دلیل ہے۔ اور ان کی اولاد اب بھی آواز اسپ سے اچھے برے شگون لیتی ہے۔

فرقوں کے نام کہیتھی۔ راجپالی، سوسلا، سریاسہا۔ اسواریہ مدینا کر، کیمیری ملارا وپیما وغیرہ۔

اپنے مندروں کا ذکر کرتے ہوئے کہ افسوس اب ان پتھروں سے قدیم حالات دریافت نہیں ہو سکتے وجہ یہ کہ تمام منقوش پتھر ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں اور انہیں پتھروں سے اولاد اسمعیل یعنی پہاڑی پٹھانوں نے چولھوں کا کام لیا ہے۔،

سرہند یا قرم گوجر کے متعلق ابوظفر مولف تاریخ گجرات اور

ڈاکٹر بھگوان لال کے تاثرات: پانچویں صدی عیسوی میں گوجر قوم ہندوستان آئی۔ دراصل یہ قوم کوہستان یعنی پہاڑوں کی رہنے والی ہے جو مملکت ایران کے دریائے سندھ کے مغربی پہاڑوں سے بحالت مجبوری نکل کر پہلے پنجاب پر قابض رہی اور بعد میں راجپوتانہ، مارواڑ، مالوہ ہوتے ہوئے گجرات ہونہ اور دکن کے دوسرے علاقوں میں اپنی زبردست سلطنت قائم کی۔ جنوبی مغربی ہند کی راجدہانیاں بھلمان، اجین، ولہی پور، اور کائی تھیں۔ ۵۰۰ ع میں بودھوں اور برہمنوں کے درمیان سخت جنگ شروع تھی ان دونوں نے گویہ فاتحوں کو اپنے میں جذب کرنا چاہا مگر یہ فاتح بدھ مذہب کے قائل نہ تھے۔ برہمنوں نے اپنے مذہب میں ان کو شامل کر لیا۔ اگنی دیوتا سے آبو پہاڑ پر پوتر (پاک) کیا پھر ان کو راجپوت کا لقب دے کر ان کی ذات بنا دی۔ اس سے ہندو قوم کو یہ فائدہ ہوا کہ ان فاتح اور حکمرانوں کے ذریعہ بدھ مذہب کو ہند سے نکال کر پھر اپنے برہمن مذہب کا پرچار کیا اور اس کو برسر عروج لائے۔ ابتدا میں مالوہ ان کا مرکز تھا پھر خاص گجرات میں ان کی راجدہانی نادوت اور بھروچ رہی۔ دود (ڈوڈ) اور جے بھٹ ان کے زبردست بادشاہ گزرے ہیں۔ ان کی باسٹھ ذاتیں ہیں لیکن چار ذاتیں بڑی مشہور ہیں: چالوکیہ، پارمار، (ہرمار) چوہان، ہریہار۔ بہر حال جب گوجر قوم ہندوستان فتح کر کے آبو ہوق ہوئی اس ملک میں آئی تو انہوں نے اپنے جنوبی مقبوضات کے تین حصے کئے۔ سب سے بڑے حصہ کا نام مہارائھ اور دوسرے کا گوجر رائھ اور تیسرے کا سورائھ رکھا۔ جس کو آج کل (علی الرتیب) مہاراشٹر یعنی سرہندیس، گجرات اور سورٹھ (سورت) کاٹھیاواڑ بولتے ہیں۔ ۸۰۰ ع کے مسلمان اس کو جزر بولتے تھے جو گوجر کا معرب ہے اور گجر مخفف ہے گوجر کا۔ پھر ہندوستان کے افغان فاتحوں نے گوجر رائھ سے گجرات بنا دیا اور یہی نام اس وقت معروف و مشہور ہے۔

افغانوں کی نسل

واضح ہو کہ سابقہ ہندو سورخین جو اس آخر زمانہ کی گندی سیاست سے پاک تھے، بڑی بے باکی اور سچائی سے اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ افغان ماسی الاصل، نسل ابراہیمی اور علیحدہ مستقل قوم ہے۔ صفائی اور دلاوری سے یہ بھی مانتے ہیں کہ دریائے سندھ کے مغربی علاقوں سے ان کا مکمل اخراج ہوا اور مشرق کی طرف ہندوستان آئے۔ البتہ اپنے مندروں کے منقوش پتھروں پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”انہی پتھروں سے اولاد اسمعیل یعنی پہاڑی پٹھانوں نے چولہوں کا کام لیا ہے۔“

اس سلسلے میں ایک اور ہندو سورخ لالہ ہتورام مولف تاریخ بلوچستان نے قوم افغان کے اس نظریہ کے تائید کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں، مولف نے افغانوں کے حالات لکھنے کے علاوہ ان کے شجرہ ہائے نسب بھی اپنی کتاب میں درج کئے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت یعقوب^۴ تک پہنچایا ہے۔ اور آخر میں اس بحث کی وضاحت میں لکھتا ہے کہ ”ہرے نشانے سے پایا جاتا ہے کہ اس ملک پر کسی زمانہ میں اقوام یہودی یا ایسی قوم رہ چکی ہے جو نہ ہندو تھی نہ مسلمان تھی۔ ان کے قبرستان اور تحریر برہمنگ ہائے قبرستان وغیرہ نشانے ایسے ہیں جو موجودہ زمانے کے مذاہب و رواج سے بالکل الگ ہیں۔“ افسوس کہ مولف نے مقام کی نشاندہی نہیں کی ہے ورنہ میں خود اس تحقیق کے لئے جاتا۔ معلوم رہے سندھ اور بلوچستان میں شام کے قدیم نام جہاں بنی اسرائیل آباد تھے مثلاً صہیون، سیونی، سند، دبیل، زوب (زاب) وغیرہ سے بھی اقوام یہود کی قدیم رہائش گاہیں یہاں یقینی معلوم ہوتی ہیں اور یہ نام ان قبروں کے متعلق مولف کے بیان کو صحیح

قرار دینے کے لئے کافی وزن رکھتے ہیں اور زوب سے شمال کی طرف بنوں کے قریب کرم اور کرک بھی مشہور اسرائیلی نام ہیں۔

پہاڑی پٹھان

ایک مباح مسمی بنیمین جو تظیلہ کا رہنے والا ہسپانوی یہودی تھا اور اس کو تاریخی حقائق کا زیادہ اندازہ تھا، قریب قریب ۱۱۳۵ عیسوی میں علاقہ جات، پشت، غرجستان، قوہستان، غور، وغیرہ میں ان پہاڑی پٹھانوں کے پاس (جو یہاں رہتے تھے) آیا تھا اور کافی وقت گزارنے اور تحقیق کے بعد اس نے لکھا کہ ”نیشا پور یعنی مشرق ایران کے پہاڑوں میں جو یہودی (لوگ) رہتے ہیں وہ ابتدائی جلاوطنوں کی اولاد ہیں۔“

بنیمین کا مقصد یہودی سے مراد نسل یہودا اور عبرانی قوم ہے نہ کہ مذہب یہود۔ کیونکہ اس وقت جب وہ آیا تھا یہ لوگ مسلمان تھے اور دین محمدی پر قائم ہو چکے تھے اور اپنے آپ کو نسل بنی اسرائیل اور جہت دین سے مسلمان کہتے تھے جیسا کہ اجداد سے یہ تواتر چلا آ رہا ہے۔

ابتدا میں لفظ یہودی کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ فلاں شخص یہودا قبیلے یا یہودا کی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر یہ لفظ ان عبرانیوں کے لئے بولا جانے لگا جو اسیری سے واپس وطن پہنچ گئے تھے آخر میں پوری عبرانی قوم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا اب اسرائیلی سے مراد وہ شخص ہے جو اسرائیل (یعقوب^۴) کی اولاد میں سے ہو اور اسی بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے، اعلام القرآن کے مصنف مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ ”اسرائیل دوسرا نام حضرت

یعقوب^۴ کا ہے آپ کے بارہ فرزندوں سے جو نسل آگے کو چلی ، وہی بنی اسرائیل کہلائی ۔ ایک مذہبی (دینی) نسل کے اعتبار سے تاریخ میں اس کی عظیم الشان اہمیت ہے توحید کی علمبردار یہ بحیثیت ایک قوم و نسل کے بھی ایک مدت تک دنیا میں رہی ہے اور سو دو سو سال تک نہیں ، تقریباً دو ہزار سال تک اس نسل کے اندر انبیاء و مرسلین پیدا ہوتے رہے ، اور دنیاوی عروج بھی اسے صدیوں تک حاصل رہا ۔ داؤد^۴ اور سلیمان^۴ جیسے عظیم الشان بادشاہ اور یوسف^۴ جیسے عظیم المرتبت وزیر سلطنت اسی قوم سے اٹھے ، مسلمانوں کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ بنی اسرائیل یعنی یعقوب کی اولاد مؤحد اور مسلم اور اپنے باپ دادا کے دین پر تھے اس لئے قرآن مجید نے حضرت یعقوب^۴ کی زبانی کہا ہے ۔

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت
اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی ط
قالوا نعبد الہک و الہ آبائک
ابراہیم و اسماعیل و اسحاق
الہا و ہدا و نحن لہ مسلمون

(ترجمہ) ” کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت آ پہنچا اس نے اپنی اولاد سے کہا ، میرے بعد تم کس کی پرستش کرو گے ؟ انہوں نے جواب دیا ہم تیرے اور تیرے باپ ابراہیم ، اسماعیل ، اور اسحاق کے ایک خدا کی پرستش کریں گے اور ہم تو اسی واحد اللہ کے فرمانبردار ہیں اور رہیں گے ۔“

تاریخ افغانان اور تاریخ خان جہان لودی و مخزن افغانی نے زمانہ قدیم کے ان تمام مشائخ و اولیائے کرام کا ذکر اپنی تصانیف میں بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے

اپنے وقت میں اپنے آپ کو افغان اور قوم افغان کو بنی اسرائیل کہا ہے ۔ اور ابھی تک ان کے گفتار و کردار سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی وقت قوم افغان کے بنی اسرائیل ہونے سے انکار کیا ہو ۔ ذیل میں ہم ان مشائخ و اولیائے کرام کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں :-

- ۱ خوجہ قطب الدین بختیار
- ۲ شیخ خواجہ یحییٰ
- ۳ شیخ علی و نکر بختیار
- ۴ شیخ ہائی بے سدانی
- ۵ شیخ اسماعیل سڑینی
- ۶ میر شیرانی
- ۷ شیخ پیر و تو خویشتی سڑینی
- ۸ شیخ متہ کامی
- ۹ شیخ ابو سعید مربانی خویشتی سڑینی
- ۱۰ شاہ محمود جلوانی
- ۱۱ شاہ عبد الرحمن بختیار سڑینی
- ۱۲ شاہ ابا بکر بختیار سڑینی
- ۱۳ شاہ گدا ولد شاہ ابا بکر
- ۱۴ شیخ حامد ولد شیخ گدا
- ۱۵ شیخ ثابت بڑیس سڑینی
- ۱۶ شیخ الیاس بڑیس سڑینی
- ۱۷ شیخ مانکی شاہ باز بڑیس سڑینی
- ۱۸ شیخ متی خلیل سڑینی
- ۱۹ شیخ شہاب بختیار سڑینی
- ۲۰ شیخ عارف ترین ابدالی
- ۲۱ شیخ حسن کامی
- ۲۲ شیخ کسدو سڑینی
- ۲۳ شیخ بدین بختیار سڑینی
- ۲۴ شاہ بختیار سڑینی
- ۲۵ شیخ ملک خرمیں سڑینی
- ۲۶ میاں قاسم خلیل سڑینی
- ۲۷ حاجی کسکن خویشتی سڑینی
- ۲۸ شیخ بٹہ بٹنی
- ۲۹ شیخ احمد نوحانی
- ۳۰ شیخ عبدالنبی بٹنی
- ۳۱ ملا خضر بٹنی
- ۳۲ شیخ احمد سروانی
- ۳۳ شیخ سلیم دانا مروانی
- ۳۴ شیخ سلمی قتال سروانی

- ۳۵ شیخ صدر جہان سروانی ۳۶ شیخ محمود سروانی
۳۷ شیخ یحییٰ شہید باہی نیازی ۳۸ شیخ خضر سروانی
۳۹ شیخ مچن نیازی ۴۰ شیخ الیاس زسریانی ولد شون ہنٹی
۴۱ ملا علی ہنٹی ۴۲ شیخ علی سرمست ہنٹی
۴۳ شیخ علی سرور لودی ۴۴ شیخ بایزید سروانی
۴۵ حاجی عبداللہ سروانی ۴۶ خواجہ خضر کا کڑ
۴۷ شیخ خلدو ولد یونس ناغر ۴۸ شیخ حسن افغان دادی
۴۹ شیخ جمال کا کڑ ۵۰ شیخ ابو اسحاق دادی
۵۰ خواجہ کبیری ترین ۵۲ شیخ ارمیا ترین
۵۳ شیخ بدک ترین ۵۴ شاہ علی ترین
۵۵ شیخ احمد ہنٹی ۵۶ ملک آدم کا کڑ
۵۷ شیخ محمد شون غرغشتی ۵۸ شیخ حمزہ بن ملک آدم کا کڑ
۵۹ شیخ نیکنام دادی ۶۰ شیخ مونا ناغر
۶۱ شیخ عیسیٰ مشوانی

اس سے بعد زمانہ جدید کے چند ایک مشائخ و بزرگان کا حوالہ دینا بھی خارج از بحث نہ ہوگا جو اس بات سے متفق تھے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

۱۔ شیخ ملی۔ جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی نے جلی حروف میں کیا ہے۔ اور کتاب یوسف زنی افغان طبع چہارم ۱۹۷۳ء نے ان کی کارکردگی کو عوام الناس کے سامنے رکھ دیا ہے۔ انہوں نے افغان قوم کے شجرہ ہائے نسب قوم کے صلاح و مشورہ سے مرتب کئے جس کا سلسلہ حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم تک پہنچتا تھا۔ اور انہی شجروں پر افغان قوم میں مفتوحہ ملک کو تقسیم کیا گیا۔ جب انگریز آیا اور اس

علاقہ پر اس نے قبضہ کیا تو ۱۸۷۰ء میں اس نے ملک کا بند و بست کرنا چاہا تو اس سلسلہ میں قوم کے ہر طبقہ کے معمر اشخاص اور جرگوں سے ہوجھ کچھ کی گئی۔ تو انہوں نے وہی شجرے پیش کئے جو شیخ ملی نے مرتب کئے تھے۔ اور جن پر اس وقت تقریباً چار صدیاں گزر چکی تھیں۔ تاہم قوم میں سے کسی شخص نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا بلکہ ہر قبیلہ اور اس کی ذیلی شاخ نے اس کی تصدیق کی۔ تاریخ ہشاور کا مصنف رقمطراز ہے کہ قوم کے مہلے حکومت کی طرف سے دیگر مرتب کردہ شجرے بھی پیش کئے گئے تھے۔ مگر انہوں نے انکو ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ ہمارے پاس اپنے شجرے موجود ہیں جو شیخ ملی نے مرتب کئے تھے۔ ہم انہیں ہر عمل پیرا ہوں گے۔ چنانچہ حکومت نے ان کے شجروں کو تسلیم کیا۔ اور ہندوستان کا کام اسی بنیاد پر مکمل ہوا۔ اس میں خشی (خشی) قبائل اور غوریاخل کے بیانات اب بھی محفوظ ہیں۔ اور یہ شجرے اور ان کے مطابق تقسیم اراضی کا ریکارڈ اب بھی محکمہ مال میں ہر تحصیل ہر ضلع میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ خشی قبائل اور غوریاخل کی آئندہ نسلوں کے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ سڑا بنی اسرائیلی ہیں۔

ریاستہائے سوات دیرو باجوڑ میں جہاں انگریز نہ پہنچ سکا تھا۔ ان لوگوں نے بھی اسی تقسیم پر اکتفا کیا اور وہی اراضی ان کے قبضہ میں رہی جو انہیں شیخ ملی شجرہ نسب کے مطابق تقسیم میں دے چکے تھے۔ اور ابھی تک وہ اس تقسیم پر نخر محسوس کرتے ہیں۔ شیخ ملی نے شجرہ نسب سڑا بنی کا اسرائیل (یعقوب) سے جا ملایا تھا۔ پھر تقسیم انہوں نے جس طرح کی وہ عین اس کے مطابق تھی جو باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے میدان موآب میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے وصیت کی تھی۔ اور پھر یسوع

بن نون نے اس کو عملی جامہ پہنایا تھا اور حضرت موسیٰؑ کی وصیت کے مطابق ملک تقسیم کر دیا تھا۔ چونکہ شیخ ملی بھی بنی اسرائیل سے تھے اور ان کو افغان قوم میں ایک بلند مقام حاصل تھا لہذا انہوں نے بھی موسیٰؑ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرتے ہوئے ملک کو تقسیم کیا۔ اور مذہبی پیشوایان کو بھی اسی طرح سیریاں دلا دیں۔

۲۔ اخوند درویش نے اپنی تصنیف تذکرہ میں اس بارے میں ایک سیر حاصل بحث کی ہے اور بڑے دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔ آپ مید علی ترمذی المعروف پیر بابا کے مرید تھے۔ یہ کتاب ان کے ایما سے مغل شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں لکھی گئی تھی، انہوں نے بھی اس بات سے اتفاق کیا ہے۔ آپ مدتوں بایزید انصاری کے ساتھ اختلاف سے رہے اور کئی مناظرے و مقابلے کئے۔ بایزید انصاری اور ان کے کئی رفقا افغان قوم کے بزرگوں میں سے تھے۔ مگر کبھی بھی ان میں اس بات پر اختلاف نہیں ہوا۔ شجرہ نسب پر انہوں نے نہ برا مانا اور نہ ہی اس سے انکار کیا۔ اس ضمن میں ان کی خاموشی جبکہ دوسرے ہر پہلو پر وہ مناظرے کرتے تھے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس بات سے پورا اتفاق تھا۔

۳۔ عبدالرحمن بابا اور خوشحال خان خٹک جو دونوں افغان قوم کے مشاہیر تھے انہوں نے بھی اس نظریے کے ساتھ کہ افغان بنی اسرائیل ہیں اتفاق کیا ہے۔

۴۔ شاہ افغانستان امیر عبدالرحمن خان کتاب دبدبہ امیری میں لکھتے ہیں: ”میرے بچپن سے اب تک کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جس روز کسی نہ کسی ملک و قوم کی تاریخ میں نے خود نہ پڑھی ہو یا مجھے پڑھ کر نہ سنا گئی ہو“۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

”کل افغان منی مسلمان ہیں اور مؤرخین افغان کے بیان کے موافق اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ ان کا نام افغان لفظ افغنہ سے مشتق ہے۔“ اور اپنی سوانح عمری و تاج التواریخ میں پھر لکھتے ہیں۔

”لہذا چند فقرہ را مختصراً بیان مینمایم تمام اہالیے افغنہ مسلمان منی مذہب سے باشند و بہ موجب کتب تواریخ افغانستان اینہا اصلاً از طائفہ بنی اسرائیل سی باشند و اسم افغان را از لفظ افغانہ گرفتہ اند۔ چون نسب بعضے از آنها بافغانہ کہ سہ سالار حضرت سلیمانؑ بود میر مد و نسب بعضے دیگر از آنها باریسا ہسر شلموئی پیغمبر سی رسد۔“

افغان مشاہیر اپنے آل یعقوب یعنی بنی اسرائیل میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کا نسبتی نام اپنے ناموں کے ساتھ لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ کتاب یوسف زئی افغان اور کتاب آثار سے اس سلسلے میں کچھ مثالیں بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ عبدالواحد افغان مزارعانی بلگرامی کے نام سے ایک صوفی عالم گزرے ہیں جنہوں نے ”سبع منابیل“ کے نام سے ایک کتاب ۱۹۶۹ء میں تالیف کی ہے جس میں انہوں نے اپنا طریقت کا شجرہ یوں بیان کیا ہے:

عبدالواحد بن ابراہیم افغان بلگرامی از مخدوم شیخ حسین افغان بنی اسرائیلی از شیخ عبدالصمد المعروف بہ شیخ صفی۔“
اخوند حافظ محمد شعیب (متوفی ۱۲۳۲ھ) المعروف بابا جی صاحب تور ڈھیری (ضلع مردان) جو کہ حضرت اخوند حافظ ملا محمد خان ابن ملا دور خان محمد زئی کے مرید تھے۔ آپ نے ”مرآۃ الاولیاء“ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔
”ابن فقیر حقیر خاک پائے کبیر و صغیر (محمد شعیب)

غفران اللہ تعالیٰ عند دست بر دامن گنج انوار و مخزن اسرار، پیشوائے شریعت و رہنمائے حقیقت و مخزن معرفت، ہجر عرفان، حافظ قرآن حضرت محمد، بنی اسرائیلی مژبہ نبی قدس اللہ سرہ، وفات حضرت ایشان در ماہ ربیع الثانی شب پنجشنبہ بیست و ششم ماہ مذکور وقت نماز خفتن مال ہزار و دو صد و شش ہجری (۱۲۰۶ھ) بود و قبر مبارک در کدہ ڈیر است و آن موضع امت از توابع عمر زئی و عمر زئی دہ است از دہ ہائے اشغور (پشاور)۔

اخوند حافظ ملا محمد خان بن ملا دور خان افغان محمد زئی جو ایک جلیل القدر بزرگ ہونے کے علاوہ محقق، عالم، سربراہ قبیلہ، اور مصنف بھی تھے انہوں نے اپنی تالیفات میں اپنا نام محمد بنی اسرائیلی مژبہ نبی لکھا ہے۔

قصور مضافات لاہور (پنجاب) میں ایک تاریخی قصبہ ہے۔ یہاں افغانہ کی ایک شاخ دو خویشگی قبیلہ، زمانہ قدیم سے آباد ہے اس قبیلہ میں ارباب علم و فضل اور امرا و رؤسا ہوتے ہیں اور انہی کے سبب یہ بستی علم و عرفان کا مرکز رہی ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ عبداللہ خویشگی قصوری تھے جو فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے عیدی ان کا تخلص تھا اور کثیر التصانیف مصنف تھے ان کی ایک کتاب اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء (۱۰۷۷ھ) ہے۔ اس میں ایک سو ساٹھ افغان مشائخ کے تراجم ہیں۔ یہ مشائخ اپنے آپ کو افغان اسرائیلی کہتے تھے اور ان میں سے بعض اپنے ناسوں کے ساتھ تعارف کے لئے افغان اسرائیلی لکھا بھی کرتے تھے۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے اس کے باب چہارم کا عنوان بطور نمونہ پیش کرتا ہوں جس سے مصنف کی کارکردگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عنوان یہ ہے :

”در بیان نسب افغانان و سبب آمدن از بیت المقدس درہند“ اس نے کافی دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ افغان وہی اسرائیلی ہیں جو شام و فلسطین سے جلا وطن ہو کر یہاں مشرق میں آباد ہوئے تھے۔ ڈاکٹر شیر بہادر خان ہنی مصنف ”تاریخ ہزارہ“ ایٹ آباد میرے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ”مجھے ذاتی طور پر تاریخ و مذہب سے رغبت ہے اور پٹھان ہونے کی وجہ سے پٹھان قوم کی تاریخ سے بھی خاص انس اور فخر ہے۔ فطری قومی انا اور تاریخ کے واقعات کے مطالعہ سے میں نے ایک نظریہ اپنا لیا ہے، اس قوم کو خدا نے علم سیاست، انداز شجاعت اور سخاوت سے نوازا اور یہی لوازمات حکومت ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ یہ بنی اسرائیل ہیں اور خدا نے ان کو اقوام عالم پر برتری عنایت فرمائی قرآن اس پر شاہد ہے۔“ نواب سر صاحب زادہ عبدالقیوم جن کی فراست کسی سے پوشیدہ نہیں ان کا بھی یہی خیال تھا کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

عبدالسلام خان عمر خیل روپیہلہ اپنی تصنیف دو نسب افغانہ، میں اور حافظ رحمت خان روپیہلہ اپنی تصنیف ”خلاصۃ الانساب“ میں کافی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ قوم افغان بنی اسرائیل ہیں۔

نواب محمد اکبر خان رئیس یرسف زئی ہنوق، جن کی لائبریری لاثانی حیثیت رکھتی تھی اور نسب کے بارے میں وہ بہت سخت تحقیق کرنے والے شخص تھے اور اس بارے میں کافی معلومات بھی رکھتے تھے ان کا بھی یہی عقیدہ تھا بلکہ کبھی کبھی بھری مجلس میں قسم کھاتے تھے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

آخر میں حضرت میاں عمر چمکنی کے بیان پر اس باب نسب کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت میاں عمر جو ۱۰۸۵ھ میں سرزمین پنجاب میں دریائے راوی کے کنارے پر واقع قصبہ فرید آباد میں محمد

ابراہیم کے گھر پیدا ہوئے۔ نسلا شمال مغربی سرحدی صوبہ کے آزاد علاقہ باجوڑ کے قبیلہ موسی خیل ترکانی سے تعلق رکھتے تھے۔ فرید آباد میں جب ان کے والد ماجد فوت ہوئے تو وہ اپنے نانا ملک محمد سعید کے ساتھ موضع چمکنی آکر مقیم ہو گئے۔ ۱۱۹۰ھ میں موضع چمکنی پشاور میں وفات پائی یہیں پر آپ کا مزار ہے۔ اور اسی مناسبت سے میاں عمر چمکنی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

آپ بہت بڑے عالم - مدبر - مورخ اور مصنف تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اور تمام قوم پختون کے پیر اور قائد مانے جاتے تھے۔ قوم کی طرف سے ان کو غوث الافغان کا خطاب ملا تھا۔ قوم اور دین کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ اور اسی طرح پشتو زبان کی بھی، یہ ان ہی کی شخصیت اور تدبیر تھا کہ ہندوستان میں مرہٹوں کو شکست کھانی پڑی۔ احمد شاہ ابدالی ان کے بہت معتقد تھے۔ اور ان کی سلطنت کے مضبوط ہونے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ انہی کے مشورہ سے احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں پر فوج کشی کی تھی۔ غوریا خیل اور خشی قبائل کے سرداروں کو معہ ان کے جوانوں کے، احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل کر کے پانی پت کی لڑائی میں بھجوا دیا۔ جس سے احمد شاہ کی فوج کی ہمت اور شجاعت میں اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ جو یوسف زئی افغان روہیلکھنڈ (ہندوستان) میں تھے۔ اور ان کی وہاں سلطنت تھی۔ اور فرمانروا وہاں کے حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ تھے ان کے ساتھ میاں عمر نے رابطہ قائم کیا۔ اور وہاں سے تقریباً چالیس ہزار افغان نجیب الدولہ کی سرکردگی میں احمد شاہ ابدالی سے آئے۔ اور ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ مرہٹوں کا بڑا زور تھا۔ تمام پنجاب اور ہندوستان پر وہ قابض تھے۔ پانی پت کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ بڑی خونریز لڑائی

ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً تین لاکھ مرہٹے کام آئے اور باقی بھاگ گئے۔

احمد شاہ ابدالی جب کبھی پشاور آتے تھے تو چمکنی ضرور باریابی کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور ہر اقدام سے پہلے ان سے صلاح و مشورہ کرتے تھے۔

پانی پت کی فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی افغانوں کی شجاعت کا لوہا مان چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے میاں عمر کے مشورہ سے افغان کے نام پر اس علاقے کا نام افغانستان رکھا جسے کبھی خراسان، سیستان اور زابلستان کہتے تھے۔ اور یوں افغانستان معرض وجود میں آیا۔

اب بھی خدا کے فضل و کرم سے وہ نام موجود ہے اور حکمران بھی افغان ہی ہے مگر افسوس کہ وہ حدود جو احمد شاہ ابدالی قائم کر گئے تھے وہ امیر شیر علی خان اور عبدالرحمن خان شاہ افغانستان کے دور حکومت میں بوجہ باہمی اختلافات کے نہ رہے۔ شمال کی طرف سے روس اور جنوب مشرق کی طرف انگریزوں نے کچھ علاقوں پر قبضہ کیا۔ اس پر عبدالرحمن خان نے اپنی کتاب ”دہدہ امیری“ میں افسوس کا اظہار کیا ہے۔

اب یہاں نسب کے بارے میں حضرت میاں عمر صاحب چمکنی کے چند قوال کتاب ”یوسف زئی افغان“ طبع چہارم ۱۹۷۳ء ضمیمہ نمبر ۱ سے پیش کئے جاتے ہیں :

آپ کی تالیفات میں سے شمائل النبی ہر زبان پشتو کو خاص شہرت حاصل رہی ہے۔ اس کتاب کا وہ قلمی نسخہ جو ۱۱۷۲ھ کا تحریر کردہ ہے اور اس وقت پشاور شہر میں محلہ بالامانی جناب سید فضل ہمدانی بنوری مرحوم کے مدرسہ رفیع الاسلام کے کتب خانہ میں موجود

ہے۔ اس میں حضرت میاں عمر چمکنی فرماتے ہیں :-

”محمد عمر ابن ابراہیم بنی اسرائیلی سڑہ بنی شمائل راور

ہے ہینٹوڑیہ چہ طالبان نے یہ لوست شی خوشحال“

ترجمہ : محمد عمر ابن ابراہیم اسرائیلی سڑہ بنی نے شمائل النبی ، ہشتو
زبان میں تحریر کی تا کہ طالب علم اس کے پڑھنے سے خوشحال ہوں
ان کی ایک اور کتاب خلاصہ کیدانی افغانی (جو اس وقت
میرے پاس ہے اور مجھے جناب عبدالحمید اثر نے دی ہے) اس میں
انہوں نے اپنے آپ کو پختون اور افغان دونوں ناموں سے یاد کیا ہے
اور اپنا شجرہ نسب یہودا ابن یعقوب^۴ سے جا ملایا ہے۔

تیسری کتاب کا پورا نام المعالی شرح آمالی ہے۔ یہ کتاب میاں
عمر نے ۱۱۵۸ ع مطابق ۱۷۷۵ء میں تالیف کی ہے۔ اور یہ اگرچہ
علم عقائد سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم درمیان میں جگہ جگہ تاریخی
مضامین بھی درج کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر دیباچہ میں اپنے
حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :-

”ہم یہ فقیر محمد عمر ابن محمد ابراہیم محمدی مشرب ہے

(صل اللہ علیہ وسلم) اور جہت نسب سے مشہور افغان سے ہے۔

اور واقعات اور حقیقت میں افغان ہونے کے علاوہ اپنی طرف

کسی دوسرے قسم کی نسبت کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

لیکن چونکہ اپنے نسب سے انکار کرنے پر وعید یعنی سزا کا

حکم وارد ہے اس وجہ سے جو بات کہ نفس الامر میں سچی ہے

لکھی جاتی ہے۔

میرے والد ماجد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ اس کا نام

ابراہیم ہے نسب سے افغان ہے۔ اور افغان مذکور ملک طالوت کی

اولاد میں سے اور ملک طالوت بنی اسرائیل میں سے ہے اور اسرائیل

ایک نام ہے جو عبارت ہے مہتر یعقوب^۴ سے جو اسحاق^۴ کا فرزند ہے
اور اسحاق^۴ حضرت ابراہیم^۴ کے فرزند ہیں علیہم السلام،

گزشتہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ افغان قوم کے مشائخ، علماء،

و امراء عوام و خواص، مرد و زن، بادشاہ، بزرگان دین، فقیر، نواب سب

اس پر متفق چلے آ رہے ہیں کہ افغان نسل ابراہیمی اور بنی اسرائیلی ہیں

لہذا اس فیصلے کے خلاف کسی غیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس

میں تاویل کرے۔ اپنے آباؤ اجداد کے متعلق ان کی اولاد کا کہنا زیادہ

معتبر ہوتا ہے یہ نسبت غیروں کے۔ اور ان لوگوں کو جو بزرگان دین

کے مذکورہ عقیدے اور رائے کے خلاف سوچتے ہیں ان کو چاہیے کہ

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے سبق حاصل کریں

جو ذیل میں درج ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے ”کہ جس زمانہ میں عرب کے وفود اسلام

لانے کے لئے نبی کریم^۴ کے پاس آتے تھے تو عرب کے شاہی خاندان کا

ایک وفد کندہ سے آیا اس کے سردار اشعث نے اثنا کلام میں آپ سے عرض

کیا، ہم لوگ اکل المرار کی اولاد ہیں اور آپ بھی اکل المرار کے لڑکے

ہیں یعنی ہم اور آپ ایک خاندان کے ہیں۔ آنحضرت^۴ نے یہ کلام سن

کر ہنس کر فرمایا، نہیں! ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، نہ تو ہم

اپنی ماں پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کرتے ہیں۔“

الغرض کافی تحقیق کے بعد میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آج

کل کے نوجوان جو نسل افغان سے متعلق ہیں ان کو بھی اپنے اجداد کے

اقوال و اعمال اور معلومات پر یقین کامل رکھنا چاہیے کیونکہ نسب کے

بارے میں ان کی معلومات کی نسبت ان کے بزرگی زیادہ حقیقت خلوص، اور

مہجہداری پر تھے وہ اپنی اصل نسل خوب جانتے تھے اور جیسا کہ ہم

ان کے وارث ہیں تو ہمیں اپنے مورث اعلیٰ کی اس وراثت پر جو نسب

کے بارے میں ہے، اس پر بغیر شک و شبہ مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔ سیاست کے لئے دوسرے حربے بھی بہت ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ افغان اور پختون سب ایک ہی قوم اور ماسی النسل ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اگر وہ اپنا شجرہ نسب قیس سے آگے نہیں لے جا سکتے تو اس میں عیب کی کوئی بات نہیں۔ دنیا کی کوئی قوم بھی اپنا شجرہ پوری طرح نہیں بیان کر سکتی۔

زبان

اس قوم کی زبان پختو (پشتو) ہے اور بعض اسے افغانی بھی کہتے ہیں اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ زبان وہ اپنے ساتھ لائے تھے یا یہاں آ کر بنائی۔ بہر حال قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ زبان صرف افغان قوم ہی استعمال کرتی چلی آ رہی ہے گو کہ اور بھی کئی قومیں یہاں آباد تھیں اس قوم کو ملک شام اور اس کے مضافات کو چھوڑے ہوئے ۲۷۰۰ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اتنے طویل عرصہ کے دوران میں بہت تحقیق کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ زبان کسی اور قوم نے بھی استعمال کی ہو۔ کہونکہ پہلے پہل جب یہ لوگ یہاں آئے تو اس وقت دیگر اقوام مثلاً آریں کے مختلف قبائل میڈی منگولین اور تاتاریں وغیرہ پہلے سے آباد تھے۔ محققین نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ عبرانی زبان بھی بہت حد تک یہ لوگ بھلا بیٹھے تھے جیسے شام کے مورخ فلپ۔ کے۔ حتیٰ لکھتے ہیں :- ”وہ یہودی جو بابل سے یروشلم آئے تھے۔ زبابل اور نجمیا کے ماتحت یہودی ایک خاص درجہ خود اختیاری سے مستفید رہے۔ لیکن عبرانی زبان صرف اسی وجہ سے ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ جلا وطن

ہو گئے تھے اور انہیں یعنی غیر وطن میں رہنا پڑا تھا جہاں کی بولی دوسری تھی۔ بلکہ یہود (کے وطن) میں بھی یہ زبان ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ آراسی زبان نے لے لی تھی۔ عبرانی کی حیثیت محض ایک مقدس زبان کی رہ گئی تھی۔ اور یہوری خود سرکاری خط و کتابت میں آراسی زبان ہی استعمال کرتے تھے عبرانی اگرچہ مرگئی تھی۔ لیکن اس نے بہت سی مہذب زبانوں کے لئے الفاظ کی ایک قیمتی میراث چھوڑی۔ انگریزی زبان میں جو نام بہت عام ہیں۔ مثلاً جان، جوزف، پال، میری، یہ سب عبرانی الاصل ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی میں سگنل اور ویلڈنگ جو عبرانی اور پختو زبان کے سنگل اور ویلی کے مرادف ہیں، بھی موجود ہیں۔

اس کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے کچھ الفاظ عبرانی کچھ آس پاس کی پڑوسی آراسی، سریانی زبانوں سے اور کچھ اپنی طرف سے لگا کر اپنے لئے ایک دوسرے کو سمجھانے کی خاطر وہاں شام میں اس زبان کی بنیاد ڈالی ہو۔ کیونکہ عبرانی بھلانے سے ان کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ گزر اوقات کے لئے کوئی زبان اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت جو زبان اختیار کی اس کا نام پختو ہوا۔ پختو کا لفظ اس سے بھی مشابہت رکھتا ہے کہ وادی پخت موآب شرق اردن شام میں جو قبیلہ رہائش پذیر تھا وہ بنی پخت تھا۔ اور پخت سے پختون اور پختو کا ہونا قرین قیاس ہے۔ جب سے یہ لوگ اس علاقہ میں آئے ہیں تو اسی وقت سے انہوں نے اپنی الگ قومیت قائم رکھی ہے اور اپنی زبان پختو کو محفوظ رکھا ہے اگرچہ دوسری اقوام کے ساتھ کافی حد تک مشترک رہ چکے ہیں۔ ان کے ساتھ معاملات اور روزگار رکھنا لازمی تھا اس لئے انہی کی زبان میں ان سے بات چیت کرنے پر مجبور تھے۔ زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد ظاہری شکل و مشابہت اور لباس ان کا ایک جیسا

ہو گیا تھا۔ اس وقت ان کی شناخت ہی صرف ان کی اپنی زبان پختو ہی سے ہوتی تھی۔ جیسا کہ مغلوں کے دور میں جب ہمایوں اور شیرشاہ سوری کی آپس میں جھڑپیں ہوئیں اس وقت کے حالات اخوند درویشہ اپنی تصنیف ”تذکرہ میں سید علی ترمذی المعروف پیر بابا“ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے خود دیکھا کہ ہمایوں جب ہندوستان سے شیرشاہ سوری سے شکست کھا کر پشپا ہوا۔ تو شیرشاہ سوری اس کے تعاقب میں تھا۔ تو ان کے لشکر کے سپاہی دوسرے کو صرف زبان ہی سے پہچانتے تھے۔ جو پختو نہیں بول سکتا تھا اسے مغل بادشاہ کا سپاہی تصور کیا جاتا تھا۔ اور اسے پکڑ لیتے تھے کیونکہ خدوخال اور شکل و شبابت اور لباس ان کے ایک ہی جیسے تھے۔ اور وہ ایک ہی ملک خراسان کے رہنے والے تھے۔ لیکن پختون نہ تھے۔ غیر پختون کو پختو نہیں آتی تھی۔

اس سلسلے میں ایک اور مثال پیش خدمت ہے تاکہ سب پر واضح ہو جائے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد تک بھی پورے ہندوستان میں پٹھانوں کی اپنی گھریلو زبان پختو ہی تھی۔ جس کا ثبوت سر سید احمد خان کے سوانح حیات سے ظاہر ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران میں بجنور میں تحصیل داری کے عہدے پر فائز تھے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ ”جب میں بجنور میں تحصیل دار تھا تو غدر کے ایام میں نجیب آباد سے پٹھان لوگ آئے جن کا سرگروہ کلوخان کا بیٹا تھا جو نجیب الدولہ کا نواسا ہے۔ یہ لوگ بجنور کے ایک باغ میں جمع تھے اور آپس میں مشورہ کر رہے تھے لیکن ان کی گفتگو کوئی نہیں سمجھا کہ یہ کیا ارادہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستانی پٹھان آپس میں اپنی ہی زبان پختو میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے رات کے آخری حصے میں انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ اسی طرح تاریخ نگار کا مصنف بھی لکھتا ہے کہ بہار“

اڑیسہ، اور بنگال، میں افغان اپنے آپس میں پختو استعمال کرتے تھے اور ان کے ہاں اپنی پختو زبان محفوظ تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ زبان افغان قوم نے دوسری قوموں سے سیکھی تو ضروری تھا کہ وہ دوسری قومیں بھی اس زبان پر حاوی ہوتیں۔ کیونکہ وہ ان کے ساتھ ایک ہی سرزمین پر رہتے تھے پختو کو اس قوم کی صرف زبان ہی کا نہیں بلکہ اسے اس قوم کے آئین کا درجہ بھی حاصل ہے۔ اور وہ اسے بطور اپنے قانون، عزت و احترام اور قومی آزادی کے خاطر بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔ اب بھی افغان قوم کے لوگ کسی دیرینہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں۔ کہ پختو (آزادی) کے وقت میں یہ کام ہوا۔ اور غیرت کے مقام پر خصوصاً کہتے ہیں کہ یہ کیا پختو ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ قوم قائم بھی اسی قانون پر ہے۔ چنانچہ اس کے احترام و بقا کی خاطر جب یہ ہندوستان پر قابض ہوئے۔ اور وہاں اپنی سلطنتیں قائم کیں تو جب تک وہ اپنی زبان کی قدر کرتے رہے اور اس پر قائم رہے۔ اس وقت تک ان میں برتری کا جذبہ اور احساس بھی موجود رہا اور جب انگریز کے آنے کے بعد انہوں نے اپنی زبان کو بھلا دیا تو گویا تمام سرمایا پی لٹ گیا اور یہ ایسے احساس کمتری میں مبتلا ہوئے کہ رہی رہی حکومتیں ختم ہو گئیں اور یہ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

پٹھانوں کی عام زندگی

اس ضمن میں یوسف زئی افغان طبع چہارم (۱۹۷۳ء) سے چند القابات پیش کئے جا رہے ہیں :-

”پٹھانوں کی اخلاقی طاقت، اس کی سپاہیانہ بہادری اور سیاسی معاملات میں اس کی تیز فہمی ہی نے اس کے اجداد کو اپنے وطن سے دور حاکمانہ اختیارات عطا کئے تھے۔“ (سراولف کیرو) افغان یا پٹھان اپنی عام زندگی میں سادگی پسند اور جفاکش دکھائی دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے اسے ماحول ہی ایسا عطا کیا جس میں محنت و مشقت اور جفاکشی کے سوا گزر ہی مشکل ہے۔ اس کی پیدائش اس کی طفولیت اور اس کا عہد شباب انہی سنگلاخ پہاڑیوں میں گزرتا ہے۔ پیدائش کے وقت سے ہی پوئے آزادی اس کے دماغ کو معطر رکھتی ہے۔ اور جب ہوش سنبھالتا ہے تو اپنے آپ کو آزاد فضا میں آزاد شہری کی حیثیت سے دیکھ کر فطرتاً اپنی آزادی کے قیام و بقا کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے۔ وہ آزادی کے قصے کہانیاں سنتا ہے۔ قوسی روایات اور تاریخی واقعات سے بہرہ افروز ہوتا ہے۔ اور اپنے بزرگوں کے زبانی گذشتہ ادوار کے حالات سن کر گرد و پیش کی واقعیت حاصل کر لیتا ہے۔ اسے اپنے حجرہ میں بتایا جاتا ہے۔ کہ آزادی وطن یا آزادی قبیلہ یا آزادی خاندان کے لئے اس کے والدین یا متعلقین یا اجداد کس طرح قربانی دے چکے ہیں، تو اس میں بھی وہی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی تحفظ آزادی اور ننگ و ناموس کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت مسلح رکھنے کی فکر کرتا ہے۔ اور جب بچپن ہی سے کہ ابھی کوئی شعور نہیں ہوتا اس کی ماستا بھری ماں اسے لوری میں یہ تلقین کرتی ہے :-

اللہ ہو شہد اللہ ہو حُما جانند اللہ ہو

ہلارد تلے دے ہد جہنگ

نہم تیرہ تورہ ہد سہنگ

سر ہد ورکا ندے ہد جہنگ

ہد وطن راغے فرنگ
اللہ ہو شہد، اللہ ہو.....
تہ نواسے غے دہ خالہ
او غوری دے والد
ولے زہ لے جامد
ترجمہ اللہ ہو شہد، اللہ ہو.....
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ میری جان اللہ ہو
تمہارا باپ جنگ کرنے گیا ہے
عمدہ تیز شمشیر لٹکا ہے ہو
اپنے ناموس کو بچانے کے لئے سردیدکا
وطن پر فرنگی چڑھ آئے ہیں
اللہ ہو..... اللہ ہو.....
تم خالہ کے ہوتے ہو
اور تم غوری کے بیٹے ہو
بھر دل کیوں کھیرا
اللہ ہو..... اللہ ہو.....

تو ظاہر ہے کہ ہوش سنبھالنے پر بھی اسی قسم کے خیالات سننے کا موقع ملتا ہوگا۔ وہ عہد طفولیت سے ہی اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر دوڑ دھوب کا احوال کرتا ہے۔ تو اس کی دلچسپی تیزی سے پہاڑیوں کے نشیب و فراز کو عبور کرنے اور پتھروں سے نشاندہ بازی شروع کر دینے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

رفتہ رفتہ عمر کی منزلیں طے کرنے پر اس کے ہاتھ کا چلا ہوا کوئی پتھر خالی نہیں جاتا۔ اور وہ اپنے ہم عمر رفقاء میں اس لسانہ

بازی کے مقابلہ کو مسلسل اور لگاتار جاری رکھتا ہے وہ بچپن ہی سے اپنے عزم و ارادہ پر پورے استقلال سے قائم رہتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائے کہ قبائل کا یہ ننھا منا بچہ کہ ابھی جوانی کی بہاروں تک نہیں پہنچا۔ کسی کے تعاقب میں دوڑتا ہے۔ اپنی کمزور چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے اسے پکڑ نہیں پاتا اور تھک کر رک جاتا ہے تو بھی ہمت نہیں ہارتا، پتھر اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ جب اس سے بھی کام نہ چلے۔ اور جس کا ہچکچا کیا جا رہا ہے وہ آنکھوں سے دور نکل جائے تو پھر وہ دو چار صلواتیں ہی منا دیتا ہے۔

پروفیسر لالہ عبدالرحیم (اسلامیہ کالج پشاور) کن مختصر اور جامع الفاظ میں فرماتے ہیں کہ :-

”پٹھانوں کی امتیازی صفات، غیرت، سخاوت، جسارت اور جوانمردی اور حیا ہیں۔ یہ صفات کسی مجاہد قوم کی ہی ہو سکتی ہیں اور پٹھان ہمیشہ مجاہد رہا ہے۔ اور اس نے شمشیر سے ہی خدمات اسلام سرانجام دی ہیں۔“

الفنسٹن جیسا متعصب مصنف بھی اس سلسلہ میں ہوں اظہار خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ :-

”پٹھانوں کا اپنے ملک میں ان لوگوں سے سلوک جنہیں وہ کافر سمجھتے ہیں، قابل تعریف ہے۔ بت ہرستوں سے ان کی نفرت کو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن اس نفرت کے باوجود ان کے علاقہ میں ہندوؤں کو اپنی رسومات ادا کرنے کی پوری آزادی ہے اور ان کی عبادت گاہوں کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچائی جاتی۔“

جنگ و جدل اور خطرات میں ہر وقت گھرے رہنے کے باوجود پٹھان حد درجہ کا مہمان نواز ہے۔ اس کے دروازے اپنے ہرائے، دوست دشمن، مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے ہر وقت کھلے دکھائی

دیتے ہیں۔ ان کے حجروں میں جو شخص داخل ہو جائے وہ اسے قانون ملک کے مطابق عزت و احترام سے جگہ دے کر اس کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کا تحفظ بھی ان کا اولین فرض ہوتا ہے۔ مہمان کی آمد پر علیک سلیک کے بعد عام طور پر اس کے سامنے چلم پیش کی جاتی ہے۔ البتہ جن علاقوں میں پانی کمیاب ہے اور باشندے میلوں کے سفر کے بعد لاتے ہیں۔ وہاں سب سے پہلے پانی کا جام حاضر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے وہ اپنی عزیز ترین چیز سمجھتے ہیں۔ افغانوں کے علاقہ میں اپنا بستر ساتھ لے کر سفر کرنے کا رواج نہیں حجروں میں مہمانوں کے لئے کافی تعداد میں بستر موجود رہتے ہیں۔ اور جہاں ایسا انتظام نہ ہو، وہاں کمبل وغیرہ مہیا کئے جاتے ہیں۔ پٹھان عام طور پر اپنے پاس ایک چادر رکھتا ہے۔ جس سے وہ اوڑھنے، بچھونے، ٹاول، چھتری اور جائے نماز کا کام بھی لیتا ہے۔ جو لوگ تمباکو پینے کے عادی ہوں وہ اکثر چادر کے ایک کونے میں یا علیحدہ چھوٹی سی تھیلی میں تمباکو اپنے ساتھ لئے بھرتے ہیں۔ تا کہ ضرورت کے وقت کام آسکے۔

افغانوں کے کھیل بھی عام طور پر ایسے ہی تھے کہ جن سے ان کی مہادیانہ قابلیت کو اجاگر کرنے کا موقع ملتا تھا چنانچہ ان کا ایک مشہور کھیل مسخہ یوں کھیلا جاتا ہے کہ وہ ایک بت بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں اس کے سر پر اندازاً کوئی دو انچ قطر کی گول لکڑی کا ٹکڑا مع حلقہ کے رکھ دیا جاتا ہے جسے وہ اپنی اصطلاح میں کواڑہ کہتے ہیں توجوان دو ہارٹیوں میں تقسیم ہو کر مذکورہ لکڑی کے ٹکڑے کا جو ٹکٹی کہلاتا ہے تیر و کمان سے نشانہ باندھتے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ نشانہ ٹھیک ٹکٹی پر لگے جو بت کے پیشانی پر لگا رہتا ہے۔

ہے۔ یہ تیر اندازی یا نشانہ بازی اور یہ بت ماری اسی جذبہ کے تحت ہوتا تھا کہ یہ کھیل کافروں کے خلاف تیاری کرنے اور تیر اندازی سیکھنے کا ذریعہ تھا۔ جیسا کہ انگریز یہاں چاند ماری کرتے تھے۔ اسی قسم کا ایک کھیل نیزہ بازی کا تھا۔ اس میں شاندار مقابلے ہوتے تھے ان کی جنگوں میں سواروں کو خاص اہمیت حاصل رہی اور قومی لشکر میں سواروں کا موجود ہونا قومی ضروریات سے تھا۔ اس کھیل سے نوجوانوں کا ہاتھ مضبوط ہوتا اور اسی طرح گھوڑا بھی میدان جنگ میں دشمن کو مارنے کے لئے عادی ہو جاتا۔ یہ دونوں مذکورہ کھیل جنگی تربیت کا ذریعہ تھے اور نوجوان اس میں مہارت حاصل کر لیتے تھے تا کہ اصلی جنگی میدان کے لئے تیار ہو جائے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جگہ بہ جگہ موجود ہے یہ کھیل، نیزہ بازی اور مغلہ یعنی تیر اندازی خصوصاً علاقہ یوسف زئی میں جگہ بہ جگہ اب بھی جاری ہیں۔

خط و خال

افغان بدن سے مضبوط جسم سے پہنیت ناک اور رعبدار ہے اور چست و چابک ہے سمجھداری میں بے مثل ہے شہروں میں رہنے والے دیہاتی یا پہاڑوں میں بسنے والوں میں کوئی فرق نہیں دنیا کی سیاست سے باخبر ہوتے ہیں۔ دلاور، نڈر اور نشانہ باز ہیں اور مرد و زن خوبصورتی میں لاثانی ہیں اور کیوں نہ ہو کہ حضرت یعقوبؑ کی نسل سے ہیں جیسا کہ خوشحال خان خٹک کہتے ہیں۔

”ہم خدائست باندے ئے خدا وینا دہ“
”چہ ہم اصل د یعقوب قوم و“ ”تبار، دی“

خاندان غوری

منہاج سراج جوز جانی نے اپنی تالیف طبقات ناصری جو اس نے ۸۶۵ھ میں لکھی ہے غوری خاندان کو ضحاک تازی کے نسل سے ظاہر کیا ہے چونکہ مولف کے خاندان غزنوی کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اس بیان کو سیاسی رنگ دے کر خاندان غزنوی کے انتقامی اثرات کے تحت مواد جمع کر کے تاریخ کی غلط بنیاد ڈالی۔ اور چونکہ اس سے پہلے اس ضمن میں کوئی کتاب نہیں چھپی۔ جس سے صحیح حالات کا علم بعد کے مورخین کو ہوتا۔ لہذا افغان قوم کے مورخین تک نے اس پر کچھ غور نہیں کیا۔ منہاج سراج نے حوالہ تاریخ مبارک شاہ کا دیا ہے۔ تحقیق کرنے پر یحوی بن عبد اللہ سرہندی سامنے آتا ہے جس نے تاریخ مبارک شاہی لکھی ہے مگر اس میں ضحاک تازی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ عبد الحمی حبیبی نے طبقات ناصری پر حواشی قلم بند کئے ہیں۔ اس نے منہاج سراج جوز جانی کا تعارف جس رنگ میں پیش کیا ہے وہ قابل دید ہے۔ اس نے بہ تفصیل لکھا ہے کہ وہ کون تھا اور خاندان غزنوی کے ساتھ اس کے رشتہ داری کے کیا تعلقات تھے۔ نیز حبیبی نے اس بات کی تردید کی ہے۔ کہ غوری ضحاک تازی کی نسل سے ہیں۔ معلوم رہے کہ افغانوں میں ساہاک، سہاک، ضحاک نام بہت ہیں جو اسحاق اسحاق سے مخفف ہیں ابتدائی دور اسلام میں دنیائے عرب میں بھی ضحاک نام کے بہت آدمی گزرے ہیں۔ مثلاً ضحاک بن قیس الفہری، ضحاک بن علوان وغیرہ۔ ابو زہرہ مصری لکھتا ہے کہ:-

”خراسان میں خلیفہ ہشام بن عبدالمالک کے وقت ایک نام

الضحاک بن مزاحم گزرا ہے - جو فقید اہل خراسان تھے فتوح البلدان میں بھی اس کے متعلق یوں لکھا ہے کہ ضحاک بن مزاحم صاحب تفسیر ان مسلمانوں کے ساتھ تھے - جو سمرقند میں فاتح کی شکل میں داخل ہوئے -

افغانستان میں ایک قصبہ اب بھی ضحاک کے نام سے موجود ہے اغلب ہے کہ یہ نام انہی کے نام سے ہو کیونکہ وہ خراسان کے رہنے والے تھے -

افغان قوم نے ہمیشہ غوریوں کو افغان ہی سمجھا ہے اور غوری خود بھی اپنی نسل کو افغان ہی کہتے چلے آئے ہیں - جیسا کہ شیرشاہ نے اپنے آپ کو افغان ہی کہا ہے -

ابن بطوطہ جس کی حیثیت ایک سیاح کی تھی اور دوسرے ملک کا باشندہ تھا - اس نے غوری خاندان والوں کے ساتھ ہرات میں کافی وقت گزارا - ان کے قاضیوں اور مشائخ سے تبادلہ خیال کیا - اپنے سفر نامہ جلد اول مولفہ ۷۷۷ھ میں لکھتا ہے -

”کہ یہ ایک ہی قبیلہ کے لوگ ہیں - جنہیں الغوریہ کہتے ہیں -

اور یہ لوگ غورالشام کی طرف منسوب ہیں - اور ان کی اصل بھی اس سے ہے -“

معلوم رہے کہ شام کے علاقہ شرق اردن میں وادی غور ایک علاقہ ہے جہاں سے ابتدا میں یہ لوگ جو بنی اسرائیل کی ایک شاخ تھی جلاوطن ہو کر آئے تھے - اور وہاں غوریا کے نام سے ایک اسرائیلی پیغمبر بھی گزرا ہے جس کی نسبت سے یہ وادی ہے -

ابن خلدون نے حصہ اول ابتدائی حصہ میں انبیاء کے متعلق لکھا ہے کہ یہوشع - غوریا - اسوص - اشعیا - اور یونس بن منی علیہم السلام بنی اسرائیل کے ایک وقت کے انبیاء تھے -

کتاب ہشہ خزائنہ تاریخ سوری کے حوالہ سے سلاطین غور کو سہاک کی اولاد سے بتاتے ہیں نہ کہ ضحاک تازی، منہاج سراج مذکور نے سہاک سے ضحاک لکھ کر ایک افسانوی شخصیت ضحاک تازی سے ان کو منسلک کرنے کی کوشش کی ہے جو قطعاً غلط اور بے بنیاد اور افغانوں کی روایات کے خلاف ہے - بلکہ جو نام ابن خلدون نے پانچ انبیاء علیہم السلام کے بیان کئے ہیں - ان میں ایک نبی کا نام غوریا ہے لہذا سلاطین غور کے متعلق یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نسبت انہی غوریا کی طرف ہے الغرور کی وادی بھی غوریا نبی کی نسبت سے ہے اور نسب بھی - اور یہی سب کچھ ابن بطوطہ نے غوریا خاندان کے سلطان اور قاضیوں اور مشائخ سے سن کر اپنی رائے قائم کی تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ غوری نسل ضحاک نہیں بلکہ از نسل سہاک بادشاہ جو یعقوب کی نسل سے تھا -

مصنف ہشہ خزائنہ ، تاریخ سوری کے حوالے سے لکھتا ہے کہ - ”یہ (غوری) اسرا“ عرصہ دراز سے علاقہ غور ، ہالستان اور بست میں آباد تھے - اور یہ لوگ ” سور“ نامی اس خاندان سے ہیں جو سہاک کی نسل سے تھا“

مصنف تاریخ ہشہ خزائنہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس خاندان کی مادری زبان پشتو تھی اور ان میں پشتو زبان کے شعرا بھی موجود تھے - اس نے اپنی تاریخ میں محمد سوری کے ، سلطان محمد غزنوی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مرنے پر شیخ اسعد سوری کا ایک مرثیہ بھی درج کیا ہے - شیخ اسعد اس کا قریبی رشتہ دار تھا اور اس جنگ میں اس کے ساتھ شریک تھا - متذکرہ بالا مرثیہ تاریخ ہشہ خزائنہ میں یوں درج ہے - واضح رہے کہ یہ مرثیہ ایک ہزار سال پہلے کا ہے -

نہ لہ غرجہ بیمار اخی کاروان دا مشکو
 نہ را دروسی غورتہ بیا جوہی دا شار
 دا بہ شہ چہ محمد ، ولاہ لہ نریہ
 بہ ویرنہ ئے سو غور قول سوکوار
 تہ بہ ننگہ وے ولاہ بہ ننگ کبھی سو سوے
 ہم پرے ننگہ وی بہ ننگہ کا خان جار
 کہ سوری دے بہ تگ ویر کاندے ویرمن سول
 ہم بہ ویاری ستا بہ نوم ستا بہ قبار
 بہ جنت کبھی دے وے تون زمونگ واکمہ
 ہم بہ تا دے وی دیر لورے دا غفار

ولیم اے ڈیوٹ لکھتا ہے ۔

ہندوستان میں پہلی اسلامی حکومت محمد بن قاسم نے قائم کی ، لیکن وہ اس وسیع ملک کے صرف ایک ہی گوشے تک محدود رہی۔ محمود غزنوی آندہی کی طرح دور دور پھر کر نکلا ، لیکن لاہور کے سوا کوئی حصہ اس کی سلطنت میں شامل نہ ہوا۔ جس شخص نے ہندوستان کے قلب میں تخت سلطنت بچھایا اور پورے براعظم کی فضا میں اسلامی پرچم اڑانے کا موقع پیدا کیا وہ سلطان شہاب الدین محمد غوری تھا ۔

کتاب آئینہ حقیقت نما میں درج ہے۔

”شہنشاہ بن حریق جو علاقہ غور کا رئیس تھا حضرت علی کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔ اس کی اولاد افغانہ شہسبئی کہلائی۔ انہیں میں لودی سوری وغیرہ افغان شامل ہیں محمد بن سوری اسی شہسب کی اولاد سے تھا اور اس کی چھٹیں پشت میں سیف الدین محمد سوری بہلا غوری

بادشاہ بنا جس کے بعد علاؤالدین حسین جہاں سوز اور شہاب الدین محمد غوری وغیرہ بادشاہ بنے۔“

تاریخ افغانستان (پختو) مصنف احمد جان صفحہ ۷۸ پر غوری خاندان کے متعلق لکھتا ہے ۔

”غوری خاندان کے شجرہ نسب پر سونشوارٹ الفسٹن ، ڈی جنگسر ، پروفیسر ڈارن اور دوسرے قابل ترین مورخین نے بحث کر کے ان کی غالب اور مضبوط رائے اس طرف ہے کہ غوری خاندان کی اصل و نسل پختون ہی ہے۔“

پھر صفحہ ۹۵ پر یوں درج ہے

”چنگیز مغل کے مرنے کے بعد جس کی موت ۱۲۲۷ء میں واقع ہوئی ، کچھ عرصہ بعد افغانوں کی ایک نئی سلطنت غزنی میں قائم ہوئی۔ اور اس سلطنت کے حکمران بھی غوری خاندان والے تھے۔ اس کا پہلا بادشاہ شمس الدین غوری اور اس کے بعد رکن الدین بادشاہ بنا اور اس کے بعد فخرالدین ، لیکن یہ تینوں بادشاہ مغلوں کے زیر اثر تھے اور ان کے چہارم بادشاہ غیاث الدین غوری خود مختار بادشاہ بنا اور اس کے بعد سب بادشاہان یعنی شمس الدین ، ملک حافظ معزالدین سلطان حسین ، اور غیاث الدین غوری (ثانی) آزاد اور خود مختار بادشاہ تھے۔ لیکن آخری بادشاہ سلطان غیاث الدین غوری کے زمانہ میں افغانستان کی آزادی اور بادشاہی دونوں بے موقع ختم ہوئیں۔ یعنی تیمورلنگ کے ہاتھوں ۱۳۸۰ء میں۔“

واضح رہے کہ ابن بطوطہ انہی غوری سلطنت کے زمانہ میں ان کے ہاں ہرات وغیرہ میں آیا تھا اور نسب کے بارے میں اس نے انہیں سے دریافت کیا تھا ۔

الغرض تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ خاندان غوری خود افغانی خاندان تھا۔ عہد مغلیہ سے پہلے کی اسلامی حکومت کو مورخین نے دور افغانیہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کو افغانوں ہی نے فتح کیا اور افغانوں ہی کی قوم سلطنت اسلامیہ کی اصل طاقت تھی۔

خاندان خلجی (خلجی - غلزئی - غرجی)

ان کو غیر افغانی مورخین نے ترکی النسل کہا ہے حالانکہ یہ افغان قوم کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ چند ایک اقتباسات مستند مورخین کے پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خاندان خلجی جس کو خلجی، غلزئی، غرجی، بھی کہتے ہیں افغان نسل سے تعلق رکھتی ہے۔

”تاریخ طبقات محمود شاہی کے مصنف شہاب الدین حکیم کرمائی جوہوری نے سلطان جلال الدین اور سلطان محمود افغان خلجی حکمران مالوہ کو چنگیز خان کے داماد قالج خان کی اولاد بتایا ہے۔ اور اس بارہ میں ایک طویل قصہ بھی نقل کیا ہے۔

عبدالقادر بدایونی مصنف منتخب التواریخ اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ قالج اور خالج میں کوئی مناسبت نہیں۔ اور قالج ترکی زبان کا لفظ ہی نہیں۔ اگر ہو بھی تو اس لفظ کے معنی تلوار کے ہوں گے۔“

سلطان شہاب الدین محمد غوری کے سلسلہ امرا میں ایک اور شخص محمد بختیار غوری جو خلجی کے نام سے مشہور ہے، بھی تھا۔ جو بلاد غور کے اکابرین میں سے تھا وہ جملہ اوصاف حمیدہ کا مالک تھا۔

سلطان محمود غوری کے دور حکومت میں سلطان قطب الدین ایبک کے ہمراہ لاہور رہا۔ جہاں سے اسے اودھ کی مہم سونپی گئی اس نے فتح حاصل کی اور بہار و منیر کی جانب بڑھا اور اسے بھی مسخر کر لیا۔ یہ پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے بنگال پر چڑھائی کی اور ہندو کی حکومت کا خاتمہ کیا ان فتوحات میں سلطان نے اسے شاہی خلعت سے نوازا۔“ تاریخ سلاطین دہلی۔ احکم التواریخ ترک باہری وغیرہ میں نے خلجی کو افغان قبیلہ ہی کہا ہے۔ آئین اکبری میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے:-

”محمد بختیار خلجی پہلا مسلمان حکمران تھا۔ جس نے بنگال پر چڑھائی کی۔ اور ہندو راجہ بنگال کا تختہ الٹ دیا۔ لکھنوتوی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد سے ہی بنگال کی سرزمین دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے تحت رہی۔“

”سلطان جلال الدین (خلجی) کا اصلی نام ملک فیروز اور خطاب شائستہ خان تھا (کیقباد کے مفلوج ہو جانے اور مرنے کے بعد انتشار کے سبب سے) کیکاؤس کو قتل کرنے کے بعد وہ ملک چھجو خان کے اتفاق و تائید سے تخت پر بیٹھا۔“ تاریخ واقعات ہند، خلجی کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ

جلال الدین خلجی ۱۲۸۸ ع میں بادشاہ بنا، پٹھان، سادہ مزاج اور رحم دل تھا ۱۲۹۵ ع میں فوت ہوا اور اس کے جگہ اس کا بھتیجا علاؤ الدین عظیم الشان بادشاہ ہوا سارے ہندوستان کو قبضہ میں کیا ۱۳۱۶ ع میں فوت ہوا اور اس کی جگہ قطب الدین مبارک شاہ خلجی بادشاہ ہوا۔

اس خاندان کی تشریح ہوں ہے کہ یہ قبیلہ دشت لوط کے مشرق جانب آباد تھا۔ جسے غرجستان غور کہتے ہیں۔ اس کا حال

پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اب یہ مشہور افغان قبیلہ قندھار میں اور شمال کی طرف قلات غلزئی میں پچاس ماٹھ میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے۔ غوریوں کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس قبیلہ میں مشہور لوگ پیدا ہوئے مثال کے طور پر نادر شاہ سے قبل میر ویس غلزئی محمود و اشرف خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے اسپہان، شیراز کرمان بلکہ سب ایران و فارس پر قبضہ کیا اور اس پر سات سال اور اکیس دن تک حکومت کی۔ غلزئی پٹنی افغان قبیلے کی ذیلی شاخ ہے امام ابو حنیفہ صاحب کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے۔

قبیلہ ایبک

محمد غوری کے جرنیلوں میں قطب الدین ایبک کو بھی غیر افغان مورخین نے ترکی النسل کہا ہے حالانکہ افغانوں میں ایبک اور بوبک دو قبیلے ہیں۔ تاریخ خان جہان لودی جلد دوم نے ان کا شجرہ یوں مرتب کر کے شائع کیا ہے:-

”افغان قبیلہ سروانی میں سوتی کے تین بیٹے ہیں بوبک - ایبک اور ابوالفرح۔

ابوالفرح کی اولاد بڑھتی گئی اور بوبک و ایبک کی اولاد بہت کم یعنی نہ ہونے کے برابر ہے یہ قبیلہ پٹنی کی ایک شاخ ہے۔“

معلوم رہے کہ غربت اور لاچاری کے سبب نسب اور نسل کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ زبان اور وطن کی تبدیلی سے نسب پر کوئی فرق پڑ سکتا ہے۔

خاندان تغلق

ان کے متعلق بھی غیر افغان مورخین نے غلط بیانی سے کام لے کر ان کو ترکی النسل کہا ہے۔ مثلاً شیخ رکن الدین قریشی ملتانی کہتا ہے:- ”تغلق قوم سے ترک قرونہ تھا۔ یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔“

اکثر مورخین نے اس کی اس غلط بیانی سے دھوکا کھایا ہے۔ لیکن معلوم رہے کہ ان کا مسکن زوب کا علاقہ کوہ سلیمان ہے ان کا پہلا مشہور آدمی ملک غازی الدین خان تھا۔ جو ملتان کا گورنر رہا جب دہلی کا نظام خراب ہوا۔ تو سب افغان امرا نے اسے بلا کر دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ اور یوں تغلق خاندان کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق تخت پر بیٹھا۔ تغلق افغان قوم کا ایک قبیلہ ہے جو تغرک - تغرق بھی لکھا گیا ہے۔

تاریخ خان جہان لودی جلد دوم نے اس کا شجرہ یوں مرتب کیا ہے:- تغرق (تغلق) بن کا کڑ بن دانی بن غرغشتی - تغرق (تغلق) کے چار بیٹوں کے نام چار خیل ہوئے جیسے تاریخ خوشید جہان نے یوں مرتب کیا ہے۔

یونس خیل، سالار خیل، سودان، سرن

دکن کا بہمن خاندان

محمد تغلق کے زمانہ میں کچھ افغان اس سے ناراض ہو کر دکن چلے گئے۔ اور بالاتفاق حسن خان افغان بہمنی کو اپنا بادشاہ بنایا۔ بہمن ایک افغان قبیلہ ہے جو پٹنی کی ذیلی شاخ دوتانی اور اس

سے بہمنی شاخ ہے - اس خاندان نے ایک سو اسی برس حکومت کی - چاند بی بی بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی -

ان کے متعلق بھی غیر افغان مورخین نے غلط بیانی سے کام لیا ہے - حالانکہ اس خاندان کی بنیاد حسن خان (المعروف ظفر خان) افغان نے ڈالی تھی جو بٹنی قبیلہ کے ذیلی شاخ بہمن سے تعلق رکھتا ہے - اور خاندان بہمنی سے مشہور ہوا -

تاریخ خان جہاں لودی نے ان کا شجرہ یوں مرتب کیا ہے -

بہمن بن دوتانی بن ابراہیم بن اشہون (اشہو) بن بٹنی - بہمن کے پانچ بیٹے جن سے پانچ خیل اپنے اپنے نام سے ہوئے -

باغی - تنکرلانی - ابوالفرح - لشکری - یوسف ، تاریخ خورشید جہاں نے بھی اس کی تائید کی ہے -

ایسے اور کئی افغان قبیلے بھی ہیں جن کو غیر افغان مورخین نے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے مگر طوالت کی خاطر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے -

امام ابو حنیفہ رح

امام اعظم ابو حنیفہ کے کارنامے سب مسلمان جانتے ہیں اور ان کے معتقد ہیں - ان کے نسب پر بے شمار مورخین نے تحقیق کی ہے - خصوصاً سید سلیمان ندوی - محمد ابو زہرہ - مصری - علامہ شبلی نعمانی رئیس احمد جعفری ، مشکوٰۃ شریف کے مصنف شیخ ولی الدین ابی عبداللہ اور فتحۃ العرب کے مصنف مولانا اعزاز علی وغیرہ

ان کی سن ولادت ۸۰ ھ ہے اور اس ہر جملہ مورخین و محققین کا اتفاق ہے - محمد ابو زہرہ لکھتا ہے :-

”امام اعظم کے والد ثابت بن زوطی فارسی تھے - اس بنا پر آپ نسباً فارسی ہیں - ان کے دادا کابل کے باشندہ تھے جو اس دیار کے مفتوح ہونے پر قید ہو کر آئے - اور بنی تیم بن ثعلبہ کے کسی خاندان کے غلام بن گئے - پھر آزاد ہو گئے مگر نسبت ولاء کے لحاظ سے تیمی کہلاتے رہے -

یہ روایت امام اعظم کے پوتے عمر بن حماد بن حنیفہ نے کی ہے - لیکن انہی عمر کے بھائی اسمعیل نے کہا ہے - کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہیں - وہ کہتے ہیں بغداد ہمارا خاندان کبھی غلام نہیں رہا -

مذکورہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ امام اعظم کا نسب نامہ بیان کرنے میں ان کے دونوں پوتے مختلف ہیں - اگرچہ یہ اختلاف ظاہری ہے -

عمر کے بیان کے مطابق ثابت کے والد کا نام زوطی ہے اور اسمعیل کے قول کے مطابق نعمان ہے - عمر ان کے قید ہونے اور غلام ہونے پر سہر تصدیق ثبت کرتے ہیں اور اسمعیل کلباً غلامی کی نفی کرتے ہیں -

ہمارے نزدیک ان پر دو روایات کے مابین وجہ تطبیق یہ ہے - کہ زوطی یا نعمان ان شہروں کے فتح ہونے کے بعد غلام بنائے گئے - مگر انہیں از راہ احسان رہا کیا گیا - جیسا کہ مسلمانوں نے بعض مفتوحہ علاقوں کے سربراہان کے اشخاص کے حفظ ناموس نیز اسلامی مباحث کا ثبوت دینے اور ان کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل کی غرض سے اس دور میں بارہا کیا -

ثقف اور محقق علماء کی روایات کے مطابق امام اعظم فارسی تھے عرب یا بابلی نہیں تھے -“

رئیس احمد جعفری کہتے ہیں :-

”امام ابو حنیفہ کا فارسی الاصل ہونا اس قدر مشہور ہے کہ تمام ثقہ مورخین اس پر متفق ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام بابلی تھے۔ چنانچہ خطیب تاریخ بغداد لکھتے ہیں ”امام ابو حنیفہ اہل بابل سے تھے“ اور کبھی کبھی کہتے ہیں ”بابلی کا قول یہ ہے“ بعض متعصب احناف نے دعویٰ کیا ہے کہ امام عربی نژاد تھے۔ اور کہا ہے کہ زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد کی اولاد سے تھے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ارشد الانصاری کے بیٹے تھے۔ مگر یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ مشہور ہے۔ کہ امام اعظم فارسی نژاد تھے اور شرفاء فارس کی طرف منسوب۔ ان کے جد اول بابل کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔

امام صاحب کے والد کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے بعض نے ترمذ بعض نے نسا اور بعض نے انبار لکھا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ وہ ان سب مقامات پر رہائش پزیر رہے ہیں۔ آخر کار انبار (سرہل) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

اس بنا پر بعض نے امام ابو حنیفہ کا زاد بوم بھی انبار کو ہی قرار دیا ہے۔ لیکن علماء کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ امام کا مقام پیدائش کوفہ ہے۔ اور یہی ان کے والد کی آخری رہائش گاہ تھی۔ امام کے والد کو حضرت علی کا شرف ملاقات حاصل تھا۔ اور حضرت علیؑ نے ہرکت کی دعا کی تھی۔

مید سلیمان لدوی نے لکھا ہے :-

”امام صاحب کے جد زوطی بن ماہ بمقام انبار (سرہل) کابل کے علاقہ میں شاہ کابل کی لڑائی کے دوران گرفتار ہوئے۔ بنی تیم کے قبیلے کے ہاتھ آئے اور وہ ان کو کوفہ لے گئے۔ اور وہیں ان کا مسکن رہا۔ وہاں ان

کا بیٹا ثابت تولد ہوا اور ان سے امام ابو حنیفہ پیدا ہوا۔ امام اعظم عجمی ہیں اور کابل کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

”نعمان نام ابو حنیفہ کنیت امام اعظم لقب شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ امر جیسا کہ ناموں کی ترتیب سے ظاہر ہے۔ عموماً مسلم ہے۔ کہ امام اعظم عجمی النسل تھے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ کس نسل سے تھے۔ اور عرب میں کیوں کر آئے۔“ مشکوٰۃ شریف اور لفحاة العرب دونوں کا بیان یہ ہے کہ امام اعظم اہل کابل سے تھا۔

ایسی کئی اور تحریریں مختلف مورخین کی موجود ہیں۔ مگر طوالت کی خاطر انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اور انہی رائے کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

امام اعظم ان سب اوصاف کے ساتھ کہ وہ بابلی۔ عجمی۔ فارسی مرزبان۔ ایرانی اور کابل تھے۔ وہ افغان نژاد بھی تھے۔ جن کا نسبی تعلق قبیلہ غلزئی کی ذیلی شاخ ماہی خیل یا ماہلہ سے تھا۔ اور ان کا والد ثابت بن زوطی بن ماہ تھا۔ ایک صاحب نے امام صاحب کے جد امجدی کا نام مر زبان لکھا ہے لیکن زوطی بھی اپنے قبیلے کا رئیس تھا۔ مرزبان نام نہیں بلکہ ایران میں رئیس کو کہتے تھے۔

فارسی الاصل اس لئے غلط ہے کہ جس جگہ یہ گرفتار ہوئے وہ علاقہ پارسیوں کا مقبوضہ علاقہ تھا۔ اور آخری وقت میں شاہ ایران یزدجرد بھاگ کر یہاں رہا حتیٰ کہ یہیں قتل ہوا۔ اس وجہ سے یہاں کے رہنے والوں کو وطن کی نسبت سے فارسی یا ایرانی کہا جانے لگا۔ جیسے ہندوستان میں کسی جگہ کا باشندہ بھی ہندوستانی کہلاتا ہے۔ اس کو نسب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم امام اعظم کے ہونے

کا بیان کہ وہ فارسی الاصل تھے اگر ان کا مطلب وطن سے نہیں نسب سے ہے تو وہ بھی درست ہے کتاب مقدس باب گنتی میں ذکر ہے - یہودا کے بیٹوں میں سے عیراذنان تو ملک کنعان ہی میں سرگئے - اور یہودا کے اور بیٹے جن سے ان کے خاندان چلے ، یہ ہیں یعنی سیلا جس سے سیلانیوں کا خاندان چلا اور فارص سے فارصیوں کا خاندان چلا اور زراح جس سے زراحیوں کا خاندان چلا - فارص کے بیٹے یہ ہیں یعنی حصرون جس سے حصرونیوں کا خاندان چلا اور حمول جن سے حمولیوں کا خاندان چلا - یہ بنی یہودا کے گھرانے ہیں ان میں سے چھتر ہزار پانچ سو آدمی گئے گئے۔“

افغان قوم میں غلزن قبیلہ ایک بڑا قبیلہ ہے - جس کی ذیلی شاخ ماہی خیل (ماہلہ) ہے قندہار سے ساٹھ سو میل شمال کو قلات غلزن میں جو ایک بڑا شہر ہے اور اس کے گرد و نواح کے وسیع رقبے میں اب بھی ماہی خیل (ماہلہ) قبیلہ آباد ہے - اور یہی ماہی (ماہلہ) امام کے مورث اعلیٰ ہے زوطی انبار میں گرفتار ہوئے اس انبار کو اب سرہل کہتے ہیں - جو میمنہ (الہودیہ) اور بلخ کے درمیان ہے - امام کو بابلی اس لئے کہا جاتا ہے - کہ بابل کے پاس بھی ایک قصبہ تھا جس کا نام انبار تھا - اور جس وقت بخت نصر بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر لایا تو وہاں آباد کیا تھا - وہاں سے جب یہ لوگ ادھر آئے تو وہ انبار نام ساتھ لے آئے تھے - اور یہاں کی آبادی کا نام یہی رکھا اس لئے اگر ان کے اجداد کو بابلی کہا جائے تو بھی غلط نہ ہوگا - کیونکہ وہ اسی جگہ سے آئے تھے - اگر کابلی کہا جائے تو یہ بھی وطن کی نسبت سے صحیح ہے - کیونکہ وہ علاقہ کابل کا تھا -

ماہ (ماہلہ) جو زوطی کا والد تھا - وہ بھی اصل میں ماہی ہے - اور افغان قوم اس کو مہی کہتے ہیں - لیکن اس وقت ماہلہ سے بھی یاد

کہے جاتے ہیں اب بھی اس نام کے قبیلے موجود ہیں - افغان قوم کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ نام کو بگھاڑتے ہیں - مثلاً ضابطہ خان سے زوطے - ثابت خان سے ثابتے وغیرہ اس لئے یہ نام بھی افغانوں ہی کے ہیں۔

شجرہ نسب

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ جس سے ماہلہ ماہ یا قبیلہ ماہی خیل (مٹی خیل) معرض وجود میں آیا جو قبیلہ غلزن کی ایک شاخ ہے واضح رہے کہ اصل نام ماہ تھا اور لویک - لویک اس وقت رئیس قبیلہ کے لئے بولا جاتا تھا لہذا یہ سابقہ نشانی لفظ لہ مخفف ہے لویک لویک سے یعنی ماہ لہ مخفف از ماہ لویک یا لویک یعنی رئیس قبیلہ -

امام اعظم کی سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کو سب مانتے کے لئے تیار ہیں کہ ان میں حد درجہ کی مضبوطی اور شجاعت تھی - اور یہی وجہ تھی کہ ان کو اپنی زندگی میں کافی زحمت اٹھانی پڑی - یہ صفت صرف افغان قوم میں ہی پائی جاتی ہے - ان کے کردار نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں نے محسوس کیا کہ یہ ضرور افغان نسل کے ہو سکتے ہیں - اسی بنا پر میں نے ان کے نسب کی تحقیق بڑی جانفشانی اور محنت سے کی -

یہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے - کہ افغان قوم نے حتیٰ الوسع اپنی نسل کو چھپائے رکھا خدا جانے اس میں کیا مصلحت تھی - یہی وجہ ہے کہ امام اعظم نے بھی اپنا شجرہ ظاہر نہیں کیا - اس کی ایک اور مثال ایک افغان بزرگ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل کی پیش کی جاتی ہے - اس نے اپنے لام کے ساتھ

بنی اسرائیل لکھا کرتے - منتجب التواریخ میں اس کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے :-

”شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی - شیخ اسحاق کا کو (افغان) کے شاگرد رشید ہیں - ان کی زندگی مختلف کیفیتوں سے گزری - انہوں نے نہایت مفید اور بلند مرتبہ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں - امام غزالی کی تصنیف - جواہر القرآن پر ایک شرح بھی لکھی ہے -

اکبر اعظم نے ان کو بلا کر گفتگو کی - اور ان سے پوچھا تم کس قوم کے ہو - انہوں نے ہر جستہ کہا - لکھنے والوں کی قوم سے - ان کی یہ بے تکلفی بادشاہ کو بڑی پسند آئی اور رخصت کیا -“ آگے چل کر لکھتا ہے -

”میں نے پہلی بار لاہور میں ان سے ملاقات کی تھی - کسی موضوع پر ملتان کی بربادی - لاہور کے آباد ہونے، سلاطین لنگہ، خاص طور سے سلطان حسین کا قصہ انہوں نے اس دلچسپ انداز میں بیان کیا کہ میں انکی وضاحت اور واقعات کے تجزیہ و تنقید سے حیران رہ گیا - گفتگو کی یہ حلاوت اور شربنی میں نے مشکل ہی سے کسی میں پائی - وہ نہایت فیاض طبع انسان تھے - کوئی سائل ان کے در سے نہیں محروم جاتا تھا -

تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا - ان کے جنازے میں چھوٹے بڑے ہزاروں آدمی شریک تھے - اور بڑی عقیدت سے کاندھا دے رہے تھے -“

الغرض امام اعظم، عباسی خلیفہ کے ہدف جور اور نشانہ مسم بننے کے بعد فوت ہوئے تھے - جبکہ منصور نے عہدہ قضا پیش کیا اور انہوں نے نہایت جرأت کے ساتھ اسے ٹھکرا دیا -

اور بلاشبہ خود امام ابو حنیفہؒ کو اپنی شرافت نفس کا

احساس تھا گو اس کے ساتھ ہی اپنے شرف نفس پر اصرار کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا - چنانچہ ایک مرتبہ بنی تیم کے کسی شخص نے جس کی طرف آپ بد لحاظ ولاء کے منسوب تھے، امام صاحب سے کہا انت مولا ہی، یعنی تم میرے غلام ہو، تو امام صاحب نے جواب دیا یعنی بخدا میں تمہارے لئے اس سے زیادہ باعث شرف ہوں جتنے تم میرے لئے ہو - اس سے ثابت ہوا کہ وہ ان لوگوں میں نہیں تھے جو ذلت نفس گوارا کر لیتے ہیں - اور یہ چیز ان کی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے -

رہا اہل فارس کی طرف ان کا انتساب تو اس سے نہ ان کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہو سکتی ہے اور نہ یہ چیز حصول کمالات میں مانع بن سکتی ہے - کیونکہ ان کا نفس ایک غلام کا نفس نہ تھا بلکہ ایک اصیل حر کا نفس تھا -

چند خصائص قومی

حقیقت یہ ہے کہ عصبیت کا مقصد اصلی مدافعت و تغلب،

نسب ہی سے تکمیل پاتا ہے

رہائش اور بسنے میں خاندانی و قبائلی عصبیت (نصب داری) و حمایت جس قدر ضروری ہے، اسی قدر دوسرے امور میں بھی اس کی ضرورت و اہمیت محسوس ہوتی ہے - مثلاً کسی سلطنت کی بنیاد ڈالنی اور اس کا وقار قائم کرنا، یا کسی دعوت حق کی تبلیغ کرنا اور اس کے احکام چلانا اور شائع کرنا - ان سب امور کا ہر وقت عمل آنا بغیر جنگ و قتال کے ممکن نہیں - جب طبیعت انسانی میں خود سری و خودرانی ابتدائی فطرت سے موجود ہے تو انسان کو بغیر طاقت و زور کے کس

کو غیروں سے بچانا اور دوسروں پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنا) عصبیت ہی کے راستہ سے معرض وجود میں آتے ہیں کیونکہ عصبیت ہی کی یہ کار سازی ہے کہ وہ قوم میں غیرت و حمیت کی رگ حرکت میں لاتی ہے ۔ ایک دوسرے پر مٹنا سکھاتی ہے ۔ اور غلبہ کا پورا دار و مدار عصبیت پر ہے ۔ عصبیت کی یہ کرشمہ سازی عام مخلوق کی نظر سے اوجھل ہے ۔ انہوں نے وہ تمام حالات یکسر بھلا دیے ، جن کے تحت سلطنت و حکومت کی بنیاد پڑی تھی ۔

بعض لوگوں کا خیال اس بارے میں بالکل ہی جدا ہے اور وہ اس کو برا کہتے ہیں ۔ لیکن اس کے اچھے اور برے دو رخ ہیں ۔ برے رخ کی شریعت نے مذمت کی ہے اور اچھے رخ کی مدح سرائی ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً شریعت نے شہوت و غضب کی مذمت کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ شہوت اور غضب کا مادہ بالکل ہونا نہیں چاہئے کیونکہ بھر حال ان قوی کی بھی بہت جگہ ضرورت ہے مقصد اس کی مذمت سے یہ ہے کہ نا مناسب راستوں میں اور شریعت کے خلاف حکم ، ان قوائے شہوانی و غضبانی سے کام نہ لیا جائے ۔ معلوم رہے کہ کسی قوم کی خصائص سے مراد وہ چند محسوسات اور قابلیتیں ہیں جو اس قوم کے اشخاص میں پائی جاتی ہیں اور ان کی قوتوں کو ایک ہی طرف مصروف کر دیتی ہیں ۔ یہ عام مجموعہ خیالات اور محسوسات کا سال ہائے دراز میں وارثاً پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام خصائص قومی ہے یہ وہ وراثت ہے جو ہمیں اپنے اباؤ اجداد سے ملی ہے اور جسے ہم خود اپنے اخلاف (پسماندہ گان) کے لئے چھوڑ جانے والے ہیں ۔

دینی دعوت عصبیت کی قوت کو دوبالا کر دیتی ہے ۔ دین کا جذبہ بغض و حسد کے مادہ کی بیخ کنی کر کے انسانوں کا پورا رخ

حق و صداقت کی طرف کر دیتا ہے ۔

اب جب حاسنین دین و پیشوایان قوم اپنی کسی غرض پر سوچ بچار کرتے ہیں تو ایک ہی نقطہ نظر سے ۔ کیونکہ سب کی طلب ایک ہی رخ میں ہوتی ہے اور سب کا مطلب و مقصد واحد ۔ اور اس پر وہ مضبوطی سے جمے رہتے ہیں ۔

عام قوم کو جب کسی نقطہ خیال و مقصد واحد پر جمع کیا جائے ۔ اور اس کے لئے ابھارا جائے تو اس کے لئے عصبیت لازمی ہے ۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے ۔

ما بعث الله نبیاً الا فی منعة من قومہ - (ابن خلدون)

جب انبیاء علیہم السلام کو ہی عصبیت کے بغیر چارہ نہیں جو لوگوں کی عادات بدلنے پر سب سے زائد قدرت رکھتے ہیں تو اوروں کا کیا پوچھنا وہ تو ضرور ہی تبدیلی عادات انسانی کے لئے عصبیت کے محتاج ہونگے ۔ کیونکہ عصبی حمایت کے بغیر ان کی دعوت حق چل نہ سکے گی ۔

بہت ہی کم ایسے آدمی ہوں گے جن کی طبیعت میں صلہ رحمی کا مادہ نہ ہو ۔ اسی مادہ کا اثر ہے کہ انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کے عزیز و اقارب کسی کے ظلم کا شکار ہو گئے ہیں یا ہلاکت و مصیبت کا لقمہ بن گئے ہیں تو اس کا خون جوش کھانے لگتا ہے اور پھر اپنے آپ میں نہیں رہتا ۔ وہ اس کی تاب نہیں لا سکتا کہ اس کا قریبی عزیز مصیبت میں پڑا دم توڑ رہا ہو یا دشمن کے پنجہ ظلم میں پھنسا ہو اور وہ اسے خاموشی سے دیکھے ۔ بلکہ چاہتا ہے کہ عزیز سے پہلے اپنی جان کو ہلاکت کے منہ میں دیدے ۔ یہ انسان کی فطرت ہے جس پر وہ پیدا ہوا ہے ۔ پھر اگر رشتہ داری بہت ہی قریب کی ہے اور خونی اتصال بہت گہرا ہے تو خیر اندیشی اور قربانی کا جذبہ

بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوگا اور اگر قربات دور کی ہے اور تعلقات تقریباً بھول چکے ہوں گے، صرف شہرت باقی ہے، تب بھی اقربا کی مدد کے لئے اگر محبت و حرکت میں ضرورت آتی ہے گو وہ جوش و برہمی پیدا نہ ہو جو ایک زیادہ قریبی عزیز کے مبتلائے مصیبت ہونے پر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس ضمن میں افغان مشائخ و امرا کے خیالات و جذبات اور نوجوان طبقہ کی جہان بازی اور خصوصاً احمد شاہ ابدالی کی تڑپ اور اپنی جان کو ہلاکت کے منہ میں دھکا دینا اور صیب کے بخون میں گرے پیدا ہونا، خصوصاً اسی وقت زیادہ تیز ہوا کر آئے سے باہر ہونا جب ان کو ہندوستان سے افغانوں کی فریاد اور تباہی کی خبریں اور غیروں سے نجات دلانے کے لئے غلطوہ پہنچتے ہیں۔ اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ لہذا بہت اختصار کے ساتھ جو ہندوستان کے سفر میں ان کو جوا ہش آیا ذیل میں درج ہے۔

احمد شاہ ابدالی ہرمیان عمر صاحب ساوکان کے رفیق افغان اسراء و مشائخ، انہیں مذکورہ اسباب اور وجوہات کے بنا اس پر متفق ہو گئے کہ ہندوستان میں کافر و مشرکوں کے ہاتھوں ظلم و جہم اور قتل و غارت سے مسلمانان ہند کو جن میں افغان بڑا درجہ کے لوگ بھی بکثرت آباد تھے، نجات دلایا جائے۔ یہ یہ ہم بظاہر بہت ہی مشکل تھا مگر انہوں نے خدا کا نام لے کر دین اسلام کی دعوت سے افغانوں کی عصمت کی قوت کو تازہ اور دو تالا کر کے الجہاد فی سبیل اللہ کے غرض سے احمد شاہ ابدالی، افغان فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی ایشیاء کے اولین حکمران تھے جو مختلف افغان قبائل کے مشترکہ جرگوں کے ذریعہ بالاتفاق بمقام قندھار منتخب کیا گیا اور وہ صرف بادشاہ نہیں بلکہ تمام افغان قبائل کا قائد اور پیشوا تھا۔ ان کی جمہوریت نوازی اور قوم کی صحیح راہنمائی اور خدمت

کرنے کے سبب اس وقت بھی پختون قوم اس کو اپنا مورت اعلیٰ تصور کرتے ہیں اور بہت عزت کے ساتھ احمد شاہ قباۃ کے مقام سے یاد کرتے ہیں۔

اور ان سے جو روایات قوم افغان کو ملی ہیں وہ بہت ہی وزنی دار ہیں جس کو پورے قوم پختون دائمی اہسان اور نشانہ ملی سمجھتے ہیں۔ اور اللہ پاک سے دسمت بدعا ہیں، کما این قوم میں پھر احمد شاہ بابا اور اور ان کے اراکین دشورت جیسے قیدانیوں۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

احمد شاہ ابدالی پختونوں کے مقابلے کے لئے ۱۷۳۳ء میں دوبارہ لشکر کو عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا اور محمود لڑائی کے بعد مغل امپریٹک مریشا گوندر سے پنجاب چھین لیا۔ جب وہ حصار پٹور کے راستے سے دوآبہ میں آیا تو اسے پیر چکی مہیشا لشکر بھلا ہوا نظر آیا۔ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ گنگا جھنا کے دوآبہ میں مقیم تھا کہ نواب نجیب الدولہ جو سوار سوار اور آٹھ ہزار پیدل افغانی فوج کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی چکی نواب دوندے خان اور حافظ رحمت خان اٹھارہ ہزار پیدل اور چار ہزار سواروں کے ساتھ آکر۔ نواب احمد خان بنگش (فرخ آباد) دو ہزار سوار اور کچھ پیدل فوج کے ساتھ آئے۔ ابدالی کی فوج کی مجموعی تعداد چھویس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ شام ولی خان ابدالی کا وزیر اعظم تھا۔ روہیلوں کے اہل امداد سے احمد شاہ ابدالی کی طاقت دو گنا ہو گئی۔ روہیلوں کی فوج خالص افغانیہ پر مشتمل تھی۔ جو سخت قابل اعتبار تھی۔ اس فوج کے علاوہ ہر سردار کے ساتھ کچھ فالتو سپاہی بھی ہوتے تھے۔ فالتو سپاہیوں کی یہ فوج پتھوروں کی جماعت ہے پتھوروں تھی، یہ لوگ لڑنے کے لڑ نہیں ہوتے۔ پتھوروں کی فوج باقاعدہ لشکر کے عقب میں رہتی تھی۔ اس کا کام وقتاً فوقتاً دشمن پر چھاپہ مارنا اور لوٹ مار تھی۔ لوٹ مار

جو کچھ ان کے ہاتھ آتا وہ انہیں کو دے دیا جاتا کیونکہ سرکار سے انہیں نہ کوئی وظیفہ نہ تنخواہ ملتی تھی۔

ہندوستان کے باشندے مرہٹوں کے مظالم سے اس قدر تنگ آ چکے تھے کہ انہوں نے ابدالی کے دو آبہ پہنچ جانے کی کسی نے مرہٹوں کو اطلاع نہ دی۔ وہاں قریب میں دتتا جی سندھیا کا لشکر پڑا ہوا تھا۔ ابدالی نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اس لڑائی میں دتتا سندھیا مارا گیا۔ اور تین چوتھائی کے قریب اس کا لشکر تباہ ہو گیا۔ ابدالی کی فوج نے نارنول تک بھگوڑ مرہٹوں کا تعاقب کیا یہاں اسے یہ خبر ملی کہ ایک اور مرہٹہ جرنیل ملہار راؤ ہلکر اپنے لشکر کے ساتھ سکندریہ میں مقیم ہے۔ ابدالی نے اس وقت ایک بہت خوفناک چال چلایا۔ اس نے کچھ نقد و جنس کشتیوں میں لدوا کر دریائے گنگا کے پار اتروا دیا۔ ادھر ملہار راؤ ہلکر کو جب خبر ہوئی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ سکندریہ سے نکلا۔ اور مٹھی بھر افغانوں کو جو اس سامان کے ساتھ تھے مار بھگایا اور مارا سامان لوٹ لیا۔ ابدالی نے ہلکر کی تاک میں اپنے سرداروں شاہ ہند خان اور قلندر خان کو بہت سی فوج کے ساتھ بٹھا رکھا تھا۔ ملہار ہلکر فتح کے نشہ میں سکندریہ واپس جا رہا تھا کہ افغان برق و باد کی طرح اس پر آ پڑے ہلکر بڑی مشکل سے تین سو سواروں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا اس کی بہت سی فوج قتل ہو گئی۔ اور بہت قید کر لی گئی۔ ہلکر کا خزانہ اور دیگر سامان ابدالی کی فوج کے ہاتھ لگا۔ اسی طرح چند روز ہی میں سندھیا اور ہلکر کا لشکر تباہ ہو گیا۔

احمد شاہ ہر روز گھوڑے پر سوار ہو کر صبح سے دوپہر تک اپنی چھاؤنی کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اور فوج کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتا۔ اس اثنا میں دہلی سے حیدر خان اور گل بانو

آئے اور اس کے سامنے پیش کر گئے۔ ابدالی نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ تعارف کیا گیا۔ اور حیدر خان افغان دہلی کے واقعات بالتفصیل بتائے۔ مرہٹوں کا قبضہ اور وزیر غازی الدین مغل کے بادشاہ کو قتل کرنے کی داستان اور مرہٹوں کی طرف داروں اور ان کے لانے کے واقعات اور ظلم کی داستان سنائیں۔ اور غازی الدین وزیر کے غداری اور مرہٹوں کے ساتھ پروگرام وغیرہ سے اطلاع دی۔ حیدر خان افغان دہلی کے بادشاہ مرحوم کا خاص آدمی تھا۔ احمد شاہ کے نام ان کا زبانی پیغام اور ہدایات بھی سنائیں۔ ابدالی بہت ہی خفا ہوا کچھ دیر مر جھکائے بیٹھا رہا پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑا۔ ابدالی ذراتیوری چڑھا کر بولا۔ لیکن تم اتنی دیر سے کیوں آئے۔ حیدر خان نے اپنی اور گل بانو کی گرفتاری کا ماجرہ سنایا غازی الدین وزیر نے ان کو لال قلعہ میں قید کر کے تھا۔ اور دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب جو شاہ جی کے لقب سے یاد کرے جاتے تھے۔ اس نے ان کی رہائی اور یہاں ابدالی کے پاس بھیجنے کا انتظام کیا تھا۔ حیدر خان سے مرہٹوں کے دہلی میں داخل ہونے اور ان کی مظالم کی خبریں سننے ہی ابدالی کے چہرے پر جلال آگیا آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ پوچھا وہ محسن کش غازی الدین کہاں ہے۔ حیدر خان نے جواب میں کہا۔ عالی جاہ غازی الدین ہی تو مرہٹوں کا استقبال کر کے انہیں دلی لایا تھا اور وہیں ہے۔ احمد شاہ نے کہا۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہندی مسلمانوں میں اتفاق نہیں۔ (یہ اشارہ مغلوں کو تھا)۔ وزیر غازی الدین نے ہند میں افغانوں کی جو ریاستیں ہیں انہیں مرہٹوں کے ہاتھوں تباہ کرایا۔ لیکن اس نمک حرام سے کسی نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کیے دانت ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے حبیبؐ نے ہمیں اتفاق اخوت اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے۔ لیکن

یہاں مجھے اپنے بھائیوں میں اس کا جذبہ کمہیں نظر نہیں آتا (اس وقت شجاع الدولہ کے بلانے کے لئے نجیب الدولہ کو بھیجا تھا جو ابھی تک نہیں آیا تھا شجاع الدولہ کے نہ پہنچنے پر بھی افسوس کیا)۔ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ ابدالی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی،، ”مولا! میں تیرا ایک ناچیز بندہ محض تیرے نام کی برکت اور سہارے پر اپنے ہندی بھائیوں کی خدمت میں آیا ہوں۔ تجھے معلوم ہے تیرے مجاہدوں کے مقابلے میں تیرے پاک نام تیرے پاک دین اور تیرے حبیب کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں تو ہمیں ہمت اور استقلال عطا کر اور دین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی توفیق عطا فرما“ سب حاضرین نے صدق دل سے آمین کہی، اور بادشاہ نے حیدر خان اور گل بانو کو اپنے وزیر کے سپرد کر کے وہ خاصہ تناول فرمانے اپنے خیمہ میں چلا گیا۔

مرہٹوں کے سپہ سالار بھاؤ جو دلی میں تھا احمد شاہ کے دو آہ گنکا جمنہ میں پہنچنے کی خبر مل چکی تھی لیکن برسات کی وجہ سے جمنہ میں خوفناک طغیانی آئی ہوئی تھی۔ ایسے میں ابدالی کے لشکر کا بڑھنا نا ممکن تھا۔ کرنال کے قرب و جوار میں افغانوں کی ایک ریاست کنج پورہ کے نام سے مشہور تھی۔ بھاؤ کو کنج پورہ کے افغانوں کی طرف سے کھٹکا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ جب ابدالی کا لشکر آگے بڑھتا تو کنج پورہ کے افغان ضرور مرہٹوں کا راستہ روکیں گے اس لئے بھاؤ کنج پورہ کی طرف متوجہ ہوا یہاں افغانوں کا ایک لشکر بیس ہزار کے لگ بھگ تھا۔ کنج پورہ سے کچھ فاصلے پر دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا کہاں بیس ہزار اور کہاں لاکھوں کا لشکر تاہم افغانوں نے حق مردانگی ادا کر دیا۔ مرہٹوں کو ایسا جان توڑ کر

مقابلہ کرنا پڑا کہ ایک بار تو بھاؤ کے بھی حواس گم ہو گئے۔ آخر چاروں طرف سے گیر کر سب قتل ہو گئے اور مرہٹے بھی زیادہ تعداد میں قتل ہوئے۔ مرہٹوں نے کنج پورہ میں داخل ہو کر ہر بریت اور مظالم کا ایسا خوفناک مظاہرہ کیا جس کی مثال اور کمہیں مشکل ہی سے ملے گی

ابدالی کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جیسے ہی ہو جمنہ عبور کرنے کی کوئی ترکیب کریں آخر کچھ روز بعد ایک ایسا مقام مل ہی گیا جہاں سے ابدالی کی فوجیں جمنہ سے ہار اترنے میں کامیاب ہو گئی اسی اثنا میں دوسرہ کا تہوار آگیا ایک کنج پورہ کی لڑائی کی فتح دوسرے تہوار کی خوشی۔ مرہٹوں نے بڑی دھوم دھام سے مغلوں کی راج دانی دلی میں دسہرہ کا تہوار منایا۔ دلی کے ہندوں نے بھی مسلمانوں سے الگ ہو کر اس میں حصہ لیا۔

مغل حکمرانوں اور ان کے اسراء کی خود غرضیوں اور رقابتوں کی وجہ سے مرہٹوں نے ملک میں جو اودھم مچا رکھی تھی اور جس طرح مسلمانوں کو لوٹتے اور مارتے تھے اس کا قدرتی نتیجہ لڑائی تھی جو ہانی پت کی تیسری لڑائی کہلاتی ہے لیکن احمد شاہ اور ان کے ساتھی خدائی عشق میں ڈوبے تھے اور نگاہیں صرف مسلمانوں کے بچانے پر لگی تھیں

ہے التفات عام سے بالا مقام عشق
دل کی نگاہ ملتفت مہیم و زر نہیں

احمد شاہ ابدالی کا لشکر باغپت کے گھاٹ سے جمنہ عبور کر رہا تھا کہ مرہٹہ سپہ سالار راؤ بھاؤ کو بھی خبر ملی اور اس نے اسی وقت فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اس وقت مرہٹہ لشکر میں ملہار پلکر۔ جھنکو جی سندھیا۔ دتا جی گائیکواڑ۔ جسونت راؤ پنواڑ۔ ملا جے راؤ۔

راجہ مقرر دیو - ہشن سنگھ وغیرہ مشہور مرہٹہ جرنیل تھے لشکر کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی۔ اور ابدالی کے جھنڈے تلے چھیاسٹھ ہزار مجاہد تھے ان میں چھیاس ہزار تو ابدالی کے سپاہی تھے اور چالیس ہزار دوسرے روپے سالے سردار اور نوابوں کے آدمی تھے جو ہندوستان سے اس کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ مغل اندرون خانہ مرہٹوں سے ملا ہوا تھا۔ لیکن ماں اور بیگم کے سمجھانے سے وہ ابدالی کے پاس ہانی پٹ پہنچ گیا اور اپنے ساتھ صرف دو ہزار فوج اور چند نوپیں لایا۔ شجاع الدولہ کی خواہش و مرضی یہ تھی کہ وہ اس لڑائی میں غیر جانبدار رہے لیکن مصلحت وقت دیکھ کر ابدالی کے ساتھ ہانی پٹ میں شامل ہو گیا۔

بھاؤ جب لشکر لے کر ابدالی کے مقابلے میں نکلا تو اسے سب سے زیادہ فکر سامان خورد و نوش کا تھا۔ تین لاکھ فوج اور ان کے سویشیوں کے لئے رسد وغیرہ کا انتظام کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ مرہٹوں کے جو چھوٹے چھوٹے دستے ادھر ادھر سامان حاصل کرتے جاتے۔ لوگ ان کی خبر ابدالی کے لشکریوں کو بھی کر دیتے اور افغانا چانک قضاء میرم کی طرح ان پر آ پڑتے۔ دلی کے آس پاس راجہ سورج مل جاٹ کا علاقہ تھا لیکن وہ بھاؤ کی نظروں میں مشتبہ تھا۔

ادھر احمد شاہ ابدالی جمنا سے ابھی ایک منزل ہی آگے آیا تھا کہ اسے بھاؤ کا لشکر سامنے نظر آیا۔ مرہٹوں نے مسلمانوں کو اپنی جمعیت کو مرتب کرنے کا بھی موقع نہ دیا اور آتے ہی ”جئے جئے بھوانی“ اور ”ہر ہر مہا دیو“ کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ کر دیا۔ ابدالی نے یہ رنگ دیکھ کر بڑی بھرتی سے سو سو مجاہدوں کے دس دستے بنا دیے اور انہیں حکم دیا کہ یکے بعد دیگرے

تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر حملہ کریں باقی لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ مرہٹوں کی ہراول فوج وسواس راؤ - ملہار راؤ دتا جی اور جھنکر جی کے ماتحت میدان میں آئی تھی۔ مسلمان مجاہدوں کی پیہم تکبیروں کی آواز سے یہ لوگ گھبرا گھبرا جاتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر کہاں سے آ نکلا۔ جب سینا پتی بھاؤ کو یہ خبر ملی تو اس نے فوج کو حکم بھیجا کہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں تا کہ مسلمان ان کے تعاقب میں اپنے لشکر کے قلم سے آگے بڑھ آئیں۔ چنانچہ مرہٹہ ہراول فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ احمد شاہ ابدالی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ مرہٹوں کی چال فوراً سمجھ گیا اس نے اسی وقت اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی فوج کے پیچھے پیچھے آگے بڑھیں۔ مرہٹہ فوج تقریباً دو کوس پیچھے ہٹ چکی تھی۔ اس اثنا میں شام کی آمد آمد کی وجہ سے دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر رک گئیں۔ اور حفاظت کے لئے چوکی پہرے بٹھا دیے جب دن چڑھا تو بھاؤ نے پھر جنگی کونسل طلب کی اور آج کی لڑائی کے متعلق بہت سی تجویزیں پیش کیں۔ لیکن چند تجربہ کار مرہٹہ افسروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ چونکہ ہمارا لشکر بہت زیادہ ہے اس لئے ہمیں آج بھی پیچھے ہٹ کر کھلے میدان میں پہنچ جانا چاہئے۔ اگر ہمارا لشکر کھلے میدان میں پہنچ گیا تو پھر ابدالی کو چاروں طرف سے گھیر کر مار لینا آسان ہوگا۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق مرہٹے پھر پیچھے ہٹنے لگے۔ دن میں کئی بار اُس میں جھڑپیں بھی ہوتی رہتیں۔ ایک طرف سے پیچھے ہٹنے اور دوسری طرف سے آگے بڑھنے کا سلسلہ متواتر پانچ روز تک جاری رہا اور آخر تقدیر دونوں لشکروں کو ہانی پٹ کے میدان میں لے آئی ہانی پٹ کے

عطائی خان دو ہزار سواروں کے ساتھ لشکر سے نکلا۔ عطائی خان نے صرف ایک رات میں چالیس میل سفر کر کے گوبند پنڈت کو جا لیا۔ گوبند پنڈت بھی فوراً مقابلے کے لئے تیار ہو گیا لیکن مرہٹے مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ گوبند پنڈت کچھ سواروں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑ رہا تھا۔ اس نے بھی بھاگنے کی ٹھانی لیکن بد قسمتی سے اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھا کر وہ لیچے گرا ایک میچاپد نے دوڑ کر اس کا سر کاٹ لیا اور عطائی خان کے پاس لے آیا۔ عطائی خان نے واپسی کی راہ لی اور دوسرے ہی روز ابدالی کے قدموں پر وہ سر ڈالا۔ بھاؤ کو جب گوبند پنڈت کے قتل اور اس کے دس ہزار سواروں کے قتل اور شکست ہونے کی خبر پہنچی تو اسے بہت افسوس اور گھبراہٹ ہوئی بھاؤ کو سب سے زیادہ لشکر کے لئے رسد پہنچانے کا فکر تھا لیکن مسلمانوں کے حملوں کی وجہ سے کسی اور جانب سے سامان آنا بالکل بند ہو چکا تھا۔ بھاؤ نے اپنے نائب افسروں کے مشورہ سے بیس ہزار سپاہی جمنا اور گنگا کے درمیانی علاقوں میں راتوں رات ادھر ادھر سے رسد جمع کرنے کو بھیجے۔ نصف شب کے قریب یہ فوج ایک منہان جنگل میں آرام کرنے کے لئے رک گئی لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ موت یہاں بھی ان کی تاک میں ہے۔ گوبند پنڈت کے واقعہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک سردار شاہ پسند خان کو ہانچ ہزار سوار دے کر مرہٹوں کی ٹو میں لگا رکھا تھا تاکہ وہ کہیں سے رسد نہ لے جا سکیں۔

شاہ پسند خان کو جب خبر ملی تو اس نے جنگل کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زور زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دیے مرہٹے گھبراہٹ کی عالم میں ہتھیار سنبھال سنبھال کر مرنے مارنے

اصلی میدان میں احمد شاہ ابدالی نے قیام کیا اور بھاؤ یہاں سے چار کوس پیچھے خیمہ زن ہوا۔ اس وقت پانی پت کا شہر ابدالی کے قبضہ میں تھا جس کی اس نے پوری طرح مورچہ بندی کر لی۔ اور مرہٹوں کے شب خون کے پیش نظر فوج کو لشکر کے چاروں طرف بیس بیس گز چوڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں میں جہاد کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ سب مسلمان سردار حتمی کہ خود احمد شاہ ابدالی اپنے سپاہیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے تسبیح اور درود شریف کی آواز چاروں طرف سے بلند ہو رہی تھی اور خندق تیار ہو رہی تھی۔ مرہٹوں کو جب یہ اطلاع ملی تو انہوں نے بھی اپنی چھاؤنی کے چاروں طرف خندق تیار کرا لی دونوں خندقوں میں صرف چھ کوس کا فاصلہ تھا جب تک یہ خندقیں تیار ہوئی رہیں دونوں طرف سے لڑائی بھی بند رہی۔ لیکن تیاری کے بعد پھر ہراول دستوں میں جنگ ہونے لگی۔ ایک طرف سے ”پور پر مہادیو“ اور دوسری طرف سے ”اللہ اکبر“ کے نعرے فضا میں ایک ارتعاش سا پیدا کر دیتے۔ ادھر یہ جھڑپیں ہو رہی تھیں ادھر مرہٹے جرنیل بھاؤ نے گوبند پنڈت کو جو ایک تجربہ کار افسر تھا دس ہزار سوار دیکر حکم دیا کہ وہ آس پاس کے اسلامی علاقوں کو لوٹ لے کیونکہ مسلمانوں کو انہی علاقوں سے رسد کا سامان پہنچ رہا تھا۔ گوبند پنڈت نے مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹ کر آگ لگا دی اس کی اس ترکیب سے مسلمانوں کو رسد ملنی بند ہو گئی۔ ابدالی کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے سردار عطائی خان کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ دو ہزار سوار لے کر فوراً جائے اور گوبند پنڈت کا سر کاٹ کر لاؤ۔ چنانچہ بادشاہ کا حکم ہاتھ ہی

ہر تیار ہو گئے لیکن ان سے کچھ نہ ہو سکا صبح تک افغانوں نے سب کو قتل کر کے ختم کر دیا۔ شاہ پسند خان نے مقتولوں کے سر اوپر نیچے رکھ کر ایک مینار بنا دیا۔ ابدالی نے شاہ پسند کی درخواست پر یہ کام مینار خود جا کر دیکھا اور شاہ پسند خان کو خلعت عطا کیا۔ یہ ہنگامے اور معرکہ آرائیاں جو مرہٹوں اور افغانوں میں ہو رہی تھیں اب ان کو پانچ مہینے کا عرصہ گزر گیا۔ بہت سے مرہٹے افغانی تلواروں سے مرے مرہٹے لشکر میں کھانے پینے کے سامان کی خوفناک قلت محسوس ہو رہی تھی اور فوج میں بھی بے دلی کے آثار ہائے جاتے تھے۔ بھاؤ کو اگر کسی پر بھروسہ تھا تو وہ نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ تھا آخر بھاؤ نے شجاع الدولہ کو ایک خط لکھا اور تمام حالات بیان کرنے پر وہ الفاظ لکھے جو اوراق تاریخ آج تک اپنے دامن میں محفوظ چلے آتے ہیں۔ وہ الفاظ یہ تھے۔ ”اب کام لبریز ہو چکا ہے اور ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں۔“ یہ خط لکھ کر اس نے اپنے ایک معتبر آدمی کے ہاتھ شجاع الدولہ کو بھیج دیا۔ یہ رات کا وقت تھا شجاع الدولہ کو جس وقت یہ خط ملا وہ اسی وقت سوار ہو کر احمد شاہ ابدالی کے خیمے پر آیا۔ احمد شاہ مصلے پر بیٹھا اپنے خالق کو یاد کر رہا تھا شجاع الدولہ کے آنے کی اطلاع ہاتے ہی باہر نکل آیا خیریت ہو چھی۔ شجاع الدولہ نے بھاؤ کا خط پیش کر دیا۔ ابدالی بھاؤ کا خط سن کر بولا ”واقعی قطرے کی بھی گنجائش نہیں“ ساتھ ہی اس نے اپنے سرداروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ شجاع الدولہ اس وقت بھی اس امید پہ تھا کہ جنگ نہ ہو اور صلح ہو جائے مگر احمد شاہ ابدالی نے روہیلے سردار نجیب الدولہ عنایت خان بن حافظ رحمت خان۔ دوندے خان کے رائے کو فوقیت دی اور صلح سے انکار کر گئے۔ روہیلے سردار صلح کے مخالف تھے وہ

ممجھتے تھے اگر صلح ہو گئی اور ابدالی ہندوستان سے واپس چلا گیا تو مرہٹے ان کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔ شجاع الدولہ ابھی مایوس نہیں ہوا تھا جو اسے بھاؤ کا یہ آخری خط ملا اور اس کی کوشش تھی کہ بغیر جنگ بادشاہ ہندوستان واپس ہو جائے مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ ع کو صبح نکلتے ہی مرہٹوں کی چھاؤنی کی طرف سے شور و غل کی آواز آنے لگی۔ احمد شاہ ابدالی نے اسی وقت اپنی فوج کو ترتیب دیا اور ایک دستے کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑا ہو گیا۔ مرہٹوں کے لشکر کے آگے آگے توپ خانہ تھا اس توپ خانے نے نزدیک آکر توپوں کے دہانے کھول دیے اور توپیں آگے اگلنے لگیں۔ مسلمانوں کے مورچہ پر خوفناک گولہ باری ہونے لگی اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کو اپنے بہت سے مورچے خالی کرنے پڑے۔ مسلمانوں کے دائیں بائیں عنایت خان بن حافظ رحمت خان، دوندے خان، نواب احمد خان اور نجیب الدولہ کی فوجیں تھیں اور قلب میں وزیر اعظم شاہ ولی خان اپنی فوج کے ساتھ کھڑا تھا توپخانے کی دباؤ انہی روہیلے سرداروں کی صفوں پر پڑ رہی تھی۔

تھوڑے ہی دیر میں قریب چھ ہزار سے زیادہ افغان روہیلے شہید ہوئے یہ حالت دیکھ کر بھاؤ اور بسواس راؤ اپنے دستوں کے ساتھ آگے بڑھے اور ایسا شدت کا حملہ کیا کہ روہیلوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ نواب شجاع الدولہ مغل اپنی فوج کے ساتھ ایک طرف تماشائی بن کر خاموش کھڑا تھا۔ روہیلوں کو پیچھے دکھیلتے ہوئے مرہٹے اس جگہ آنکلیے جہاں وزیر اعظم شاہ ولی خان کھڑا تھا۔ مرہٹوں نے آتے ہی اس کی فوج پر حملہ کر دیا۔ فضا بھر ایک بار، ہر ہر مہا دیو، اور اللہ اکبر، کے نعروں سے گونجنے لگی۔ لیکن پاسد مرہٹوں کا ہی بھاری معلوم ہوتا تھا اچانک شاہ پسند خان وزیر اعظم کی مدد کو آگیا اور

تھوڑی دیر بعد احمد شاہ ابدالی بھی اپنے رسالے کے ساتھ آ پہنچا ان دونوں کے آجانے سے مرہٹوں کا بڑھتا ہوا میللاب رک گیا۔ نجیب الدولہ جو ابھی ابھی اپنا سورج چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا اپنے سپاہیوں کو ادھر ادھر سے فوراً اکٹھا کر کے پھر آگے بڑھا۔ دوسرے سردار بھی منہل کر اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ نجیب الدولہ کی فوج بڑی پوشیماری اور بہادری سے بھاؤ اور بسواس راؤ کی فوج کے عقب میں آگئی۔ اب سامنے سے ابدالی کی فوجیں تھیں عقب میں روپیلے افغان تھے۔ اور بھاؤ اور بسواس راؤ بیچ میں گھرے ہوئے تھے۔ تلواروں کی جھنکار۔ نیزوں اور بھالو کی چمک۔ گرزوں کی کھٹک اور توپوں بندوقوں کی کڑک۔ ابدالی کے لشکر میں غلیل باز بھی تھے اور دونوں طرف تیر انداز بھی غلیلے اس طرح برس رہے تھے جیسے آسمان سے ژالہ باری ہو رہی ہو۔ تیروں کی بارش میں کبھی بادل کے سامنے بھی ایک پردہ سا کھیچ جاتا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اور بہادری کے نعروں سے میدان کار زار قیامت صغریٰ کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ آج مرہٹے بھی مارنے مارنے پر اپنے مقام سے نکلے تھے کٹ رہے تھے مر رہے تھے تڑپ رہے تھے۔ لیکن کیا مجال جو کسی کا پاؤں پیچھے ہٹے۔ آج بھاؤ اور بسواس نے بھی مردانگی اور بہادری کا حق ادا کر دیا۔ ابدالی کے ہاتھ میں ہلال نما تلوار تھی۔ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ملبوس تھا اور میدان جنگ میں گھوڑا دڑاتا پھرتا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا خبر دار کوئی ہندو، میدان سے بھاگنے نہ پائے۔ ایک جگہ بھاؤ افغانوں کے نرغے میں گھرا ہوا تلوار چلا رہا تھا اس کے آس پاس دس ہندو مرہٹہ سردار کٹے پڑے تھے بھاؤ بھی اپنی خون میں نہایا ہوا تھا آخر اسی طرح لڑتے لڑتے مارا گیا۔ اور ادھر ادھر سے وہی ”جے بھوانی“ و ہر ہر مہادیو، اور اللہ اکبر کے نعرے سنائی دینے لگے لیکن بھاؤ کے

مارے جانے سے مرہٹے ہمت ہار چکے تھے اور میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے۔ اچانک کہیں سے آواز آئی۔ راجکمار بھاؤ مارا گیا تو بھاگنے لگے مرہٹوں نے بری طرح شکست کھائی۔ ابدالی کے حکم سے شہداء کی لاشوں کو جمع کر کے دو دو سو کو ایک ایک گھڑے میں دفن کر دیا گیا اور قبرستان کا نام گنج شہیدان رکھا گیا جو مرہٹہ فوج میدان جنگ میں قتل سے بچ کر بھاگنے اور راہ فرار اختیار کی تو افغانوں نے دور دور تک ان کا تعاقب کیا مرہٹہ مقتولین کی لاشیں پچاس پچاس میل تک بکری پڑی تھیں۔ تاریخ دانوں کا قول ہے کہ اس لڑائی میں ڈھائی لاکھ سے بھی زیادہ مرہٹہ فوج ماری گئی۔ جب اس شکست کی خبر مہاراشٹر یعنی مرہٹہ کے ملک میں پہنچی تو کوئی مرہٹہ گھر ایسا نہیں تھا جہاں صف ماتم نہ بچھی ہو۔ پیشوا اس لڑائی کے بعد بہت تھوڑے دنوں زندہ رہا اور بیٹے بسواس اور اپنے چچا زاد بھائی بھاؤ کے غم میں مر گیا۔ مشہور تاریخ دان سیکر لکھتا ہے۔

”ہانی پت کے نقصانات سے مرہٹہ طاقت پھر سر نہ اٹھا سکی اور اسی ایک شکست سے ہندوؤں کی نشاۃ ثانیہ کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں“

احمد شاہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ دلی کو اپنی سلطنت میں شامل رکھیں مگر اس نے نہ مانا اور ناجائز تصور کیا کہ میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آیا ہوں۔ فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی دلی آیا اور شہید عالم گیر ثانی جو اپنے وزیر نمک حرام غازی الدین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا کے بیٹے شاہزادہ علی گوہر کی تخت نشینی کا اعلان کیا۔ شہزادہ علی گوہر چونکہ اس وقت دلی سے دور کہیں اور جگہ مرہٹہ سے فراری تھا اس لئے اس کے بیٹے جوان بخت کو قائم مقام بادشاہ مقرر کیا اور نجیب الدولہ کو سلطنت کا منتظم اور نگران بنایا اور خلعتیں دے

کر سرداران ہند کو رخصت کیا زان بعد اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ چلتے وقت سرہند کی صوبہ داری زین خان مہمند کر عطا کی۔ احمد شاہ ابدالی کے آجانے کے بعد قدرت نے مغلوں کو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کا جو ایک اور موقع دیا تھا افسوس اپنی نا اہلیت کی وجہ سے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ وہی لال قلعہ جہاں کبھی بڑے بڑے سرکشوں کی تادیب کے فرمان جاری ہوا کرتے تھے نجیب الدولہ کے مرنے کے بعد اب وہاں سے صرف شعرا اور طوائفوں کے نام دعوت ناسے بیچھے جاتے تھے۔ بادشاہ مشاعروں کی صدارت کرتا اور طوائفین تمہیت کے گیت گاتیں۔ مغلوں کی اس کمزوری سے انگریزوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور اس بد نظمی کے دوران میں انگریزوں نے بڑے صبر و استقلال سے سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

امیرالاسرا نواب نجیب الدولہ

نجیب خان ابن اصالت خان ابن ملک عنایت خان، قبیلہ یوسف زئی کے ذیلی شاخ عمر خیل سے تھا ان کا خاندان روپیلوں میں باعتبار بزرگی و شرافت ممتاز تھا۔ اصالت خان وطن میں اپنے قبیلہ کا سردار تھا اور اس کے بھائی بشارت خان گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ وہ عہد فرخ میں بسلسلہ تجارت ہندوستان آئے۔ یہاں کلہر میں اس وقت روپیلوں نے اپنی ریاست قائم کر لی تھی جو بعد میں روپیہا کھنڈ مشہور ہوا اس ریاست کا بانی داؤد خان یوسف زئی تھا جس نے ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۷ء میں یہاں باقاعدہ سلطنت قائم کی تھی۔ قریب کے اس علاقہ میں بشارت خان نے بلاس پور پر قبضہ کر لیا اور

اور اس کا نام اپنے نام بشارت نگر رکھا۔ نجیب خان ۱۱۱۵ھ میں اپنے وطن صوابی علاقہ پشاور میں پیدا ہوئے تیس سال کی عمر میں اپنے چچا بشارت خان کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ بشارت خان کی ایک لڑکی نواب علی محمد خان رام پور کو بیابھی تھی۔ دوسری دختر نجیب خان سے منسوب ہوئی۔ ان کے بیٹے نواب ضابطہ خان کو نواب علی محمد خان کی دختر منسوب تھیں جن کے بطن سے نواب غلام قادر خان روپیلہ تھے۔

نجیب خان کو نواب علی محمد خان نے آنولہ بلا کر کچھ سواروں کی سرداری پر فائز کر دیا تھا۔ اس اثنا میں شاہ دہلی نے نواب علی محمد خان کو سرہند کی صوبہ داری عطا کی اس پر نجیب خان کی جانبازی سے قبضہ ہوا۔ نواب علی محمد خان والٹی روپیہا کھنڈ نے اس کے معاملے میں ان کا عہدہ بڑھا دیا۔ نواب ضابطہ خان کی والدہ کا ۱۱۶۱ھ میں انتقال ہوا تو دوندے خان رئیس بسولی نے اپنی دختر در بیگم سے نجیب خان کی شادی کر دی اور چودہ محال ضلع بجنور کے نواب علی محمد خان سے دلوائے، اور اپنی فوج کا ان کو رسالدار بنا دیا۔ اور دارا نگر کی تحصیل ان کے سپرد کی جس کو تھوڑے عرصہ میں نجیب خان نے ایک آباد قصبہ بنا دیا اور ایک درسگاہ بھی قائم کی اور علماء کو درس و تدریس کے لئے مقرر کیا سید نورالدین نے اپنی قلمی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر یوں اظہار کیا ہے

مرد صاحب جو پر بود اگرچہ ناخواندہ مطلق، لاکن عقل بسیار و اقبال داشت

شاہ دہلی احمد شاہ مغل اور اس کے وزیر صفدر جنگ میں جب اختلافات پیدا ہوئے تو وزیر مذکور کو وزارت سے معزول کیا گیا اس نے سورج مل جاٹ اور صوبہ ہاونی کے فوجدار اندر گشائیں

ہندو کو اپنا معاون بنا کر دلی کو اپنی افواج سے محصور کر لیا اور نوابان روہیلکھنڈ کو بھی اس فوجی مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ دوسری طرف احمد شاہ مغل بادشاہ دہلی نے پریشانی کے عالم میں ان امراء کو امداد کے لئے دعوت دی۔ لہذا اس دونوں دعوتوں پر غور کے لئے مشورہ کر رہا تھا۔ دوندے خان اور حافظ الملک حافظ رحمت خان وزیر کی اعانت کے حق میں تھے۔ نجیب خان نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور اس کا نقائص بیان کئے اور اس میں ہندوؤں کی بالادستی کی جو بنیاد رکھی جاتی مضمحل تھی اسی سبب نجیب خان کی رائے سے انہوں نے بھی اتفاق کیا بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ مغل بادشاہ کا ساتھ دیا جائے مشورے کے مطابق نجیب خان ایک ہزار سوار و پیادہ فوج ہمراہ لیکر دلی راوانہ ہوئے راہ میں اور لوگ بھی ان کے ہمراہ ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ دہلی پہنچنے پر ان کے ساتھ تقریباً بیس ہزار افغانوں کا مجمع تھا۔

دلی سے دو میل کھنڈ کے مقام پر صفدر جنگ وزیر نے مورچے لگا رکھے تھے۔ نجیب خان نے اس کی فوج پر حملہ کیا اور شکست فاش دی۔ سواج مل جاٹ شکست کھا کر بھرت پور کی طرف بھاگ گیا اور گسائیں مارا گیا اور سخت شکست کھائی۔ آخر صفدر جنگ نے بادشاہ سے معافی حاصل کر لی اور اودھ کی صوبہ داری پر چلا گیا۔

بادشاہ نے ان کو نجیب الدولہ کا خطاب دیا اور نوبت و نقارہ مع خلعت اور نوابی کا علم (نشان) عطا کیا اور بخشی کے منصب پر فائز کیا۔ مہار نہور کی جاگیر بھی عطا ہوئی نجیب خان وطن لوٹے۔ چیت سنگھ نے فساد مچا رکھا تھا اس کا استیصال کیا اور مظفرنگر قبضہ میں لائے۔ ۱۷۵۲ء میں تانسندی کے کنارے اپنے نام سے نجیب آباد شہر آباد کیا۔

نجیب الدولہ کا عظیم ترین کارنامہ یہ تھا کہ اسی کے کوشش کے نتیجے میں شاہ ابدالی کی سرکردگی میں مسلم سرداروں نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دی۔ نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور میان عمر چمکنی کا معتقد تھا یہ انہیں کے فیض کا اثر تھا کہ اس نے مرہٹوں کے مقابلے کا بیڑا اٹھایا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اس سلسلہ میں میان عمر چمکنی کے ذریعہ شاہ ابدالی کو خط لکھ کر آمادہ کیا کہ وہ اس وقت مسلمانوں کی حفاظت اسی طریقہ سے کر سکتے ہیں۔ نجیب الدولہ نے یہ خدمت انجام دی کہ ایک طرف تو شاہ ابدالی کو سرداری قبول کرنے پر راضی کیا اور دوسری طرف ہند میں مسلم حکمرانوں اور سرداروں کو یک جہتی کی ترغیب دی۔ نواب شجاع الدولہ والی اودھ کو تیار کرنے کے لئے وہ خود اس کے دربار میں کئی دفعہ گیا اور بہت کوشش کے بعد اس کو تیار کیا کہ اپنی فوج لیکر پانی پت آئے۔ جس طرح نجیب الدولہ نے مسلمانوں کو یک جا کر کے مرہٹوں کے مقابلے کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی تھی اسی طرح میدان جنگ میں اس نے اور دوسرے روہیلہ سرداروں نے بھی بہت زیادہ بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

پانی پت کی لڑائی ہندو پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مرہٹوں نے ایک زبردست فوج تیار کی تھی جس کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی اور ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کر کے برصغیر میں ہندو حکومت قائم کریں اور مسلمانوں کی مکمل طور پر بیخ کنی کریں۔ فتح پانی پت کے بعد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ امیر الاسرائی کے عہدہ پر قائم رکھتے ہوئے حکومت دلی کا انتظام بڑی حد تک اسی کے سپرد کر دیا۔ دس سال تک نجیب الدولہ نے عہد انہباط میں نہایت بہادری اور دور اندیشی کے ساتھ سلطنت کا انتظام

کیا۔ اس دور میں اس کا قابل ذکر کارنامہ جاٹوں کی قوت کو ختم کرنا تھا۔ گویا کہ مغلیہ سلطنت اور اسلامی معاشرہ کی تین مخالف قوتوں یعنی مرہٹوں - جاٹوں اور سکھوں میں سے دو کو اس قدر کمزور کر دیا کہ وہ ایک مدت تک دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔

الغرض نجیب الدولہ نے اپنی ساری زندگی مسلمانوں کو ایک مرکز پر قائم کرنے اور ان کو مضبوط بنانے میں صرف کر دی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر کوئی دوسری قوم حکمرانی نہ کر سکے۔ پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے خلاف ابدالی جھنڈے کے نیچے مسلمانوں کا جمع ہونا اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کی یہ کوشش باور پوتیں، اور ملک میں دوبارہ ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہوئی یہ اس قابل افسوس ہے کہ نجیب الدولہ کے عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور ۱۷۷۱ ع میں وفات پائی اور اس کے مرتے ہی مسلمانوں کے اس جنگ آزادی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ ہمارے مورخین نے نجیب الدولہ کی شخصیت اور کارناموں کی صحیح تصویر پیش نہیں کی ہے، وہ اٹھارویں صدی کے نصف کے آخر کے قابل ترین سیاستدانوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے۔ مزید تعارف کے لئے نجیب الدولہ کا شجرہ نسب اسی کتاب میں درج ہے۔

دوندے خان حافظ رحمت خان دونوں چچا زاد بھائی تھے، ان کی پیدائش علاقہ یوسف زئی موضع طورو کے مشرقی محلہ شہاست پور میں ہوئی تھی اور ان کے والدین اور خاندان کا مسکن بھی یہیں تھا ان کی جائداد یوسف زئی مندر کے ذیلی شاخ صدوزئی قبیلہ جو اس وقت یہاں سکونت رکھتا تھا کے ساتھ شامل تھی جب قبیلہ صدوزئی کا تبادلہ یہاں سے ہوا تو ان کے خاندان بھی یہاں سے ان کے ساتھ علاقہ صوابی منتقل ہوا اور شہاست پور کے بدلہ میں بطور سیری سالم موضع

ڈوڈھیر دیا گیا تھا اور ابتدائی ہندو بست ۱۸۷۰ ع کے کاغذات سال تحصیل صوابی ضلع سردان میں بھی یہ گاؤں یعنی ڈوڈھیر سالم بنام شہاب الدین قوم پختون بڑیس جو ان کا مورث ہے رجسٹر کاغذات مال ہوا ہے۔ اور اس وقت شہاب الدین کے بعض اولاد جو ہندوستان نہیں گئے یہاں سکونت پذیر اور مالکان دیہ ہیں ان کی تعداد بھی کافی ہے ان میں ایک معمر اور معتبر ملک خویداد خان ابھی تک زندہ تھا۔ ان کی اولاد بھی ہے اور ان کے ایک گھرانہ شیخ علی کی اولاد موضع یار حسین میں ٹل بہرام خیل کے ساتھ شامل جائداد رہتے ہیں۔

قصہ یوں کہ احمد شاہ ابدالی نے افغان سرداران ہند اور ان کے ساتھی افغان مجاہدین کو رخصت کرنے سے قبل ان کو ایک تقریر کی۔ تقریر کچھ خاصی لمبی اور نصائح سے بھر پور تھی تقریر کے اخیر میں اس نے ایک تجویز نواب شجاع الدولہ کے متعلق کہی جو بالکل دور اندیشی دانائی اور اخلاص پر مبنی تھی لیکن افسوس حافظ الملک نے تجویز مسترد کی جس کا نتیجہ بعد میں اس کے لئے باعث موت و قیاسی و بربادی سلطنت روہیلہ واقع ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کی تقریر کا آخری حصہ یہ تھا۔

شجاع الدولہ بہادر جو تمہارے قبیلے میں شامل نہیں یعنی افغان نہیں ہے۔ اسے میں اپنے ہمراہ لئے جاتا ہوں اور ایک وسیع ملک جو اس کے ملک سے بہت زیادہ زرخیز اور معمور ہے اس کے نامزد کرتا ہوں۔

بادشاہ یہ تقریر کر رہا تھا اور تمام افغان سردار نہایت خاموشی کے ساتھ سر نیچے ڈالے من رہے تھے شجاع الدولہ بھی سن رہا تھا۔ جب ابدالی اپنی تقریر ختم کر چکا تو حافظ الملک نے کھڑے ہو کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ

جہاں پناہ، ہم میں اور نواب شجاع الدولہ میں کسی طرح غیریت نہیں ہے۔ انہوں نے اکثر خطرناک موقعوں پر ہمیں مدد دی ہے اور بہت سے نازک مقاموں پر ہماری کومک کو پہنچے ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ ان کا ہم پر اسی قدر گراں بار احسان ہے جس سے ہمارا سر نہیں اٹھ سکتا اگرچہ قبلہ عالم، نواب صاحب کو اپنے ساتھ لے جا کر مرفراز فرمانا چاہتے ہیں لیکن ہندوستانی لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ آخر قوم افغانہ نے باہم اتفاق کر لیا اور ایک شخص (مغل) جو ہندوستان میں باقی رہ گیا تھا اسے بھی دیکھ نہ سکے اور وطن سے باہر نکال دیا۔ ہم پر صورت نواب صاحب کا یہاں سے جانا ہمارے حق میں بہتر نہیں معلوم ہوتا۔

بادشاہ نے فرمایا کہ

میں جانتا ہوں کہ تمہیں شجاع الدولہ سے کسی طرح دشمنی نہیں ہے اور وہ بھی تم سے نہایت خوش ہے لیکن تمہارے حق میں بہتر یہی تھا جو اس وقت بیان کیا گیا۔ خیر اگر تم میری رائے کو رغبت کے کانوں سے نہیں سنتے اور نظر قبول سے نہیں دیکھتے تو میں بھی تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ لیکن یاد رہے کہ ایک دن اس کا ہوا نتیجہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

حافظ الملک کا عقیدہ سچا اور درست تھا شجاع الدولہ کو وہ مسلمان سمجھتے تھے اور ظن المؤمنین خیرا پر عمل پیرا تھے لیکن وہ بے ایمان تھا منافق اور دغا باز تھا۔ چنانچہ واقعی وہی برا نتیجہ نجیب الدولہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد سامنے آیا۔ شجاع الدولہ نے مرہٹوں کو روپیہ لکھنڈ پر حملے کے لئے اکسایا اور وہ آ بھی گئے

لیکن ان سے کچھ نہیں ہو سکا اور نامراد واپس ہوئے جب شجاع الدولہ مرہٹوں سے مایوس ہوا تو پھر انگریزوں سے جو اس وقت کلکتہ میں تھے رابطہ قائم کر کے حملے کے لئے تیار کیا اور شجاع الدولہ اور انگریز کی مشترک فوجوں کے ہاتھوں حافظ رحمت خان شہید ہوئے اور ملک تباہ و برباد ہو گیا اور افغانوں میں سے جو ہاتھ آیا اسے قتل کیا افغان کافی مقدار میں کمایوں کے پہاڑوں اور سی ہی ہزار کے جنگلوں میں فرار ہو گئے اور شجاع الدولہ لوٹ مار کر کے سب سامان لے گیا۔ اور تمام شہروں پر جھاڑو پھیر دی اور انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ جمانے کے لئے متوجہ کر کے سبق سکھا دیا۔ ان واقعات سے با تفصیل تواریخ کی کتابیں بھری ہیں میں نے مختصراً ان کتابوں سے اخذ کر کے پیش خدمت کیا ہے۔ مثلاً

اخبار الصنادید لکھتا ہے۔

شجاع الدولہ نے روپیہ لوں کو ایسی بے رحمی اور بے حرستی کے ساتھ پامال کیا کہ انگریزی فوج سے اس کو مدد دینے پر لندن کے ہاؤس آف کامنس اور کورٹ ڈائریکٹرز میں بھی اظہار تاسف و ملال کیا اور بنی نوع انسان کا کوئی بھی ہمدرد قیامت تک تاریخ کے اس مقام پر آئے گا تو وہ ان مظالم پر دو دو آنسو بہا جائے گا۔

تاریخ ہند میں ایک انگریز جیمس گرینڈ لکھتا ہے۔

بہادر حافظ رحمت خان کی موت نے ان کے ملک کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا جو بغیر رحم کے لوٹے جاتے تھے اور اس کے بد قسمت باشندے ہر ایک طرح کے مظالم کے شکار تھے۔

آگے جا کر لکھتا ہے کہ:

کرنل چمپین کہتا ہے۔ ہمارا ہر گئیڈ فتح کے بعد اس افسوسناک

منظر کا ایک شاہد تھا اور ایسا منظر دیکھا جو تذکرے کے قابل نہیں۔

سلطنت روہیلکھنڈ

اب یہ بھی ضروری ہوا کہ روہیلوں کی یہاں آمد اور بسنے کے وجودات بیان کرے جائیں اور سلطنت روہیلکھنڈ کے ہائی داؤد خان کا تعارف کیا جائے داؤد خان ملک قادر خان کا چھوٹا بھائی تھا اور یوسف زئی میں قبیلہ اکوزئی ذیلی کی شاخ بابوزئی میں اکا معروف کے ملک کٹہ کی اولاد میں سے تھا۔ ملک قادر خان کی اولاد اس وقت سوات منگورا کے شمال میں متصل، اینگرو ڈھیری ہیں آباد ہیں اور ان میں ایک شخص نصیر بابا بڑا سمجھدار اور معمر آدمی تھا جو چند سال پہلے فوت ہوا۔ ان کے لڑکے مقام خان جمشید وغیرہ ابھی بھی موجود ہیں۔

داؤد خان یوسف زئی اپنے ملک سوات سے چند ساتھیوں کے ساتھ ۱۷۰۵ء مطابق ۱۱۱۷ھ کے ابتدا میں ہندوستان گیا اور وہ اس خیال میں تھا کہ کسی طرح کامیابی حاصل کر کے ایک ریاست کی بنیاد ڈالیں چنانچہ اس سلسلے میں سوچنے کے بعد طے کیا کہ وہ ایک روز مع اپنے مترہ افغان ساتھیوں کے میلہ پردوار وہ روایتی گھڑسکشیتر، جہاں جانوروں اور خاص کر گھوڑوں کا میلہ لگتا تھا، میں آئے اور ایک لمبی رسی زمین پر بچھا دیں دونوں سرے دو کھونٹوں میں مضبوطی کے ساتھ باندھ دیئے۔ سارے میلہ میں جو بہترین قسم کے گھوڑے تھے منہ مانگے دام پر خرید کرتے اور اسی رسی تک پہنچاتے باندھتے تھے۔ جب اٹھارہ گھوڑے اپنے پسند کے جمع کرے تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے سب گھوڑوں پر سوار ہو کر میلہ سے دوڑ کر چلے گئے۔ اور شمال میں کامیوں کے پہاڑوں میں گئے۔

جب کہ یہ خیال پورا کرنا تھا کہ ایسے شاداب اور زرخیز ملک میں اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنی چاہئے تو ملک کٹھیر کو اپنی ہرکار ہمت کا مرکز قرار دیا اور یہاں پہنچ کر سب سے پہلے ملک گیری کے سامان جمع کرنے کی طرف توجہ کی جو چند روہیلے رفیق کار تھے۔

ہندوستان میں مغل شاہی حکومت کے ضعیف ہو جانے کے وجہ سے علاقہ کٹھیر میں بھی ایک ہندو زمیندار خود سری کا دم بھرنے لگا تھا۔ اکثر افغانوں کو جو ملک روہ (افغانستان) سے آتے ان کو یہ زمیندار نوکر رکھ کے باہم جنگ و فساد کرتے اور ہر ایک اپنے آپ کو واجہ خیال کرتا تھا آپس کا تو کیا ذکر بادشاہی حاکموں کی پرواہ بھی نہیں رکھتے تھے بادشاہ کی طرف سے عظمت اللہ مراد آباد میں حاکم تھا اور اس طرح نرپت سنگھ علاقہ پبلی بھیت و رام پور وغیرہ میں اور کیرت سنگھ قصبہ اکبر آباد میں اور کنچن سنگھ راج پور میں اور کھیم کرن رتن گڑھ میں اور لچھمن سنگھ مد کر ہر گنہ برسر میں اور ارجن سنگھ آنولے میں نقارہ حکومت بجاتے تھے۔ داؤد خان ان حالات کو دیکھ کر چند روز میں ایک جمعیت کثیر بہم پہنچا کر سارے ملک کٹھیر میں ہل چل ڈال دی۔ جب معرکہ آرائی کا وقت آتا تو گڑھی سے نکل کر جوہر شجاعت و جلالت دکھاتے جب فراغت پاتے تو پھر وہیں آکر پناہ لیتے۔ رفتہ رفتہ ایسا نام چمکا کر گرد و نواح کے بڑے زمیندار اور راجے مدد کے خواہاں ہونے لگے۔ روہیلہ ہم وطنوں سے بھی یہ خبریں نہ چھپیں اور افغانوں کی کثرت نے ملک کٹھیر کو روہیلکھنڈ بن جانے کی پیش گوئی قائم کر دی اور اس وقت ان کی رفاقت میں بہت سے پٹھان رہتے تھے۔ ابتدائی وقت میں داؤد خان کے افغان سپاہی دو سو کے قریب تھے۔ اس اثنا میں داؤد خان نے کنچن سنگھ پر حملہ کر کے اس کو شکست دے کر وہ علاقہ اپنے ریاست میں شامل کر دیا۔

داؤد خان کی روز افزوں ترقی کی خبریں وطن میں پہنچی تو سینکڑوں افغان ان کے پاس آگئے چنانچہ پانچ سو جوانمرد افغانوں کی جمعیت ان کے پاس ہو گئی جو سب جنگی تربیت یافتہ تھے اور دوسری طرف مجلس مشاورت میں (۱) ملک خادی خان ، (۲) پائندہ خان ، (۳) دوندے خان ، (۴) ملک کبیر خان (۵) سردار خان (۶) فتح خان اور (۷) صدر خان کمالزئی وغیرہ تجربہ کار اور نامور افغان نامزد کئے گئے ۔ داؤد خان نے اکثر دیہات شہریں اور پرگنہ جات مثل بینا بیولی ، پرگنہ ستامی ضلع بدایوں کے دبا لے اور بینا بیولی کو دارالحکومت بنا کر وہاں رہنے لگے ۔ داؤد خان نے سرہٹوں کی لڑائی میں بہت سے کارہائے نمایاں کئے جس کے صلے میں مغل بادشاہ دہلی کے ہاں سے بریلی اور بدایوں وغیرہ کے علاقے بھی داؤد خان کی ریاست میں شامل کرنے کی اجازت ہوئی اور ان کی ریاست تسلیم کی گئی اور ۱۷۰۷ء مطابق ۱۱۱۹ھ میں اپنی سلطنت عروج پر لے گیا اور اسی طرح اس کے بعد مارے روہیلکنھ جو بعد میں انگریزوں نے اس کی چھ اضلاع بنائے ، پر تقریباً بیس سال ایک مثالی حکومت کر کے ۱۱۳۹ھ میں وفات پائی ۔ اراکین جرگہ نے ان کے متنبی علی محمد خان کو جانشین منتخب کیا ۔ اس کی عمر اٹھارہ برس تھی نظام حکومت بہ منشاۓ اراکین مشورت افغانان خوب چلایا اور آخر ماہ شوال ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء کو علی محمد خان کا آنولے میں انتقال ہو گیا ۔ ان کی بیماری کی حالت میں اراکین سلطنت جمع ہوئے اور سبوں نے یہ طے کیا کہ اس کے بیٹے سعد اللہ خان کو قائم مقام تسلیم کیا جائے ۔ مگر وہ بچہ تھا لہذا حافظ رحمت خان اس تمام مملکت کا نگران اور سعد اللہ خان کا مدار لمہام بنایا گیا اور دوندے خان کو فوج کا سالار بنایا ۔

ہشتو اور سامی زبانیں

ہشتو اور سامی زبانیں ایک ہی جسم کے اعضا ہیں ہختو میں سامی زبانوں کے الفاظ اور نام بکثرت ہیں مگر چند بطور مثال بیان کرے جاتے ہیں ۔ مشہور مورخ فلپ کے حتی لکھتا ہے کہ ۔

اشوری ، قدیم بابلی ، (اکادی) کنعانی ، فونیقی ، حبشی ، آرامی عبرانی ، عربی ، اور سریانی زبان جو آرامی ہی کی ایک شاخ تھی یہ سب سامی زبانیں ہیں۔ ان تمام زبانوں کے درمیان گہری مماثلت ہے اور بحیثیت مجموعی یہ دوسری زبانوں کے مجموعوں سے جداگانہ ہیں حضرت ابراہیم^{۱۴} اصلاً آرامی تھے اپنے ہم قوموں سے آرامی میں بات چیت کرتے تھے اور وہی عبرانی قوم کے جد امجد ہیں ۔

حضرت ہاجرہ زوجہ حضرت ابراہیم^{۱۵} والدہ حضرت اسماعیل^{۱۶} پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان کئی دفعہ دوڑنے کے بعد جب اپنے بچے حضرت اسماعیل^{۱۷} کے پاس پہنچیں تو وہاں پانی دیکھ کر تعجب ہوا یہ حد مسرت و خوشی کے مارے چلانے لگیں کہ دو زم ، زم ، یعنی پانی پانی ۔ واضح ہو کہ ان کی زبان میں پانی کو زم ، کہتے تھے اور اس کی یہی عبرانی الفاظ دو زم ، زم ، اور صفا و مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں تگ و دو کو اللہ تعالیٰ نے بطور یادگار قئم رکھا مورخ حتی لکھتا ہے کہ :

ماں بیٹے کی اپنی زبان عبرانی تھی اور آپس میں اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے ۔ حضرت اسماعیل^{۱۸} نے عرب کے جرہم قبیلہ میں نکاح کیا اور ان کی اولاد نے اپنی عبرانی زبان چھوڑ کر جرہم قبیلہ سے عربی زبان سیکھی ۔ اسی واسطے

حضرت اسمعیل^۴ کی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں۔

یہی لفظ ... زم ، بمعنی ہانی اسرائیلی جلا وطن یہاں مشرق میں اپنے ماتہ لائے تھے۔ اگرچہ اس کا استعمال بول چال میں کم اور لاشعوری طور کیا جاتا ہے مگر پھر بھی بعض اوقات ماضی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ویسے عام طور پر ہانی کے لئے پختو زبان میں (اوبہ ، بولا جاتا ہے جو فارسی زبان لفظ آب سے ماخوذ ہے۔

۱۔ الغرض ابتدا میں جب یہ لوگ اس وطن میں آ کر سکونت اختیار کی تو بعض گاؤں جو ہانی ، چشموں ، ندیوں ، نالوں کے قریب تھے یا انہوں نے آباد کئے زم ، کا نام دیا۔ مثلاً افغانستان میں دریائے جیحون کے جنوبی کنارے پر زم کے نام سے ایک بڑا قصبہ ہے بلکہ پہلے شہر آمل کا نام بھی زم تھا ، اس کے ساتھ زمانہ وسطی میں ہرائے تعارف اور قصبہ زم سے سمیز کرنے کے لئے آمل کا نام لگایا جاتا تھا کیوں کہ ابتدا میں آمل کا نام بھی زم تھا تو اس شہر کو آمل زم کہتے تھے ، خیبر کے دامن میں زم کے نام سے ایک گاؤں بوجہ چشموں کے موسوم ہے۔ مکھوں نے جب یہاں قلعہ بنایا ، زم ، قلعہ سے مشہور ہوا۔ پھر انگریزوں نے جب پختہ سڑک پشاور سے خیبر تک بنائی تو سڑک کا نام اسی گاؤں کے نام جم روڈ اور کچھ عرصہ بعد مخفف ہو کر جمروڈ ہوا اور اس گاؤں کو بھی جمروڈ ہکارنے لگے۔ مگر مقامی لوگ اب بھی اس کو حسب سابق ، زم ، زم ، سے یاد کرتے ہیں۔

۲۔ اور اس مذکورہ مقام سے بطرف شمال ورسک کے قریب بھی ایک گاؤں کا نام ، خہ زم ، خزم ، تھا جس کا مطلب اچھا ہانی ہے۔

۳۔ اشغر ضلع پشاور میں نہر ابا زئی کے کنارے بھی ، زم ، کے نام کا ایک گاؤں موجود ہے جہاں چشمے ہیں۔

۴۔ مواضع نوانکلی واسوٹا، ضلع مردان کے درسیانی حد ہر شوہ سڑک کے مشرق جانب ایک نالہ ہے جس میں ہمیشہ ہانی رہتا ہے اس وجہ سے وہ ، زمی ، زمی ، کندہ یعنی ہانی والا نالہ سے موسوم ہے۔

۵۔ کرم سے جانب جنوب گومل ، زم ، یعنی گومل کا ہانی موسوم ہے واضح ہو کہ ایک شہر گومل کے نام موصل کے علاقہ میں تھا۔

۶۔ تیز بارش جس میں ہوا ہانی کو اندر مکان میں پہنچتا اس کو ہشتو میں ، زم اور زم بولتے اور ہشتو زبان سے یہ لفظ ہندی میں منتقل کیا گیا ہے جس کو رم جم بولتے ہیں۔

۷۔ اس وطن میں دو سخت موسم ، گرما و سرما ، ہیں جس کو ہشتو میں اورے (اوڑے) بہ معنی آگ یعنی گرم موسم اور ژمے ، (ژمے) بہ معنی ہانی والا یعنی ٹھنڈا موسم کہتے ہیں۔

۸۔ جب کوئی زمین میں کنواں کھودتے ہیں تو اوپر سے ہونچتے ہیں کہ زم ، ہے کہ نہیں۔ کنوئیں میں ہانی ظاہر ہونے کے ساتھ کنوئیں سے کھودنے والا آواز دیتا ہے کہ زم زیادہ ہوا یعنی ہانی مل گیا۔ اور بڑھ گیا۔ اور اسی طرح سیم والے زمین جس میں ہانی کا اثر زیادہ ہوتا ہے اس زمین کو ژمند ، یا ژمندہ یعنی ہانی والا زمین کہتے ہیں۔

معلوم رہے کہ ہندی زبان میں ہانی کو ، جل ، اور گوشت کو ماس ، کہتے ہیں اور اس میں لفظ ، ز ، بھی نہیں۔

روایت ہے کہ بی بی ہاجرہ نے ہانی کے دیکھنے کی خوشی میں زم ، زم کہہ کر دیکھ رہی تھی کہ ہانی بڑھنے اور بہنے لگا تو انہوں نے ہیبت سے آواز دی ، زابا ، جو ہشتو لفظ ہے یعنی جاؤ مت ہلو مت۔ یعنی ٹھہرے رہو۔ اور ساتھ ساتھ ہانی کو روکنے کے لئے

آگے پیر ہاتھ اور کچھ سٹی وغیرہ رکھ رہی تھی - اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی آواز پر ہانی بہنے سے رک گیا اور اپنی جگہ ٹھہر گیا - بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ ہانی آگے جانے سے نہ رکتا تو ایک ندی کی صورت میں بہہ جاتا -

خوارزم کی وجہ تسمیہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس میں لفظ ، زم ، کی تشریح بھی ہو چکی ہے کہ پشتو میں ہانی کو کہتے ہیں اب صرف خَوَ یا خَوَا اور غَخَوَ ، (غبنوا) بہ معنی گوشت ہے - خَوَ یا خَوَا پشتو میں اس گوشت کو کہتے ہیں جو بدن سے علیحدہ نہ ہو مثال کے طور خوا خوگی یعنی خون اور گوشت اور نسبی درد مہدی - یعنی آپس میں ایک دوسرے کے غم کی سبب گوشت درد مند ہونا ، خوا لم راشد ، میرے (بدن کے گوشت کے) قریب آؤ - خوا ، م پختہ شوہ ، یعنی میرے بدن کا گوشت خوشی سے ٹھنڈا ہوا - خوا ، تہ نہ نہ کیگی ، یعنی دل (بدن کا گوشت) کو چاہت نہیں - خوا خے ، یعنی ایسی عورت جو بدن کے گوشت کا بہترین ٹکڑا داماد کے حوالہ کرے - خور ، بہن - خوگ ، میٹھا - خولہ ، منہ - یہ سب بدن کے گوشت اور خون سے اور اعضاء سے متعلق ہیں جو گوشت سے مرتب ہیں خَوُو ، ندی نالہ جس کے ہانی بہنے کے علاوہ اناج بدن کے لئے پیدا کرانے کی سبب ہے -

خوار ، یعنی ناقص گوشت والے بے چربی اور صرف ہڈی ہی ہڈی یعنی ار بمعنی ناقص کے - خور وا ، یعنی ہکے ہوئے گوشت سے لکلا ہوا شوربا - خونہ ، رشتہ داری جو ہم نسبوں ہم گوشت و ہم بدن اور ہم نسل کے لئے ہولا جاتا ہے - پختون خوا ، کا مطلب اگر یہ لیا جائے تو زیادہ موڑوں و مناسب ہوگا کہ جہاں جہاں قوم پختون کے تن بدن خون اور ان کے گوشت ہوست کا اثر موجود ہے اور جہاں جہاں

پختون کی مٹی ، خاورہ ، ہے وہی پختون قوم کے سلیک اور سلیک ہے اور اسی سے نسبی تعلق کو تقویت ملتی ہے اور یہی چیز آپس میں ایک دوسرے کے لئے سبب خوا خوگی اور خوہی ، و ہمدردی بن جاتا ہے - ورشو بہ معنی چراگاہ جس کا اصل عبرانی ہے اور مخفف ہے ، خوار شو کا اور شو مخفف ہے شارون کا شارون عبرانی میں عمدہ گھاس والے میدان یعنی چراگاہ کو کہتے ہیں اور خَوَا ، بہ معنی زندہ گوشت والے جس سے مراد کمزور جانور ہے لہذا خَوَا شو جانوروں کی چراگاہ - اور خَوَا شو مخفف ہو کر وار شو بنا اور زبان پشتو میں عام طور استعمال ہونے لگا - مطابق یہ ہوا کہ بھوکے دہلے جانور چراگاہ میں گھاس کھا کھا کر گوشت ہکڑ کر موٹے ہو جاتے ہیں اور جانوروں کے تن بدن اچھے ٹکڑے اور گوشت والے بن جاتے ہیں لہذا ورشو ، یعنی جانوروں کی چراگاہ والا میدان عبرانی سے ماخوذ ہے - بائبل اور تاربخ شام سے واضح ہے کہ شارون ناسی فالتو جانوروں کی شام میں ایک چراگاہ تھی - غَبَسَو ، غَخَوَ ، یعنی (گوشت) بدن سے علیحدہ گوشت کو عام استعمال و غَخَوَ ، کہتے ہیں اور کھانے کھلانے پکانے میں یہی نام استعمال ہوتا ہے - مطلب یہ کہ لفظ ، غ ، کا سابقہ لگانا گوشت کے دونوں قسموں کی تقسیم اور شناخت کے لئے ہے - یعنی جو بدن کا حصہ ہو تو خَوَ اور بدن سے الگ ہو کر غَخَوَ ، (غَبَسَو) گوشت ہولا جاتا ہے - لفظ غ آگے لگانے کی وجہ یہ ہے کہ پشتو زبان میں لفظ غس جدا کرنے یا کاٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ، غَسَمَ خَوَ - کٹا ہوا گوشت - اس طرح لفظ غس کے حرف ، س ، نکالنے سے مخفف ہو کر ، غَخَوَ ، غَبَسَو ، بن گیا - اور عرصہ دراز گزرنے پر تلفظ میں فرق آ کر اس وقت بعض لوگ اپنے استعمال میں غَخَوَسَمَ ، غَبَسَمَ بھی بولتے ہیں -

لفظ ختو فارسی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ حرف ہ لگایا جاتا ہے مثلاً خواہی - خواہش - خواہست (خواست) جس کے معنی مانگنے اور چاہت کے ہیں مگر اصل میں یہ مانگ اور چاہت تو بدن ہی کرتا ہے لہذا اس میں وہ ہشتو زبان والا اشارہ بدنی بھی موجود ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ پختو سے فارسی میں منتقل ہوئے ہیں۔

فارسی میں اس قسم کے الفاظ بکثرت ہیں جن کے ماخذ آرامی یا عبرانی زبانیں معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ، فردوس (باغیچہ) جلا (جلعاد عبرانی ہے معنی سخت آدمی) شیر ، نہر وغیرہ ، وجہ یہ کہ اسرائیلی جلاوطنوں نے ایران میں سینکڑوں برس گزارے ہیں لہذا آہس میں الفاظ کا تبادلہ ضرور ہوا ہوگا۔ پختو زبان میں فارسی اور فارسی زبان میں پختو کے الفاظ بکثرت ہیں۔ چونکہ فارسی بھی ایک مہذب زبان ہے اس نے بھی اپنی جولی عبرانی کے زین الفاظ سے بھر لی ہوگی۔ ثبوت کے لئے ایک لبنانی مؤرخ فلپ کے حتی تاریخ شام کا بیان کافی ہوگا۔

عبرانی اگرچہ مر گئی تھی لیکن اس نے بہت سی مہذب زبانوں کے لئے الفاظ کی ایک قیمتی میراث چھوڑ دی۔ اور آگے مزید تشریح کر کے لکھتا ہے۔

آرامی زبان سامی بولیوں میں سے ایک تھی ، اور آرامی تاجروں نے اسے ابتدا ہی سے دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ آرامی زبان ابتدا میں شامیوں کی تجارتی زبان تھی۔ ہق م کے آس پاس یہ پورے ہلال زرخیز میں صرف تجارت ، حضارت اور سرکاری کاروبار ہی کی زبان نہ رہی ، بلکہ باشندوں کی عام بولی بن گئی اور اس نے اپنی تمام ہمسر زبانوں پر ، جن میں عبرانی بھی شامل تھی فتح

کامل حاصل کر لی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی قوم (یہودیوں) کی زبان یہی تھی اور آرامی زبان کا نفوذ صرف سامی حلقے تک محدود نہ رہا ، دارائے اعظم (ایران) (۵۲۱ ق م ۳۸۲ ق م) کے ماتحت آرامی زبان ، حکومت ایران کے صوبوں کے درمیان روابط کا ذریعہ بن گئی تھی۔ اس طرح سکندر کی آمد تک یہ زبان ہندوستان و حبشہ کے درمیانی علاقے کی اسی بولی بن گئی ، جو پھر جگہ بولی جاتی اور سمجھی جاتی تھی۔ شمالی عرب کے باشندوں نے بھی اپنی ابجد آرامی ہی سے لی تھی۔ اسی طرح آرمینوں ، ایرانیوں ، اور ہندوستانیوں نے آرامی سے چشمے ہی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ابجدیں ایجاد کیں۔ پہلوی (فارسی) اور سنسکرت دونوں زبانوں کے حروف اصلاً آرامی ہیں۔ آگے لکھتا ہے۔

جلاوطنوں میں سے جو (یہودی) لوگ خوشحال تھے ، انہوں نے مملکت ایران میں ٹھہرے رہنے کو ترجیح دی اور اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ (ایران میں) اس عہد کی کاروباری دستاویزوں میں بہت سے عبرانی نام ملتے ہیں۔

تاریخ لبنان میں درج ہے کہ۔

ایرانی سلطنت کی بنیاد سائرس (. . . ہق م) نے رکھی تھی۔ اس کے بیٹے کیم بی مس (کمبوجہ ، کیمباد) اور برادرزادے دارا نے سلطنت کو اتنا وسیع کر دیا کہ ہندو کش اور دریائے سندھ کے پار سے بحیرہ ایجہ (بیاس) تک اور قفقاز سے بحر ہند تک پھیل گئی۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ وسیع علاقہ ایک مرکزی سیاسی نظام کے تابع آیا اور یہ نہایت محکم نظام تھا۔ سلطنت کے دور افتادہ حصے سڑکوں کے نئے نظام نے ملا دیے اور شاہی

قاصدوں کے لئے جا بجا قیام گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ تمام مقامات میں ایک مکہ رائج ہو گیا۔ آرامی زبان اتنی پھیل گئی کہ پوری سلطنت کی عام زبان بن گئی۔

اس عہد کی دو بڑی تہذیبوں سامی، اور ہندی و ایرانی، کو امتزاج نہیں تو ایک دوسری پر اثر و فشار کا موقع ضرور مل گیا۔

ہندی اور سنسکرت میں جو نام عام ہیں، مثلاً سورما، کانشی، رام، شری، ہال وغیرہ وہ اکثر سامی، آرامی اور عبرانی الاصل ہیں۔ یہ بہت معتبر اور چیدہ نام ہندوؤں نے ان جلا وطن اسرائیلیوں سے اس وقت اپنائے تھے جب وہ ان مشرقی علاقوں میں بسائے گئے۔ جیسا کہ مثلاً تھوڑا عرصہ ہوا کہ مکہوں نے لفظ سردار، افغانوں سے چھین لیا ہے۔ اس کی تشریح سے کہ کیوں، کیسے اور کب معذرت چاہتا ہوں۔

سورما یہ نام جنگجو اور بہادروں کے لئے ہے اور سور کا جمع سورما ہے سور نام کا بنی اسرائیل میں ایک قبیلہ بھی تھا کتاب مقدس باب نحمیا میں بیت المقدس کے دوبارہ تعمیر کے سلسلہ میں بیان ہے کہ :

نحمیا بن عزبوق نے جو بیت سور کے آدھے حلقہ کا سردار تھا (اس نے) داؤد کے قبروں کے سامنے کی جگہ اور اس حوض تک جو بنایا گیا تھا اور سورماؤں کے گھروں تک مرست کی۔ باب گنتی میں پھر ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

شمعون کے قبیلہ کے لشکر کا سردار سوری شہی کا بیٹا سلومی ایل تھا۔

ابن خلدون لکھتا ہے۔

یوآب حضرت داؤد کا بھانجا تھا اور وہ داؤد اور سلیمان کے وزیر اور کماندار بھی تھے وہ ”سوریا“ کے نام سے مشہور تھا۔ عبرانی میں سور بہ معنی چٹان کے بھی ہے یعنی پہاڑی جیسا مضبوط مرد۔ یعنی لقبی نام بھی تھے اور نسبی بھی جیسا کہ کتاب مقدس کے باب تواریخ میں درج ہے۔ کہ

جبعون (گاؤں) میں جبعون کا باپ، یعنی ایل، رہتا تھا جس کی بیوی کا نام معکہ تھا اور اس کا پہلوٹھا بیٹا عبدون اور دوسرے بیٹے کا نام سور اور قیس اور ہل اور نیر و ندب۔

وغیرہ تھے، پختو زبان میں سورے (سایہ) سرپرست کے لئے ہے یعنی فلاں ہمارے آبرو اور سروں کا سایہ ہے اور سور گھوڑ سوار کے لئے بھی ہے یعنی دونوں جگہ طاقت مراد ہے یعنی سور بہ معنی زبردست اور سرپرست اور قائد اور تاقوتور کے بھی ہیں۔

مثال کے طور پر ایک انگریز جو ہشار کا پہلا لارڈ تھا، مقرب خان بن فتح خان خد و خیل یوسف زئی سے موضع باجا میں طنزاً پوچھا کہ تیرے پاس ایک ہزار سور (گھوڑ سوار) ہوں گے، مقرب خان نے انگریز کو سخت گالی دے کر کہا اگر میرے پاس اتنے سور (گھوڑ سوار) ہوتے تو تم لوگ یہاں قدم کیوں جماتے۔

کانشی - کاشی، کاسی، کوشی، ایک ہی نام ہے۔ اور اسی نام کا بنی اسرائیل میں ایک قبیلہ تھا جیسا کہ اکثر کتابوں میں ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد سلطنت دو ٹکڑے ہو کر ایک حصہ سلطنت اسرائیل اور دوسرا حصہ سلطنت یہودا کہلانے لگی۔ سلطنت اسرائیل کا پہلا بادشاہ برعام نامزد کیا گیا اور اس کے بعد کاسی، کوشی، قبیلہ کے سردار مسمی زارح کو بادشاہ بنایا گیا یہ بڑا چار بادشاہ تھا بقول تواریخ نمبر ۲ کتاب مقدس، لاکھوں کے

تعداد میں فوج رکھتا تھا - یہی قبیلہ کاشی ، کوشی ، افغانستان اور کوئٹہ بلوچستان میں بکثرت آباد ہیں اور اس کے نام سے کاشغر اور کش اور کسی غر موسوم ہیں ابتدا میں یہ لوگ کاشغر اور کشمیر تک پہنچ چکے تھے -

کاشی ، کوشی کے متعلق کتاب مقدس (توریت) میں ان کا کئی دفعہ ذکر ہوا ہے - ملاحظہ ہو یرمیاہ باب ۳۶ - باب ۳۸ - باب ۳۹ - باب ۴۰ اور ناحوم باب ۱ - اور صنفیہ باب ۱ - اور فتوح البلدان کے مصنف امام بلاذری نے ”السامرہ کا خال“ بیان کرتے ہوئے یہودیوں کے ایک قبیلہ کو ”کوشان“ کہا ہے -

رام - عبرانی ہے کتاب مقدس کے باب تواریخ میں تحریر ہے -

حصرون بن فارص بن غیر بن یہودا بن یعقوب کے بیٹے کا نام و رام ، تھا اور رام کے آٹھویں پشت میں داؤد ہے جس کا شجرہ نسب یوں درج ہے - داؤد بن یسعی بن عبید بن بوعز بن مسلمون بن نحسون بن عمینداب بن رام بن حصرون - اور و رام ، کے دوسرے چھوٹے بھائی کا نام کالب (کالوی) تھا اور کالب بن حصرون کی زوجہ مسماة ”افراتہ“ تھی جو بہت عقلمند اور نامور ہستی تھی اور اس کا ایک ہی بہنوئی بیٹا جس کا نام حور تھا -

اور سیری تحقیق کے مطابق اپنی والدہ افراتہ کے نام کی اولاد افریتے مشہور ہوئے لکھنے والے افریدے بھی لکھتے ہیں جو افغانوں کا ایک مشہور بہادر قبیلہ ہے -

رام کے بڑے بھائی کا نام یرحمیل تھا - اور اس یرحمیل بن حصرون کے بیٹے کا نام بھی رام تھا - بعد میں سلطنت اسرائیلیہ کے بادشاہ کا نام یہو رام تھا اور اسی کے زمانے میں یہودا کا بادشاہ بھی یہی

نام یعنی یہورام رکھتا تھا بنی اسرائیل میں رام نام اور بھی ہیں - مؤرخ تواریخ شام لکھتا ہے -

رام ، یہ نام سب سے پہلے ، نارام سن تقریباً ۲۳۰۰ ق م جنگجوؤں کے لئے شام میں استعمال ہوا اور ، نارام سن ، قدیم اکادی ماسی حکمران خاندان سے تھا -

شاری ، شری - شار سے ماخوذ ہے - شار بہ معنی زبردست محافظ ، بے قابو ، اونچا ، تیز ، طاقتور ، اعلیٰ ، امیر ، دارالحکومت ، جو سامیوں کے ہاں ملک شام و الجزیرہ میں استعمال ہوتا تھا - اور یہ لفظ ، شار ، سامی الاصل ہے - ملک طالوت کا ایک لقبی نام سارول (شارول) بھی تھا - حضرت سلیمانؑ کے بعد جب حکومت دو ٹکڑے ہوئی تو دس قبائل نے اپنے سلطنت اسرائیلیہ کی دارالحکومت کا نام شارون (شورون) رکھا تھا جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے -

انہیں لوگوں (اشوریوں) نے اسباط عشرہ کے مشہور شہر شورون جس کو اب سامرہ کہتے ہیں لے لیا تھا اور اسباط عشرہ (اسرائیلیہ کے دس قبائل) کو شورون سے نکال کر اطراف اصفہان اور خراسان کی جانب جلاوطن کر دیا -

کتاب مقدس کے باب تواریخ میں ایک اسرائیلی قبیلہ کی سکونت کے بارے میں درج ہے -

شارون کی ساری نواحی میں جہاں تک ان کی حد تھی بسے ہوئے تھے -

شارون نام شام میں حضرت داؤد کے وقت میں ایک ایسے سرسبز میدان کو چراگاہ کے طور پر نامزد ہوا تھا جس میں سرکاری گائے بیل اور گھوڑے چرتے تھے اور اس کا نگران مسمیٰ سطری ، شارونی تھا یعنی نگران کو شارونی کہتے تھے - جو حضرت داؤد بادشاہ کے گھوڑوں پر

چراگاہ میں مقرر تھا۔

بنونیدس (نابونیدس) شاہ بابل بخت نصر کے بیٹے کو شار کہتے تھے وہ عام طور پر صحرائے عرب کے ایک سرسبز مقام تیما میں محل بنا کر رہتا تھا۔ اس کو وہاں کے اسرائیلی اور عرب شارالتیمہ کہتے تھے غلام رسول سہر لفظ شار کے متعلق لکھتا ہے کہ

اس کا اصل سامی زبان اکادی ہے قدیم زمانہ میں بادشاہ کو دعا کے لئے بولا جاتا تھا۔ بیل شار لیو سٹو، یعنی معبود (خدا) بادشاہ کا محافظ ہو۔

قدیم بابلی سامی اکادی الفاظ دوبارہ غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ صرف پشتو الفاظ ہیں۔ البتہ لفظ یہ اب سے کچھ زمانہ پہلے، ایل سے قبل استعمال ہوتا تھا اب ایل کے بعد اور دوئم یہ کی جگہ د بولا جاتا ہے۔

بیل شار لیو سٹو، یعنی خدا بادشاہ کا محافظ ہو۔ ایل بمعنی اللہ اور شار بمعنی بادشاہ لیو بمعنی لپائی اور سو، شو بمعنی ہو جائے مطلب یہ ہوا کہ۔ اللہ ہاک د د بادشاہ لیو (لیو) شی یعنی حافظ شی۔ افغانوں کے ہاں مکان کی چھت یا گھاس بھوسا وغیرہ محفوظ کرنا مقصد ہو تو اسے لیو یعنی لپائی دے کر بارش کے پانی سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پشتو میں، نغاس، بمعنی بد شکل، عبرانی ہے اور، بالغ، سریانی ہے بن آدم یا بنیادم عام پشتو لفظ جس کی اصل عبرانی ہے بن بمعنی بیٹا اور آدم کے معنی انسان یا بشر کے ہیں لہذا بن اور آدم دونوں لفظ عبرانی ہیں۔ بن کے لئے تواریخ شام صفحہ ۱۳۴ میں حاشیہ غلام رسول مہر اور آدم کے لئے اعلام القرآن مصنف عبدالماجد دریا آبادی صفحہ ۳۴ متشرع ہیں۔ اور لفظ ملک بادشاہ کے لئے سامی لفظ ہے اور قوم کے

سردار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو زبان پشتو میں یہ سب انہی معنوں میں ہیں۔

تواریخ شام لکھتا ہے کہ:

شام میں آرامی نبطیوں کے تمام دیوتاؤں میں سب سے بڑا بت دوشارہ تھا یہ دراصل سورج دیوتا تھا جس کی پرستش پتھر کی بلند لاٹ یا ان گھڑ چار گوشہ سیاہ پتھر کی شکل کی جاتی تھی۔

”شار“ کے بارے میں جغرافیہ خلافت مشرق لکھتا ہے کہ:

بادغیس کے مشرق میں دریائے مرغاب کے سرچشموں کے قریب وہ پہاڑی علاقہ ہے جس کو شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے، غرج الشار، لکھا ہے۔ ان پہاڑوں کے (افغان) حکمران کا لقب شار تھا اور غرج کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ وہاں کی بولی میں پہاڑ کو کہتے ہیں زمانہ وسطی کے آخری دور میں یہ علاقہ عام طور غرجستان کہلانے لگا۔ اس ملک کا حکمران یعنی شار کا قیام گاہ پہاڑوں میں ایک بڑا کاؤں ہالی کان میں تھا۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں افغان قبیلہ کے غرغشت آباد تھے اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے افغان قبائل بھی رہتے تھے اور ان کی زبان پشتو تھی جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی زبان میں غر پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ، غر، سامی زبان کا نام ہے اور اس کی شہادت موجود ہے کہ ملک شام میں ایک ایسے مقام کا ذکر، تواریخ شام نے کیا ہے کہ:

شمالی شام میں انطاکیہ شہر کے جنوب میں ایک بڑا پہاڑ (مر سبز) کا نام ”الوغر“ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ الواہک شخص سردار قبیلہ یا شار قبیلہ تھا اور

گران کی زبان میں پہاڑ کو کہتے تھے - لہذا الوغر مشہور ہوا -
الوغر کے متعلق مزید لکھتے ہیں :-

یہاں ایک غار میں مذہم سی روشنی صدیوں سے نظر آتی ہے،
جسے مقامی مسلمان ایک ولی کی یاد گار میں قائم رکھے ہوئے
ہیں، یونانی اپنی زبان میں اس پہاڑ کو سپلیوس کہتے تھے -
معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سڑابنی افغانوں کے دونوں مورخان
اعلیٰ شارخبون (شرخبون) اور خارشبون (خرشبون) کے نام بھی
اس سلسلے کی ایک کڑی ہے - شہر کو پشتو میں خار، شار، بنار،
کہتے ہیں وجہ یہ کہ درحقیقت وہ بھی چھوٹے چھوٹے گاؤں اور
قبیلوں کے بادشاہ اور مرکز ہوتا ہے - انگریزی زبان میں شارپ بمعنی
تیز اور شرک بمعنی ایک خطرناک اور طاقتور مچھلی کے ہیں جو
لفظ شار سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں -
شار کے متعلق پیشہ خزانہ میں تحریر ہے کہ :-

سلطان محمود غزنوی نے جب غور کے اسیر محمود سوری پر
حملہ کیا اور سخت جنگ کے بعد قلعہ آہنگراں میں اسے محصور
کیا تو غیرت کے سبب محمد سوری نے قید اور گرفتاری کو
برداشت نہ کرتے ہوئے فوت ہوئے - شیخ اسعد نے جو اس
جنگ میں شامل تھا محمد سوری کے وفات پر پشتو میں ساندے
(مرثیہ) یوں بولتا ہے -

نہ لب غرجمہ سیا راخی کاروان د مشکو
نہ را دروسی غورتہ سیا جو پیسی د شمار
ترجمہ پہاڑوں سے پھر مشک و عنبر کے لدے ہوئے قافلے نہیں آئیں
گے اور نہ غور میں دور دراز کے امرا اور بادشاہان،
جوق در جوق آئیں گے -

شاربیل پشتو زبان میں جمے ہوئے دودھ یعنی دہی سے شار یعنی
مکھن اور لسی کو الگ الگ کرنے کے عمل کو شار بیل کہتے ہیں
آب شار بھی اس سے ماخوذ ہے - پشتو میں شاڑہ (شارہ) اس زمین کا
نام ہے جو لوگوں کے عمل کاشتکاری سے بے قابو اور سخت ہوں - اور
اسی طرح شڑونکی شوی (شارونکی شوی) کا معنی و مطلب پشتو زبان
میں ایک ایسے گروہ سے ہے کہ کسی زبردست طاقت نے اس کو
اپنے گھروں اور وطن سے نکالا ہو یعنی جلا وطن کر دیا ہو -

یوسف زئی قبیلہ جب سالا کنڈ عبور کر کے سوات میں فتح یاب
داخل ہوا تو ایک میدان (ڈاگہ) میں ڈیرہ ڈال کر اس جگہ کا
"خار" نام رکھا یعنی مرکزی جگہ، یہ نام تپہ رانی زئی میں اب تک
موسوم اور موجود ایک گاؤں ہے - اور اسی طرح ہاجوڑ میں بھی ہوا -
حالانکہ اس وقت دونوں جگہ آبادی نہ تھی لیکن انہوں نے مرکزی
حیثیت بنانے کے لئے انہی ناموں سے موسوم کیا یہ نام خار اب تک
بطور یادگار موجود ہیں حالانکہ ابھی تک یہ شہر نہیں ہیں بلکہ
چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں لہذا یہاں یہ نام مرکزی مقام کے لئے
استعمال ہوا تھا اور انہی مقامات سے انہوں نے سارا ملک سوات اور
علاقہ دہر و ہاجوڑ وغیرہ فتح کئے تھے -

افغانستان میں شہر شاریہ یا ساریہ - تیسری صدی ہجری
میں خاندان طاہریہ کی طرف سے جو حاکم آتا تھا - وہ اکثر
ساریہ (شاریہ) میں رہتا کرتا تھا صوبہ طبرستان کا دوسرا اور
شہر آمل سے بیشتر کا دارالحکومت شاریہ تھا جو آج کل
ساری (شاری) کہلاتا ہے اور شہر آمل کے مشرق میں واقع تھا زمانہ
ما بعد میں ساریہ کا حال بہت کم بیان ہوا ہے - مغلوں کی یورش سے
ویران ہو چکا تھا - مختصر یہ کہ مذکورہ شار وغیرہ نام پختو،

اکادی ، عبرانی اور سامی الاصل ہیں ۔

عبرانی الفاظ کے مزید نمونے :

افغان ماں جب بچے کو سنانے کی لوری دیتی ہے تو وہ یہودیوں کی خوشی کا نعرہ جو ”ہٹلویا“ ہے جس کے معنی اللہ بڑا ہے ہیں ۔ وہ ”ہلی لہو“ کر کے کہتی ہے ۔ ”ہلی لہو“ گویا ”ہٹلویا“ سے بگڑا ہوا لفظ ہے ۔ ”لویا“ عبرانی بمعنی بڑا ۔ ہشتو میں بھی عام طور ”لویا“ بمعنی بڑی اور ”لوئے“ بمعنی بڑا یا بڑے اور ”لوئی“ بمعنی بڑھائی روزمرہ کا استعمال ہے ۔

آرام بڑا یا بن برا سے ماخوذ ہے لفظ ”بورہ“ اور یہ عبرانی لفظ ہے ۔ جو ہشتو میں اس ماں کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا بچہ مر جائے ۔

کول ،، عبرانی لفظ ہے جو نسل کو کہتے ہیں اور ہشتو میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے مثلاً گھر کی باختیار بچوں کی بڑی اماں گزشتہ وقتوں میں اکثر ”کولٹی“ سے یاد کیا جاتا اور جن سے وشتہ طے ہو جائے اسی گھر والوں کو کولہ یا کالہ کور اور رشتہ داروں کے ساتھ کالے کلو یغی بمعنی رشتہ داری ہالنا اور تعلق اور مروت قائم رکھنا ۔ کالے یعنی گاؤں بھی اس کول سے لیا گیا ہے کیونکہ گاؤں میں اکثر ایک انسانی نسل کے لوگ آباد رہتے ہیں ۔ کور ۔ گھر جو نسل انسانی کی رہائش اور پناہ گاہ ہوتا ہے بھی اسی عبرانی لفظ کول سے ماخوذ ہے ۔ ہشتو زبان سامی زبانوں کے الفاظ سے بھری پڑی ہیں لیکن مثال کے لئے یہ چند الفاظ کافی ہونگے ۔ مشت نمونہ خروار ۔

سامی علاقہ و قبائلی نام

گدون ، جدون ایک ہی نام ہے جو مخفف ہے گدون اور جدعون سے ، جو ایک افغان قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا عبرانی نام ہے

جو پناہ میں اسرائیلی قبیلہ سے تھا ۔ مؤرخ تاریخ شام ملک طالوت سے قبل زمانہ کے متعلق لکھتا ہے

اس مدت کو عام طور ، دور قضاۃ کہا جاتا ہے ۔ یہ قاضی (جج) دراصل قومی ہیرو اور حکمران تھے ، جو ضرورت کے وقت خود بخود بروئے کار آگئے اور انہوں نے ہمسایہ دشمنوں یا بیرونی جابروں کے مقابلے میں قومی گروہوں کی قیادت کا فرض انجام دیا ۔ قاضیوں میں ایک اسرائیلی خاتون بھی شامل تھی جس کا نام ”دبورہ“ تھا اس نے برق (برک) کی معیت میں چھ قبیلوں کی قیادت کی اور شمالی سمت میں کنعانیوں کا مقابلہ کر کے آخری فتح حاصل کی ۔ اسی طرح جدعون نے تین سو رفیقوں کے ساتھ مدیانیوں کو سخت شکست دی ۔ ان قضاۃ میں سب سے زیادہ شہرت سمسون کو حاصل ہوئی ۔ سمسون نے فلسطینیوں کو شکست دی ۔ عبرانیوں کو جن حریفوں سے سابقہ پڑا ان میں سے فلسطینی سب سے زیادہ خوفناک تھے ۔

کتاب مقدس کے باب گشتی میں ذکر ہے

جدعون کے بیٹے ابدان بنیامین قبیلہ کا سردار تھا ۔

برکی ۔ برکی افغانوں کا ایک قبیلہ ہے جس کا مورث اعلیٰ برق یا برک تھا ذکر ہو چکا اولاد برک نے ایک گاؤں بھی بسایا تھا جس کا نام برکی تھا ۔ جس کا بعد میں ذکر آئے گا ۔

ہشمنی ۔ ہشمنی یا بطانی ایک ہی نام ہے ، یہ بھی افغانوں کا ایک بڑا قبیلہ ہے ۔ ان کی نسبت ہشانیا ، بطانیا شہر سے ہے جو دریائے اردن کے شمالی حصے میں مشرق کی طرف اس چھوٹے دریا کے کنارے کے اوپر سرے پر واقع تھا جو مشرق سے مغرب کی طرف بہتا ہے اور دریائے اردن میں گرتا ہے یہ حوران کے جنوب میں تھا اور ہشانیا

بنو اختر آس پاس کے کچھ علاقے پر جاگیرداروں کے حیثیت میں قابض رہے اور ان کی جاگیر میں 'شلمان'، عیناب اور بیسود، جیسے مقامات تھے جن کا ذکر تاریخ میں کبھی نہیں آیا اور وہ اب تک موجود ہیں۔

خراسان میں یہی جلاوطنوں شلمان اور بیسود نام ساتھ لائے تھے جو اب بھی موجود ہیں۔

صافی - صافی افغان قبیلہ کی نسبت الجزیرہ شام کے موضع صافیہ کی طرف ہے۔ جغرافیہ مشرق میں ہے کہ :-

دجلہ کے کنارے الصافیہ کا قصبہ تھا جس کے نسبت یعقوب لکھتا ہے کہ وہ قصبہ اس کے زمانے میں بالکل برباد ہو چکا تھا۔

جلاوطنی کے بعد ان لوگوں نے مشرق کی طرف تبریز کے جنوب میں مراغہ کے قریب ایک دریا کے کنارے سکونت اختیار کی جو بعد میں دریائے صافی کے نام سے مشہور ہوا وہاں کافی عرصہ گزارنے کے بعد دوبارہ ہجرت کر کے خراسان کو آنا معلوم ہوتا ہے۔

فرملی - ان کی نسبت فرما نام قصبہ سے تھی جو فلسطین میں غزہ والعریش کے علاقہ میں بحیرہ روم کے کنارے واقع تھا اور جب وہاں کے کچھ باشندے جلاوطن ہو کر خراسان آئے اور ایک دریا کے کنارے آباد ہوئے تو وہ دریا انہیں کے نام سے دریائے فرمل موسوم ہوا۔ فرما گاؤں کا نام اور ایل عبرانی میں بمعنی خدا ہے، ایل لفظ ساتھ لگانا ایک طریقہ تھا جس سے فرما ایل اور بعد میں مخفف ہو کر فرمل اور اب افغانستان میں دریائے فرمل کے علاقہ میں آباد لوگوں کو فرملی کہتے ہیں جو افغانوں کا ایک قبیلہ ہے۔

مستثنی - افغان قبیلہ ہے ان کی نسبت شام کے علاقہ حوران

یا بطنیہ کا شہر علاقہ بشان (ہسن) کا مرکزی مقام تھا اور ابتدا میں عوج کافر جس کا مقابلہ حضرت موسیٰ سے ہوا تھا اور شکست کھائی تھی اس علاقہ کا بادشاہ تھا۔ اور تقسیم کے وقت یہ علاقہ منسی بن یوسف کی اولاد کے حصہ میں آیا تھا۔ اور ان کے جنوب میں روبن بن یعقوب^{۴۱} کی اولاد اور شمال میں دان بن یعقوب^{۴۲} کی اولاد حصہ دار و مالکان اور رہائش پذیر تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی لوگ جلا وطنی کے بعد اس وادی اور شہر کی نسبت سے بطنی، بطنی، مشہور ہوئے۔ اور بعد میں افغانوں کا دوسرا بنیادی گروہ بھی تصور ہوا۔ مذکورہ شہر کی املا تاریخ شام نے بتھانیہ اور تاریخ لبنان نے بطنیہ سے کیا ہے۔

لودی - لودی قبیلہ کے مورث اعلیٰ لود تھا جس کا ذکر کتاب مقدس کے باب عذرا میں بابل سے واپس شدہ قیدیوں کے ضمن میں آیا ہے کہ "لود"، "ھاوید"، اور "اونو" کی اولاد (جو بابل سے واپس ہوئی) سات سو پچیس نفر تھے، اور یہ بھی تذکرہ موجود ہے کہ لود کی نسل یعنی لودیوں نے دریائے اردن کے مغربی کنارے لود یا لُد شہر بھی آباد کیا تھا جو اب بھی اسی نام سے موجود ہے۔ لودی لُد شہر یعنی مسکن اور لود مورث اعلیٰ دونوں کی نسبت سے ہے۔ کتاب مقدس (توریت) بریمہ باب ۶ میں درج ہے کہ -

گھوڑے برانگیختہ ہوں۔ رتھ ہوا ہو جائیں اور کوش و فوط کے بہادر جو سپر بردار ہیں اور لودی جو کمان کشی اور تیر اندازی میں ماہر ہیں نکلیں۔

شلمان اور بیسود، دونوں افغان قبیلوں کی نسبت شمالی شام کے ایک علاقے کی طرف ہے۔ شلمان لبنان کے قریب ایک پہاڑ اور کچھ علاقہ تھا۔ اس بارے میں تاریخ شام کا بیان ہے -

میں المتن (متن) کے نام سے ایک وادی اور قصبہ تھا جس سے ان کی نسبت ہے ۔

ترین شام کے بعد ایران میں مع قدیم نشانات ۔

ترین - افغانوں کا ایک بڑا مشہور قبیلہ ہے ۔ قرآئین سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ پہلے شام کے شمالی علاقہ ' تیرہ (تیرا) ' میں آباد تھے وہاں سے جلاوطنی کے بعد ایران میں بسائے گئے تھے اور ایران سے ساسانیوں کے انقلاب سے مشرق کی طرف پہاڑوں میں آباد ہوئے تھے ۔ ابن بطوطہ کے حوالہ سے جغرافیہ خلافت مشرق کا بیان ہے کہ :

(شام) متعیشا کے شمال میں امیر ایدین کا علاقہ تھا ، اس علاقہ کا پایہ تخت تیرہ ، تیرا ، تھا ، ابن بطوطہ جو امیر ایدین سے ملا تھا ، کہتا ہے کہ تیرہ (تیرا) ایک عمدہ شہر ہے جس میں متعدد باغ اور بہت سی نہریں ہیں ۔ شہر برکی میں سے بھی اس کا گزر ہوا تھا جو تیرہ (تیرا) سے شمال میں ایک منزل پر ہے یہاں کے عظیم الشان درختوں کی اس نے بہت تعریف کی ہے ۔ " یہاں سے کچھ فاصلہ پر بطرف مشرق دریائے ساغری کے سرچشموں کے نواحی میں حصین الیہود (یہودیوں کا قلعہ) اور قصبہ السند ، کا بھی ذکر کیا ہے ۔ شہر افسوس (اف سوس) جو یہاں کے ساحل پر ہے اس سے عرب جغرافیہ نویس خوب واقف تھے اور یہ اس شہر کو افسوس البسوس (سوس) کہتے تھے ۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں سات اصحاب کا غار یا کہف تھا ۔

ایران میں نہر تیرا یا نہر ترین کا شہر اس نام کی ایک نہر یا دریا پر آباد تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریائے کرخہ (دریائے سوس) کے

آخری حصہ کا ایک معاون تھا ، جو دریائے کرخہ (سوس) میں اس کی دائیں جانب سے شامل ہوا تھا ۔ نہر تیرا کا شہر یقیناً حویزہ ہی کے علاقہ میں واقع ہوگا ۔ یہ شہر اہواز کے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر اس سڑک پر واقع تھا جو اہواز سے واسطہ کو جاتی تھی ۔ بصرہ کے ہردے ، قرقوب کے نمدے کے غالیجے ، اور شہر تیرا کے چہرے کے لمبے نقاب مشہور تھے ۔

سوس - دریائے کرخہ ، جو شہر سوس کی جانب کچھ فاصلہ سے بہتا تھا ، اس کی گزر گاہ میں حضرت دانیال نبی کی قبر بنائی گئی تھی اور قریب ترکنارے پر ایک خوبصورت مسجد اس مقام کی نشاندہی کرتی تھی ، مورخ مستوفی نے لکھا ہے کہ :-

حضرت دانیال کی قبر شہر سوس کی مغرب میں تھی ، پاس ادب کوئی شخص اس دریا میں مچھلی نہ پکڑتا تھا اور یہاں سے شمال کی طرف کچھ فاصلے پر شہر میسان میں حضرت عزیر نبی کی قبر بھی تھی) ۔

بیروت - بصرہ کے قریب ، اور سوس سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر ، لیکن غالباً دریائے کرخہ سے مغرب کی طرف بیروت کا شہر تھا ، جہاں ساتویں صدی ہجری میں یاقوت آیا تھا ۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ :-

یہ نخلستانوں سے گھرا ہوا ایک بڑا شہر تھا ، یہاں بیروت کا یہ نام ، اسرائیلی جلاوطنوں نے بیروت (شام) سے آنے والوں نے رکھا ہوگا جو کہ یہاں آباد ہوئے) ۔

ملیہ انان - اہواز کے جنوب میں دریائے دجلہ (کارون) بہت عراض ہو کر ایک مدو جذر والی کھاڑی کی شکل اختیار کر لیتا تھا دریائے دجلہ کارون کی کھاڑی جو فیض دجلہ کہلاتی تھی ، شہر

سایمانان کے مقام پر خلیج فارس میں ملتی تھی یہ اہواز پہنچنے کے واسطے جہازوں کے لئے زیادہ آسان تھا کہ وہ ہاسیاں (ہسان یا بسن والے کے مقام سے مختلف دریاؤں کے ذریعے دور تک اور وہاں سے صدرہ کا راستہ اختیار کریں -

موسن - ایذج کے شمال مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر موسن کا چھوٹا سا شہر، جسے عروج یا عروج اور جابلق بھی کہتے تھے دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا - اس کے گرد وسیع باغ تھے جن میں انگور، چکوترا، اور نارنگیاں پیدا ہوتی تھیں اور بعض مصنفوں کی تحریر کے مطابق یہ وہی مقام ہے جو عہد عتیق کی کتاب دانیال^۴ والا شو شان قصر ہے یعنی قصر موسن -

تسمتر سے آٹھ فرسخ شمال مغرب میں، دزفول کی سڑک پر وہ کھنڈرات پائے جاتے ہیں جنہیں آج کل شاہ آباد کہتے ہیں یہ کھنڈر جندے ساہور کے محل وقوع کا پتہ دیتے ہیں - آل سامان کے عہد میں یہ صوبہ خوزستان کا دارالحکومت تھا -

خلیفہ عباس کے زمانے تک یہ شہر اس طبی مدرسے کے لئے مشہور رہا جسے ایک عیسائی طبیب بختیشوع (جو نملاً ان اسرائیلی اسیروں کی اولاد میں سے تھا جنہیں بخت نصر نے یہاں لا کر بسایا تھا) نے یہاں قائم کیا تھا - اس طبیب کو اپنی زندگی میں، اور اس کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کو، ایک سے زیادہ خلفاء عباسیہ کے دربار میں بڑا مرتبہ حاصل رہا - لیکن اب وہ شہر جندے ساہور ایک غیر آباد ویرانہ ہے، جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جندے ساہور کہاں آباد تھا - ”شہر دز فلول، دز کا پل“ دریائے دز کے کنارے جندے ساہور کے مغرب میں واقع تھا - اس شہر کا نام ایک مشہور پل پر تھا -

مورخ ابن خرداد بہ اس نام کو قنطرة الزاب لکھتا ہے، چونکہ اس کے بیان کے مطابق دریائے دز کا نام (زمانہ قبل میں) ”زاب“ تھا دز فلول کا شہر دریا کے دونوں کناروں آباد تھا -

معلوم رہے کہ زاب اور دجیل کے دریا موصل اور بغداد کے علاقہ میں واقع تھے اور وہاں کے جلاوطنوں کی یہاں سکونت کے وجہ سے ان دریاؤں کے نام زاب اور دجیل موسوم ہوئے جیسا کہ تیرا والوں کے نام سے یہاں دریائے تیرا اور تیرین شہر مشہور ہوا اور بعد میں سامانیوں کے سبب جلاوطن ہو کر مشرق میں جا کر کوہ سلیمان کے مغرب میں ایک دریا کے کنارے آباد ہوئے تو اس کا نام زاب، زوب، موسوم ہوا - اور اسی طرح اس علاقہ زوب سے شمال کی طرف علاقہ تیرہ موسوم ہوا - علاقہ تیرہ و زاب دجیل جس کا ذکر ہو چکا اس کے قریب مشرق کو الیہودید اور جرے کے شہر تھے جو اس وقت اصفہان کے نام سے مشہور ہیں - بخت نصر نے جلاوطن اور اسیر یہودیوں کو یہاں الگ تلگ بسایا تھا جس کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا اس سارے علاقے میں اس قسم کے بہت نشانات ان لوگوں کے باقی ہیں مگر صرف اس پر اکتفا کیا جاتا ہے - یہ جلاوطن یہاں ایران سے کچھ نام مشرق کے طرف ساتھ لے گئے اب بھی جرے نام گاؤں دیر کے علاقہ میں موجود ہے اور کابانیہ جوسوس کے قریب ایک قصبہ تھا یہ نام بھی ساتھ لے کر ایک گاؤں کلپانی مردان کے قریب اور دوسرا کلپانی نام بنیر میں موسوم ہیں -

کتاب مقدس - باب عبرانی خطوط صفحہ ۱۱۹۲ (پشتو ترجمہ ۱۹۴۵ء) برٹش اینڈ فارن ہائبل سوسائٹی لاہور میں ہے کہ

اور کیا کہوں کیونکہ وقت نہیں کہ میں گدعون - باراق - سمسون یفتہ - داؤد ارو سمویل جیسے انبیاء کے حالات بیان کروں جنہوں نے ایمان کی قوت سے بادشاہتیں مطیع کر لی تھیں -

مکاشفت (باب اول صفحہ ۱۲۸۳/۸۴ میں درج ہے) -

وہاں تمہارے پاس بعض ایسے ہیں جو بلعام کی تعلیم کی پابندی کرتے ہیں - اس نے بالاق (بلاق) کو بتایا کہ بنی اسرائیل کو ٹھوکر رکھ دیں کہ وہ بتوں کے قربانی کے گوشت کھائیں اور اسی طرح حرم کاری میں مبتلا ہو جائیں اور تھو اتیرہ (جس کا تہری مخفف ہے) کے کلیسا کے فرشتے کو لکھیں -

قبیلہ مرو کے ہارے میں تاریخ شام و لبنان میں درج ہے -

مسلمہ کی یہ مہم ایک غیر معروف گروہ کے خلاف تھی جو شمالی شام کے پہاڑی علاقہ میں رہتا تھا - یہ لوگ ، مروہ ، کہلاتے تھے - انہیں کو جراحہ بھی کہتے تھے کیونکہ ان کے مرکز کا نام جرجوسہ تھا جو جبل لکام میں واقع تھا - وہ عربوں کی سرحد پر مقیم تھے اور ایشائے کوچک کی حفاظت کے لیے ہمتل کی دیوار بنے رہے - وہ تھے تو عیسائی آرامی زبان بولتے تھے - وہ طبعاً سرکش تھے اور جنگ جوئی ان کا پیشہ تھا مظلوم اور غیر مطمئن لوگ ان کے ہاں پناہ لے سکتے تھے - مفرور مجرم اور باغی لوگ بھی ان کے پاس جمع ہوتے - غالباً اسی زمانے میں یہ لوگ ، مروہ ، مروانی یعنی باغی کہلانے لگے - عبدالملک کے بیٹے ولید کے عہد میں (۷۰۵ ع) قطعی فیصلہ کر لیا گیا کہ اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے - مسلمہ نے ان تکلیف دہ گروہوں کے مرکز پر حملہ کر دیا اور مقام جرجوسہ کو مسمار کر ڈالا - ان میں سے ایک حصہ مارا گیا اور باقی وہاں سے جلاوطن ہوئے -

تاریخ شام اردو صفحہ ۳۴۱ کے نیچے حاشیہ نمبر ۷ پر ، مروہ ، کے متعلق تحریر ہے کہ

اس کی اصل ایک قدیمی سامی لفظ ، مروہ ، ہے - جس کے معنی ہیں بغاوت یا مزاحمت کرنا -

ہشتو زبان میں بھی اس لفظ کا یہی مطلب لیا جاتا ہے - مروہ ، مروہ یعنی کسی سے خفا ہونا - منہ موڑنا - باغی ہونا - متعلق چھوڑنا کے ہیں - لہذا تحقیق طلب اور قابل غور ہے کہ قبائل خٹک میں تری (تہری) اور بالاق یا بلاق میں مروزی کے نام سے ایک قبیلہ موسوم اور موجود ہے -

ساغری

شمالی شام میں انطاکیہ سے مشرق کی طرف عموریہ کے شمال السند اور سندھاری کے مقامات سے دریائے ساغری نکلتا تھا اور شمال مشرق کو بہتا ہوا بحر بنطس میں گر جاتا تھا اس دریا کے علاقہ سے جو اسرائیلی جلاوطن ہوئے قیاس غالب ہے کہ انہیں لوگوں کو ساغری کہا گیا ہوگا

کران کرانی یا کرلانی عبرانی لفظ ہے جو افغانوں کا چوتھا بڑا قبیلہ ہے اور کرلانی گروپ میں ذیل کے افغان قبائل شامل ہیں - خٹک - دلازاک - ورک زئی - اتمان خیل - افریدی - (افریجے) خوگیانی - ہونی - منگل - وزیر - بنکش - شیتک - موسی زئی - اور وردگ وغیرہ - ان کی ذیلی شاخیں تعداد میں تقریباً ایک سو بیس ہیں - جلاوطنی سے قبل یہ لوگ شام کے انتہائی شمالی علاقوں میں دور دور تک جگہ بہ جگہ منتشر (کسرتی) حالت میں پھیلے ہوئے آباد تھے جیسا کہ ساغری وغیرہ کا ذکر ہو چکا - بعد میں یہ قبائل بھی وہاں سے جلاوطنی کے بعد اپنے ہم نسل سابق جلاوطن اسرائیلیوں کے

ہیچھے مشرق کی طرف آئے اور ان کے ساتھ شامل ہوئے اور ان کا نام ”کرلانی“ رکھا گیا۔ اس بارے میں قاضی عبدالحمید اثر کی ایک قلمی تحریر جو میرے پاس ہے ذیل میں درج ہے۔

تہری اور تہری

افغان مورخین نے افغان قبائل کے جو شجرہ ہائے نسب ترتیب دیئے ہیں۔ ان میں ایک قوم کا نام کرلان ذکر کیا ہے۔ اور پھر اس کے دو ذیلی شاخیں بیان کی ہیں۔ (۱) کودی (۲) کیکی۔ اور پھر کیکی کے ایک ذیلی شاخ کا نام خٹیک اور اس کے ایک ذیلی شاخ کا نام تہری لکھا ہے۔ اور دوسرے کا تہری۔

جہاں تک واقعات اور حقائق کا تعلق ہے۔ عبرانی زبان میں علی الاطلاق شمالی علاقہ کو (کرا۔ کر۔ کارا۔ تہری) کہا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق اس علاقہ پر کیا گیا ہے۔ جو ایشیائے کوچک کے کوہستان ارارات کا انتہائی شمالی علاقہ ہے۔ جو آجکل مملکت ترکیہ کا حصہ اور اس کا نیچلا سرا دریا کے جنوب میں شمالی شام تک پھیلا ہوا ہے۔ (کر۔ کرا) اس پورے شمالی کوہستان کا نام ہے۔ (تہری) اسی کوہستان کے ڈھلان کی طرف نشیبی دروں سے ملحقہ حصوں کا نام ہے۔ ان میں سے وسیع ترانہ کا علاقہ تہری ہے۔ اور اس میں سے زیادہ نشیبی حصہ جو تنگ گھاٹیوں پر مشتمل ہو وہ درک کہلاتی ہے۔ جس کا ایک علاقائی تلفظ (ترک) ہے اور (تہری) اسی لغت کا نسبتی نام ہے۔ اور

اس (کر۔ کرا) اور تہری کا وہ حصہ جو پہاڑیوں کی چوٹیوں میں واقع ہو۔ اسے (کود = خود) کہتے ہیں۔ اور اس سے نسبتی نام کودی بنایا گیا ہے۔ کودی کے لغوی معنی ہیں۔ شمالی پہاڑیوں کے چوٹیوں کے رہنے والے، یہ وسیع شمالی پہاڑیوں کا علاقہ جسے (کرا) کہا گیا ہے اس کے تمام رہنے والے چاہے وہ تہری ہیں۔ کودی ہیں۔ درک ہیں۔ ترک ہیں۔ یہ سب کے سب جغرافیائی اعتبار سے (کران۔ کرانی) ہیں۔ جن کو افغان مورخین نے کرلانی بنا دیا ہے۔

یہ عبرانی زبان کا لغت موجودہ ترکی زبان میں بھی مستعمل ہے۔ ترکی زبان میں (کرا۔ KARA) کے لغوی معنی ہیں برف اور وہ کوہستانی سرزمین جہاں عرصہ گزر جانے کی وجہ سے برف نے مفید ہونے کے بعد پڑتے پڑتے سرخ ہویلا۔ قرمزی اور بالآخر سیاہ رنگ اختیار کر لیا ہو۔ اور اسی مناسبت سے عربی زبان میں بھی (کرا۔ قرا) کے معنی کٹے گئے ہیں (سیاہ کالا) وجہ یہ کہ اس انتہائی شمال میں سورج کی روشنی نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ ایک طرح سے کالی سرزمین ہے جہاں ہر وقت تاریکی کا سیاہ پردہ پڑا رہتا ہے۔ اسی طرح ترکی زبان میں لفظ کرا کے معنی ہیں (زمین خطہ۔ اصل ملک) اور خطہ خاص۔ عبرانی زبان میں اس سے شمالی کوہستانی خطہ، مراد لینے کے یہی معنی لیے جائیں گے کہ انہوں نے اصل ملک اور خطہ خاص کے مفہوم میں خصوصیت پیدا کی ہے۔ اردو ادب اور لغات میں ایک لغت ہے (کرا) جس کے معنی ہیں خالص۔ یہ بھی اسی ریشہ کا ایک

لغت ہے -

اور جب غور کیا جائے تو شمالی کوہستانی خطے خصوصاً ایشیائے کوچک کے انتہائی شمالی پہاڑی خطے ہی اصل ملک کا مفہوم لے ہوئے ہیں وجہ یہ کہ طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی خطہ میں ازارات کی چوٹیوں پر اتاری گئی تھی اور یہاں پر ہی حضرت نوح کے فرزندوں کی نسل آباد ہو گئی تھی - اور یہاں سے ایک دفعہ پھر دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل گئی ہے -

دوڑ افغانوں کا ایک قبیلہ ہے جن کا مورث اعلیٰ دوڑ ناسی قصبہ اور علاقے سے جلاوطنی کے بعد مشہور ہوئے - دوڑ کا مقام ساہرا (شارون) کے شمال میں دس میل کے فاصلے پر تھا جہاں سے دریائے وان دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتا تھا -

اصطخر اس قوم کا ایک بڑی واضح نشان آستر ملکہ شاہ کائرس کا مقبرہ ہے جو ایران کے صوبہ فارس اصطخر شہر میں موجود ہے -

اس مقبرہ کے متعلق جی - لی - امترینج ، فلارنس اٹلی ، مصنف جغرافیہ خلافت مشرق ۱۹۰۵ - ۱۸۹۰ ع ترجمہ محمد جمیل الرحمن مددگار پروفیسر تاریخ کتبہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۰ ع نے اس کا ذکر چار دفعہ کیا ہے جو ذیل میں درج ہے -

(۱) مسلمان مصنفوں نے مشہور پرخا منشی عمارتوں اور مقبروں کی نسبت جہنمیں وہ جمشید اور حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ہیں - کوئی دلچسپ بات بیان نہیں کی ہے - صفحہ ۳۹۲

(۲) دریائے ہلوار پہلے مشرق کی طرف بہتا ہے اور پھر

پسر گادی سے شمال میں مقبرہ شاہ کائرس سے ، جسے مسلمان مشہد مادر سلیمان کہتے ہیں - جنوب مغرب میں مڑتا ہے - صفحہ ۳۹۴

(۳) یہ سڑکیں اصطخر سے گزر کر کمین ہوتی ہوئی بادشاہ کائرس کے مقبرے کے پاس سے نکل کر دیہ بید پہنچتی تھی - صفحہ ۴۰۸

آگے لکھتا ہے کہ

(۴) ہم اوپر کہ آئے ہیں کہ کائرس کے مقبرے کو مسلمان حضرت سلیمانؑ کی والدہ کی قبر سمجھتے تھے ، اور اسے مشہد مادر سلیمان ء کہتے تھے - چوپہل منگ بستہ مقبرے کے متعلق جواب تک موجود ہے ، مشہور تھا کہ ایک طلسم اس کی حفاظت کرتا ہے - مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی چار دیواری کے اندر سکونت اختیار کرنے کا قصد کرتا تھا تو دفعاً اندھا ہو جاتا تھا - گرد و نواح کے چراگاہ مرغزار کالان کہلاتے تھے اور مشہد مادر سلیمان سے آگے کی منزل دیہ بید تھا -

تجزیہ اور تشریح مصنف مذکور نے جو کچھ معلوم کیا وہ بھی غنیمت ہے کیونکہ ڈھائی ہزار سال گزر چکے - اکثر نام غلط اور اس کی وجہ تسمیہ اور اصلیت پر پردے پڑے ہیں اور بہت دفعہ اصل واقعہ سے افسانہ بن جاتا ہے - افسوس کہ یہ بات اس کے سمجھ میں نہیں آئی اگرچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ مسلمان اس مقبرے کو حضرت سلیمانؑ کی والدہ کی قبر سمجھتے تھے - حالانکہ یہاں اس نے خود

مسلمان سے قوم مسلمان (مسلمانان) مراد لی ہے ۔ اس کو چاہئے تھا کہ اسی طوح سلیمان سے قوم سلیمان یعنی سلیمانان مراد لیتے کیونکہ مسلمانان کے وزن پر سلیمانان بولا جاتا تھا ۔ اور ایران میں اس وقت بنی اسرائیلی جلا وطنوں کو سلیمانان کہتے تھے ۔ وجہ یہ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد کے بعد حضرت سلیمان اس قوم کے پیشوا تھے اصطخر میں یہ مقبرہ ملکہ آسترکا ہے جو اخویرس ، خورس ، سائرس ، کورش ، کائرس اور خسرو ، جو سب ایک ہی نام ہے شہنشاہ مملکت ایران کی چھٹی ملکہ تھی ۔ یہ مقبرے اور ان کے محلات بطور یادگار اور آثار قدیمہ کی صورت میں موجود ہیں ۔ ملکہ آستر جس کے مقبرے کا ذکر ہوا ، مادر سلیمان نہیں بلکہ حضرت سلیمانؑ کی قوم یعنی سلیمانان کی والدہ ہے جس نے سب جلا وطن اسرائیلیوں کو حقیقی والدہ کی طرح ان کی خدمت ، حفاظت اور پرورش کر کے معزز بنایا اور اسی کی بدولت اسرائیلی جلا وطن مملکت ایران میں ہر جگہ خوش حال اور آباد رہے ۔ نظام سلطنت میں شامل کئے گئے اور اپنی قوم کی ایسی محکم سرپرستی اور انتظام کیا کہ ان کے مرنے کے بعد بھی اس شاہی خاندان کے دور حکومت میں جو دو سو بیس سال تک قائم تھا معزز رہے تھے یہ عام روایت ہے کہ شاہ خورس ، نے دین موسیٰ قبول و اختیار کیا تھا اور اسرائیلیوں پر بڑا مہربان تھا اور اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی جب اس کا بیٹا کسمبوجہ (کیقباد) بادشاہ ہوا ان پر مہربان رہا وہ اکثر بلخ میں رہتا تھا اپنے باپ کے طریقہ پر قائم رہا اس وقت اس کے پاس و اطراف ایک ہی وقت میں تین بنی اسرائیلی انبیاء تبلیغ میں مصروف تھے ان انبیاء کے ساتھ بادشاہ مذکور کا تعاون اور حمایت شامل تھی ۔

تاریخ ایران کے مصنف پروفیسر مقبول بیگ لکھتے ہیں کہ :

ہخامنشی عہد کے قدیم ترین آثار بازارگد میں ملتے ہیں ، جو کہ کورش اعظم کے زمانے میں فارس اور ایران کا پایہ تخت تھا ۔ اس کے کھنڈرات سے پتہ چلتا ہے ، کہ یہاں کبھی کوئی بڑا شہر آباد تھا بازارگد میں ہخامنشی عہد کا بانی ایران کا عظیم فاتح کورش اعظم کی زوجہ ملکہ آستر دفن ہے بازارگد کے آثار کورش اعظم کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں ۔ سب سے پہلے مرغاب کی وادی کے پہاڑ کی چوٹی پر ایک ہموار مسطح مقام نظر آتا ہے جسے ”تخت سلیمان“ کہتے ہیں اس کی شکل ایک متوازی اضلاع کی سی ہے اس کی لمبائی تین سو فٹ ہے ۔ اس کی تعمیر میں سفید پھتروں کے بڑے بڑے ہموار ٹکڑے استعمال کیے گئے ہیں ۔ یہاں کوئی سیڑھی نہیں نہ کسی اور عمارت کے آثار ہی ہیں ۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بازارگد کے علاقہ میں اسرائیلی جو اس وقت سلیمانان کے نام سے یاد کئے جاتے سکونت پذیر تھے اور یہ ان کا اہم مقام معلوم ہوتا ہے ۔ تاریخ ایران میں آگے ردج ہے ۔

اصطخر بازارگد سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے ایک طویل سلسلہ کوہ ان دونوں کے مابین حائل ہے ۔ اصطخر ہخامنشیوں کا پایہ تخت تھا ۔ اس شہر کے کھنڈرات اب ہخامنشی دور کی عظمت کی نشان دہی کرتے ہیں ۔ ہخامنشی عہد میں اس کا نام بھی پارس ہی تھا ۔ اصطخر کے خرابوں سے پانچ میل کے فاصلے پر سلسلہ کوہ میں ایک مسطح میدان ہے جو ”تخت جمشید“ کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ مقام ہموار سطح سے چالیس فٹ کی بلندی پر ہے ۔ لمبائی اس کی پندرہ سو تیس فٹ اور چوڑائی نو سو بیس فٹ ہے ۔ یہ بھی ”تخت سلیمان“ کی طرح سفید پھتروں

کے ہموار ٹکڑوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ دارائے اعظم نے اس میدان کے اوپر شاہی محل تعمیر کرایا جس کا نام تاجارا تھا۔ ایک اور محل ”اپادانا“ بھی اس نے شروع کرایا تھا لیکن زندگی نے سہلت نہ دی آخر تعمیرات کا یہ کام اس کے بیٹے خشیارشا (ارتخششا) کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا اور تخت جمشید کو یونانی ہرسی پولس کہتے ہیں۔ بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ پتھا منشی عہد میں اس کا نام پارس تھا۔ بہر حال اس قدیم شہر کو اب تخت جمشید کہا جاتا ہے۔ نقش رستم، حسین کوہ پر ایک مقام ہے جو تخت جمشید سے تین فرسنگ کے فاصلے پر ہلواردی کے قریب واقع ہے۔ یہاں چند مقبرے ہیں جو پہاڑوں کے پہلو کو تراش کر بنائے گئے ہیں یہ سب ایک ہی طرح کے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں۔ دو مقبروں کے سامنے کے حصے محلات شاہی کے جھروکے معلوم ہوتے ہیں۔ جو اندر سے بند ہیں۔ سامنے ایک چھوٹا سا ایوان ہے جس کے چار ستون ہیں۔ ان مقبروں میں ایک دارائے اعظم کا ہے کیونکہ اسی پر اس کا کتبہ موجود ہے۔ یہاں ایک مردہ خانہ بھی ہے نیچے نو قبریں ہیں۔ مقبروں کے بالمقابل ایک برج ہے یہاں جھنڈے رکھے جاتے تھے۔

ابن خلدون لکھتا ہے۔

کورش نے اسرائیل کی قیدیوں میں سے ابو حاویل الرحا کی لڑکی (آستر) مردخائی کی رضائی بہن سے اپنا عقد نکاح کر لیا۔ مردخائی نے اسے (یعنی بادشاہ کورش کو) دین یہودیت کی تعلیم دی اور بنی اسرائیل کے انبیائے وقت مثلاً عازریا، میثائیل، متینا اور عزیر علیہم السلام کی اس نے صحبت ہائی۔ یہ وہی کورش ہے

جس نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی طرف لوٹایا اور بنی اسرائیل نے اس کی حمایت سے بیت المقدس کو آباد کیا اور از سر نو وہاں اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی کورش اس کے بیٹے کیتیباد اور دارا کا مذہب دین حق پر قائم اور بلا شبہ ایران کے قدیم مجوسی مذہب کے خلاف تھا۔

قصص القرآن کے مصنف مولانا حفظ الرحمن لکھتے ہیں۔

پھر خورس، اور دارا کے مومن، ہونے اور ایران کے قدیم مذہب مجوسی، سے بیزار رہنے پر سب سے بڑی شہادت دارا کا وہ تبلیغی اعلان ہے جو اس نے دانی ایل نبی کے دشمنوں کے خلاف شائع کیا تھا۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ تب دارا بادشاہ نے ساری قوموں اور گروہوں جو روئے زمین پر بستے تھے نامہ لکھا:

تمہاری سلامتی ترقی پائے۔ میں حکم کرتا ہوں کہ میری حکومت کے ہر ایک صوبے کے لوگ دانی ایل نبی کے خدا کے آگے ایک ترساں و لرزاں ہوں کیوں کہ یہ وہی زندہ خدا ہے جو ہمیشہ قائم ہے اور اس کی سلطنت لازوال ہے اور آخر تک رہے گی اور وہی چھڑاتا بجاتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہی نشانیاں دکھلاتا اور عجائب و غرائب کرتا ہے اسی نے دانی ایل کو شیر بہروں کے چنگل سے چھڑایا ہے۔ پس یہ دانی ایل نبی دارا کی سلطنت اور خورس فارسی کی سلطنت میں کامیاب رہا۔

سائرس۔ یہ اس نام کی یونانی وضع ہے۔ انگریزی میں کائرس اور یہودیوں نے اسے خورس، اخویرس، قرار دیا۔ اور عربوں نے خسرو۔ کیا فی پتھا منشی خاندان کا یہی شہنشاہ ہے جسے شاہنامہ

میں کیخسرو کہا گیا اس کا اصلی نام گورو یا گوروش ، کوروش تھا۔ اس کی تخت نشینی ۵۵۰ ق م میں ہوئی۔ اس کا بیٹا کیم بی سس نام جو یونانی لفظ ہے۔ ہارسی اسے کمبوچہ ، یہودی اور عرب کیقباد کہتے تھے اور دارا ایران کا مشہور دارا گشتاسپ ہے۔

اصطخر کی تشریح۔ اس شہر کا قدیم نام ”ہرسی ہولس“ تھا ملکہ آستر کی شان و شوکت اور اعزاز کے سبب یہ مقام ”آستر خسر“ سے یاد کیا جاتا رہا۔ عرصہ گزرنے پر آستخر مشہور ہوا جو بعد میں اصطخر لکھنے کا غلط رواج شروع ہوا۔ یہ ہر صورت اصطخر یا استخر سے ملکہ آستر کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے۔ ”خسر“ یہی مصنف جی لی اسٹریچ اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۲ پر لکھتا ہے۔

قدیم فارسی زبان میں خسر کے معنی ”شان و شوکت“ کے ہیں ، اور اس لئے خسر اردشیر اور خسر شاہ پور سے مراد وہ علاقے ہیں ، جن سے ساسانی خاندان کے بانی اردشیر ، اور اس کے مشہور و معروف بیٹے شاہ پور یا ساہور کی شان و شوکت کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے۔

اب پھر اپنے مقصد پر آتا ہوں مختصر قصہ یہ کہ مذکورہ واقعات اور آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبائل ترین شام کے شمالی علاقہ تیرہ (تیرا) سے جلا وطنی کے بعد علاقہ خوزستان (ایران) میں اسی دریا کے مذکور کے کنارے بسائے گئے اور انہی کے نسبت سے دریا اور اس نواحی کا نام تیرا اور ایک شہر بھی ترین کے نام سے یعنی تیرا والا موسوم اور مشہور ہوا۔ ساسانیوں کے جبر و تشدد کے سبب ایران سے نکل کر مشرق کی طرف موجودہ افغانستان کے علاقہ تیرا جو ان کے سبب موسوم ہوا ، میں اپنے عزیزوں کے ہاں سکونت پذیر ہونا زیادہ ترین قیاس ہے۔ ان میں مشہور اور بڑا قبیلہ ابدالی کے

نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں نفتالی بن یعقوب^{۱۴} کی اولاد سے ہیں اور عرصہ دراز گزرنے اور تلفظ میں فرق کے سبب نفتالی سے افتالی اور بعد میں ابدالی مشہور ہوئے ہیں۔ یہ کوئی خاص فرق نہیں۔ صرف ن الف سے بدلا ہے۔

ترین قبائل کے علاوہ دوسرے افغان قبائل کے بھی ملک ایران سے خارج ہونے اور ان کے مشرق کی طرف آنے کے آثار و قرائن ، ملک ایران کے شمالی اطراف میں جس کا کچھ حصہ اس وقت روسی سلطنت میں ہے ، بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً ہمدان نہاوند ، حلوان ، جولان یا گیلان۔ مراغہ۔ دریائے صافی۔ نیز اور میہ۔ میانہ یا میانج جس میں قبائل ارمن اور میانہ آباد تھے۔ طہران ، قزوین ، تبریز ، کرمان شاہ اور اصفہان وغیرہ کے علاقوں میں ان کے انبیاء کی قبریں صوامع ، گرجے قلعے ، چشمے ، دریا پہاڑ اور قصبے زیادہ تعداد میں انہی کے ناموں سے موسوم ہیں انہی قبائل کے آثار اور بعد میں ان علاقوں سے ساسانیوں کے عہد میں اخراج وغیرہ سے قیاس اخذ کیا جاتا ہے کہ اکثر سٹاہنی افغان قبائل ان جتھوں میں سے ہوں گے جنہیں آشوریوں کے بعد بخت نصر نے سلطنت یہودا کی تباہی کے بعد مشرق میں بابل کے نواحی علاقوں میں بسایا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ بابلی حکومت کی مشرق حدود صرف انہی علاقوں تک پہنچ چکی تھی۔ بابل کے برہکس آشوری مملکت کی حدود مشرق میں بہت وسیع تھیں۔ جو دریائے سندھ کی وادی ، کاشغر اور موجودہ بلوچستان تک قائم تھیں۔

ایران میں سکونت کے سبب بعض مصنفوں نے ان کو ایرانی اور فارسی لکھا ہے۔ جس کا نسب سے کوئی واسطہ نہیں۔ بلکہ یہ سکولشی نسبت ہے جو وہاں کے رہائش کے سبب بولا جاتا تھا جس کا

ذات اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں -

شامی علاقہ جات کے اسرائیلی نام جو صرف علاقہ یوسف زئی میں بغیر کسی تاویل کے بلکہ بعینہ انہی ناموں سے جو ندی ، نالے ، قصبے دیہات اور پہاڑ موجود اور موسوم ہیں ، بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے جو ” مشیت نمونہ خروار “ ہے - یہاں جس نام میں یہاں کے لہجے میں جو فرق آیا ہے وہ بھی اصل نام کے ساتھ قوسین (بریکٹ) میں لکھا جاتا ہے -

نطوفہ - باغدہ - دوڑ - دربند - کرنا - آشرہ - ہوقا - منارہ - زربا (زروبی) - شوا - ایتہ - سدوم - خندف (گندف) - کرخ (کرخ) جالولا (جلالا) - مورا - سورا - بارما (ن) - قانا - غور بند ہراندی (ہراندو) ایبلہ - ایلہ - دوسرا (دوہ میرے) - جور (جوڑ) - قراقر (کرا کڑ) صیدا (صیدو) - دیر - سلسکا - خلخال (خالوند) - تمر (تمبرگرہ) - مند (مند) - ہروا - باقر - کیارہ - سکرہ - بیکا - کلادہ

فَتَا مَنَنْتَ طَائِفَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَتَفَرْتَ طَائِفَةٌ حَضْرَتِ عِيسَى کے بعد ان کے یاروں (حواریوں) نے بڑی محنتیں کی ہیں وہ خراسان و کشمیر تک پہنچے تب ان کا دین نشر ہوا -

آرامی سریانی نام اور شامی مذہبی تعلق اور اس کے اثرات :

اس سلسلے میں ذیل میں ایک بیان درج کرتا ہوں تا کہ پڑھنے والے خود اس کا تجزیہ کریں - اس میں ایک بڑا معنہ ” ہشیتا “ ہے دوئم گرجوں عبادت گاہوں کا ذکر علی الغصوص افغانوں کے علاقوں میں اس کی موجودگی سے ، افغان مشاہیر کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ اکثر و بیشتر ابتدا ہی میں دین عیسوی قبول کر چکے تھے

اور حواریوں کے ذریعہ جو ان کے ہم نسل و ہم وطن بھی تھے ، صدق دل سے تسلیم کر کے خدا کے واحد لا شریک کے رسول عیسیٰ پر ایمان لا چکے تھے - اور جس گروہ و طائفہ نے ان کی دعوت قبول کی تھی حواریوں کے بعد وہی طائفہ مشرق میں افغانوں کا ہی تھا جیسا کہ خود ان کا بیان ہے -

سریانی کلیسا - تاریخ شام میں درج ہے کہ :

شہر ادیس (الٹروحا) میں اس کلیسا کی بنیاد دوسری صدی عیسوی کے آخر میں پڑی تھی - بعد کی صدیوں میں یہ کلیسا انطاکیہ اور مغرب کی یونانی روایات سے مطابقت قائم نہ رکھ سکا - چنانچہ انجیلوں کے متعلق اس نے اپنی تعبیرات اختیار کر لیں - پہلے وہ سلسلہ جاری رکھا جو اصطلاح میں اتفاق اناجیل کہلاتا ہے - پھر ” ہشیتا “ یعنی سادہ تعبیر اپنا لی گئی - ہشیتا اس وقت سے معیاری سریانی تعبیر مانی جاتی ہے - سریانی کلیسا کا پہلا ماہر دینیات افرائم سائرس (اسرائیلی) تھا یہ شخص شامی کے لقب سے مشہور ہے مشہور ہے قریب ۳۰۶ ع میں پھدا ہوا اور ۳۷۳ ع میں وفات پائی ، وہ دینی شاعر بھی تھا اس نے سریانی (زبان جو آرامی ہی کی ایک شاخ تھی) میں مذہبی گیتوں کی ابتدا کی اور خانقاہی نظام جاری کرنے کا وہی ذمہ دار تھا - افرائم نصیبین (شام) میں پھدا ہوا پھر ادیس چلا آیا یہاں اس نے درسگاہ کو از سر نو زندہ کیا - یہ درسگاہ ایک عظیم الشان سریانی یونیورسٹی بن گئی سریانی کلیسا کی شاخیں مروے ، ہرات ، سمرقند ، اور وسط ایشیا کے دوسرے مقامات پر چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں قائم تھیں -

افغان قوم کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان

زمانہ قدیم سے افغان قوم میں مسلسل یہ روایت چلی آرہی ہے کہ ان کو اپنے انبیاء^۴ کی طرف سے بشارت ہوئی تھی کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر ایک ستارہ نمودار ہوگا جو ان کی پیدائش کی نشانی ہوگی اس کی تصدیق انجیل متی باب دوم سے ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے وہ ستارہ عیسیٰ کی پیدائش پر نمودار ہوتے دیکھ لیا اس وقت وہ لوگ دین موسوی پر تھے۔ اور غرجستان - آرمینیا - خراسان اور ایران جو مجوسیوں کا علاقہ تھا میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تورات کی زبان میں اس علاقہ کو مشرق کہا جاتا تھا مادیوں اور ہندوؤں کے عہد میں اسے میڈیا اور پارتھیا بھی کہتے تھے۔ اپنے انبیاء کی بشارت کے بموجب انہوں نے اپنا ایک وفد بیت المقدس بھیجا تا کہ وہ وہاں جا کر عیسیٰ^۴ کی پیدائش کی تصدیق کر کے ان پر ایمان لائیں۔ انجیل متی باب دوم میں اس وفد کو مجوسی کے نام سے پکارا گیا ہے۔ حقیقتاً اس سے مجوسیوں (جو آتش پرست تھے) کی مملکت اور علاقہ مراد ہے۔ اور وفد ان لوگوں پر مشتمل تھا۔ جو دین موسوی پر تھے۔ اور ستارے نے ان ہی کی رہنمائی کی تھی۔ کتاب دنوی عہد یونانی زبان سے ہشتو ترجمہ ۱۹۵۵ء برٹس اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی انارکلی لاہور میں درج ہے کہ انجیل متی باب دوم میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

جس وقت حضرت عیسیٰ^۴ یہودیہ کے شہر بیت الحم میں بادشاہ پیروڈیس کے عہد سلطنت کے دوران پیدا ہوئے۔ تو جانب مشرق سے مجوسی لوگ بیت المقدس ہدیہ وجہ آئے۔ کہ وہ یہودیوں کے پیدا شدہ بادشاہ کی جائے پیدائش معلوم کریں کیونکہ

ان کے کہنے کے بموجب انہوں نے مشرق میں ان کا ستارہ دیکھا تھا۔ اور وہ ان کو سجدہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ پیروڈیس بادشاہ نے جب یہ سنا۔ تو بہت پریشان ہوا بلکہ بیت المقدس کے سب لوگ بھی۔ بادشاہ نے قوم کے تمام کانپوں اور کتابوں کو جمع کیا۔ اور ان سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوں گے انہوں نے کہا کہ یہودیہ کے شہر بیت الحم میں اس لئے کہ نبی کے وسیلے سے یوں لکھا گیا ہے کہ اے بیت الحم افراتہ یہودیہ کے علاقہ میں۔ تم یہودیہ کے حاکموں میں کبھی بھی چھوٹے نہیں ہو اس لئے کہ تم میں سے ایک حاکم پیدا ہوگا جو میری امت اسرائیل کو سنبھال لے گا۔ اس وقت پیروڈیس نے مجوسیوں کو خفیہ طور پر اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ وہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا۔ ان کو بیت الحم بھیج دیا۔ اور تاکید کی کہ چلے جاؤ اور نہایت احتیاط کے ساتھ اس لڑکے کے بارے میں دریافت کرو اور جب کبھی تم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مجھے بھی مطلع کر دو تا کہ میں بھی وہاں جا کر اسے سجدہ کروں۔ انہوں نے جب بادشاہ سے یہ سنا۔ تو روانہ ہو گئے اور دیکھے۔ کہ وہی ستارہ جو انہوں نے مشرق میں دیکھا تھا۔ ان کے آگے آگے اوپر جاتا رہا اور وہاں تک گیا جہاں وہ لڑکا تھا وہاں جا کر کھڑا ہو گیا یہ لوگ ستارہ کے دیکھنے پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب اس گھر میں داخل ہوئے تو اس لڑکے کو اپنی ماں مریم کے پاس دیکھا۔ اور سجدے میں گر پڑے۔ اپنے اپنے صندوق کھول کر سونا۔ لوبان اور مرق اسے پیش کرے۔ اور ان کو خواب میں خبردار کیا گیا کہ پیروڈیس کے پاس نہ جاؤ چنانچہ وہ دوسرے

راستے سے واپس اپنے وطن چلے گئے۔

معلوم رہے کہ یہ وفد اسرائیلیوں کا تھا۔ مگر فارسیوں کے معجوسی حکومت کے مملکت میں رہنے کی وجہ سے ان کو معجوسی کہا گیا۔ ورنہ کہاں معجوسی اور کہاں یہودی بادشاہ کی تلاش۔ پھر باب دہم میں حضرت عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کو خطاب اور ہدایات کے متعلق درج ہے کہ :-

پھر انہوں نے اپنے بارہ مریدوں کو بلایا اور ان کو ناہاک روحوں پر اختیار دے کر حکم دیا کہ غیر یہودی قوم کی طرف مت جاؤ اور مسابریوں کے کسی ایک شہر میں بھی مت گھسو۔ بلکہ خاص کر اسرائیل خاندان کے گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں جاؤ اور ان کو جانے جانے نصیحت کرو کہ آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے۔

انجیل متی کے پندرھویں باب میں عیسیٰؑ ایک کنعانی عورت کی فریاد پر فرماتے ہیں :-

مجھے سوائے اسرائیل خاندان کی گمشدہ بھیڑوں کے اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا۔

اس سلسلے میں بتانا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کی تبلیغی مساعی تیزی سے شروع ہوئیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ہدایات کے مطابق جہاں بھی وہ جلا وطن بنی اسرائیل آباد تھے وہاں ان کے پاس پہنچے اور ان کو دین عیسوی کی دعوت دے چکے تھے۔ مثال کے طور پر ایک دو واقعے ذیل میں درج ہیں۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ جلد دوم میں لکھتا ہے کہ :-

کنجی گری جو زمانہ حال میں ڈنگ لور کہتے ہیں اور کوچین (ہندوستان کے مشرقی حصے) کی ریاست میں واقع ہے یہودی

اس شہر میں زمانہ قدیم سے رہے، نصرانی بھی ان کے بعد رہے۔ کہتے ہیں کہ لوقا حواری ۵۲ع میں یہاں یہودیوں کے لئے آئے تھے۔

ہائیل میں درج ہے کہ

تھوما جو حضرت مسیح کا حواری تھا ایک مدت تک افغانستان میں تبلیغ کرتا رہا بعد میں وہ ہندوستان چلا گیا اور مالا ہار کے یہودیوں میں تبلیغ کرتا رہا۔ بعد میں مدراس چلا گیا اور وہاں شہید ہو کر میلا پور (مدراس) میں دفن ہوا جس کی زیارت وہاں موجود ہے اور اس پر بڑا گرجا موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ حواری کشمیر میں بھی اسرائیلیوں کے پاس پہنچے تھے۔ سری نگر میں ایک اسرائیلی نبی کا قبر بھی موجود ہے اور وہاں کے لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

جب عیسیٰؑ کے تختہ دار کی خبر پھیلی۔ تو ہر ملک سے کافی لوگ بیت المقدس پہنچے۔ جن میں افغان قوم کے نمائندے بھی تھے۔ چنانچہ انجیل میں رسولوں کے اعمال باب دوم میں ارشاد ہوتا ہے۔

بیت المقدس میں مسافر یہودی تھے۔ ایماندار ہر قوم میں سے کہ آسمان کے نیچے آباد ہیں۔ اور جب یہ آواز آئی۔ تو سب اکٹھے ہو گئے اور متفکر ہوئے اس لئے کہ ہر ایک نے یہ سنا۔ کہ وہ میری زبان میں باتیں کر رہے ہیں۔ سب پوش و حواس کھو بیٹھے اور حیرانگی کے عالم میں کہنے لگے کہ دیکھو وہ سب جو باتیں کر رہے ہیں گیلی نہیں ہیں کیا؟ پھر ہم کس طرح ہر ایک اپنے اپنے ملک کی زبان سن رہے ہیں جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں اور رہتے ہیں۔ یعنی ہارتھیان۔ یہدان۔ غلامیان۔ عراق۔ یہودیہ۔ کبدکیہ۔ ہنطس۔ آسیہ۔

فروکیہ - ہمغولیہ - مصر اور لبوا جو کرینے کی طرف ہے اور روسی مسافر - اور نیز مرید کریتیان اور عرب - ہم اپنی اپنی زبان میں ان سے خدا کے بڑے کارنامے من رہے ہیں - پطرس آن گیارہ حواریوں کے ساتھ اٹھا - اور اپنی بلند آواز سے کہا - اے یہودیو - تم سب جو بیت المقدس میں جمع ہو اس پر سمجھ جاؤ اور میری باتوں پر دھیان رکھو (کچھ نصیحت کی اور پھر باواز بلند کہا) اے اسرائیلیو - یہ باتیں اچھی طرح من لو - کہ عیسیٰ ناصری بھی ایک انسان تھا - جسے خدا نے ان کی قوت اور عجیب و غریب کارناموں اور نشانیوں سے ثابت اور ظاہر کیا۔ یعنی وہ اہم کارنامے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے وسیلے سے تمہارے درمیان سرانجام دئے - جیسا کہ تم کو بھی معلوم ہے -

اس ارشاد میں جن جن ملکوں کا ذکر کیا گیا ہے - ان میں کئی علاقے وہ ہیں جن میں قوم افغان یعنی سابق جلاوطن بنی اسرائیل آباد تھے - جیسا کہ پارٹھیان (پارٹھیا) یعنی موجودہ افغانستان اور اس کا ملحقہ علاقہ اور پاکستان میں مہدان یعنی موجودہ دیر اور ہاجوڑ کا علاقہ یہاں بروا نام ایک قدیمی قصبہ موجود ہے جو شامی نام ہے - اور کبدکیہ یعنی موجودہ کابل کیا ملک یوسف زئی میں تربیلا ڈیم کا علاقہ اور کابل کیا (کبدکیہ) زمانہ قدیم کا یہ عظیم الشان شہر دریائے سندھ کے مغربی کنارے اور کوہ پمالیہ کے مغربی سلسلے کی ایک شاخ مہابن نامی پہاڑ کے جنوب مشرق کے دامن میں واقع تھا - دریا کے کنارے پرانے زمانے کے بادشاہوں کے محلات کے کھنڈرات موجود ہیں مگو اب ڈیم کے پانی میں آ چکے ہیں جو دریا کے کنارے واقع تھے - شہر کے چاروں طرف سڑک بٹائی گئی تھی

جس کے کچھ حصے اب بھی دکھائی دے رہے ہیں - دریا سے اوپر مغرب کی طرف جاتے ہوئے چار میل پر کوٹ کند ، آئے گا اور یہاں سے دو میل بعد بٹیل (اللہ والے) آئے گا یہ مقام اسرائیلی جلاوطنوں کا محلہ قیاس کیا جاتا ہے جس کے آثار اب بھی مکمل طور پر موجود ہیں ، پھر اس کے بعد دو میل پر سرکوٹی ملے گا یہاں ایک کنواں زمانہ قدیم کا بنا ہوا موجود ہے - نیچے کی طرف زینے بنے ہوئے ہیں اور اس میں کتنا بھی دور جائے پتہ نہیں چلتا - پھر یہاں سے دو میل کے فاصلے پر پنج کے محلات آتے ہیں پھر یہاں سے کھنڈا تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں سے ایک میل پر کافر لڑی پڑتے ہوئے غازی شاہ پہنچ جاتے ہیں جو کسی بادشاہ کی رہائش گاہ بیان کی جاتی ہے - اس تمام حدود میں جس میں تقریباً چودہ میل کا سڑک شہر سے گھوم کر پھرا ہے درمیان میں جگہ بہ جگہ پرانے محلات کے کھنڈرات موجود ہیں - ان میں اوپر کا حصہ پانی سے محفوظ ہے یہاں سونا اور سونے کے سکے زیادہ تعداد میں مل جاتے ہیں سوہنی مہینوال بھی یہاں کے رہنے والے تھے مہینوال بیلہ (ٹاہو) اس شہر کے سامنے دریائے سندھ میں موجود ہے جو اس سال ۱۹۷۵ء ڈیم کے پانی میں آ رہا ہے اور یہ بیلہ کابل کیا والوں کی ملکیت تھی ، حکومت پاکستان نے اس کے حوض میں پچھتر ہزار روپے مالکان کو ، جو قبیلہ اتمان مندر یوسف زئی ہیں ، ادا کر دیا ہے بعض کی رائے ہے کہ گوتم بدھ کی جائے پیدائش بھی یہیں کا تھا اور یہ شہر ان کے والدین کا مسکن تھا کابل کیا کے شہر سے جانب شمال مشرق مواضع آشہ - کرنا اور مشرق میں دوڑ ضلع ہزارہ اور جنوب مغرب میں زریہ (زروی) اور منارہ واقع ہیں دریا پار جانب جنوب میں نطوفہ اور باغدرہ اور جانب شمال مغرب سکندہ ہوا واقع تھا - اس شہر کے سامنے دریا کے

ہار، تل مواب (تل موات) کے نام سے ایک گاؤں جو ٹیلہ ہر واقع تھا، وہ بھی ڈیم میں آ گیا۔ ہشتوزبان میں بھی ٹیلہ کو تل کہتے ہیں۔ مکان کی تعمیر کے وقت اکثر یہ بولا جاتا ہے کہ مکان کی تل اونچا رکھو یعنی مٹی زیادہ بھرو تاکہ ٹیلہ بن جائے اور ہانی کے نقصان سے بچا رہے۔ یعنی تل کا لفظ عبرانی ہے جو ہشتو میں موجود ہے۔ لہذا ان شامی ناموں کی بستیاں، اسرائیل کا یہاں رہنا و آباد ہونا ظاہر کرتا ہے

الغرض بطرس نے یہودی اور اسرائیلی دونوں کو الگ الگ مخاطب کر کے نصیحت کی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہودی وہ لوگ تھے جو وہیں آباد تھے یا گرد و پیش سے آئے تھے۔ اور اسرائیل سے مراد وہ لوگ ہیں جو باہر یعنی مشرق سے آ کر وہاں جمع ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے پیدائش کے وقت مشرق سے مجوسی وفد کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مجوسی اسرائیلی تھے اس لئے ان کو یہ دلچسپی ہو سکتی تھی۔

محمد سرفراز خان خشک عقاب نے اپنی تصنیف تاریخ خشک میں متعدد مؤرخین مثلاً کلہروٹ۔ کروسنکی۔ جیکوبر اور رینگز کے یہ نظریات درج کئے ہیں۔ کہ پشتون (افغان) درحقیقت آرمینہوں کی ایک شاخ ہے۔ جو پہلے شروان میں رہتی تھی۔ آرمینہ کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ افغان ہم سے نکلے ہیں۔ کیوں کہ الہانیہ کے لوگ اغوان کہلاتے تھے۔ اور یہ کہ اغوان آرمینہ سے ہندوستان گئے تھے اور وہاں عیسائیت کی جگہ اسلام قبول کیا۔ (معلوم رہے کہ زمانہ قدیم میں ”ہند“ کے مملکت میں دریائے سندھ کے آرہار کا علاقہ اور کابل و قندھار بھی شامل تھے) اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ افغان بحر خزر کے کنارے باب الاوباب

اور شروانات (شمالی ایران) میں آباد تھے۔ حدود ایران میں لوٹ گھسٹ کرنے کے پاداش میں شاہ ایران نے ان کو وہاں سے منتقل کر کے مشرقی خراسان کو نکال بھیجا۔

میری رائے میں مذکورہ مؤرخین کا یہ نظریہ قابل اعتماد ہے اس لئے کہ شروان کے علاوہ وہاں پر سیمون، میانہ، زمند، بریس، ارٹو صافی اور اس کے علاوہ ساتھ سراغہ بھی اور یخارا سے مغرب کی طرف شروان وغیرہ علاقے بھی موجود ہیں۔ اور یہ سڑا بنی افغان قبائل کے سکن رہے ہیں۔ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور اسی وقت انہی ناموں (یعنی سیمون، میانہ، زمند، بڑیس۔ شروانی یا شیرانی، صافی اور سروانی) سے یہ قبائل یہاں ملک افغان پر بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں پر بہت زیادہ مقدار میں اسرائیلی نشانات اب بھی ہائے جاتے ہیں۔ سراغہ، (غورہ مرغہ، غورہ مرغہ) کے متعلق تواتر سے یہ روایت ہے کہ یوسف زئی اور ان کے لسانی رفقا کے اباؤ اجداد نے شام سے جلاوطنی کے بعد سراغہ میں سکونت اختیار کی تھی اور اس کو اپنا وطن بنایا تھا۔

جغرافیہ خلافت مشرق میں درج ہے۔ کہ

سراغہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر، تبریز سے ستر میل جنوب میں واقع تھا، اور دریائے صافی کوہ سہند سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا، اس شہر تک پہنچتا تھا۔ اور یہاں سے مغرب کی جانب مڑ کر جھیل آرمینہ میں گر جاتا ہے۔ سراغہ، قریۃ المراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف ہے۔ سراغہ نہایت خوش گوار شہر تھا اس کے گرد ایک فصیل تھی اور فصیل کے باہر نہایت بار آور باغات تھے۔ یہاں کا ایک پہل، جس کی وجہ سے یہ جگہ مشہور تھی، ایک قسم

کا خربوزہ تھا ، باہر سے سبز اور اندر سے سرخ نکلتا تھا ، اور مزہ شہد کا رکھتا تھا مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور اس کے مستحکم فصیلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سرسبز شاداب علاقے تھے ، جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں ۔

اب ہم تاریخ بخارا کے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دریائے جیحون و سیحون کے علاقوں پر جہاں کہیں بھی عیسائیوں کا ذکر آیا ہے وہ یہی افغان قبائل تھے ۔ آرمینیس ویمبرے (ہنگری) پروفیسر پرتھ یونیورسٹی اپنی تصنیف تاریخ بخارا میں مقدمہ کے زیر عنوان بخارا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مغرب کی سمت سروان کا ضلع اور شہر پہاڑوں کے درمیان واقع تھا ۔ آب و ہوا غیر معتدل مگر ہاشندے (یعنی سروانی) بہت صحت مند اور جفاکش تھے زرد گرد جو ساسانیوں کے زمانہ میں عیسائیوں کی مشہور قہام گاہ تھا ۔ یہاں سے دس فرسخ دور تھا ۔ اسی طرح یہاں پر برک ، اور کیشی بھی مشہور مقامات تھے ۔ جو اضلاع جیحون (اور سیحون) کے منبع کے نزدیک ہیں ۔

باب اول میں اسلام سے پہلے کا دور کے ریزر عنوان وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔ کہ

متعاقب صدی میں اس بات سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ شاہپور کے عہد میں عیسائیوں کو تنگ کہا گیا ۔ اور طوس اور مرو میں تین سو چونتیس بڑے ہادیوں کے اسقف خانے تھے ۔

جغرافیہ خلافت مشرق کے مطابق سروان سے مغرب کی جانب طبرستان میں ”میمون“ سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا ۔ اور اس سے مغرب کی طرف پہاڑوں کے ایک سرچشمہ کے قریب وہ عجیب و غریب

آثار ہیں جس کا نام آجکل تخت سلیمان ہے ۔ معلوم رہے کہ میمون نام کا ایک مڑاہنی افغان قبیلہ آج بھی باجوڑ میں مقیم ہے ۔

آرمینیس ویمبرے مذکور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

ان علاقوں میں جہاں بدھ مت اور آتش پریشی کا اثر لوگوں پر کم ہو گیا تھا ۔ اور وہ مذہب (عیسائیت) کا تصور کرنے لگ گئے تھے ۔ وسط ایشیا میں خاص طور پر ایسا ہوا ۔ ماورالنہر کے عیسائیوں کا مرکز سمرقند تھا ۔ جہاں اپیل شام کے مطابق ۴۱۱ - ۴۱۵ عیسوی میں بڑے ہادری کا مسکن بنایا گیا تھا فاضل کرنل ایچ ہول کی رائے کے مطابق ۵۰۳ - ۵۲۰ عیسوی میں کاسس نے ذکر کیا ہے ۔ کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں جیحون کے کناروں پر عیسائی آبادی تھی ۔ عربوں نے بخارہ میں بھی ایسا ہی پایا ۔ کیش کشانوں (یعنی وہ افغان قبائل جو قیسی کامی ، کاشی ، کہلاتے تھے) کے متعلق لوشغی کا بیان واضح ہے ۔ یہ لوگ نہ عرب تھے ۔ نہ مقامی ہاشندے ۔ نہ مسلمان ۔ نہ آتش پرست بلکہ مغرب سے ہجرت کر کے آئے تھے ۔ تجارت ان کا شغل تھا ۔ اور اپیل بخارا الہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔

معلوم رہے کہ مغرب سے الجزیرہ اور شام کا علاقہ مراد ہے اس لئے کہ تورات کی زبان میں بخارہ وغیرہ کو مشرق کہتے تھے برک اور کیشی سے مراد برکی (اربر) اور کامی (کاشی) افغان قبیلے مراد ہیں ۔ بخارا کے مشرق کی جانب چین کی سرحد پر بھی ان قبیلوں کا مسکن رہا ہے اور اب بھی کاشغر کے نام سے وہاں پہاڑ موجود ہے ۔ غرہشتو میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور کاش سے مراد کاشی قبیلہ ہے ۔ اس وقت بھی یہ

قبیلے انہی ناموں سے افغانستان اور پاکستان میں آباد ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہی افغان قبیلے جو کسی زمانے میں وہاں آباد تھے۔ ہجرت کر کے یہاں پر بھی انہوں نے انہی ناموں سے سکونت اختیار کی۔ عبدالجبار شاہ اپنی تصنیف بنی اسرائیل میں تاریخ قدیم بخت نصر کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ

بنی اسرائیل بخارا مرو اور خیوا کے متعلقہ علاقوں میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔

اس علاقے میں ایک اور بڑا قصبہ موجود تھا جس میں اسرائیلی آباد تھے اور ان کی وجہ سے یہ شام کے انطاکیہ نامی شہر پر موسوم تھا اس شہر کے بارے میں سال نامہ کابل طبع شدہ ۱۹۳۳ ع کے صفحہ ۳۹ پر درج ہے۔

انطاکیہ در حوالی شہر مرو قدیم واقع واز قدیم ترین بلاد تاریخی افغانستان بود۔

پروفیسر مقبول بیگ بدخشان اپنی کتاب تاریخ ایران جلد اول میں ایرانی مورخ حسن پیرینہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

قدیم تاریخوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ تو اس وقت آرمینیا کے بادشاہ ہائیک دوئم نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس مہم میں جو یہودی اسیر کر کے آرمینیا لائے گئے۔ ان میں شامبات نامی یہودی کا ایک کنبہ (قبیلہ) بھی تھا۔ شامبات کے بیٹے کا نام باگارات تھا اہل آرمینیا لکھتے ہیں کہ اس کنبے (قبیلے) کے افراد بہت دانشمند تھے اس لیے انہوں نے بڑے بڑے رتبے حاصل کیے۔ پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا۔ کہ یہی لوگ چھٹی (ہلکے ہانچویں) صدی عیسوی میں آرمینیا اور گرجستان (گرجستان) کے بادشاہ بنے۔

آگے لکھتا ہے

ایرانی تاریخ کا ایک اور با عظمت باب ماسانی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جو چار سو چھبیس سال تک (۲۲۶ تا ۶۰۲ ع) قائم رہا۔ اس کی شہرت کے ڈنکے اطراف عالم میں بجتے رہے۔ ماسانی عہد کا موس ارد شیر ہے۔ جس کا شمارہ ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ آتش پرستوں کے موبد سپربد اشکانیوں سے سخت ناراض تھے۔ ان کی دلجوئی کے لیے ارد شیر نے مذہب آتش پرستی پر قائم رہنے کی اجازت دیدی۔ اور آشکانی شہزادوں اور (افغان) امرا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعض جو بیچ گئے بین النہریں۔ ہند اور افغانستان کی طرف نکل گئے بعض علاقوں میں جہاں آشکانی خاندان کے افراد اور ان کے متعلقین اپنے آپ کو مضبوط سمجھتے تھے وہیں مقیم رہے۔ ۳۴۱ ع میں شاہور بن ارد شیر نے آرمینیا کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا۔ اور ترے سن کے بیٹے اسک کو آرمینیا کی حکومت سونپ دی۔ اس طرح گویا آرمینیا نے ایران کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ آرمینیا کے بعد شاہور کی نظریں گرجستان (گرجستان) پر تھیں۔ وہاں کے بادشاہ سارومیس (شارومیس) کو رومیوں کی حمایت حاصل تھی۔ اس لیے شاہور نے اسے گرجستان سے باہر نکال دیا۔ اور اس کی جگہ اس کے بھتیجے اسپا کررس کو تخت نشین کیا گرجستان کے پہاڑی دروں کی فوجی اہمیت کی وجہ سے رومیوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس پر ایران کو اقتدار حاصل ہو۔ چنانچہ والفینین رومی نے ۳۷۰ ع میں گرجستان کے معاملات میں مداخلت شروع کی۔ اور چاہا کہ وہاں پھر شارومیس کی حکومت قائم ہو جائے چنانچہ ڈیوک ٹیرنٹیسس کو فوج دیکر

بھیجا اسپاکورس نے اسے روکنے کے لئے دربارے کور پر فوج بھیجی - لڑائی کی بجائے چچا بھتیجے کا معاہدہ صلح ہو گیا - جس کی رو سے گرجستان کی تقسیم عمل میں آئی - ایک حصے کی حکومت اسپاکورس کے پاس رہی - اور دوسرے حصے کی حکومت شارومیس کو سونپ دی گئی - اس صلح کے لئے شاہپور سے اجازت حاصل نہیں کی گئی - اور اس طرح گرجستان پر شاہپور کا اثر ختم ہوا -

آگے لکھتا ہے

آرمینیا میں زرتشی مذہب کی تبلیغ (ساسانیوں کی طرف سے) زور شور سے جاری تھی - ایرانی حکام یہ مذہب بھی مہم چلا رہے تھے - اہل آرمینیا اس تحریک سے سخت برا فروختہ تھے - آخر انہوں نے جب سنا کہ فیروز (شاہ ایران) کو سفید پینوں کے خلاف پیش قدمی (۴۸۱ع) میں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو ان کے حوصلے بڑھے اور حکومت ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے آرمینیا کے ہائے تخت "ارتاکستا" پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے - نیز ایک ارسنی اسپاہاک (سہاک) کو اپنا بادشاہ بنا لیا - اس بغاوت میں گرجستانیوں نے بھی آرمینیوں کا ساتھ دیا تھا - فیروز نے گرجستان اور آرمینیا دونوں ملکوں پر فوج کشی کا حکم دیا - گرجستان کے حکمران نے آرمینیوں کا ساتھ چھوڑ کر حکومت ایران کی اطاعت اختیار کر لی - لیکن فیروز کے بعد قباد کے عہد میں گرجستان کے باشندوں نے جو عیسائی تھے - حکومت ایران کے خلاف بغاوت کر دی - آرمینیوں نے ہری طرح شکست کھائی - جس میں اسپاہاک (سہاک، صہاک) مارا گیا - اور ارسنی فوجوں کا سپہ سالار واپان بھاگ نکلا - جس

کا تعاقب ایرانیوں نے کیا - لیکن ہاتھ نہیں آیا اور وہ بدستور تیاری میں مصروف رہا - فیروز کی موت کے بعد صورت حال مختلف ہو گئی اور واپان نے واپس آ کر پھر اقتدار قائم کر لیا - اور ایرانی بادشاہ بلاش سے استدعا کی - کہ عیسائیوں کو مذہبی امور میں آزاد کر دیا جائے اور ان کے ساتھ روا داری برقی جائے بلاش شروع شروع میں رضامند نہ تھا - لیکن اس عرصے میں فیروز کے بیٹے قباد نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے شورش بہا کر دی - جس سے خانہ جنگی شروع ہو گئی - واپان اپنی پوری جمعیت لے کر بلاش کی مدد کو آیا - ایرانی اور ارسنی فوجوں نے مل کر قباد (جونوشیروان کا باپ تھا) کی شورش کو کچل دیا - اور اسے بھاگ کر سفید پینوں کے پناہ لینی پڑی - بلاش نے احسان مندی کی وجہ سے واپان کی استدعا قبول کر لی - اور عیسائی مذہب کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا - واپان نے یہ بات بھی منوالی کہ آرمینیا سے زرتشتیت کو بالکل خارج کیا جائے - اور تمام آتش کدے مسمار کر دیے جائیں - ان اعلانات اور مصالحت کے بعد آرمینیا اور گرجستان دونوں کو ایرانی صوبوں کی حیثیت میں داخلی خود مختاری حاصل ہو گئی - اور واپان کے امراء اور عوام مطمئن ہو گئے -

آگے لکھتا ہے

کچھ عرصہ بعد جب (۴۵۱ تا ۴۷۹ع) نوشیروان بادشاہ بنا تو وہ بھی مذہب کے معاملہ میں نہایت فراخ دل تھا - رفا عامہ کے کاموں میں اسے عیسائیوں سے مدد لینے میں کوئی دریغ نہ تھا - شہر رومگان کو آباد کرنے کے بعد عیسائیوں کو اجازت دے دی - کہ وہ اپنے

آپ کو ایک ملت کی شکل میں منظم کر کے اپنا جاثلیق مقرر کر لیں۔ ایران کے عیسائیوں کو نوشیروان کی یہ مہربانی مدتوں تک یاد رہی۔ نوشیروان کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ یورینیوس جو فلسفی اور طبیب تھا اور قوم کا (اسرائیلی اور عالم و ماہر) سریانی تھا نوشیروان کو فلسفہ پڑھاتا تھا۔ ایک عیسائی مسمی ہالوس ہرسا، جو قوم کا (یہودی اور عالم و ماہر) سریانی تھا، نے نوشیروان کے لئے ارسطو کی منطق کا سریانی میں ترجمہ کیا۔ یزدگرد دوم کے عہد کا ایک واقعہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا جسے افغان قوم کے مشاہیر جو اس وقت عیسائی مذہب پر تھے، نے ایک جوابی خط کی شکل میں پیش کیا ہے۔ تاریخ ایران میں درج ہے کہ بہرام گور کی وفات پر اس کا بیٹا یزدگرد دوم ۴۴۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت ایرانی دارالحکومت میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا۔ کہ جب تک گرجستان اور آرمینیا میں عیسائیت کا زور رہے گا۔ ایران کا تسلط قائم نہیں رہے گا۔ آخر کار اسرائیلی کار کے مشورہ سے بادشاہ کی طرف سے آرمینیا کے اسرائیلی کے نام فرمان جاری کیا گیا۔ جس میں زرتشتی مذہب کی دعوت تھی۔ اس فرمان کے پیش نظر آرمینیا اور گرجستان کے عیسائیوں کا ایک عام اجلاس ہوا جس میں طے پایا کہ مراسلے کا جواب سختی سے دیا جائے۔ چنانچہ ایک مراسلہ یزدگرد کو بھیجا گیا جس کا مفہوم تھا۔ کہ

ایک ایسا مذہب جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بے سروپا ہے۔ اور چند بے عقل آدمیوں کے اوہام باطلہ کا نتیجہ ہے۔ اور جس کی تفصیل آپ کے بعض جھوٹے اور مکار عالموں نے ہمیں پہنچائی ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ انہیں سنا، یا پڑھا جا سکے۔ ہم

ہرگز آپ لوگوں کی طرح عناصر، سورج، چاند اور آگ کی پرستش نہیں کرتے۔ زمین اور آسمان پر آپ کے جتنے معبود ہیں۔ ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے۔ بلکہ خدائے واحد و برحق کی عبادت کرتے ہیں۔ جو زمین اور آسمان اور ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے جو ان کے اندر ہیں۔

سفید ہن

جیسا کہ اوپر سفید ہنوں کا ذکر آچکا ہے کہ قباد نے ان کے پناہ جا کر پناہ لی تھی لہذا اب ہم سفید ہن اور ترک قبائل کے متعلق کہہ ان کا کیا تعلق افغان قوم سے رہا ہے اور وہ ان کے گرد و پیش کیسے رہ چکے ہیں، کا کچھ حال تاریخ ایران سے پیش کر رہے ہیں تاکہ سفید ہن اور ترک قبائل پر کچھ روشنی پڑ سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ یہ دراصل کون تھے۔ کیونکہ نئی روشنی کے بعض مورخین نے انہیں افغانوں کے ساتھ خلط ملط کر کے دکھایا ہے۔ حالانکہ ان کی حیثیت اور اصلیت ایک الگ قوم کی تھی۔ مصنف تاریخ ایران بحوالہ سائیکس اے ہسٹری آف پرشیا (۱۲۰ تا ۸۸ ق م) لکھتا ہے کہ ادھر پہلی مرتبہ آشکانی حکمران مہرداد دوم کو جمہوریہ یونان سے دوستانہ روابط پیدا کرنے کا خیال آیا ادھر حکومت چین نے اولین بار اپنا سفیر ایران بھیجا چینی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۴۰ ق م تک چین کو مغربی ممالک کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ تھیں، خاندان ہن کو چین میں اقتدار حاصل ہوا، تو انہوں نے کئی مرتبہ اپنے سفیر خراسان بھیجے، چینی سفیروں نے خراسان کے متعلق جو تاثرات پیش

کرتے ہیں حسب ذیل ہیں -

یہاں چاول، گندم اور انگوروں کی بیلوں کی کاشت ہوتی ہے شہروں کے ارد گرد فصیلیں بنائی گئی ہیں۔ یہ ایک عظیم ملک ہے۔ یہاں چاندی کے سکے رائج ہیں جن پر حکمرانوں کی شبیہیں ہوتی ہیں۔ اہل خراسان و ایران دونوں طرف لکھ کر تاریخی واقعات منضبط کر لیتے ہیں۔

آگے لکھتا ہے کہ

سفید ہن کا ظہور ساسانی بادشاہ شاہپور بن اردشیر کے عہد میں ہوئی۔ اسی عرصے میں شاہپور کو اور پریشانی لاحق ہوئی شمال مشرق کی طرف سے قبائل چینوٹ جو ہن کے نام سے مشہور ہیں۔ اور قبائل گیلان نے بلغاریں شروع کر دی۔ یہ قبائل ٹڈی دل کی طرح بڑھے چلے آتے تھے۔ انکی سرکوبی آسان نہ تھی ان قبائل کو شاہپور نے مطیع و منقاد تو کر لیا۔ لیکن اس میں اسی سات سال لگے۔ گویا جو مہم اس نے ۳۵۰ ع میں شروع کی تھی۔ وہ ۳۵۷ ع میں انجام پذیر ہوئی اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ آگے چل کر ہن قبائل شاہپور کے وفادار حلیف ثابت ہوئے۔۔۔ بہرام گور کے زمانے میں بلخ اور شمال مشرقی علاقوں کے قبائل نے جنہیں سفید ہن کہا جاتا تھا ایران کا رخ کیا ان کی آمد کی خبر پورے ایران میں پھیل گئی۔ بہرام اس بلائیے ناگہانی کی خبر سے سخت ہراساں ہوا۔ چنانچہ اس نے بھائی نرسی کو نائب سلطنت مقرر کیا۔ اور تین ہزار سوار ساتھ لے کر کوہ البرز کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے پہاڑی اقوام کا لشکر فراہم کرنا شروع کیا اور اپنے اقدامات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ادھر ہنوں کے امیر کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی

کہ بہرام نے حکومت نرسی کے سپرد کر کے خود فرار ہو گیا ہے ادھر بہرام نے سوچی سمجھی ہوئی تدبیر کے ماتحت عین اس وقت ہنوں پر شب خون مارا جبکہ وہ گروہ درگروہ یلغار کرتے ہوئے مملکت ایران میں داخل ہو رہے تھے۔ بہرام کا شب خون اس قدر کامیاب ہوا کہ ہن قبائل کا خاقان اور اس کے کئی معتمد سردار ہلاک ہو گئے خاقان کی ملکہ اسیر ہو گئی اور بہت سا مال غنیمت ایرانی لشکر کے ہاتھ لگا۔ جس میں خاقان کا تاج بھی تھا۔ جس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ بہرام نے ہنوں کی ہسپانی پر اکتفا نہ کی اور انہیں دریائے جیحون سے پار کر کے دم لیا۔ انہیں اتنی عبرتناک شکست ہوئی تھی کہ جب تک بہرام زندہ رہا پھر ایران کی مملکت میں داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی۔ بہرام گور کی وفات پر اس کا بیٹا یزد گرد دوم ۴۲۰ ع میں تخت نشین ہوا۔ بیشتر اس کے کہ سفید ہن قبائل کی سرگزشت کو ختم کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق مزید چند سطور لکھے جائیں۔ حضرت مسیح کی پیدائش سے ۱۶۳ سال پہلے جیحون اور میحون دو دریاؤں کے مابین سکائی قبائل آباد تھے۔ چین کے یوئچی قبائل ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ سکائی قبائل وطن چھوڑ کر بلخ آ گئے لیکن یہاں بھی انہیں آرام نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ یوئچی قبائل نے ان کا یہاں بھی پیچھا کیا اور ۱۳۹ ق م میں انہیں بلخ سے بھی نکال باہر کیا۔ پھر یوئچی قبائل کی ایک شاخ آشکانی نے جو دوسروں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ دوسرے قبائل (اور اسرائیلیوں) کو اپنا مطیع اور ہمنوا کر کے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی جو ان کے نام کی نسبت

سے حکومت آشکانی کہلائی (ان سے اسرائیلیوں کو ایک بار پھر عزت اور اقتدار نصیب ہوا) رومیوں کا خیال تھا کہ ایران کے قریب ہی چینی قبائل کی ایک طاقتور حکومت قائم ہوئی ہے اور اگر ایران پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت ہو تو ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس خیال سے رومیوں نے حکومت آشکانی سے دوستانہ روابط قائم کر لیے۔ قبائل ہن یونچی کے قرابت دار تھے جو مختلف ناسوں سے موسوم ہوئے اہل چین انہیں یتیا (YETHA) روسی ہفتالی کہتے تھے۔ ایرانی مورخ انہیں ہپتالی لکھتے ہیں (اور عرب ہپتال سے یاد کرتے ہیں۔) ان ہی کو سفید ہن بھی کہا جاتا ہے۔

”ترک اور ان کے روابط ایران کے ساتھ“ مصنف تاریخ ایران مذکور لکھتا ہے کہ :-

ترکوں کا نام ایرانی تاریخ میں پہلی مرتبہ نوشیروان کے زمانے میں آیا ہے۔ ترکوں کو اہل چین ”توچی“ (TACHUCH) لکھتے ہیں۔ یہ اہسینا قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو اقوام ہن کی شاخ تھی۔ ۴۳۳ ع میں توبا حکمران نے ان پر سختی کی جس کی وجہ سے ان کے ہانچ سو کنبے وہاں سے ہجرت کر کے جوین جوین کی مملکت میں آئے۔ جہاں ان کنبوں نے ٹھکانا بنایا۔ وہاں ایک کلاہ نما پہاڑی چوٹی تھی۔ جس کو ترکی زبان میں درک کہتے ہیں۔ اس لئے اسی چوٹی کی نسبت ان کا نام درک یا ترک پڑ گیا۔ یہ لوگ ہمیشہ ور تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اتنے طاقتور ہو گئے۔ کہ ان کے اسیر نے جوین جوین قبیلے کی شہزادی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی جسے جوین جوین حکمران نے مسترد کر دیا۔ اس پر دونوں قبیلوں میں جنگ

چھڑ گئی۔ اور جوین جوین قبیلے نے ہری طرح شکست کھائی۔ اس کے بعد مغلوب قبیلے کا کہیں ذکر نہیں آیا چھٹی صدی کے وسط میں یہ ترک دو حصوں میں بٹ گئے۔ شمالی علاقہ منگولیا سے لے کر کوہ بورال تک مشرقی ترکوں کے حصے میں آیا۔ اور کوہ التائی سے لے کر سیر (سیحون) دریا تک کے علاقے مغربی ترکوں کو ملے۔ ترکوں کا پہلا حکمران خاقان تومن تھا۔ جو ۵۳۳ ع میں فوت ہوا۔ اور قولو اس کا جانشین بنا۔ اس کی حکومت کا زمانہ بہت مختصر تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی موقان حکمران بنا۔ یہ وہ پہلا ترک حکمران تھا۔ جس نے نوشیروان سے دوستانہ روابط قائم کئے۔ نوشیروان نے تعلق استوار کرنے کے لئے خاقان سے بیٹی کا رشتہ مانگا۔ جو خاقان نے قبول کر لیا۔ شادی دھوم دھام سے ہوئی اور دونوں حکومتوں کے تعلقات استوار تر ہو گئے۔ نوشیروان کا شہزادہ ولی عہد اسی ملک کے اطن سے تھا۔ نوشیروان سے پہلے اس کے باپ شاہ قباد نے سفید ہنوں (ہپتالیوں) کو نیچا دکھایا تھا۔ اب اس خیال سے کہ یہ قبائل پھر ایرانی سرحدوں پر حملہ نہ کر دیں نوشیروان نے بلغ پر لشکر کشی کی۔ اس سلسلے میں اس نے ترکوں سے بھی مدد مانگی چنانچہ انہوں نے کثیر مقدار میں لشکر بھیجا۔ اب یہ دونوں لشکر ہنوں پر حملہ آور ہوئے ان کا حکمران لڑتا لڑتا مارا گیا۔ ہنوں نے ہری طرح شکست کھائی اور ان کا علاقہ ایرانیوں اور ترکوں کے مابین تقسیم ہو گیا۔ ترکوں کی مدد کے صلے میں نوشیروان نے جیحون پار کا صوبہ علاقہ انہیں دے دیا۔ یہاں ترکوں نے اپنی حکومت قائم کر لی رفتہ رفتہ ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تو وہ حکومت ایران

کے لئے دردسہ بن گئے۔ اب یہ ایران کے لئے ہمتالیوں سے بھی زیادہ خوفناک تھے بعض ترک قبائل توققاز تک آدھمکے۔ نوشیروان نے ایرانی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لئے قلعہ در بند کو از سر نو مستحکم کیا۔ ان ہی دنوں ترک قبائل کے جرنیل سنجیو نے رومیوں کے اشتعال دلانے پر ایران کی سرحد پر حملہ کیا اور قفقاز کے بعض قلعوں کو جو نوشیروان نے بنوائے تھے تباہ و برباد کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران اور روم کے مابین پھر کشیدگی ہو گئی۔ اس کے ساتھ آرمینیا سے بھی کشمکش شروع ہو گئی ترکوں کے حکمران ڈزبول نے اس خیال سے کہ مبادا پھر ایرانی ان کی طرف رجوع کریں۔ اپنے ایلچی ۵۶۷ء میں نوشیروان کے دربار میں بھیجے۔ اور مصالحت کرنی چاہی۔ نوشیروان ترکوں کی بے باکی کی وجہ سے سخت برا فروختہ تھا۔ اس نے ایلچیوں کو زہر دے کر مروا دیا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ وہ طبعی موت مر گئے ہیں۔ ڈزبول، شاہ ایران کے اس سلوک سے سخت برہم ہوا۔ اپنے ایلچی ۵۶۹ء میں قیصر روم جسٹن کے پاس بھیجے۔ آخر ترکوں اور رومیوں کے مابین معاہدہ ہو گیا۔ رومیوں کی ہشت پناہی کی وجہ سے ترکوں کے جرنل سنجیو نے ایران کی سرحد پر حملہ کیا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی اس ناکامی پر ڈزبول نے ۵۷۱ء میں پھر اپنے ایلچی قیصر روم کے پاس بھیجے اور یہ خواہش کی کہ رومی حکومت ایران سے اپنا معاہدہ منسوخ کر دے ایران و روم کے مابین پچاس سالہ معاہدہ صلح ہوا تھا لیکن ابھی نو سال ہی گزرے تھے۔ کہ جسٹن نے معاہدے کو توڑ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترکوں کی ہشت پناہی کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ایرانیوں کے لئے

درد سر بنے رہیں۔

یہ تو تھے سن اور ترک، اب آخر میں میں چند ایک عیسائی علامات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو زمانہ قدیم سے افغانوں میں لاشعوری طور پر چلے آ رہے ہیں۔ اور انہیں دیکھ کر بلا تامل یہی تصور سامنے آتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ جو پہلے دین موسوی پر تھے پھر دین عسیوی پر قائم ہوئے اور بعد ازاں جب حضرت محمدؐ مبعوث ہوئے تو انہوں نے دین اسلام قبول کیا۔ مثال کے طور پر افغانوں پر جب بھی کوئی مشکل وقت آتا ہے اور وہ اس سے دلیرانہ طور پر نبرد آزما ہونے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو ایللی ایللی ایللا ایللا۔ الا الا کا نعرہ بلند کرنے کا مظاہرہ کرتے ہیں جو عبرانی ادا ہے۔ ایل عبرانی لفظ ہے جو اللہ کے مترادف ہے اور جس کا مطلب اللہ کو برائے اسداد یاد کرنا ہوتا ہے۔ اور اس نعرہ سے ان میں ہمت اور جوش کا جذبہ بیدار ہوتا ہے یہی نعرہ حضرت عیسیٰؑ نے اس وقت بلند کیا تھا۔ جب مخالفوں نے انہیں پھانسی دینے کا ارادہ کیا تھا۔ علاقہ چھچ میں افغان قوم میں کبڈی کھیلی جاتی ہے۔ ایک طرف سے ایک نوجوان میدان میں نکلتا ہے دوسری جانب سے دو نوجوان اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلتے ہیں پہلا نوجوان ان کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے ایللی کا نعرہ بلند کرتا ہے اور مخالف والے دونوں اس پر لپک جاتے ہیں مقابلہ شروع ہوتا ہے جیتنے والے کیا تمام کھلاڑی اور تماشائی ایللی ایللی کے نعروں سے خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں یہاں صوبہ سرحد میں خاص کر علاقہ یوسف زئی میں الا الا کا نعرہ ایسے موقعوں پر بلند کیا جاتا ہے۔

افغان قوم کی معمر خواتین اب بھی تکون قسم کا کالا کپڑا صلیب نما سر پر باندھتی ہیں جسے پشتو زبان میں سرٹوونے یا سر

بچک کہتے ہیں -

آج سے تیس چالیس سال پہلے عموماً بلکہ خصوصاً یوسف زئی علاقہ میں مرد ایسی قمیص پہنتے تھے جسے وہ خلعہ کہتے تھے اور جس پر صلیب کا نشان ”جسے وہ شائو کے اور ملہ کہتے تھے“ بنا ہوتا تھا - اب بھی کئی معمر لوگ اسے استعمال کرتے ہیں - گوکہ اس کی جگہ اب نئے فیشن کی قمیص نے لے لی ہے -

یہاں پرانی قبرستانوں میں مقبروں کے سرہانے بجائے کتبہ کے ایسا تھون طاق بنا ہوا دکھائی دیتا ہے جو صلیب کے قسم کا نشان معلوم ہوتا ہے - اور جب میں نے پنجاب - ہندوستان مشرقی پاکستان (بنگلہ) میں اس سلسلہ میں کئی قبرستان دیکھے تو افغان قوم کے مقبروں کو پہچاننے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی - کیونکہ یہی طاق ان کی نشاندہی کے لئے کافی ہے کسی غیر افغانی کی قبر پر میں نے یہ طاق نہیں دیکھا نیز ان علاقوں میں جو بھی پرانے سکانات افغان قوم کے ہیں ان میں بھی ایسے صلیب نما طاق دکھائی دیتے ہیں - جنوبی افغانستان ، قندھار اور بلوچستان میں افغان لوگ جو ٹوپی پہنتے ہیں اس کی بناوٹ کچھ اس قسم کی ہے کہ اس کا اگلا حصہ جو ساتھ پر پہنتے وقت آتا ہے - اس میں سے کچھ حصہ تراشا ہوا ہوتا ہے جو صلیب کے نشان سے ملتا جلتا ہے -

تسبیح بھی اسی وقت سے چلی آ رہی ہے جسے لوگ خدا کی یاد میں مشغولیت کا ایک بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں - اس کے دانے ایسے جوڑے گئے ہیں کہ سروں پر صلیب کے نشان کا گمان ہوتا ہے - چٹائی کی جانماز (مسلمہ) کے قبلہ رو سرے کو ایسا ہی صلیب نما تراشا گیا ہے - بلکہ کپڑے دری اور قالین نما جانمازوں پر بھی اس قسم کی تراش کی لکیر بنا دی جاتی ہے - علیٰ ہذا القیاس

ان چند علامات سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ قوم اب بھی اس نئے دین عیسوی پر قائم ہے بلکہ یہ قدیمی آثار ہیں جو پشت در پشت ان میں عیسائیت کے دور سے لاشعوری طور پر چلے آ رہے ہیں - اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے وہ ان قدیمی روایات کو فراموش کرتے جا رہے ہیں -

ہندوؤں کی قدیم تواریخ پر ایک نظر:

آریوں کا تیسرا جتھا مشرق کی طرف چلا - یہ لوگ راستہ کی تکالیف برداشت کر کے اپنے عیال و اطفال کے ہمراہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچے عرصہ دراز تک دریائے سندھ پر روکے رہے - یہاں اس علاقے میں اس وقت کلی نسل کے لوگ یعنی کول ، اور دراوڑ آباد تھے - ایرانیوں نے چار ہزار سال قبل ان کا ہند نام رکھا تھا ”ہند“ ایرانیوں کے ہاں بمعنی سیاہ و کالا تھا - جیسا کہ ان کا ایک شعر ہے -

و گر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

یہ خال ہندشن بخشم سحر قند و بخارا را

کول اور دراوڑ کی مرکزی مقام کا نام انہیں کے صیب سیاہ یعنی ہند سے مشہور تھا - اور ہند کے قریب لاہور (لاہوار) بھی ان کا صدر مقام تھا اور یہاں ان کی انتظامیہ رہا کرتی تھی - مقصد یہ کہ ہند (وے ہند) اور لاہور (الاہوار) جو دریائے سندھ کے شمالی کنارے پر واقع تھے ، یہ دونوں شہر آریوں سے قبل موجود تھے - آریوں نے یہاں پہنچتے ہی ان سے مدبھیڑ ہوئی مختصر یہ کہ آریوں نے کول اور دراوڑ سے دریائے سندھ کے شمالی علاقہ پر جہاں ان کی

ہود باش تھی ، زبردستی قبضہ کر کے ان کو پنجاب کی طرف جلاوطن کر دیا ۔ آریا نے کول اور دراوڑ کے شہر ، ہند ، اور لاہور کو بھی مرکزی مقام بنا لئے اور ان دونوں کے درمیان ایک عام بڑا شہر آریانا کے نام سے آباد کیا جو اس موجودہ وقت میں آریان کہلاتا ہے ۔ ”ہند“ نام شہر میں بادشاہ کی رہائش اور دیگر خصوصی مکانات تھے اور تحقیق علم کا مرکز بھی یہیں تھا اور یہ شہر قلمہ بند تھا ۔ آریہ لوگ پہلے ماد ، مادی میدی اور میڈی کے ناموں سے اس وقت ہکارے جاتے تھے جب یہ خراسان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں آ کر بس گئے تھے ، قیاس یہ ہے کہ جلاوطن اسرائیلیوں نے ان کو آریا نام دیا ہوگا ۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ آگ کے ہجاری تھے تو انہوں نے دیکھ کر اسے آرین سے یاد کیا ہوگا ۔ آرین یعنی آگ والے جس کا مطلب آگ کے ہجاری ہے جو ہشتو لفظ ہے ، موسوم کیا ہوگا ۔ آریہ بمعنی آگ اور لفظ ”ن“ نسبت کے لئے ہے جیسا کہ ہم نے ۔ مالگین ۔ خاورین وغیرہ معلوم رہے کہ آری نام کا شہر حضرت ابراہیمؑ کا مسکن تھا ۔ اس شہر میں آگ کی پرستش کی جاتی تھی اور اس شہر میں ہمیشہ آری یعنی آگ جلنے کے سبب یہ آری کے نام سے مشہور ہوا تھا ۔ الغرض آرین یعنی آگ کے ہجاری جو ایک مذہبی نام معلوم ہوتا ہے ۔ یعنی جو لوگ اس عقیدے کے قائل تھے وہ آرین ، آریا ، ہکارے گئے اور جب یہ آریا لوگ ہند (وے ہند) پہنچے اور یہاں سکونت اختیار کی اور اس کے علاوہ حکومت بھی بنالی تو اسی ”ہند“ کے وجہ سے ہندو مشہور ہوئے لفظ ”و“ نسبت کے لئے ہے بمعنی ہند والے یا ہند کے باشندے ۔ مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہندو نام نہ نسب کے وجہ سے اور نہ مذہب کے وجہ سے ہے ، بلکہ یہ مسکن ”ہند“ کو نسبت کے لئے معلوم ہوتا ہے ، جس کے سبب یہ ہندو کے

نام سے مشہور ہوئے ۔ یہاں انہوں نے کافی عرصہ بعد ہندی زبان بنائی ۔ ہندی میں لفظ ”ی“ نسبت ہے ہند ، کو یعنی ”ہند“ کی زبان ۔ اگرچہ پہلے وقت میں یہ اقوام ایک ہی زبان بولتی تھیں جس کا نام اریک تھا ۔ اور پھر سنسکرت کی بنیاد رکھی ۔ ابتدائی ”وید“ نامی کتاب بھی یہاں بنائی گئی تھی ۔ وید بھی ”وے ہند“ کا مخفف معلوم ہوتا ہے یہاں انہوں نے اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں ۔ ان مذکورہ تصانیف میں پختون قوم کے علما سے زیادہ امداد لی گئی ۔ ان علما میں ہنی (ہنڑی) اور جلو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اسی لاہور کے مغربی حصہ میں ہنی (ہنڑی) کی جائے رہائش کے آثار اسی کے نام سے آج تک موجود ہیں ۔ ہندوؤں کی ریاست جب ”ہند“ میں مضبوط ہوئی اور جتنے علاقے اس کے زیر اثر آئے اس علاقے کا نام ہندوستان ہوا یعنی راجدانی ہند کا زیر اثر علاقہ ۔ اور عرصہ دراز گزارنے کے بعد دریائے سندھ جس کا ہشتو نام اباسین ہے ، جو عبرانی نام دریائے آبانا کے مترادف ہے ، کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوئے ، یہاں انہیں اصلی باشندوں سے سخت مقابلہ کرنا پڑا لیکن آریا اصلی باشندوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور فن جنگ میں ماہر تھے آخر فریق مخالف پر غالب آئے اور دن بہ دن تمام موجودہ شمالی ہندوستان پر قابض ہوئے ۔ بعد میں اسی علاقے کا نام ہارت یا بھارت مشہور ہوا ۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ہارت یا بھارت ”عبرت“ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے ۔ ”عبرت“ آری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جائے عبور مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ جب ان لوگوں نے دریائے سندھ عبور کیا تو ہارتی کہلائے اور اس ہارت علاقے کا نام ہارت ہوا ۔ یہ نام بھی اسرائیلیوں کا رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں ہندوؤں سے پہلے جو قوم رہتی

تھی وہ تو سپاہ یعنی کالے تھے اور اسی سبب ان کے مرکزی مسکن کو ہند کہا جاتا تھا مگر آریا سرخ سفید رنگ کے تھے لیکن یہ ان کالے لوگوں کے وارث بننے کے سبب سے بھی ہندو مشہور ہوئے۔ آریا یعنی سادی یا میدی لوگ اسرائیلی جلاوطنوں سے کافی عرصہ پہلے سارے ملک خراسان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں آباد تھے اور نینوا کے آشوریوں کے ماتحت ایک کمزور زندگی گزارتے تھے پہاڑوں سے اترے ہوئے وحشی اور جاہل قسم کے لوگ تھے تعلیم و تمدن سے بے بہرہ تھے ان میں نہ کوئی سیاسی شعور تھا اور نہ کوئی تنظیم یا حکومت یہ تو ان کی خوش قسمتی سمجھے کہ اسرائیلی جلاوطنوں کے جتھے در جتھے یکے بعد دیگرے ان کے ہاں بسانے کے لیے آشوری بادشاہوں نے شام اور نینوا سے بھیج دئے۔ واضح ہو کہ اسرائیلیہ کا پہلا جتھہ شاہ آشوری پال یا پلول کے ہاتھوں جلاوطن ہوا جو ۷۷۱ برس قبل از مسیح تھا۔ ان جلاوطنوں میں روہن اور جسد کے صرف دو قبیلے تھے۔ ان دنوں اسرائیلیہ کا بادشاہ ناحم تھا اور یہودا کا بادشاہ غریا تھا۔ اس کے بعد بھی انی اسرائیل کی جلاوطنی کا یہ سلسلہ جاری رہا تھا جو اس واقعہ سے ایک سو اسی سال کے بعد بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی پر ختم ہوا

الغرض ان کے آنے سے میدیوں یعنی ان آریا لوگوں کو بہت فائدے حاصل ہوئے کیونکہ اس وقت آریوں کی حالت خراب تھی۔ اس بارے میں فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستا ولی بان کا بیان اس کی اپنی تصنیف ”تمدن ہند“ میں یوں درج ہے۔ کہ

ان میں مطلق کسی قسم کی سیاسی نظامات یا ذات یا حکومت نہ تھی۔ ان کی معاشرت کی بنیاد خاندان پر تھی اور ساری قوم ایک تھی اور اس میں بالکل مدارج نہ تھے، ہر ایک خاندان

کا باپ خود ہی پڑویت، کاشتکار اور مہابی تھا۔ یہ مختلف ہیشے جو آگے چل کر ذات کی تقسیم کے باعث ہوئے اس وقت ملے جلے ہوئے تھے۔ رگ وید کے بڑے دیوتا اگنی آگ کا دیوتا ہے ”سوم“، سُنَشْٹی عرق ہے جو اس کو تند کرتا ہے۔“ اور اس کے برعکس اسرائیلی جلا وطن و تعلیم یافتہ، پندسند حکما، نبیوسی طبیب اور ماہر نفسیات تھے تمدن و معاشرت میں بہت آگے تھے غرض یہ کہ جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہے کہ ہر کام میں اسرائیلی جلاوطن، ان کے استاد بنے اور نیز ان مقامی لوگوں کو زندگی گزارنے کے اچھے طریقے سکھائے۔ اور نظم و ضبط سے بھی واقف کرایا اسرائیلیوں نے جہاں اپنے ملک شام کی طرح کوئی چیز یعنی دریا۔ پہاڑ گاؤں۔ ندی نالہ اور علاقہ دیکھا تو اس کا وہی شامی نام رکھا۔ سیاست میں بھی ان جلاوطنوں کو بڑا دخل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میدیوں اور پھر خورس کی سلطنت بننے میں انہی کا ہاتھ تھا۔ آشوریوں اور پھر بابلیوں سے انتقام لینے کے جذبات بھی رکھتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں ان کو ایک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی۔ اسرائیلی تو اپنے آپ ہرفن مولیٰ تھے۔ میدی یعنی آریا لوگ ہمیشہ ان کے محتاج رہتے۔ اس کے علاوہ پیغا منشی خاندان کے عہد سلطنت میں جو دوسو بیس سال سے مستحکم اور مضبوطی سے قائم تھا، اسرائیلی، حاکم قوم کی شکل میں تھے اس وجہ سے ان کی ہر بات میں وزن تھا۔ جو نام رکھتا قبول عام ہوتا اور جو بولتا وہی ہوتا۔ ان ہی کی زبان سے آریا لوگوں نے بہت الفاظ سیکھے اور ہر کام میں ان سے امداد لی اور سبق حاصل کر لیا۔ اسرائیلی قوم اور ان کے انبیاء اس علاقہ میں دینی تبلیغ اور راہنمائی کرتے تھے۔ علم و فضل کے مالک تھے۔ کمی صرف یہ تھی کہ اپنے ملک سے جلاوطن تھے اور منتشر حالت میں آباد تھے۔

لیکن پھر بھی ان کی فضیلت اپنی جگہ ہر قائم تھی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی وکیل، قاضی، عالم، حکیم، ماہر فن یا کوئی ہنرمند شخص بادشاہ وقت کے قانون کی خلاف ورزی کے سبب جیل خانہ میں چلا جائے تو ان کا علم و ہنر جیل کے دروازے پر ہی نہیں رہ جاتا بلکہ وہ عالم و ہنر وغیرہ اس کے ساتھ جیل کے اندر ضرور جاتے۔ لہذا اسرائیلی خدا سے نا فرمانی کے جرم میں تباہ و برباد ہوئے اور غلامی کے سزاوار بن گئے لیکن ان کی سمجھداری اور علم و ہنر اس حالت میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے۔
 وَلَقَدْ اخْتَرْنَا هُمُ عَسَاكِرَ الْعَالَمِينَ ۝ (سورہ دخان)
 اور بلاشبہ ہم نے اپنے علم سے ان کو جہان والوں کے مقابلہ میں پسند کر لیا ہے۔

معلوم رہے کہ ہند کا نام آج کل ہشتو زبان میں انڈ اور ہنڈ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور انگریزی میں بھی انڈ بولا جاتا ہے اس وقت سارے ہندوستان کو انڈیا اور اس کے باشندگان کو انڈین کہتے ہیں۔ مگر گزشتہ دور میں یہ نام محدود تھا۔

آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک نامور مؤرخ محمد مجیب بی اے آکسن پروفیسر تاریخ و سیاسیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اپنی تالیف تاریخ تمدن ہند عہد قدیم ۱۹۵۱ع عثمانیہ یونیورسٹی پریس حیدر آباد دکن میں یوں اظہار خیال کرتا ہے :-

۱..... یورپ میں سنسکرت کا مطالعہ شروع ہوا۔ اور اس کا ہتہ چلا۔ کہ سنسکرت - ایرانی - لاطینی - یونانی اور جرمن زبانیں ایک

اصل سے ہیں۔ تو ہند جرمانی یا ہند یورپی زبان اور تہذیب اور اس تہذیب کو پھیلانے والی آریہ نسل کا تصور قائم ہوا۔ اصل میں یہ تصور بے بنیاد تھا۔ آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ جسمانی خصوصیات جو آریہ نسل کی پہچان مانی جاتی ہیں۔ ان قوموں میں جو اپنے آپ کو آریہ کہتی ہیں۔ اس کثرت سے نہیں ہائی جاتی ہیں۔ کہ ان کے آریہ ہونے کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے لیکن قومیت کے ہرستاروں نے اس عقیدت کے ساتھ آریہ نسل کے گن گائے کہ ایک دنیا دھوکے میں پڑ گئی۔ نسل کا لفظ اب اس قدر رائج ہو گیا ہے کہ غلط فہمی کے اندیشوں کے باوجود اسے ترک کرنا مشکل ہے۔

صفحہ ۱۹

۲..... آریوں کے مذہب میں آگ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اور آریوں میں مورتوں (بتوں) کی پوجا کا رواج نہ تھا۔ صفحہ ۵۳
 ۳..... سنسکرت ابجد کے دندانی حروف ٹ وغیرہ اور کسی ہند جرمانی زبان میں نہیں ملتے۔ سنسکرت کے بہت سے الفاظ کا مادہ آریائی نہیں معلوم ہوتا۔ صفحہ ۵۳

۴..... آریہ در اصل کسی نسل کا نام نہیں ہے۔ بہتر تو یہ ہوتا ہے اس لفظ کو بالکل چھوڑ دیتے۔ اور ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو ہندوستان میں آ کر ”آریہ“ کہنے لگے کوئی اور نام تجویز کر لیتے مگر یہ اصطلاح اس قدر رائج ہو گئی ہے کہ اسے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اسی سے کام نکالنا پڑتا ہے۔ غلط فہمی سے بچنے کی یہ صورت ہے۔ کہ ہم یاد رکھیں کہ آریہ سب گورے اور قدآور نہیں تھے سب کی ناک اونچی۔ بال سنہرے اور آنکھیں لیلی نہیں تھیں۔ انہیں آریہ

صرف اس بنا پر کہتے ہیں - کہ وہ اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے - آریوں کے اصل وطن کا ہتم چلانا مشکل ہے - اب اکثر محقق اس پر متفق ہیں کہ آریہ نسل کا گہوارہ دریائے ڈینیوب کی وادی تھی یہاں سے اس کے قبیلے ادھر ادھر جاتے رہے - وہ قبیلے جو ہندوستان پہنچے درہ دانیال سے گزر کر ایشیائے کوچک اور شمالی ایران پہنچے ہوئے آئے - ۱۲۰۰ ق م کے لگ بھگ شمالی ہندوستان میں آباد ہونے لگے تھے - زرتشتی مذہب کی مقدس کتاب ژنداوستا اور رگ وید کی زبان میں اتنا کم فرق ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ آریا کے ہندوستان آنے اور رگ وید کے مرتب ہونے کے درمیان بہت لمبا عرصہ نہ گزرا ہوگا - صفحہ ۵۵

۵..... سات سو ق م کے بعد سے ان میں لکھنے کا رواج بھی آہستہ آہستہ شروع ہوا اشوک کے کتبات یا تو کھروشتی (خروشتی) رسم خط میں ہیں جو مشرق افغانستان اور پنجاب میں رائج تھا یا براہمی رسم خط میں ہیں - کھروشتی (خروشتی) ایک قدیم آریائی رسم خط سے اخذ کیا گیا ہے جو ہانچ سو ق م میں رائج تھا - یہ دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا - آریوں نے اس رسم خط کی علامتوں کو اپنی زبان کی اصوات اور حروف میں تبدیل کر لیا - براہمی ابجد کے چھیالیس حروف کی شکلیں معین کی گئیں اور اسے دائیں سے بائیں طرف کے بجائے بائیں سے دائیں طرف لکھنے کا قاعدہ بنا - غالباً ہانچ سو ق م تک براہمی ابجد مکمل ہو گئی تھی - ہانی فی (ہنی) نے جس کا زمانہ چوتھی صدی ق م تھا اس کو صحیح مانا ہے - اس زمانے میں یا اس کے کچھ بعد براہمی رسم خط کی دو شاخیں ہو گئیں - ایک

شمالی دوسری جنوبی - ہانی فی (ہنی) کے قواعد نے رسم خط کے ساتھ زبان کو بھی ایک معیاری شکل دے دی اور جو کم کئی سو برس سے آہستہ آہستہ پوریا تھا اس کی تکمیل کر دی - یہیں سے ویدی زبان کا سلسلہ ختم اور سنسکرت کا شروع ہوتا ہے - بول چال کی زبانیں اس کے بعد بھی رہیں - اور ان کو کچھ نہ کچھ ترقی بھی ہوتی رہی لیکن پڑھے لکھے شائستہ لوگوں کی زبان سنسکرت تھی - صفحہ ۵۷

۶..... آریوں نے شمال مغربی ہندوستان (یعنی ہند) میں آباد ہونے کے بعد تمام بھجن یکجا کر لئے - اور اس مجموعے کا نام رگ وید رکھا - رگ وید ہند جرمانی تہذیب کی سب سے پرانی یادگار ہے اور اس کی ادبی خوبیوں کو دیکھتے تو ایک کرشمہ سے کم نہیں - رگ وید کے بھجن اس وقت گائے جاتے جب ہوجا کے لئے آگ جلائی جاتی - یا سوم کے ہودے کا رس نکالا جاتا اس سے شراب بنتی تھی جس کا پینا عبادت میں داخل تھا اور اسے آریہ پسند بھی کرتے تھے - رگ وید مرتب ہو گیا تو اس کے وہ بھجن جن میں سوم کو مخاطب کیا گیا تھا الگ کر کے ایک نیا مجموعہ تیار کیا گیا جو سام وید کہلاتا ہے - صفحہ ۵۸

۷..... آریوں کی خاندانی رسمیں مثلاً گھر کے ایک مرکزی مقام پر ہر وقت آگ جلتی رکھنا اور دولہا دلہن کا اس آگ کے گرد چکر لگانا - صفحہ ۶۹

۸..... عورتیں بس گھر میں ہوجا کی آگ جلتی رکھتیں اور چڑھاوے اور نذر کے لئے ضروری سامان مہیا کرتیں - صفحہ ۷۱

۹..... دولہا کے ساتھ ہرات ضرور آتی - دلہن کا ہاتھ دولہا کے ہاتھ

میں دیا جاتا۔ دونوں ہوجا کی آگ کے گرد طواف کرتے۔ صفحہ ۷۲
۱۔.....ہندو مذہب عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کا ایک نظام
ہے اور جو شخص اس نظام کو قبول کرے وہ عقائد میں آزادی
کے ساتھ انتخاب کر سکتا ہے۔ صفحہ ۲۴۱
۱۱۔.....اس نئے دور میں مذہبی اتحاد پسندی نے ہر فرقے اور نسل کو
جس نے ہندو نظام زندگی کو قبول کیا۔ سماج اور مذہب میں
داخل کر لیا۔ صفحہ ۲۴۲

ہنی ، ہانیسی ، ہینیسی ، ہر ایک نظر۔

قبل ازیں ہنی کا ذکر ہو چکا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کا
تعارف بھی کیا جائے۔ اس کو غیر افغان مورخین نے ہانیسی اور ہینیسی
کے نام سے بھی یاد کیا ہے لیکن اس کا اصل اور صحیح نام ہنی تھا۔
اور وہ نسل ان اسرائیلی جلاوطنوں کے اولاد سے تھا جو مادہوں کے
ملک میں جلاوطن ہو چکے تھے افغان مؤرخین نے اس کو غرغشت
افغان قبیلہ سے منسلک بتایا ہے۔ غرغشت یعنی وہ اسرائیلی افغان قبائل
جو غرجستان یا گرجستان میں آباد ہو چکے تھے اور وہاں ان کی اپنی
ریاست بھی بن گئی تھی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ لہذا ان کا ایک
گروپ یعنی قبیلہ بنایا گیا تھا جس سے افغانوں کا تیسرا بڑا قبیلہ غرغشت
کے نام سے موسوم کیا گیا۔ غرغشت میں تین بڑے قبائل شامل تھے
جن کے نام یہ ہیں دانی ، مندو ، بابی ، اور دانی کے چار بیٹے ، کا کڑ ،
ناغر ، ہنی ، دادی ، تھے۔ بموجب بیان تاریخ خان جہانی و مخزن
افغانی ہنی کے اٹھارہ بیٹے تھے اور اس کے تمام بیٹوں کے نام سے الگ
الگ خیل اور قبیلے بن گئے ہیں۔ ہنی کے بڑے بیٹے کا نام یہودا اور

یہودا کے ایک بیٹے کا نام پتھان تھا۔ شجرہ نسب یوں ہے۔ ہنی
بن دانی بن غرغشت بن قیس عبدالرشید واضح ہو کہ دانی قبیلہ
(ہنی دان) شام میں بھی موجود تھا جس کا ذکر کتاب مقدس کے قضاۃ
(اردو) باب اٹھارہ صفحہ ۲۴۹ پر ہوا ہے کہ:-

ہنی دان کے گھرانے کے چھ سو مرد جنگ کے ہتھیار باندھے
ہوئے (مقام) صرعمہ و استال سے روانہ ہوئے... ہنی دان نے
شہر بنایا اور اس میں رہنے لگے اور اس شہر کا نام اپنے باپ
دان کے نام پر جو اسرائیل کی اولاد تھا ، دان ہی رکھا لیکن
پہلے اس شہر کا نام لیس تھا۔ باب ۳۔... جس کا نام مسون
تھا اس دانی گھرانے کے منوحہ ناسی کا بیٹا تھا۔

یعنی دور قضاۃ کے مشہور رہنما اور بہادر شخص مسون ناسی
اس دانی خاندان سے تھا۔ اب ایک اور دانی کے متعلق بھی ذکر
ضروری ہے۔ وہ دانی ایل نبی ہے جو اسرائیلی اسیران میں تھا اور وہ
خوڑس شاہ ایران کے بابل کو فتح کرنے کے وقت بابل میں موجود تھا
اور دارا کے ابتدائی عہد میں زندہ تھا جس کا ذکر کتاب مقدس میں
دانی ایل کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ ہنی بن دانی کا زمانہ بھی اس کے
ساتھ ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ دوئم یہ کہ دانی ایل نبی کی سمجھداری
اور علمی مدارج بہت ہی اونچے ہیں اور یہی علمی قابلیت اور سمجھداری
ہنی مذکور میں بھی ظاہر ہے لہذا غالب رائے یہ ہے کہ ہنی اسی
دانی نبی کا بیٹا ہے اور افغان مورخین کے شجرہ نسب کے مطابق بھی ہنی
بن دانی درج ہے ”ہنی“ اس وقت افغانوں کا ایک بڑا نامور قبیلہ ہے اور
مختلف مقامات پر بہت پھیلا ہوا ہے یہاں تک کہ ضلع چٹاگانگ میں ایک
قبیلہ ہنیہ کے نام سے موجود ہے۔ غرغشت قبائل کا اپنا وطن کوہ سلیمان
کا علاقہ ہے، ان میں سے قبیلہ ہنی زیادہ تر علاقہ سیوی (سبی) میں آباد ہیں۔

ہندو عقائد و تعارف ان کی اپنی نظر میں

ہندوؤں کے عقائد و تعارف پر ان کے اپنی تحریر سے یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ زمانہ قدیم میں وہ بت پرست نہیں بلکہ آتش پرست تھے اور ہندوستان میں آنے کے بعد بت پرست بنے۔ قاتاری اور ساسانی نسل کے قدیم باشندوں کو وہ اپنا ہم نسل سمجھتے ہیں البتہ افغان نسل کو اسرائیلی کہہ کر ایک علیحدہ قوم تصور کرتے اور انہیں اسرائیل، پٹھان اور افغان قوم کے ناسوں سے ہکارتے ہیں نیز محمد غوری سے شیر شاہ تک کا زمانہ وہ افغانی دور سمجھتے ہیں۔ اس کی تصدیق میں تاریخ لٹا راجستان جلد اول مترجم مشی دوارکا پرشاد آف لکھنوی ۱۹۱۴ء کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

.....۱۔ قدیم شجروں میں ہندوؤں کا نام دیوتاؤں کے نام پر موجود نہ ہونے سے یہ باور کرنا خلاف عقل نہیں کہ بیشنو مذہب کے قبل مورتی پوجا کا رواج نہ تھا۔ قدیم تواریخ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ متتر جنتر - نوگرہوں اور مورتیوں کا رواج کرشن چندر کے بعد ولایت کشمیر سے ہندوستان میں مروج ہوا۔ مورتی پوجا کی رفتہ رفتہ ایسی ترقی ہوئی کہ عوام الناس کل چیزوں کو ہوجنے لگے۔ دیوتا تینتیس کروڑ ہو گئے جن کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی ایسی باقی نہ رہی جس کی پرستش نہ کی گئی ہو۔ مروج سے لے کر چمار کی ماہی (راہی) کو بھی لوگوں نے ہوجنا شروع کر دیا۔ کرشن ایک، مگر پرستش سات صورتوں میں۔ کرشن جی کی مورتیں راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں موجود ہیں۔ صفحہ ۹۰۴

.....۲۔ اب سے بارہ سو برس پہلے شری رام چندر جی کے تحت حکومت پر ایک گؤ خوار (ایرانی) نے قدم رکھ کر ہندوؤں کے سورج کا خطاب حاصل کیا۔ وہ کبھی باور نہ کریں گے کہ دلہا کی قدیم ترین قوم کی موجودہ نسل یزد جرد بادشاہ خاندان ساسانی کے بقائے نام ہے راجہ گردہا بھیل بہرام گور کا بیٹا تھا۔ جس کے ایک بیٹے کو پٹن کی حکومت حاصل تھی۔ ہم آگے چل کر رانا کے خاندان کا ایرانی نسل سے تعلق ظاہر کریں گے۔

صفحہ ۵۷-۵۸

.....۳۔ اودے پور کے تاجدار تمام ہند کے فرمانرواؤں سے افضل و صاحب عظمت ہیں۔ ہندوستان کے راجے تاجپوشی کی تقریب میں رانا اودے پور ہی کے ہاتھ سے تلک کراتے اور اس رسم کے وقت ان کے سامنے سر ادب کرتے ہیں۔ تلک آدمی کے خون سے لگایا جاتا ہے۔ اودے پور کے فرمانرواؤں کا خطاب رانا ہے۔ اور وہ اپنے کو نوشیروان عادل کی اولاد سمجھتے ہیں۔ جس نے علاوہ اور ملک کے ولایت ہندوستان میں بھی علم فتح گاڑا۔ نوشیروان کی زندگی میں نوشیزاد اس کا بیٹا جو شہزادی قیصر روم کے بطن سے تھا۔ عیسائی ہو گیا اور بہت سے رفقاء کو ساتھ لے کر ہندوستان میں قیام پذیر ہوا۔ اس کی اولاد ہندوستان میں باقی رہ گئی۔ اودے پور کے رانا کو اسی کی نسل سے تعلق ہے۔

صفحہ ۵۹

.....۴۔ چونکہ دہلی کے قاتاری شہنشاہ کو لڑکیاں دینا ہندوؤں کے ہاں ایک بدنما دھبہ تھا۔ لہذا انہوں نے داغ بدناسی سے بچنے کے لئے یہ بات پیدا کی۔ کہ گو سلسلہ حسب و نسب بہت پرانا اور رشتہ بہت دور کا ہے تا ہم ہمارے اور قاتاری

بادشاہ کے بزرگ ایک ہی تھے آخر میں اس خیال نے ان کے دل کو قدرے مطمئن کر دیا کہ آمیزش خون بزرگان قدیم کے خون ہی سے ہے - صفحہ ۴۵۸

.....۵ محمود غزنوی کی یورشوں اور خاندان افغان (محمد غوری) کے حملہ اول کے موقعوں پر اس دیویا (یعنی کرشن جی کا بت) کو برج چھوڑنا پڑا تھا - غیر متعصب شاہان مغلیہ نے مذہب ہندو سے مخالفت کرنا کیا معنی ، ان کے اس دیوتا کو برج میں (دوبارہ) تسلط کر کے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ خود بھی گھنیا جی (کرشن جی) کی معتقد اور آدھے ہندو اور آدھے مسلمان ہیں - جسے دیو کی نظمیں جن میں رادھا کرشن کے حسن و عشق کی تصویریں کھنچی ہوئی ہیں اکبر کے بہت پسند خاطر تھیں - ہندو اسے کرشن کا پریمی مانتے ہیں - جہانگیر جس میں بھی راجپوت خون کی آمیزش تھی - اکبر کی طرح گھنیا جی (کرشن جی) کا بہت معتقد تھا - شاہ جہان جس کی ماں راجپوت راجکماری تھی - شیو جی کا بڑا بھگت اور سدھ روپ سنیاسی کا سرید تھا - صفحہ ۸۸۶

.....۶ ...بابر نے جو یک جہتی کا رشتہ قائم کیا تھا اور اکبر - جہانگیر و شاہ جہان نے جس تعلق کو مضبوط کیا تھا اورنگ زیب نے اپنی حماقت سے توڑ دیا - ۶۶۹

.....۷ اورنگ زیب قوم راجپوت کا جانی دشمن تھا مظلوم راجپوتوں نے اس کے ظلم کے انتقام میں اس کی نسل کو نیست و نابود کر دیا - صرف ایک صدی میں ملک نے اس کے کمبخت ہاتھوں سے خلاصی پائی - لیکن ظالم اسرائیل کی آخری نسل کے ظالم (افغان) ہمیشہ کے واسطے اورنگ زیب کی طرح گناہ کے شریک

رہیں گے کیونکہ انہوں نے ہر ایک بت کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے میں ذرا بھی خیال رحم نہ کیا - اگر یہ ظالم (افغان) ایک یا دو نشانی باقی رہنے دیتے تو میں شاید ان کے احکام و رسوم - دستور و رواج - دلاوری شجاعت - عدل و انصاف کا فوٹو دنیا کے سامنے کھنچ سکتا - لیکن ان کی نقصان رسانی و غارت گری کی عادت نے ایک بھی نقش باقی نہ رکھا جو چیزیں قابل دید و پرستش تھیں ان کو تباہ کر ڈالا - صفحہ ۱۲۰۹

.....۸ لکھنوی نے سست ۱۳۳۱ مطابق ۱۷۷۵ء میں تخت پدر پر جلوہ فرمایا - اس کے عہد حکومت کو تاریخی دنیا میں خاص شہرت حاصل ہے - یہ وہ زمانہ تھا جب پٹھان بادشاہ علاؤالدین خلجی نے وحشیانہ بیرحمی سے چتوڑ پر (۱۲۹۰ء) دھاوا کیا - ہندوستان کے تمام شہروں سے ہارونق اور مال و دولت سے مالا مال تخت گاہ تباہ و برباد کی گئی - صفحہ ۴۹۸

.....۹ ہمایوں کے عزل سلطنت سے ان کی بھی مٹی خراب رہی شیر شاہ نے چغتائی فرمانرواؤں سے حکومتیں چھین لیں اور پٹھانوں کی بادشاہت کے قدم جما دیئے - ۵۸۹

.....۱۰ قبیلہ جام سندھ کے مورثیان کا ایمان ہے - کہ ان کا مورث شام تھا یا سیریا - یہی وجہ ہے کہ شام بدل کر جام ہو گیا اور اس کی ایک چھوٹی ریاست جام راج کے نام سے اس خطاب کی شاہد ہے - صفحہ ۲۲۶

اس خاندان کے متعلق مولانا اعجاز الحق قدوسی اپنی کتاب تاریخ سندھ میں لکھتے ہیں کہ :-

سندھ میں سومرا قبیلے کے بعد سمد خاندان ہر سر حکومت آیا - انہوں نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام ”ساموئی“ رکھا

اور اس کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ ”جام آنر“ سمہ خاندان کا پہلا فرمان روا ہے، جو ارسیل یا ہمیر سومرا کو شکست دے کر اقتدار حاصل کر کے ۱۵۷ھ میں سندھ کا فرمانروا ہوا۔ سمہ کا دور حکومت ایک کامیاب دور تھا جس میں علم و فضل اور تجارت کو فروغ ہوا قیاس یہ ہے کہ ”ساموئی یا شاموئی“ اشارہ ہے شام کو جو نسبی نسبت کے لئے پایہ تخت کا یہ نام رکھا گیا ہو یعنی سامی، شامی۔ واضح ہو کہ اسی نام کا ایک افغان قبیلہ جو زمانہ ماقبل میں بلخ کے شمال مشرق میں آباد تھا اب بھی یہ علاقہ سمہ گان، سمگان یا سمنگان کے نام سے افغانستان میں موسوم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تاتاریوں کی یلغار سے یا اسلام کے بعد محمد بن قاسم کے وقت میں سندھ کی طرف آئے ہوں اور لشکر میں شامل ہو کر سندھ فتح کرنے کے بعد یہیں رہائش اختیار کیا ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ محمد بن قاسم کے سندھ اور ملتان فتح کرنے کے وقت کچھ افغان قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔

سومرہ، سومرو۔ سلاطین دہلی کے ماتحت حکومت کرتے تھے اور ان کا ابتدائی پایہ تخت تھری جو اسرائیلی نام ہے، تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی ان جلاوطن اسرائیلیوں کی اولاد میں سے ہیں جو اشوریوں کے ہاتھوں ”سامرہ“ سے خراسان وغیرہ میں جلاوطن ہو چکے تھے۔ مولانا عبدالحکیم شرر اپنی کتاب تاریخ سندھ کی پہلی جلد میں اس قبیلے کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ نو مسلم یہودی تھے۔ مولانا کا یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام بلاذری اپنی کتاب فتوح البلدان حصہ اول میں شام اور اردن کے واقعات میں السامرہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

”السامرہ یہود ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک کو الدستان

اور دوسری کو الکوشان۔“

واضح رہے کہ دو تانی اور کیش کوشی افغان قبائل بلوچستان کے مغربی سرحد پر اب بھی موجود ہیں۔ یہ بھی معلوم رہے کہ جنوبی ہند بالخصوص ملبار میں بھی جلاوطن یہودی آباد ہو چکے تھے۔ ملبار کا راجہ عہد رسالت کے زمانے میں مسیحی ژموون تھا جو یہودیوں کے قبیلہ سامری سے تھا جب اس کو حضرت محمدؐ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو اسلام قبول کر لیا اور سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے میں فوت ہو کر ساحل یمن میں مدفون ہوا۔ الغرض سومرہ یا سومرو کی نسبت سامرہ شہر جو اسرائیلی حکومت کا دارالسلطنت تھا، کو ہے اور نیز نسبی نسبت بھی، کیونکہ سامرہ تو صرف اسرائیلی ہی تھے۔ تاریخ سندھ کے مصنف مولانا اعجاز الحق قدوسی کا بیان ہے کہ

سندھ میں سومروں کی سلطنت ۸۴۴ھ مطابق ۱۰۵۲ع میں قائم ہو کر ۱۵۷۱ھ مطابق ۱۳۵۲ع یعنی تین سو آٹھ سال تک قائم رہی، - ابن بطوطہ جو سندھ بھی آیا تھا اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سومرہ قوم کے حکمران سلاطین دہلی کے ماتحت حکمرانی کرتے تھے، اور سلاطین دہلی کا ایک امیر ان کے ساتھ رہتا تھا ابن بطوطہ کہتا ہے کہ

دو روز کی مسافت کے بعد ہم کشتی سے جہان پھنچے، جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے، اور جس میں خوش نما بازار ہیں، یہاں کے رہنے والے وہ لوگ ہیں جن کو سامرہ کہتے ہیں، ان کے اسلاف یہاں اس وقت آباد ہوئے جب حجاج کے زمانے میں سندھ فتح ہوا، جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے۔ شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن

بہاؤالدین زکریا قریشی نے مجھے خبر دی کہ ان کے جدا کبر ، محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے موقع پر حاضر تھے ، اور یہ ”سامرہ“ اس لشکر کے ساتھ آئے تھے ، جس کو حجاج بن یوسف نے اپنی امارت کے زمانے میں عراق سے اس مقصد کے لئے بھیجا تھا “ سیوستان کے تذکرے میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ :-

اس شہر میں سامری امیر ، اونار “ نامی جس کا ذکر اوپر گزرا ، اور امیر قیصر رومی رہتے ہیں ، اور یہ دونوں سلطان دہلی کے ماتحت ہیں ، اور ان دونوں سرداروں کے ساتھ اٹھارہ سو سوار تھے ، اور یہاں ایک ہندو رہتا تھا ، جو حساب کتاب میں بڑا ماہر تھا ، جس کا نام رتن تھا ، وہ بعض امرا کے ساتھ سلطنت کے دربار میں گیا سلطان نے اس کو پسند کیا اور اس کو ”سندھ کا راجہ“ کا خطاب دے کر سیوستان بھیجا ۔ اور اس کو وہ جاگیر میں دے دیا ، جب وہ وہاں پہنچا تو ”اونار“ اور قیصر کو برا معلوم ہوا کہ ایک کافر کو ان پر فوقیت دی جائے ۔ انہوں نے باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور خزانہ لوٹ لیا ، اور سب نے مل کر اونار کو ملک فیروز کا خطاب دے کر اپنا بادشاہ بنا لیا ۔ پھر اونار یہ سمجھ کر کہ وہ اس وقت اپنے قبیلے سے دور ہے ڈرا اور اپنے قبیلے میں چلا گیا ۔ لشکروں نے قیصر کو امیر بنا لیا جب ملتان کے نائب کو خبر لگی تو اس نے اس کے سزا کے لئے فوج بھیجی اور سخت سزا دی ، سامرہ ، سومرہ فرمانرواؤں کا آخری بادشاہ کا نام ہمیر یا ارمائل تھا ۔ سمہ قبیلے اور سومرو میں نہایت ہی اتفاق و یگانگت تھی لیکن ارمائل کے ظلم و مہم کی وجہ سے دونوں قبیلوں کے تعلقات خراب ہونے شروع

ہوئے اور اس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ سومرہ خاندان کے ہاتھ سے حکومت نکل کر سمہ خاندان میں منتقل ہو گئی سمہ خاندان ایک سو پچتر ۱۷۵ برس کے حکمرانی کے بعد ۵۹۲۶ جام فیروز کے عہد میں شاہ بیگ ارغون تاناری کے ہاتھوں اس کی حکومت ختم ہو گئی ۔ سمہ خاندان جن کے اکابر جام کے لقب سے مشہور ہیں ان کی تعلق بقول ان کے آباؤ اجداد (بروئے روایت ٹاڈ راجستان) شام سے ہے اور ان کی امی نسبت سے ان کا مراد شام کے اسرائیلی جلاوطنوں کی اولاد ظاہر ہوتا ہے کیونکہ شامی تو صرف وہی لوگ تھے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے نام سمہ ، سمو ، سمو ، افغانوں میں موجود ہیں اور یہ نام پہلے سے شام میں بھی تھے مثلاً حضرت داؤدؑ کے ایک بھائی کا نام سمہ ہے ۔ اور نیز اس کے باپ کو افراق سے یاد کیا گیا ہے ۔ اس بارے میں کتاب مقدس صفحہ ۲۷۶ اردو ترجمہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۔ ۱ ۔ اسموئل میں باب ۱۷ اور آیت ۱۲ میں یوں درج ہے کہ ۔

داؤد بیت الحم یہودا کے اس افراقی مرد کا بیٹا تھا جس کا نام یسی تھا ۔ اس کے اٹھ بیٹے تھے اور وہ ساؤل کے زمانہ کے لوگوں کے درمیان بڑھا اور عمر رسیدہ تھا ۔ اور یسی کے تین بڑے بیٹے ساؤل کے پیچھے پیچھے جنگ میں گئے تھے اور اس کے تینوں بیٹوں کے نام جو جنگ میں گئے تھے یہ تھے ۔ الیاب جو پہلوٹا تھا دوسرا ابینداب اور تیسرا سمہ ۔ اور داؤد سب سے چھوٹا تھا ۔

غالب قیاس یہ ہے کہ یہی سمہ اوگ حضرت داؤدؑ کے بھائی ”سمہ“ کے نام موسوم ہوئے اور یہ انہی کی اولاد میں سے ہیں ۔ اور اس کے برعکس ایک اور عرب قبیلہ بنو سامہ ہے جو ملتان میں حکمران رہا تھا ان کا سندھ کے اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں ۔ وہ تو عرب قریش تھے

نہ کہ شامی اور نہ شام سے ان کا کوئی نسبت تھا - مصنف آئینہ حقیقت نما مسعودی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ

۳۰۳ء ملتان کے اندر بنو سامہ بن لوئی بن غالب کی حکومت ہے - سامہ بن لوئی بن غالب قبیلہ قریش کا وہ شخص تھا جس نے آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے بحرمان کے ساحل پر اقامت اختیار کر لی تھی اسی شخص کی نسل سے ملتان کا فرمانرواں تھا۔“

معلوم رہے کہ سندھ میں سمد خاندان کے بعد جب ارغون اور ترخان کے تاتاری خاندان ختم ہوا تو کھوڑہ خاندان جو عرب نسل سے ہیں بر سر اقتدار آیا اور ان کے بعد تالپور خاندان بر سر اقتدار آیا جو نسل بلوچی ہے ان کا لقب میر تھا جو میران سندھ سے مشہور ہیں - واضح رہے کہ قبیلہ سمد یا جام کی طرح ایک اور افغان قبیلہ لنگاہ سندھ اور ملتان میں حکمران تھا جیسا کہ تاریخ فرشتہ میں ذکر ہے -

ملتان پر رائے سہرہ جو جماعت افغانان لنگاہ کا سردار تھا - حکومت بنائی اور سولہ برس حکومت کرنے کے بعد ۱۵۷۴ء میں وفات پائی -

لنگاہ خاندان کے متعلق تاریخ ”آئینہ ملتان“ میں درج ہے کہ سندھ سے آ کر اچانک حملہ کر کے رائے سہرا نے قطب الدین لنگاہ کے لقب سے ملتان میں لنگاہ عملداری کی بنیاد رکھی اور چنیوٹ، شورکوٹ کو فتح کر کے ولایت ملتان کو وسعت دی اور ۱۴۶۹ء تک کامیاب حکومت کی، ۱۴۷۰ء میں اس کے بیٹے سلطان حسین لنگاہ (افغان) نے مملکت ملتان کی عنان اقدار منبھالی - شاہان ملتان میں سلطان حسین لنگاہ بڑا ذی علم بادشاہ تھا - وہ صرف علم دوست ہی نہ تھا وہ مدبر اور علم پرور بھی تھا - اس نے ترویج علم کے لئے ملتان میں جگہ جگہ مدرسے

کھلوائے، نامور علماء کو بڑے بڑے وظائف پر درس و تدریس کے لئے مقرر کیا - اس کے وقت میں ملتان میں پہلی بار یونیورسٹی قائم ہوئی جو قلعہ کہنہ پر اس جگہ موجود تھی، جہاں انگریزوں نے اپنی فتح کا مینار بنایا - ملتان کے علمی دور کی تاریخ میں سلطان حسین مر فہرست ہے - اس نے ملتان پر تیس سال حکومت کی - ویسے اس کے خاندان کی ملتان پر ستر سال حکومت رہی - سندھ کے علاقہ میں بلوچ قبائل کو اس نے آباد کیا تھا -

مولانا ندوی لکھتا ہیں کہ

سلاطین ملتان میں سے حسین خان لنگاہ علوم و فنون کا بہت بڑا مری تھا - مصنفین اور ارباب فضل و کمال کا سرپرست اور مددگار تھا - ہمیشہ مالی امداد اور مناسب وظائف سے ان کی ہمت افزائی و قدر کیا کرتا تھا - جس کے باعث اس کی حدود سلطنت میں فضلاء اور ارباب علم و فن کی بڑی کثرت و جمعیت ہو گئی تھی - اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی حکومتوں میں ممتاز ہو گیا تھا -

ایک اور افغان قبیلہ جسے حضرت سلیمان کا تعلقدار بتاتے ہوئے مصنف تحفۃ الکرام صفحہ ۴۹ پر لکھتا ہے کہ -

لودہ قوم جسے لولا بھی کہا جاتا ہے تسخیر سندھ کے وقت عربوں کے ساتھ یہاں (سندھ میں) آباد ہوئی -

بابہ تخت دہلی (ہندوستان) پر افغانوں کی حکومت

افغانوں نے تقریباً چار صدیوں تک ہندوستان پر مسلسل حکومت

کی جن کے اسمائے گرامی کا ذکر بالترتیب یوں ہے :-

شہاب الدین محمد غوری نے پشاور اور اس کے ملحقہ علاقہ پر ۵۵۷ھ میں قبضہ کیا اور ۵۸۲ھ میں حسین خربیل افغان کو سیالکوٹ کا حاکم اعلیٰ مقرر کر کے ۵۹۴ھ میں دہلی پر قابض ہوا۔ اس وقت سیالکوٹ کو پنجاب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد شہاب الدین محمد غوری نے اپنے سپہ سالار قطب الدین ایبک افغان کے ذریعہ وہاں پر سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی جہاں پر آج پتورا کا بت خانہ تھا۔ اور ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت قائم کی۔ ۳۲ سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۶۰۲ھ کو وفات پائی۔ اس کی وفات پر اس کا بھتیجا غیاث الدین محمود، غور کا بادشاہ ہوا اور اس نے قطب الدین کو تاج و تخت کے فرمان اور دیگر چیزیں ارسال کر کے خطاب شاہی عطا فرمایا چنانچہ قطب الدین ایبک لاہور میں تخت شاہی پر بیٹھ کر ہندوستان کا بادشاہ ہوا اور اس طرح بجائے سیالکوٹ کے لاہور کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی اور اس رونق میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا شاہی قلعہ لاہور اور جامع مسجد کی بنیاد اسی نے رکھی تھی جس میں بعد میں بغل حکومت نے از سر نو اضافہ کیا۔ وہ نہایت کامیاب حکومت کرنے کے بعد ۶۱۷ھ میں گھوڑے سے گر کر جان بحق ہوا اور ایبک روڈ انارکلی پر دفن کیا گیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا آرام شاہ ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ اس کے بعد شمس الدین التمش جو قطب الدین کا داماد تھا سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس کے بعد اس کا لڑکا رکن الدین فیروز شاہ بادشاہ بنا۔ اس کے بعد التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ تخت پر رونق افروز ہوئی اس کی قبر شاہ جہاں آباد میں ہے اس کے عہد میں ملک ایال پنجاب کا گورنر تھا جس کی قبر اس وقت رنگ محل لاہور میں موجود ہے۔ اس کے بعد

معز الدین بہرام شاہ بن سلطان رکن الدین فیروز شاہ تخت پر بیٹھا اس کے بعد علاؤ الدین پسر سلطان شمس الدین تخت نشین ہوا اور اس کے بعد اس کا بھائی ناصر الدین محمود بادشاہ ہوا اور اس کا وزیر غیاث الدین بلبن مقرر ہوا اور سلطان ناصر الدین محمود کے بعد یہی وزیر غیاث الدین بلبن بادشاہ ہندوستان ہوا۔ پھر اس کا نواسا سلطان معز الدین کی قیادت تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی (غلزئی) بادشاہ ہوا پھر اس کا بھتیجا و داماد سلطان علاؤ الدین خلجی سکندر ثانی بادشاہ ہوا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ بادشاہ ہوا۔ اگرچہ لائق بادشاہی نہ تھا۔ قطب الدین مبارک شاہ کے وقت میں اور پھر اس کے بعد حالات کافی خراب ہو گئے۔ کافور اور خسرو شاہ نے قضا مکدر کر دی لیکن اراکین جرگہ نے ملک غیاث الدین خان کو تخت پر بٹھایا اس کا اصلی نام ملک غازی الدین تھا اور قبیلہ تغلق بن کا کڑ بن غرغشت سے تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد تغلق تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا برادر زادہ سلطان فیروز شاہ باربک تخت نشین ہوا اور تقریباً ۳۹ سال حکومت کر کے فوت ہوا۔ اس کے بعد غیاث الدین بن فتح خان بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد امرا آئے دربار نے ابو بکر بن ظفر خان بن فیروز شاہ کو تخت پر بیٹھایا مگر جلد ہی محمد شاہ بن فیروز شاہ نے تخت پر قبضہ کر کے بادشاہ بنا۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ کا بیٹھا سلطان ہمایوں بادشاہ ہوا پھر اس کا بھائی سلطان ناصر الدین محمود شاہ بن محمد شاہ تخت پر بیٹھا مگر اس کی حکومت کے دوران تیمور بادشاہ نے دہلی پر حملہ کیا۔ اور محمد شاہ شکست کھا کر گجرات چلا گیا۔ تیمور ہندوستان کے بعد دہلی سے واپس ہوا اور سلطنت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ نصرت شاہ بن فتح خان بن فیروز شاہ نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور جونپور میں ابراہیم بادشاہ ہوا۔

چنانچہ کئی سالوں تک لڑائی ہوتی رہی آخر میں نصرت شاہ سے اقبال خان لودھی نے دہلی حاصل کر کے چند سال بادشاہی کی لیکن ہندوستان میں خلششار قائم تھا جس کے سبب باہر کے غیر افغان جو تیمور کے ساتھی تھے اور اپنے آپ کو سید کہتے تھے دہلی پر قابض ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد سلطان بہلول لودھی نے افغانوں کو متحد کر کے تخت دہلی پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ بنا۔ اور ہندوستان میں سابقہ امن بحال کیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا مکندر شاہ بادشاہ ہوا۔ اور اس کی وفات پر اس کا بیٹا ابراہیم لودھی بادشاہ بنا۔ جس کے دور حکومت میں بدقسمتی سے افغانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ سازشوں کا شکار ہو گئے اور ہاشمی خاندان جنگیوں میں مبتلا ہو گئے جس کے نتیجہ میں باہر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ پانی پت کے مقام پر مقابلہ ہوا اور ابراہیم لودھی ۷ رجب ۹۳۲ ہجری بروز جمعہ صبح کے وقت شہید ہوا۔ اور یوں ہندوستان پر افغانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ جو تین سو ساٹھ سال تک قائم رہی تھی۔ کچھ عرصہ بعد افغانوں کو ہوش آیا۔ اور متحد و متفق ہو کر شیر شاہ کو بادشاہ بنایا جس نے ہمایوں سے حکومت چھین لی اور افغانوں کی بادشاہت دوبارہ قائم کی۔ اس نے ایک مثالی حکومت کی لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا تو اس کی وفات پر اس کے لڑکے سلیم شاہ نے حکومت سنبھالی۔ جس نے کامیاب حکومت کی لیکن اس کی وفات پر جب اس کے لڑکے نے حکومت سنبھالی تو اختلاف کے سبب اس کی حکومت کامیاب نہ ہوئی اور افغانوں میں پھر پھوٹ پڑ گئی وہ متحد نہ رہ سکے اور مغل حکمران ہمایوں کو ۱۵ سال بعد دوبارہ حکومت سنبھالنے کا موقع ملا اور یوں افغان حکومت کا ایک بار پھر ہندوستان سے خاتمہ ہوا۔

افغان اولیاء :-

افغانوں کی ہندوستان پر حکومت کے دوران وقتاً فوقتاً کئی علما، مشائخ اور اولیاء کرام ہندوستان میں وارد ہوتے رہے اور اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے انہوں نے نمایاں کام کیا۔ جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں دہلی کے مقام پر سب سے اولین مسجد کی بنیاد شہاب الدین محمد غوری نے رکھی تھی۔ اسی طرح دین اسلام کی اشاعت کا کام بھی اسی افغانی دور میں ہوا اور دین اسلام ان اولیاء کرام کی تبلیغ و اشاعت کی وجہ سے پنجاب، ہندوستان اور بنگال میں پھیلتا چلا گیا۔ یہ حضرات تقریباً سبھی افغان تھے۔ ادارہ اخبار وطن لاہور نے اس دور کے تمام علما۔ مشائخ اور اولیاء کرام کے ان کارناموں کو کتابی شکل میں افغان اولیاء کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا ان کی زیادہ تر زیارتیں لاہور ملتان اور دہلی میں اور باقی ہندوستان کے کونہ کونہ نیز بنگال میں کوئی جگہ ان سے خالی نہیں ہے مثال کے طور پر دو ایک کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر کا جد اعلیٰ فرخ شاہ غوری کابل کے حاکم تھے۔ اس کے نواسے شیخ کمال الدین بن سلیمان سلطان شہاب الدین محمد غوری کے عہد سلطنت میں کابل سے ملتان آئے اور بادشاہ نے قصبہ کہونوال جو ملتان کے قریب ہے۔ عنایت کیا اور کمال الدین بن سلیمان نے وہاں سکونت اختیار کی اور فرید الدین یحییٰ پیدا ہوئے جن کا شجرہ نسب یوں ہے۔ ”فرید الدین بن کمال الدین بن سلیمان بن فرخ شاہ غوری“۔ ہاک پٹن پنجاب میں زیارت ہے وہ ان کی عقیدت کی وجہ سے ہاک پٹن شریف مشہور ہوا۔ وہ مزید کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

مجدد الف ثانی شیخ سرہندی جن کا اصلی نام شیخ احمد تھا کابل میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم انتہائی درجے تک حاصل کی تو ہندوستان آ کر سرہند میں سکونت پذیر ہوئے۔ مریدوں کا جمگٹھا رہتا تھا۔ اور تعلیم و تدریس کے علاوہ دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے یہیں وفات پائی اور دفن ہوئے۔ ان پر دو حضرات کی زیارتوں پر زائرین کا قانتا بندھا رہتا ہے اور اظہر من الشمس، مزید کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

سوئم بختیار کاکی^۲ جو مذکورہ بالا شیخ فرید الدین کے پیر و مرشد تھے وہ بادشاہ التمش کے عہد میں دہلی میں مقیم رہے تمام عمر دین اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی اور دہلی میں ہی وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے نماز جنازہ کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے انہوں نے وصیت کی تھی۔ کہ میرے جنازے کی نماز وہ پڑھائے جو حرام سے ہمیشہ بچا رہا ہو۔ جس نے فرض نماز برابر جماعت کے ساتھ پڑھی ہو اور اس سے پہلی تکبیر کبھی نہ چھوٹی ہو اور بھی ہر قسم کے برے اعمال و بد فعلی سے پاک ہو چنانچہ سلطان التمش ان شرائط پر پورے اترے اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس سے افغان سلاطین دہلی کے اعمال اور دین داری کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اب افغانوں کے قائم مقام مغلیہ سلطنت اور ان کی کردار ملاحظہ فرماویں۔ ایک غیر جانب دار فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاوی بان اپنی کتاب تمدن ہند میں لکھتا ہے کہ :-

ہندوستان کے سلطنت مغلیہ کی ابتدا اس سے ہوئی جس وقت بابر نے لودھی کے افغانی خاندان کو شکست دے کر آگرہ پر قبضہ کر لیا، بابر آگرہ ہی میں ہندوستان اور کابل کا بادشاہ مرا۔ اس کے بیٹے ہمایوں کو حکومت قائم کرنے کے لئے بہت سی

تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور مغلوں کی حکومت اس وقت قائم ہوئی جب کہ اس خاندان کا تیسرا بادشاہ اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت پر بیٹھا اور پچاس سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس بادشاہ نے جو تاریخ عالم کے بادشاہوں میں ایک بہت بڑا فرمانروا گزرا ہے ہندو اور مسلمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا۔ اس نے فاتح و مفتوح میں شادی بیاہ کو مروج کیا اور خود راجپوت راجاؤں کی لڑکیوں سے شادی کی۔ اسلام اور براہمنی مذہب کو ملا دینے کی جو کوشش اس نے کی، اس میں تو وہ کامیاب نہ ہوا لیکن ان دونوں اقوام کی طرز تعمیر کو ترکیب دینے میں اسے پوری کامیابی حاصل ہوئی۔..... مغلوں کی اصلی حکومت تمام ملک پر دو ہی سو سال تک رہی اور اس زمانہ میں بھی دکن میں کئی اسلامی حکومتیں علیحدہ قائم رہیں۔..... مغلیہ حرم..... سلاطین مغلیہ کے دربار میں عورتوں کا بہت بڑا درجہ تھا ان بادشاہوں نے راجپوت شہزادیوں کے ساتھ شادیاں کر کے اس امر کی کوشش کی کہ دونوں اقوام آپس میں گھل مل جائیں اور انہوں نے نہ خود یہ طریقہ اختیار کیا بلکہ اپنے ارکان دولت کو بھی اس کی ترغیب دی۔ بادشاہی محل سراؤں میں عورتوں کی تعداد غیر محدود تھی کیونکہ یہ سلاطین اس خاص مسئلہ میں اور نیز بہت سے اور مسائل میں بھی شرع محمدی کے ہابند نہ تھے۔ مثال کے طور پر شاہ جہان کے حرم میں دو ہزار بیبیاں تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تعداد کو وہ کافی نہیں سمجھتے تھے اور وہ ہمیشہ اپنے امرا کی بیبیوں میں خوبصورت عورتوں کو جو یا (مٹلاشی) رکھتے تھے۔“ اورنگ زیب کے بعد مغلیہ خاندان کے زوال کے وقت جب

احمد شاہ ابدالی افغانستان میں برسر اقتدار ہوا تو وہ ۲ کر ان کو مرہٹوں کے جبر و ستم سے خلاصی دے کر پھر ان کو دوبارہ تخت دلی پر بٹھائے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۔

احمد شاہ ابدالی

بسم الله و الحمد لله

باب سوم

تاریخ کی ضرورت اور اہمیت پر ایک سرسری نظر:

تاریخ انسانوں کے آپس میں مل جل کر رہنے اور ایک مہذب معاشرہ تعمیر کرنے کی داستان کا نام ہے ۔

تاریخ ماضی کی جستجو اور مطالعے کا نام ہے ۔ تاریخ سے مطلب ماضی کے تمام انسانوں کے رہن سہن ۔ ان کے مشاغل ۔ اعتقادات اور رسم و رواج اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب وغیرہ سے سبق لیا جاتا ہے تاریخ ایک فرد واحد سے تعلق نہیں رکھتی ۔ بلکہ وہ پورے معاشرہ کی زندگی کی داستان دہرائی ہے ۔ اگر وہ کسی فرد واحد کے کارنامے بیان کرتی ہے تو صرف اس لئے کہ وہ شخص معاشرہ ہی کا ایک فرد ہے

قبیلہ ہوسفزئی نے چند نامور افراد و معسین قوم پیدا کئے ۔ جن کے تدبیر ۔ محنت اور بہادری کے سبب یہ قبیلہ مع اپنے متعلقین کے یہاں آباد ہوئے ۔ ان کو پھر مصیبت سے بچایا ۔ اپنے مفتوحہ علاقہ

احمد خان جو بعد میں احمد شاہ ابدالی سے مشہور ہوئے ، وہ زمان خان صدوزئی ، ابدالی ، قرین ، سڑا بنی ، حاکم ہرات کا بیٹا تھا ۔ زمان خان کے وفات پر اس کی چھوٹی بیوی جو حاملہ تھی ، اپنے بھائی جلال خان کے پاس ملتان آ گئی ۔ یہاں اس کی بطن سے ۱۷۲۲ع میں احمد شاہ ابدالی پیدا ہوا جو سات سال تک ملتان میں رہا اور بمقام قندھار ۱۷۴۷ع میں بادشاہ منتخب ہوا اور ۱۷۷۳ میں بقضائے النہی بمقام قندھار وفات پا کر وہیں دفن ہوا غفرلہ احمد شاہ ابدالی ایک بڑا عالم ، فاضل ، ادیب اور اچھا شاعر بھی تھا ۔ ان کا یہ شعر جو پشتو زبان میں ہے اس کے دیوان سے یہاں درج کرتا ہوں ۔

د دہلی تخت ہد پیسر و مد چمد را یساد کرم
زما د شکلی ہسون خستوا د غرو سروند

کو محفوظ اور آن کی آزادی برقرار رکھی - لہذا چاہئے کہ ہم اپنے ان محسنین اور پیشرویان کو فراموش نہ کریں ورنہ جو قوم محسن کش ہو جائے تو اسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں اور چاہے بھی تو مشیت الہی اسے زندہ نہیں رہنے دیتی -

تاریخ مرتب کرنا مؤرخ کا مخصوص کام ہو سکتا ہے لیکن تاریخ کے قالب میں جان ڈالنا اکیلے مؤرخ کے بس کی بات نہیں افغان قوم کو اپنی تاریخ سے لگاؤ نہ ہو تو وہ بے جان رہے گی اور انہیں اس سے لگاؤ ہو تو وہ ویران کھنڈروں کو بھر سے آباد کر دیں گے - اور تاریخ کی کتابوں میں رس پیدا ہو جائے گا - چاہے مؤرخ کی زبان خشک اور تھیل کمزور ہو -

تاریخ لکھنے سے زیادہ بڑا کام تاریخ کو بنانا ہے جو کوئی ایک شخص نہیں کر سکتا - صرف جماعت کر سکتی ہے - مؤرخ دراصل تاریخ کو اپنی جماعت کی آنکھ سے دیکھتا اور پرکھتا ہے جماعت کے ولولے ہی اس کی ہر قوت کو ابھارتے اور اس کے ہر جوہر کو چمکاتے ہیں - افغان قوم کی یہ داستان اس امید پر لکھی گئی ہے کہ اس کے پڑھنے والے اس کو اپنی تاریخ سمجھیں گے - اس میں جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان کو اپنی زندگی کے حالات جان کر ان پر غور کریں گے - اس میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اسے جانچیں گے - کچھ قبول کریں گے - کچھ رد کریں گے اور اس طرح وہ ایک عملی تاریخ مرتب کریں گے جو کسی کتاب میں بند نہیں ہوتی - زندگی کی طرح پھیلی ہوئی اور آزاد ہوتی ہے جس کی تصویر ہزار رنگوں کے ملنے سے بنتی ہے - اور جس کی داستان ہزار کیفیتوں کا ایک مجموعی نام ہے -

انسانوں کو حیوانات ہر جو امتیاز اور ترجیح حاصل ہے اس پر اہمیت کم لوگوں نے غور کیا ہے - یہ حقیقت رات دن ہمارے مشاہدے میں آتی ہے کہ حیوان کو انسان ہر جسمانی طاقت ، قوت برداشت اور دیگر کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اس کے باوجود انسان کو جو تمام اور ہمہ قسم کے حیوانات ہر فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انسان کی نظر اپنے گزرے ہوئے حالات اور سابقہ واقعات کی تاریخ ہر ہوتی ہے اور وہ اس کے تجزیہ اور علم سے کام لے کر اپنے مستقبل کو بنانے اور سنوارنے کی فکر کرتا ہے جب کہ حیوانات کو نہ اپنے گزرے ہوئے حالات اور واقعات کی خبر ہوتی ہے نہ آنے والے دن کی فکر انہیں ہریشان کرتی ہے اور نہ مستقبل کی تعمیر کا مسئلہ ان کے سامنے ہوتا ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسان کو حیوان ہر فضیلت اور امتیاز حاصل ہو جاتا ہے -

روشن خان

خان گجگو کے بعد کے حالات :

نہ شایہ نہ فقیری د چا مدام وی
نہ کچکول د گدائی نہ شایہ جام وی
د آسمان د گردشنو انقلاب دے
کہ روز شی کہ شہ کہہ ساخام وی

جیسا کہ ابتدائی میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ باب سوم کا تعلق یوسفزئی کے تواریخ حافظ رحمت خانی سے بعد کے دور سے ہے۔ اور مذکورہ تواریخ خان گجگو کے دور ہر اختتام پذیر ہوا ہے۔ چنانچہ پوری سعی و کوشش سے خان گجگو سے بعد اس قبیلہ کے حرکات و سکنات ہر مختصر سی روشنی ڈالی جائے گی تاکہ پڑھنے والے حضرات خصوصاً یوسفزئی اپنے آبا و اجداد کے حالات سے کماحقہ روشناس ہو سکیں۔

خان گجگو سے پہلے سربراہ ملک احمد اور ان کے دست راست اور شریک کار شیخ ملی کے تقسیم اراضی کے متعلق آپ تواریخ حافظ رحمت خانی میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ تاہم یہ امر قابل فراموشی نہیں۔ کہ یہ تقسیم یا ہندوبست جو ایک اہم اور مشکل ترین فریضہ تھا۔ شیخ ملی نے اس خوبی سے سر انجام دیا۔ کہ وہ افغان جو بات بات سے آپس میں الجھ جانے کے عادی تھے ان کے فیصلہ کو بغوشی قبول کرنے لگے۔ انہوں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ ایک علاقہ کسی ذیلی شاخ کے قبضہ میں مقررہ میعاد تک رہتا تھا۔ اور اس میعاد کے ختم ہونے پر قرعہ اندازی کے ذریعے وہ علاقہ کسی دوسرے ذیلی شاخ کے قبضہ میں آ جاتا تھا۔ اس طرح قبضے بدلتے رہتے تھے۔ اور ہر قبیلہ اپنے حصہ کے مخصوص علاقے ہر اطمینان سے

زندگی بسر کرتا تھا۔ بنیادی طور پر یہ سب علاقہ قوم کا مشترکہ اثاثہ ہوا کرتا تھا۔ اس کی وجہ وہ سیاسی تدبیر تھا۔ جس سے تمام قوم میں اتحاد برقرار رہتا تھا اور تمام علاقوں کا مفاد قوم کی ہر شاخ کے لئے یکساں ہوتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ باہر سے حملہ آوروں کا آجے دن خطرہ رہتا تھا۔ اور اس خطرے کے پیش نظر ایسی تقسیم لازمی تھی۔ اگر باہر سے کوئی حملہ آور ہوتا تو تمام قوم بیک آواز مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہوتی۔ علاوہ ازیں جہاں انہیں یہ خیال ہوا۔ کہ دو قبیلوں میں حد اراضی وجہ نزاع بن سکتی تھی۔ وہیں درمیان میں مسئلہ۔ پیدا اور میان کے نام زمین بطور بخشش جسے وہ سیری کہتے تھے وقف کر دی تاکہ ان کے احترام سے طرفین آپس میں الجھ نہ سکیں۔ اور دوسری جانب ان کا ذریعہ معاش بھی ہو اور یہ طریقہ تقسیم نہایت کامیاب رہا یہ طریقہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اختتام پذیر ہوا۔

خان گجگو نے تقریباً ۱۵۵۵ع میں وفات پائی تو یوسفزیوں نے مستفاد طور پر علی اصغر المعروف ملک مصری خان۔ غازی خان ملک کالو خان اور بہا کو خان کو یکے بعد دیگرے اپنا سربراہ منتخب کیا۔ جن کے حالات مختصر طور پر بیان کیے جاتے ہیں :-

ملک مصری خان ، غازی خان ، کالو خان ، بہا کو خان

علی اصغر المعروف ملک مصری خان بن محمد بابا بن جلال خان سالار زئی الیاس زئی پہلے سربراہ بنے۔ جسے اپنے دور میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں شیرشاہ افغان کے ہاتھ کا رکھا ہوا بنیاد آخری سانسوں میں تھا۔ اور ہمایوں دوبارہ تخت ہندوستان حاصل کر رہا تھا۔ یوسفزیوں کی تاریخ میں اس دور کو

اسن و چین کا دور کہا جاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ ملک مصری خان کو ایک بار پھر اپنی قوم کو نہایت ہمت جرات اور قابلیت سے منظم کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ ملکی ترقی کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ ہوئی۔ اور بلا کسی دیر و حجت کے یوسفزئی اپنے علاقہ سے نکل کر دریائے سندھ پار چھچھ اور ہزارہ میں آباد ہونے لگے۔ وسعت علاقہ کے ساتھ ساتھ اسے قبیلہ کے فلاح و بہبود کے اقدامات کا بھی خیال پیدا ہوا۔ اور قات آب کے پیش نظر انہوں نے جگہ جگہ ذخیرہ ہائے آب کا انتظام کیا۔ ہانی کے تالاب تعمیر کرائے۔ یوسفزیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا جسے وہ اپنی اصطلاح میں تپلہ کہتے تھے اور جو اب بگڑ کر تپہ بن چکا ہے۔ جسے تپہ ہائی زئی تپہ رانی زئی - تپہ سالار زئی تپہ رزڑ اور تپہ امان زئی وغیرہ۔ علاقہ یوسفزئی کی سرحد آس وقت دریائے کابل تک تھی۔ دوسری جانب غوریا خیل آباد تھے اپنی اس سرحد کے تحفظ کے لئے انہوں نے کئی فوجی چوکیاں قائم کیں راستوں سڑکوں کا منظم نظام بھی علاقہ یوسفزئی میں اسی دور میں ہوا۔

علی اصغر المعروف ملک مصری خان کے معتمدین اور مشیروں میں ملک ہندال بن علی خان شمو زئی خواجہ زئی ملک متہ خان بن شرف اباخیل اکو زئی ملا ابراہیم بن کتیو الیاس زئی سالار زئی ملک ترکھال بن شمع عمر خیل مندڑ اور ملک بامہ بن جوکا دولت زئی ملی زئی یہاں کئے جاتے ہیں۔

اخوند درویشہ اپنی تصنیف تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

”بعدہ علی اصغر را این مردم یوسف زئی بر خود بادشاہ گرفتہ۔

القصد در بیان سرداران این اولس پیچ کدام چنداں فتح و ظفر

ارابری علی اصغر نیافتہ۔“

ہمایوں کی وفات پر عنان سلطنت شہزادہ اکبر کے ہاتھ لگی۔ اور اس نے جلال الدین اکبر کے نام سے ہندوستان پر حکومت شروع کی۔ اسے بہترین ساتھی اور کارکن مل گئے۔ ہندوؤں کے ساتھ بھی اس کے تعلقات صرف خوش گوار ہی نہیں بلکہ ان میں شادیاں کرنے کی وجہ سے بہت ہی قریبی اور گہرے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کا ہر قدم ترقی کی جانب اٹھتا رہا۔ بابر۔ کامران اور ہمایوں کوئی ایک بھی یوسفزیوں پر اپنا اقتدار قائم نہ کرسکا تھا۔ اس لئے ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے شاہراہ ہند و کابل پر دست درازیاں شروع کیں۔ اکبر گزشتہ دور کے حالات سے واقف تھا۔ اور اس کی حکومت بھی مضبوط ہو چکی تھی۔ اسی دوران افغانوں میں ایک جدید تحریک روشنائی نے جنم لیا۔ جس نے تمام افغان قبائل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پہلے پہل اس تحریک کو کچانے کے لئے مقامی علما سے کام لیا گیا۔ مذہب کے نام پر اس کی مخالفت ہوئی۔ لیکن تحریک کو سخت دھکا لگنے کے باوجود اس کے پیدا کردہ جذبہ کو جو مغلوں کے خلاف تھا نہ مٹایا جا سکا۔ تو مغل لشکر نے یلغاریں شروع کر دیں۔ یوسفزیوں میں اختلافات پیدا کر دیئے گئے۔ مندڑ قبائل کی اکثریت نے تحریک روشنائی کی حمایت کی جب کہ بہت سے قبائل یوسف مخالفوں کی طرفداری میں نبرد آزما دکھائی دینے لگے۔ اس طرح یوسفزئی قبائل آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس وقت ملک مصری خان وفات پا چکا تھا۔*

دُغلو چھاؤ خد دے نہ پہ کور کبھی مدام جنگ

خیے اہلے مسوے خد دے نہ پہ خپو کبھی ہزار تنگ

* چونکہ تحریک روشنائی پر مفصل و مدلل بحث ”یوسفزئی افغان“

میں کی جا چکی ہے اس لئے طوالت کی خاطر میں نے اس پر مزید کچھ لکھنا ضروری نہیں سمجھا۔

یوسفزیوں میں ایسے سخلص اور ہادمت افراد کی کمی نہیں تھی۔ جو اس بادی جنگ و جدل کے باعث اپنی قوم کی تباہی دیکھ رہے تھے لیکن طرفین کی ہمہ گیر تحریکات کے سامنے بے بس تھے ان کیلئے سوائے اس کے کہ خاموشی سے موقع و محل کا انتظار کریں اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انہی افراد میں ملک کالو خان ولد علی خان (رستم) ولد مبارک جو یوسفزی کے قبیلے رزڑ کی ذہلی شاخ مانی زئی سے تعلق رکھتا تھا کا نام قابل ذکر ہے۔

جنگ ہارے میں جب تحریک روشنائی کی طاقت ٹوٹ گئی اور اس کے اس وقت کے قائدین بشمول ملا میرو میدان جنگ میں کام آئے اور مغل لشکر نے تمام علاقے کو خراب و برباد کیا تو ملک کالو خان نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یوسفزیوں کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش شروع کی چنانچہ جنگ مینی کے بعد یوسفزیوں کو منتشر اور برباد ہونے دیکھ کر اس نے اپنے رفقاء سے مشورہ کیا اور بشمول ایوب بابو - میرویس ایک جرگہ مرتب ہوا۔ جس نے علاقہ یوسفزی کا دورہ شروع کیا۔ اراکین جرگہ اور ملک کالو خان کی حیثیت چونکہ غیر جانبدارانہ تھی اس لئے قبائل مندڑ اور یوسف دونوں نے اس کی گفتگو کو بغور سنا۔ اور اپنی خداداد ذہنیت کی بدولت جلد ہی اس نے عوام کو اپنا گرویدہ بنا لیا دریں اثنا اکبر اعظم اپنے بھائی مرزا عبدالحمید جو کابل کا حکمران تھا سے کشمکش کے دوران یوسفزیوں کے اراکین جرگہ سے اس سردار ملک کالو خان کو نوشہرہ تھانہ سے اپنے ہمراہ آکر لے گیا اور اس کی کافی عزت و خاطر تواضع کی مگر وہ مطمئن نہ ہو سکا اور بھاگ نکلا۔ راستہ میں الٹک کے مقام پر پہچان کر اکبر کے ایک کاردار شمس الدین خانی نے گرفتار کر کے واپس آکر بھیج دیا اکبر نے دوبارہ حاضر ہونے پر بھی اسے عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا

لیکن وہ پھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو کر اپنے قبیلے میں جا پہنچا۔ ملک کالو خان کی عدم موجودگی میں یوسفزی قبائل نے متفقہ طور پر اپنا سربراہ غازی خان بن اللہ داد ملی زئی نوری زئی کو منتخب کیا جو نہایت مدبر اور بہادر جنگجو تھا۔ قسمت نے ساتھ نہ دیا اور جلد ہی اس نے اکبری فوج کے ساتھ معرکہ باجوڑ میں جام شہادت نوش کیا اخولدرویزہ اپنی تصنیف تذکرہ میں یوں رقم طراز ہے :-

ایں مردم (یوسفزی) غازی خانے ملی زئی را برخود ہادشاہ گرفتند امان عقیدہ پیر تاریک را برخود دور نکر دند۔ تا او شربت شہادت چشیدہ و از سرداران ابن آولس بیچ کدام از غازی خان در دیانت و صلاح و دین داری بہتر معلوم نہ شدہ۔ چہ عالم۔ عابد و عادل بودہ در امور دین و دنیا۔ بعد ازاں چون طبعیت پیر تاریکی اختیار کرد ہمگی آولس بقید زین خان افتادہ۔

غازی خان کی سربراہی کے دوران ملک کالو خان دوبارہ آکر سے واپس اپنے قبیلے میں پہنچ چکا تھا۔ اور وہ بھی جنگ باجوڑ وغیرہ میں غازی خان کے ہمراہ شریک تھا۔ چونکہ اکبر کے اسے آکر لے جانے سے قبل ہی وہ اپنی قوم کو اعتماد میں لے چکا تھا۔ اور قوم کو یکجا کرنے میں اس نے کافی تگ و دو اور محنت کی تھی۔ اس لئے غازی خان کی وفات پر قوم نے متفقہ طور پر جنگ کے دوران ہی ایک عام اجتماع میں اس کی دستار بندی کی۔ اور جب اسے قوم کی قیادت ملی۔ تو مغلوں کی مخالفت میں پیش پیش نظر آنے لگا۔ اس نے مغلوں کے خلاف قوم کے جذبات کو ابھارا تو وہ جنگ ہوئی جس میں خود مغلوں کے قول کے مطابق ہزاروں لشکر مارے گئے اور اکبر کے محرب وزیر راجہ ابراہیم کی لاش تک کا پتہ نہ چلا۔

ابراہیم کے ساتھ خواجہ عرب بخشی - ملا شیر اور کئی دیگر

قابل ذکر درباری بھی اس جنگ میں کام آئے۔ یہ جنگ ۵۹۹۴ء میں لڑی گئی لشکر کی بہتات اور محاذ جنگ کی طوالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس میں دربار مغلیہ کے مشہور ترین افراد شامل تھے۔ ایک حصہ چکدرہ سے دوسرا علاقہ سدوم سے اور تیسرا صوابی اور سلیم خان سے اقدام کر رہا تھا۔ مغل لشکر کی کمان زین خان کر رہا تھا جو کابل سے باجوڑ کی جانب سے حملہ آور ہوا تھا۔ ابتدا میں اس نے بڑی ہمت دکھائی۔ لیکن یوسفزی اس بے جگری سے لڑے کہ زین خان نے شاہ سے جس کا شاہی کیمپ اٹک کے مقام پر تھا مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ شاہ نے بیربل اور حکیم ابو الفتح کی قیادت میں تازہ دم لشکر روانہ کیا یوسفزیوں نے اس شدت سے تمام محاذوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ شاہی لشکر سراسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا۔ یوسفزیوں نے تعاقب کیا۔ بیربل پہاڑوں میں جا گھسا وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ شاہی لشکر کو تھس تھس کر ڈالا۔ اور بقول مؤرخ ملا ہدایونی (جو اکبر کا کاتب تھا) شاہی لشکر کے آٹھ ہزار یا اس سے زیادہ افراد قتل ہوئے جن میں بیربل بھی شامل تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ مغل فوج کی تعداد جو اس جنگ میں کام آئے ہاون ہزار تھی۔

اس جنگ کا حال مغل اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں

چنانچہ مائثر المراء جلد دوئم میں تحریر ہے کہ

تیسویں سال جلوس اکبری ۵۹۹۴ء میں زین خان کو کہ یوسفزی قبیلے کی تنبیہ کے لئے مقرر ہوا۔ جو باجوڑ اور سوات کے علاقے میں آباد ہے بادشاہ نے راجہ بیربل کو بھی مع لشکر کے بھیج دیا اس کی اسداد کے لئے حکیم ابو الفتح کو بھی ایک فوج کے ساتھ روانہ کر دیا۔ افغانوں نے حملہ کر کے سرکاری فوج کو

تباہ و برباد کیا۔

آگے یوسفزیوں کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ :

جس سال کہ اکبر بادشاہ مرزا حکیم کی تنبیہ کے لئے اس نواح میں پہنچا۔ تو پہلے ہی اس قبیلے یوسفزی کے بڑے سردار بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے کالو پر بادشاہ کی نظر عنایت ہوئی۔ لیکن وہ دارالخلافہ آگرہ سے فرار ہو گیا۔ خواجہ شمس الدین خوانی نے اٹک کے نواح میں اس کو گرفتار کر لیا۔ اور بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ سزا ملنے کی بجائے اس پر نوازش ہوئی۔ لیکن وہ فرار ہو کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ اور سرکشی شرالگریزی میں دوسرے زمینداروں (سرداروں) کا راہنما ہو گیا۔ زین خان کو کہ مغل پہلے ولایت باجوڑ میں پہنچا۔ کہ جس کے جنوب پشاور اور مغرب میں کابل کے ہر گھات ہیں اس قبیلے یوسفزی کے تیس ہزار گھر وہاں آباد ہیں۔ اس نے ان کے بہت سے آدمیوں کو سزائیں دیں۔ غازی خان اور مرزا علی اور اس قوم کے دوسرے سردار ہناہ طلبی کے بعد زین خان کو کہ مغل سے ملے۔ سخت لڑائیوں کے بعد دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس نے چکدرہ میں کہ جو اس ولایت کے درمیان واقع ہے ایک قلعہ بنوایا۔ دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے تئیس مرتبہ فتح پائی۔ سات سنگر توڑے قراقر کی پہاڑی اور ولایت بنیر کے علاوہ تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ پہاڑوں میں پھرنے سے فوج پریشان ہو گئی تھی۔ اس لئے زین خان کو کہ نے مدد کی درخواست کی۔ اکبر بادشاہ نے راجہ بیربل اور حکیم ابو الفتح کو ایک دوسرے کے پیچھے تعینات کیا۔ مشورہ کے وقت کو کہ نے کہا کہ سرکشوں کی

تنبیہ کے لئے تازہ دم لشکر روانہ کیا جائے۔ میں ولایت کے درمیانی علاقے کی نگرانی کرتا ہوں۔ یا تم چکدرہ میں رہنا اختیار کرو اور میں پہاڑوں میں رہنے والوں کو سزا دیتا ہوں۔ راجہ بیربل اور حکیم ابوالفتح نے جواب دیا کہ ملک کو لوٹنے کا حکم ہے حفاظت کرنے کا حکم نہیں ہے۔ سب متفق ہو کر ان کو سزا دیں۔ اور پھر بادشاہ کے حضور میں چلیں۔ مختصر یہ کہ کوکہ چکدرہ میں رہ گیا۔ اور راجہ بیربل اور حکیم دونوں قراقر کے اسی راستے سے جو نشیب و فراز سے پُر تھا۔ چلے گئے۔ اور کوکہ بھی ہادل ناخواستہ چکدرہ سے روانہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہوا۔ اس کے بعد ہر تنگ درے میں جنگ ہوئی اور مغل لشکر کا سامان لوٹ لیا جاتا تھا۔ جب وہ ملندری کی پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ تو زین خان کوکہ فوج کے آخری حصے کا سردار ہو گیا۔ افغان دہاتے ہوئے چلے آ رہے تھے مجبوراً جنگ کرنی پڑی تھی۔ افغانوں نے ہر طرف سے تیر اور پتھر برساکر مقابلہ کیا۔ مغل فوج پریشان ہو کر پہاڑ کی بلندی سے نیچے اتر آئے اس افواغری میں ہاتھی گھوڑے ایک دوسرے سے مل گئے اور گر پڑے۔ اور بہت سے لوگ ضائع ہو گئے۔ کوکہ نے چاہا کہ وہ جان نثاری کرے۔ جانش بہادر نے اس کے قریب پہنچ کر اس کو واپس کر لیا کچھ دور راستہ بھول کر ہیدل چلا۔ اور پھر منزل پر پہنچا۔ جب یہ شہرت سنی کہ افغان بچھڑے سے آ رہے ہیں، تو بہت ہریشان ہو کر بیوقت چل پڑا۔ سرکاری فوج اندھیرے کی وجہ سے راستہ چھوڑ کر دروں میں گر پڑے۔ اگرچہ افغان مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے ٹھہر گئے تھے۔ دوسرے روز وہ لوگ جو راستہ بھول

گئے تھے۔ ہلاک اور ختم کر دیئے گئے۔ راجہ بیربل بہت سے آدمیوں کے ساتھ جن میں سے پانچ سو آدمی بادشاہ کے روشناس تھے اس بے راہ روی میں مارا گیا۔

اس بارے میں ایک اور مؤرخ اپنی تصنیف مفتاح التواریخ میں لکھتے ہیں۔ مصاحب دانشور راجہ بیربل درایا میکہ محمد اکبر بادشاہ در (صوبہ) کابل بود۔ بیربل را ازاں جا ہمراہ زین خان کوکہ کہ بجانب سواد باجوڑ کہ بنگاہ یوسفزی است فرستادہ بود و مدتی باایشان جنگ و جدل داشت تا آنکہ سنہ نہ صد و نود و چہار ہجری (۵۹۹۴) با بسیاری از مردمان کار آمد۔ ازیں سانحہ قادیان روز بادشاہ پیچ طعام نخوردند و ملا شیری نیز ہمدربن معرکہ مقتول شد۔

کہتے ہیں کہ اکبر بیربل کی موت سے اس قدر رنجیدہ ہوا۔ کہ دو دن تک زین خان اور حکیم ابوالفتح کو باریاب تک نہ کیا۔ یہ حالات یونیر محاذ کے تھے اب محاذ خدوخیل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ علاقہ خدوخیل جہاں ایک دوسرے کے قریب تین پہاڑی درے ہیں۔ ہنجتار سے دو میل کے فاصلہ پر کالو خان کے نام کی نسبت سے کالودرہ ہے۔ جہاں یوسفزیوں نے اپنا کیمپ نسب کیا اس کے مقابل نوگرام کے قریب مغلوں نے اپنا لشکر جمع کیا۔ جو آن کے نام کی نسبت سے مغل درہ پکارا جانے لگا۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا درہ ہے۔ جہاں مغلوں اور یوسفزیوں میں جنگ ہوئی وہ جنگدرہ پکارا گیا، یہاں ہر یوسفزیوں نے وہ جوہر دکھائے کہ مغل لشکر کے لئے راہ قرار ہی باقی نہ رہی۔ اور وہ ارد گرد کے علاقہ میں بھاگ کر نوگرام اور نارنجی وغیرہ کی پہاڑیوں میں جا پناہ ہوئے۔ اس ہرادی کی تاریخ ۲۶ فروری ۱۵۸۶ء بیان کی جاتی ہے۔ شاہی کیمپ اٹک سے مزید

لشکر راجہ ٹوڈر مل اور راجہ مان سنگھ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ اور ہدایت یہ تھی۔ کہ یوسفزیوں کے اقدام کو روکا جائے۔ لیکن جب ان کی ہوزیشن جنگی نقطہ نظر سے محفوظ نظر آئی تو مان سنگھ کو کابل جانے کی ہدایت ہوئی تاکہ وہ وہاں افغانوں اور روشنائیوں کا قتل عام کرے۔ اور وقت ضرورت اکبر کے لئے امداد و اعانت کا بندوبست بھی بھی کرے۔ دوسرا اقدام اکبر نے یہ کیا کہ یوسفزیوں کا داخلہ زیربن علاقہ میں بند کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ضروریات زندگی سے تنگ آ کر یوسفزی اطاعت قبول کر لیں گے۔ لیکن اس کا نتیجہ اس کے خیال کے برعکس نکلا۔ یوسفزی اپنی ضروریات زندگی بزور ہاڑو حاصل کرنے لگے۔ ان کی ناکہ بندی کو مؤثر بنانے کے لئے اکبر نے موضع ہنڈ میں فوجی چوکی قائم کی۔ مذکورہ ہنگامہ آرائی کے بعد بھی ۱۵۸۷ء سے ۱۵۹۲ء کے دوران یوسفزیوں کے خلاف مسلسل لشکر کشی جاری رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

اکبر اعظم کی وفات پر عنان حکومت شہزادہ سلیم نے محمد نور الدین جہانگیر کے نام سے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء تک حکمران رہا اس کی حکومت کے دوران حالات جوں کے توں رہے۔ اس کے ابتدائی دور میں ملک کالو خان نے وفات پائی تو یوسفزیوں کا اقتدار بہا کو خان کے ہاتھ آیا۔

جہانگیر کی وفات پر اس کے لڑکے شاہجہان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی اس کے عہد میں مقابلتاً امن رہا۔ اور یوسفزیوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کامیاب کوشش و سعی ہوئی۔ حکومت نے یوسفزی کے ذیلی قبیلہ خدوخیل کے مشہور بہادر سردار بہا کو خان کو یوسفزی کے علاقہ کی دھڑت وصول کرنے کا اختیار تسلیم کر لیا تھا۔ مقامی روایات ان تعلقات کو یہاں تک خوش گوار ظاہر کرتی ہیں کہ

ایک موقع پر بمقام گڑھی امان لڑی (ہاڑو ڈھری) یوسفزیوں نے شاہ جہان کی دستار بندی کرتے ہوئے اسے اعزازی طور پر اپنی اپنے قبیلہ میں شامل کر لیا تھا کہا جاتا ہے کہ بہا کو خان نے جب حکومت کے اعزاز کو قبول کیا۔ تو شاہ جہان نے فرمان تقرر کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم گھوڑا جس کے زین پر سونے کی گلاکاری کی گئی تھی۔ بطور تحفہ ارسال کیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر خیال کیا جاتا ہے کہ عہد شاہ جہان میں بڑی حد تک مغلوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے۔

بہا کو خان نے اپنی زندگی کی ابتدا عہد جہانگیر میں کی تھی۔ اس کے عہد شباب میں علاقہ ڈوما (جو اس وقت حسن لڑی اکاڑی مداخلیل معوزی اور چغری اور پورن کا موجودہ پہاڑی علاقہ ہے) پر تاتاری النسل قوم ڈوما حکمران تھی۔ جو اس قدر طاقتور تھی۔ کہ جب یوسفزی سردان سوات اور ارد گرد کے علاقوں پر قبضہ کر رہے تھے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہا کو خان نے اخوند سالاک کے اشتراک سے حکومت ڈوما کے خلاف لشکر کشی کی۔ اور بالآخر وہ علاقہ ان سے خالی کرا لیا۔ اخوند سالاک ایک بزرگ تھا۔ جس نے مذہب کے نام پر اپنے معتقدین کی ایک جمعیت پیدا کر لی تھی۔ اور جذبہ جہاد سے سرشار قبائل جوق در جوق اس کی جمعیت میں شامل ہونا شروع ہوئے حتیٰ کہ ایک پورا لشکر دکھائی دینے لگا۔ تاریخ مریض کے مطابق اخوند سالاک اصل میں طوغہ کے تھے۔ طوغہ افغان اصل میں ترین ہیں۔ ان کے والد ماجد علاقہ خشک میں مقیم تھے۔ اور وہیں ان کی زیارت ہے۔ اخوند سالاک اکثر ان کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ حادثات کے سبب اخوند سالاک علاقہ یوسفزی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا۔

شب و روز بھی شغل رہتا تھا - بہت سے ملک اور قلعے ان کی ہرکت سے کفار سے خالی ہو گئے - تواریخ مرصع نے آگے چل کر لکھا ہے کہ :
شاہ جہان نے اخوند سالاک کے نام ایک پیغام بھیجا - جس میں یہ آیت تحریر تھی -

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولو الامر منکم
مطلب یہ تھا - کہ یہ لوگ باغی ہیں - اس میں آپ قیام نہ کریں بلکہ شاہی علاقہ میں آکر بسیں - غرض یہ تھی - کہ وہ علاقہ یوسفزیوں کا تھا - اور یوسفزی چونکہ بہادر قوم ہے - کہیں انہیں اپنا بادشاہ نہ بنا لیں - اخوند سالاک نے جواب میں لکھا - کہ یہ لوگ اگرچہ آپ سے باغی ہیں مگر خدا سے باغی نہیں ہیں - میں اور یہ روز و شب کفار کے مقابلہ اور غزا میں مصروف رہتے ہیں - آپ بادشاہ ہیں - اگر امداد دے سکو تو فوجیہا ورنہ مجھے کیوں دور لے جاتے ہیں -

الغرض بہا کو خان نے علاقہ ڈوما حاصل کرنے کے بعد یوسفزیوں میں اپنے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق تقسیم کر لیا - اس کے بعد آس نے عہد شاہ جہان میں دربار دہلی کو اپنی طرف متوجہ کیا - ہدیہ وجہ خوشحال خان خٹک سے جو اس وقت دربار مغلیہ سے منسلک تھا - کشمکش میں اضافہ ہوا -

بہا کو خان کے شاہ جہان کے لڑکے دارا شکوہ سے قریبی تعلقات تھے خوشحال خان سمجھ گیا کہ اگر بہا کو خان کو دربار میں قربت حاصل ہوئی - تو ہو سکتا ہے کہ یوسفزیوں کے جس علاقہ پر وہ اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے اس میں کمی آجائے چنانچہ اس نے شاہ جہان کو یوسفزیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا - اسی دوران جب حبیب خان جو بہا کو خان کا رفیق کار تھا ، نے شورش پھدا کی تو خوشحال خان نے



زبدہ الاشباہ والاعیان قدوہ الامثال والاقران بہا کو یوسفزی بنیت شاہی مخروم باہمی بودہ - باندہ کہ عرضہ داشتی کہ دینو لاجناب عالمیان آب اسبال داشتہ بود از نظر کمیائز گشت و مضمون آن بعضی الارسید آید در باب خرجی التماس نموده بود حکم می شود کہ زریسیار است تا دین وقت ازینجا رسیدن نہ با و متغذ راست باید کہ خاطر بہمہ ابواب جمع داشتہ جمیعت شائستہ بان خود گرفتہ روانہ حضور پر نور شود کہ بعد از دریافت سعادت ملازمت کیسیا خاصیت بہ قدر کہ خواہد خواست یو مرتبہ خواہیم فرستاد زود خود را با جمیعت شائستہ بحضور برساند از رفعت عنایت خلعت فاخرہ با و مرحمت فرمودہ ایم بوطول آن مخروم باہمی خواہد شد

تحریر آئی ۲۲ ذی قعدہ ۱۰۹۵ھ

شاہ جہان کا فرمان بہا کو خان کے نام

کابل پہنچ کر شاہ جہان کو اس طرف متوجہ کیا - اور شاہ کو اس پر بھی آمادہ کیا کہ وہ اسے یوسفزیوں کے علاقہ پر اقتدار بخش دے - شاہ نے اسے یوسفزیوں کے علاقہ کے نظم و نسق سنبھالنے کے فرائض تفویض کر دیئے اور اس نے واپس آ کر تگ و دو شروع کی - مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی - اور جب شاہ جہان افغانستان سے واپس لوٹا - اور حقیقت حال دریافت کی تو خوشحال خان نے بتایا کہ یوسفزی بہت منظم ہیں - اور ان کی طاقت بھی بہت زیادہ ہے - ان کو قابو کرنے کے لئے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہے - ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ بہا کو - حبیب - کاجو - ظریف - حمید اور کچھ ، جو سرداران یوسفزی ہیں ، کی سرکوبی کے لئے آسے شاہی لشکر کی امداد ضروری ہے - شاہ نے وعدہ کیا مگر بعد میں دارہ شکوہ نے مخالفت کرتے ہوئے کوئی عسکری امداد نہ دی -

شاہ جہان کے بعد اورنگ زیب اور دارہ شکوہ میں حصول تخت کے لئے رسد کشی ہوئی تو خوشحال خان نے اورنگ زیب اور بہا کو خان نے دارہ شکوہ کی حمایت کی - اور جب ہتہ چلا کہ دارہ شکوہ اٹک پہنچ رہا تھا - تو بہا کو خان جسے اس وقت علاقہ چھچھ اور اٹک پر اقتدار حاصل تھا ، نے اٹک کے مقام پر تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیا - خوشحال خان اپنے خٹک اور شاہی لشکر مع اپنے چچا فیروز خان کے ، مقابلہ پر آیا شدید جنگ ہوئی - بہا کو خان زخمی ہوا اور اس کا بھائی سید خان مارا گیا - اورنگ زیب کو کامیابی ہوئی - اور وہ سربراہی سلطنت ہوا -

اس دوران بہا کو خان علاقہ چھچھ میں مقیم رہا اور کچھ عرصہ کے لئے چھٹ چھاڑ نہ ہوئی تاہم فریقین تیاریوں میں مصروف رہے - کچھ عرصہ بعد اورنگ زیب نے لشکر کشی کا فیصلہ کیا - اٹک پر

سے بھی لشکر کشی ہوئی کابل سے بھی امداد پہنچی - مرکز سے بھی فوجی امداد ماننے کا پوری طرح بندوبست کیا گیا - ادھر یوسفزی بھی کیل کانٹے سے لیس مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے شاہی لشکر نے ان کی تعداد کے پیش نظر اقدام کرنے کی ہمت نہ کی - اور دریائے پرو جو لارنس پور علاقہ چھچھ کے قریب ہے ، پر مزید کمک پہنچنے کا انتظار کرنے لگا - اس انتظار میں پورے دو ماہ گزر گئے - آخر کار ہندوستان سے شاہی لشکر کو امداد پہنچی تو جنگ کا آغاز ہوا اور موضع ہارون ، حضرو اور علاقہ چھچھ کے مقامات پر سخت فیصلہ کن جنگ لڑی گئی - جنگ نے طول پکڑا - کافی مغل لشکری مارے گئے اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے -

گزٹیر راولپنڈی ضلع ۱۸۶۵ء میں کرنل کریک-رافٹ کمشنر و مسہتم بندوبست یوں رقمطراز ہے :-

حضرو چھچھ کے میدانی علاقہ کے زیادہ آبادی والے حصہ میں ایک بڑا شہر ہے یہ پٹھانوں نے آباد کیا - اور قبیلہ یوسفزی کا صدر مقام رہا ہے یہاں ایک بہت ہولناک جنگ ہوئی تھی - ہندوستان سے ایک بڑا لشکر ان پر حملہ آور ہوا - مگر بری طرح شکست کھا کر تقریباً دو ہزار لاشیں چھوڑ کر واپس چلا گیا - بہا کو خان نے بھی مصباحاً اپنے لشکر کو دریائے مندرہ کے پار مقام توڑڈھیر - جالشی - لاہور اور پٹنڈ وغیرہ لاکر ڈیرے جمائے کچھ عرصہ طرفین کا پھر تیاریوں میں مصروف گذرا اور آخر کار مغل لشکر نے شمشیر خان کی قیادت میں بڑی شدت سے حملہ کیا - بہا کو خان نے موضع پٹنڈ سے ہٹ کر پنج پیر - شاہ منصور اور مرغز کے ملحقہ آبادیوں پر سوجہ بند بان مضبوط کیں اس دوران شدید جنگ لڑی جاتی رہی - فصل تباہ اور آبادیاں برباد ہوئی رہیں لیکن طرفین کے ارادوں میں کوئی

فرق نہ آیا مزید تازہ دم لشکر لے کر سوات اور باجوڑ سے اکوڑی ترکانی اور اتمان خیل آئے اور تیراہ سے کچھ آفریدی اور مہمند بھی اس جنگ میں کود پڑے اول تو شاہی لشکر کے ہاؤں اکھڑنے لگے لیکن جلد ہی اس نے سنبھل کر حملہ کیا تو یوسفزئی شاہ منصور کے قریب مورچوں کو خالی چھوڑنے پر مجبور ہوئے جن پر شاہی لشکر نے قبضہ کر لیا مگر جنگ جاری رہی۔

ادھر جنگ ہو رہی تھی ادھر ابی دربار سے سیاسی چالیں جاری تھیں۔ جنگ کے ساتھ ساتھ یوسفزئی قبائل میں صلح کے نام سے نفاق پیدا کرنے اور انعام و اکرام کا لالچ بھی کام کر رہا تھا۔ اس دوران محمد امین گورنر کابل تازہ دم لشکر لے کر نمودار ہوا۔ اس نے اپنی چال بازیوں سے یوسفزیوں کی طاقت کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ انعام و اکرام۔ امن اور صلح کے لالچ میں یوسفزئی کے ایک ذیلی قبیلہ کو جنگ سے جدا کھڑا کر دینے میں کامیاب رہا۔ معلوم رہے کہ اس سے قبل اس نے لشکر کے ایک حصے کو یوسفزیوں کو خوف زدہ کرنے کی خاطر شہباز گڑھ کی طرف روانہ کر دیا تھا اور دوسرے حصے کو باجوڑ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ شہباز گڑھ کو برباد کر دیا گیا یہاں تک کہ مغل لشکری وہاں کے تمام مویشیوں کو بھی اپنے ساتھ ہالک کر لے گئے۔ باجوڑ کی طرف اقدام کرنے والے لشکر کی قیادت محمد امین خود کر رہا تھا اس نے سوات میں داخل ہو کر کئی مقامات کو برباد کر ڈالا۔ اور یوسفزیوں کے مقابلے کی تاب نہ لانے ہوئے گھبرا کر واپس پٹنڈ کے کیمپ میں آ گیا۔ یہاں پہنچ کر مغل سرداروں نے یوسفزیوں کے ساتھ صلح کرنے کا آہس میں مشورہ کیا۔ اس لیے کہ اس جنگ کو ساڑھے چھ ماہ گزر چکے تھے اور انہیں سوائے بربادی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اکبر کے دور کی وہ بربادی بھی ان کے پیش

نظر تھی۔ جو زین خان اور بیربل کو پیش آ چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یوسفزیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ مغل نقصان عظیم اٹھا کر دریا غم سندھ اور دریا غم کابل عبور کر کے واپس چلے گئے۔ اور اس طرح مغل حکمرانوں کا یہ مقصد کہ جنگ طول پکڑنے سے انہیں شکست کا خطرہ لاحق تھا ٹل گیا۔ محمد امین کو دربار شاہی میں حاضر ہونے کا پیغام ملا۔ اور کابل واپس جاتے ہوئے ایمل خان مہمند نے غریب خانہ کے قریب شاہی لشکر کو بری طرح تہ تیغ کر ڈالا اور محمد امین بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

اورنگزیب یکے بعد دیگرے کابل کے گورنروں کو تبدیل کرتا رہا اور شجاعت خان کی قیادت میں لشکر روانہ کیا۔ تو اس کو بھی افغان قبائل نے تتر بتر کر دیا۔ ان حالات کے پیش نظر اورنگزیب خود دہلی سے چل کر حسن ابدال میں آ کر مقیم ہوا۔ اور لشکر کو اپنی نگرانی میں لے کر مختلف اطراف میں اقدامات کرنے کے احکام جاری کرنا رہا جون ۱۶۷۵ء میں مکرم خان لشکر کشیدارے باجوڑ کے علاقے تک جا پہنچا یوسفزیوں سے جھڑپ ہوئی۔ جس میں کافی تعداد میں شاہی لشکر کے افراد مارے گئے۔ مکرم خان کا بھائی شمشیر اور اس کے بھائی میر عزیز اللہ بھی اس جنگ میں کام آئے البتہ مکرم خان جان بچا کر بھاگ نکلا۔

اورنگ زیب کی سیاسی جوڑ توڑ کام کر گئی۔ اور سرداران قبائل کو شاہی حمایت پر رضامند کر لیا گیا۔ انعام و اکرام کی بارش ہوئی۔ کتنوں کو جاگیریں ملیں۔ اور کتنوں کو مغل لشکر میں عزت و احترام کے عہدے ملے۔ ہما کو خان جو اس وقت وفات پا چکا تھا۔ اس کے لڑکے زین خان کو مغل دربار میں اظہار وفاداری کرتے دکھا گیا۔

بہا کو خان کے والد کا نام ماموں خان تھا۔ وہ صرف یوسفزی ہی نہیں بلکہ تمام شیخی (خشی) قبائل کا قائد تھا۔ اس کے اقتدار میں تقریباً وہ سارا علاقہ جو خان گجو کے دوران زیر اثر تھا یعنی باجوڑ اور سوات سے لے کر دواہہ اشغر اور چھوڑ ہزارہ تک کا علاقہ شامل تھا۔ اراکین مملکت میں ظریف۔ حمید۔ کچے۔ کاجو اور حبیب اس کے مشیران اور کماندار تھے۔

حمید محمود شاہ ولد مقام شاہ علاقہ گدون موضع کندف نے اپنی قلمی تصنیف بغاوت الانساب جس کی نقل پشتو اکیڈمی پشاور میں موجود ہے لکھتا ہے:-

یوسفزی کے ملک میں ایک راجہ پیدا ہوا جس کا نام ہاکو تھا اور باجوڑ سے ریائے سندھ تک اس کے فوجی قلعے تھے۔ جن میں باقاعدہ فوج اور چوکیدار رہا کرتے تھے۔ اور اپنے تمام مقبوضہ ممالک سے باقاعدہ مالیہ اور حقوق حکمرانی وصول کرتا تھا۔ علاقہ گدون کے لوگوں نے جب مالیہ کی ادائیگی سے انکار کیا۔ تو ہاکو نے اس علاقے پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ میں بے شمار گدون قتل ہوئے۔ اور آخر ان لوگوں نے اس کا رعیت تسلیم کر لیا۔“

بہا کو خان کے بعد رفتہ رفتہ انفرادی قہادت کا مرض پیدا ہوا۔ ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا تعمیر کرنے کی فکری۔ وہ لوگ جنہوں نے تاناریوں کو ڈوسا کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا۔ اور مغل دربار سے بھی باعزت طریقہ سے نبر آزما رہے تھے اب اس انفرادیت کی وجہ سے متحد نہ رہ سکے تو دشمن کے ہاتھوں روند ڈالے گئے۔ اور قبیلہ کا وقار بھی اس انفرادیت پر قربان ہو گیا۔

بہا کو خان کے بھائی حمید خان کے خوشحال خان خٹک کے چچا

فیروز خان کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد خوشحال خان اور نگزیب کا منظور نظر بن گیا تھا جس کی وجہ سے اسے یوسفزیوں سے بدلہ لینے کا زرین موقع ہاتھ آگیا چنانچہ ۱۶۰۲ ع میں خوشحال خان اور یوسفزیوں میں شدید جنگ ہوئی۔ یوسفزی کاسباب رہے اور انہوں نے اپنے علاقے سے تری خٹکوں کو نکال باہر کیا۔ دوسرے سال خوشحال خان نے پھر یوسفزیوں پر اچانک حملہ کر دیا اور یہ جھڑپیں مسلسل جاری رہیں۔ اس دوران خوشحال خان کا دربار شاہی میں اثر و رسوخ دیکھتے ہوئے کئی اراکین دربار اور اس کے اپنے متعلقین آتش رقابت سے بہرہ ور ہوئے جن میں اس کے دو چچوں بہادر خان اور فیروز خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ سازشیں ہونے لگیں اور نگزیب کے دل میں شکوک پیدا کیے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خوشحال خان کو ۱۶۴۸ ع میں گرفتار کر کے ہندوستان لیے جایا گیا اور ایک عرصہ تک وہاں قید و بند میں رہا۔ قید کے دوران اسے یہ خطرہ لاحق ہوا۔ کہ حکومت اس کے بال بچوں کو بھی گرفتار کرنا چاہتی ہے چنانچہ اس نے بادل ناخواستہ یوسفزیوں سے امداد طلب کی۔ یوسفزی جرگہ نے تمام گزشتہ واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے خاندان بلکہ تقریباً یکصد دیگر متعلقہ خاندانوں کو بھی اکوڑہ سے لاکر اپنے علاقہ میں پناہ دی اور انہیں سیکری کے مقام میں محفوظ کر لیا۔ جو مردان کی جانب شمال کاٹلنگ اور جمال گڑھی کے درمیان واقع ہے۔ موجودہ وقت میں یہ مقام شیکری بابا کے نام سے مشہور ہے۔

جب یوسفزیوں کی ہنگامہ آرائی نے شدت اختیار کی۔ تو ۱۶۶۸ ع میں سہاب خان کو گورنر بنا کر بھیجا گیا اس وقت بہا کو خان وفات پا چکا تھا سہاب خان کے کہنے پر خوشحال خان کو بھی وطن جانے کی اجازت ملی۔ جس پر اس کے تعلقات حکومت کے ساتھ پھر خوشگوار ہو

گئے اور نگزیب نے لنگر کوٹ (گڑھی سازئی) میں ایک قلعہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ یوسفزیوں کی دست درازیوں کو روکا جا سکے۔ خوشحال خان نے مخالفت کی تاہم قلعہ ۱۶۶۹ع میں تعمیر ہو گیا۔ خوشحال خان نے قلعہ کی تعمیر کی مخالفت کرتے ہوئے سہایت خان کو لکھا :-

چند کھگل بے نمائی بے بقا دیوار را
گرتو لنگر کوٹ خواہی قلعہ کن دسفا را

اور یوسفزیوں کے سہمات کے حق میں اس نے یہ مشورہ بھی دیا
مہم دے یوسف زو دے در قہ وا یمہ شکارہ
دے خرہ خسی کول دی لاس گندہ کریوان پارہ

اس قلعہ کے تعمیر کی مخالفت کی ایک وجہ یہ تھی کہ یوسفزیوں نے اس کے خاندان اور بچوں کو پناہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ ان کا زیر بار احسان تھا دوئم وجہ یہ تھی کہ وہ یوسفزیوں کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ ان کی فطرت۔ عزم اور بہادری سے پوری طرح آشنا تھا اور اسے ڈر تھا۔ کہ اس قلعہ کی تعمیر سے لامحالہ یوسفزیوں سے حالات بگڑیں گے۔ اور وہ کبھی بھی یہ نہ برداشت کرتے ہوئے بلغار کرنے پر کمر بستہ ہوں گے جب مغل حکومت نے اس کے مشورہ سے اتفاق نہ کرتے ہوئے قلعہ تعمیر کر لیا تو وہ بیماری کا بہانہ بنا کر وہاں سے چلا گیا۔

خوشحال خان کے اشعار کی پیشنگوی صحیح ثابت ہوئی اور جہوں خان اسان زئی جس نے اخوند سالاک اور بہا کو خان کی معیت میں قوم ڈوما سے نبرد آزما ہوا تھا اس کے لڑکے مصری خان جس نے کمال ہمت سے اپنے قبیلہ کی قیادت کی تھی اور خٹکوں سے کشمکش کے دوران بھی وہ قبیلہ اسان زئی کی پوری طرح حفاظت کرتا رہا۔ اور

خوشحال خان کے خاندان والوں کو بحفاظت نکال کر اپنے پاں پناہ دینے میں بھی شامل تھا۔ اسے مغلوں کے صوبیدار اللہ داد جو لنگر کوٹ قلعہ میں مقیم تھا مغلوں کے لئے ایک مستقل خطرہ ظاہر کیا۔ اور سازش کرتے ہوئے تربوز میں زہر دے کر مروا ڈالا۔

مصری خان کے لڑکے صاحب خان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے دیر سوات اور بونیہ پہنچ کر وہاں کے جرگہ سے امداد طلب کی اور لشکر لئے قلعہ لنگر کوٹ کر مسمار کر دیا۔ صرف مسجد چھوڑی جو اب بھی موجود ہے۔ یہ لشکر آگے بڑھا اور اورنگ زیب کے دوسرے لشکری اور حامی گروہوں کو غلہ ڈھیر کے مقام پر شکست دے کر تباہ و برباد کر ڈالا لنگر کوٹ کے اس معرکہ میں مغل لشکری اور نائبان حکومت سب مارے گئے اور اس طرح مغل اقتدار سے علاقہ یوسفزی خالی ہو گیا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل حکومت کمزور ہو گئی اس کے جانشین حصول اقتدار کے لئے آپس میں دست بگریبان ہونے لگے۔ جہاں کسی گورنر کو موقع ملا۔ اس نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ اور جہاں جسے طاقت ملی اس نے اپنی جدا حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ ادھر مرہٹے بھی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ دریں اثنا محمد شاہ کے عہد حکومت میں ناصر خان ناسی ایک شخص ۱۷۱۹ع میں پشاور کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسے اپنی حکومت کی کمزوری کا پوری طرح علم تھا۔ اس لئے اس نے عقل و تدبیر سے کام لیتے ہوئے افغانوں سے ایسا سلوک کیا کہ جلد ہی وہ ان میں ہر دلعزیز دکھائی دینے لگا۔

افغانستان میں ان دنوں نادر شاہ کی حکومت تھی۔ ناصر خان کو نادر شاہ کے عزائم کا پتہ چل گیا تھا اور اس سلسلہ میں اس نے مرکز

کو مطلع بھی کیا۔ مگر مرکزی حکومت بوجہ بے بسی کے متوجہ نہ ہو سکی۔ تو نادر شاہ ۱۷۳۸ع میں پشاور آ پہنچا۔ ناصر خان نے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اطاعت قبول کر لی۔ اور اپنے تدبیر سے نادر شاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے بعد نادر شاہ نے دہلی فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دوران جب کہ نادر شاہ دہلی پر چڑھائی کی تیاری کر رہا تھا۔ یوسفزیوں کے ایک جرگہ نے اس سے پشاور میں ملاقات کی اور اسے ایک قلمی نسخہ کتاب تورات عبرانی زبان کا پیش کیا جس سے وہ اور اس کے یہودی افسران بہت خوش ہوئے اس کی مزید وضاحت سابق سرخپوش لیڈر قاضی عطا اللہ خان نے بھی اپنی تصنیف د پختنور تاریخ میں کی ہے۔ علاوہ یوسفزی ہر نادر شاہ نے کچھ تعرض نہ کیا اور اس کی فوجیں نہایت خاموشی سے اٹک پار کر گئیں۔

نادر شاہ جب دہلی فتح کر کے واپس لوٹا تو اس نے سلطنت مغلیہ محمد شاہ کو سونپ دی۔ اور صوبہ سرحد و قبائلی علاقہ کو دہلی سے جدا کرتے ہوئے افغانستان سے ملا دیا۔ اس طرح ۱۷۳۹ع میں دریائے سندھ پار کے مغربی سرحدی علاقہ سے ہمیشہ کے لئے مغل سیادت کا خاتمہ ہوا۔

یہاں ہر ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی کا باعث ہو گا کہ جب نادر شاہ دہلی سے واپسی پر اٹک قلعہ میں مقیم ہوا۔ تو ایک روایت کے مطابق موضع کسٹل علاقہ اتمان یوسفزی کے ایک شخص نے ایک رات کسی طریقہ سے گھس کر نادر شاہ کی بیگم کا ہار اٹھا لایا۔ صبح جب اس کا علم نادر شاہ کو ہوا تو وہ غصہ سے آگ ہوگولا ہو گیا اور سمجھا کہ یہ کاروائی ملحقہ علاقہ خشک کے کسی شخص کی ہو سکتی

ہے تو اس نے لشکر کو ملحقہ علاقوں کو تاراج کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ نوشہرہ تک کا علاقہ انہوں نے ہمال کر دیا۔ اور واپس قلعہ میں لوٹ آئے۔ دریں اثنا کسی نے اصلی چور کے متعلق شاہ کو مطلع کیا تو شاہ نے اس طرف کو ہمال کرنے کا حکم دے دیا۔ اور فوج چمانگیرہ کے راستے چل پڑی۔ جو کوئی سامنے آیا تہ تیغ کیا اور ایک طوفان کی شکل میں کسٹل جا پہنچے۔ بتایا جاتا ہے کہ کسٹل کو ایسے تہہ و بالا کیا کہ وہاں نہ کوئی گھر رہا اور نہ کوئی مکین۔ یوسفزیوں کو اس طوفانی حملے کا علم ہوا تو وہ بھی جگہ جگہ مقابلہ کے لئے اکٹھے ہونے لگے مگر نادر شاہ جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس اٹک جا پہنچا۔ البتہ اس کا ایک جرنیل موضع بام خیل کے پاس یوسفزیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس سے فارغ ہو کر نادر شاہ عازم کابل ہوا۔ ناصر خان کو اس کی وفاداری کے صلے میں پشاور اور کابل دونوں جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ناصر خان کی ہالہ سی صاحب کل تھی۔ اس وجہ سے افغان آس سے خوش تھے۔ پہاڑوں میں بسنے والے آفریدی۔ مہمند اور وزیر وغیرہ آزاد رہے البتہ میدان علاقوں میں بسنے والوں سے واجبات حکومت اور مالیہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے خود ان قبائل کے سرداروں کو ہی مقرر کیا۔ اور وہ انعام و اکرام کے لالچ میں یہ فرائض بخوبی ادا کرتے رہے۔ واضح رہے کہ یوسفزی پہاڑی اور میدان علاقوں میں کلیتہً آزاد ہے۔ یہ طریقہ کار نادر شاہ کی وفات ۱۷۴۷ع تک جاری رہا۔ نادر شاہ کی وفات پر احمد شاہ ابدالی جسے نادر شاہ کی فوج میں اعلیٰ اعزاز حاصل تھا بادشاہ منتخب ہوا اس نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اور ساتھ ہی آس خزانہ پر جو نادر شاہ کے لئے کابل اور سندھ سے بھیجا گیا تھا۔ پھر کابل اور پشاور قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر

کئی حملے کئے - جس میں میان عمر چمکنی جو ایک مذہبی رہنما تھے، کی وساطت سے یوسفزئی پیش پیش تھے - اور ہندوستان میں مقیم یوسفزئی برسر اقتدار افراد نے ہی احمد شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی - اس نے مرہٹوں کا ہانی پت کے میدان میں خاتمہ کیا - اور حکومت کا نگران نجیب الدولہ یوسفزئی کو مقرر کر کے خود لوٹ گیا - احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں کے ساتھ ساتھ دور حکومت جسے دورانی دور حکومت بھی کہا جاتا ہے، میں یوسفزئی حسب سابق اپنے اپنے علاقوں میں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے درانی حکومت کا ان پر سایہ تک نہ پڑ سکا -

ابدالی حکومت کا زوال

احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ کے وفات ہوتے ہی افغانستان میں بادشاہ گردی کا دور دورہ تھا - تیمور شاہ کے بیٹوں میں حصول اقتدار کے لئے کشمکش ہو رہی تھی ان حالات میں زمان شاہ کے بعد شاہ محمود نے عنان سلطنت منبھالی نو فتح خان بارکزی برادر دوست محمد خان شاہ کابل جیسا مدبر اسے مل گیا جس نے حالات پر قابو پا لیا - شاہ محمود برائے نام حکمران تھا حقیقی طاقت فتح خان کے ہاتھ میں تھی - شاہی خاندان کے دوسرے افراد اسے برداشت نہ کر سکے - تو ۱۸۱۸ع میں شاہ محمود کے بیٹے کاسران نے اسے قتل کر دیا - فتح خان کا بھائی محمد عظیم خان اس وقت کشمیر میں حاکم کی حیثیت سے مقیم تھا - اطلاع ملنے پر کابل پہنچا اور اپنے تدبیر اور رسوخ سے حالات پر قابو پا لیا - جس وقت ۱۸۱۴ع میں سکھوں نے اٹک قلعہ پر قبضہ کیا تھا اس وقت افغانستان کے شاہی خاندان میں اختلافات زوروں پر تھے -

خونریزی کا بازار گرم تھا - سکھوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ۱۸۱۸ع میں اچانک اقدام کرتے ہوئے خیبر کے مشرق میں ژم کے پہاڑوں تک کے علاقہ کو روند ڈالا - لیکن زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے - اور واپس لوٹ گئے - محمد عظیم خان ماسکی معاملات میں پھنس چکا تھا اور ساتھ ہی اسے سکھوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے پریشان کیا خصوصاً ان حالات میں کہ خود شاہی خاندان کے سکھوں کے ساتھ اتحاد کا خطرہ دامنگیر تھا یہ اس پر اس نے سکھوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے ارادہ سے ۱۸۲۳ع میں اقدام کرتے ہوئے پشاور تک جا پہنچا -

سکھوں کا دور

سکھوں کی طاقت بھی عروج پر تھی اور وہ پہلے سے اس علاقہ پر اپنی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے - چنانچہ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر سکھ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے دریائے کابل کے دونوں کناروں شمالاً جنوباً سے یلغار کرتے ہوئے نوشہرہ کے قریب پہنچ گیا اس لشکر کی قیادت رنجیت سنگھ خود کر رہا تھا عظیم خان کی دعوت پر دوسرے قبائل تو شریک جنگ نہ ہو سکے - البتہ خشک اور یوسفزئی میدان میں کود پڑے - یوسفزیوں نے دریائے کابل کے شمال کی طرف میدان میں قدم جما لے - ادھر جنوب میں محمد عظیم خان اپنا لشکر لے میدان جنگ میں آ پہنچا سکھ لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی - افغان دو حصوں میں بٹ گئے ایک حصہ یوسفزئی قبائل کا اور دوسرا محمد عظیم خان کے زیر کمان - دونوں کے درمیان دریائے کابل حائل تھا جس کی وجہ سے دونوں نے اپنی اپنی طرف کی ذمہ داری قبول کی

اور اقرار ہوا کہ ہر ایک فریق اپنے اپنے معاذ ہر جنگ شروع کر کے آگے بڑھے۔ لہذا یوسفزئی نے جنگ شروع کی اور اس شدت سے مصروف جنگ ہوئے کہ نوشہرہ سے سکھوں کو مارتے مارتے پیرسباک تک ان کو ہسپا کر دیا۔ سکھوں کی شکست یقینی ہو گئی اور وہ بھاگنے لگے تھے۔ اس بارے میں ایک ہندو مصنف جو وہاں موجود تھا کو لکھنا پڑا کہ افغانوں نے کمال بہادری سے جنگ لڑتے ہوئے سکھوں کے چھکے چھڑا دیئے حتیٰ کہ ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔

رنجیت سنگھ نے یہ حالت دیکھی تو خود لشکر کا علم اٹھائے ہوئے دریا پار کر کے جنوب سے شمالی معاذ پر پہنچے جس سے سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دریا کے آرہار کے سب سکھ لشکر یہاں جمع ہو کر پوری شدت سے حملہ آور ہوئے تو اپنی کثرت اور فوجی نظام کی وجہ سے کامیاب رہے اس جنگ میں یوسفزیوں کی بہادری کا مورخین نے خاص طور پر ذکر کیا اور بتایا کہ شام کے قریب آخری حملہ میں سینکڑوں یوسفزی سجادین اس جرات اور دلیری سے لڑے جس کی مثال مشکل سے ملے گی اور وہ ایک ایک کر کے سب مارے گئے تھے یہ جنگ نوشہرہ کے قریب شروع ہو کر موضع پیرسباک تک لڑی گئی تھی اور اس کی یاد میں سکھوں نے ایک گوردوارہ تعمیر کیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ اس جنگ میں یوسفزی قبائل کے ہر ذیلی شاخ کے افراد شامل ہوئے تھے اور ایک روایت کے مطابق میدانی اور بالائی علاقوں کے یوسف اور مندر گھرانوں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جو اپنے شہداء کے لئے نوحہ خواں نہ رہا ہو اور یہ بھی روایت ہے کہ اکثر شہداء کے گھوڑے میدان جنگ سے خالی زین کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹے تھے۔

سابق سرخ پوش لیڈر قاضی عطا اللہ اپنی تصنیف ”تدہ پختہ تواریخ“ جلد اول میں اس جنگ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں :-

عظیم خان کے یوسفزی سے امداد طلب کرنے پر قبیلہ یوسفزی کے بے شمار جوان معہ اپنے اکابرین کے نوشہرہ کے مقام پر دریا کے کابل کے شمالی کنارے پر جمع ہوئے۔ عظیم خان کے ساتھ دوسرے قبائل دریا کے کابل کے جنوبی کنارے پر اکٹھے ہو گئے۔ سکھ لشکر پہلے ہی سے ان کے مقابلہ کے لئے دریا کے دونوں طرف مورچے ڈالے ہوئے تھے اگرچہ تمام یوسفزی اس مشترکہ خطرے کے پیش نظر بہت اخلاص کے ساتھ جمع ہوئے تھے مگر چونکہ یوسفزی قبائل کا کوئی خاص سالار نہ نہیں تھا اور نہ ان کو باقاعدہ جنگ کی تربیت دی گئی تھی۔ نہ ان کے ساتھ توپخانہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں سکھوں کی فوج منظم اور یورپین افسروں کے زیر کمان تھی۔ اور رنجیت سنگھ خود اپنی فوج کو لڑانے کی خاطر ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ۱۴ مارچ ۱۸۲۳ء کو دونوں فوجوں کا مقابلہ نوشہرہ کے متذکرہ مقامات پر شروع ہوا۔ جنگ دریا کے دونوں کناروں پر ہوتی رہی مگر جب سکھوں کو یقین ہو گیا کہ عظیم خان کی جانب مقابلہ نہ ہونے کے برابر ہے اور دوسری طرف یوسفزی بڑی شدت سے لڑ رہے تھے تو انہوں نے عظیم خان کی جانب سے سکھ لشکر کو بھی ’جو جنرل الیارد (ALIARD) کے زیر کمان تھی۔ یوسفزی ہر حملہ آور ہونے کے لئے دریا پار روانہ کیا۔ چاہے تو یہ تھا کہ عظیم خان اس امدادی سکھ لشکر کو دریا پار کرنے کے لئے نہ چھوڑتا۔ اس نے ایسا نہ کیا بلکہ یوسفزی کو کسی بھی قسم کی امداد نہ دی اور عظیم خان کے لشکر کی کمزوری اور بزدلی نیز یوسفزی کی ناسمجھی اور نا تجربہ کاری کے ہمارے مزید سکھ لشکر بغیر کسی رکاوٹ کے دریا پار کر گئے۔

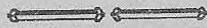
یوسفزئی جوان اس بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ انہوں نے سکھوں کے چار حملوں کو ہکے بعد دیگرمے پسپا کیا اور قریب تھا کہ رنجیت سنگھ کی پوری فوج کو مکمل شکست دیتے۔ مگر رنجیت سنگھ ہانچوں حملہ میں خود آگے بڑھا اور تمام فوج کو جنرل وینچورا (VENTURA) کے زیر کمان یوسفزئی پر حملہ کرنے کا اقدام کیا۔ عظیم خان اور اس کے بھائی دریا کے دوسرے کنارے پر تماشہ دیکھتے رہے۔ اور کسی قسم کی امداد یوسفزئی کو نہ دی۔ اصلی وجہ یہ تھی۔ کہ عظیم خان کے بھائیوں کو رنجیت سنگھ نے رشوت دی تھی اور وہ سکھوں کے ساتھ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ عظیم خان کا تمام خزانہ اور گھر کی خواتین میچنی کے مقام پر تھے۔ اور عظیم خان کو یوسفزئی کا نہیں بلکہ اپنے خزانہ اور خواتین کی زیادہ فکر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بھائی سردار یار محمد خان اور سردار سلطان محمد خان سکھوں کی طرفداری میں تھے اور اگر وہ اپنی فوج دریا کے پار ایسی حالت میں لے جاتا تو اسے شکست کھانا پڑتی اور اس کا تمام خزانہ اور خواتین دشمن کے ہاتھ میں چلے جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یوسفزئی سخت مقابلہ کے بعد شکست کھا گئے۔ لیکن اس شکست کے بعد جلد ہی یہ جانپاز اور بہادر یوسفزئی مجاہدین دوسرے روز اکٹھے ہوئے اور بہر زادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ لڑنے پر آمادہ ہو گئے لیکن دوبہر کو انہیں معلوم ہوا کہ عظیم خان دوسری جانب سے بھاگ گیا ہے چنانچہ انہوں نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس ہو گئے اس کے بعد وہ اپنے پہاڑی اور میدانی علاقوں سے ہمیشہ کے لئے

سکھوں کے ساتھ جنگیں لڑتے رہے۔ نوشہرہ کے اس جنگ کے متعلق آس وقت مویزی نامی ایک شاعر نے ایک چار بیتہ کہی ہے جسے ہم یہاں پر درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں :-

قاصد د بادشاہ راغے یوسفزی او لہزیدہ
ہم نہت د غزا لہر شدہ ہم نو ہزار او ریڑیدہ
قاصد د بادشاہ راغے رالے گلے عظیم خان
د اولہ مے جرگہ کپل ملایان او ملکان
دارو کولٹی ہم مادی درکوم ہم خرش تاوان
الفاظ مے خوگ شکر وو ہم چا اور او رلگیدہ
الفاظ مے خوگ شکر وو ہرے راضی یوسف نامہ شوہ
را تلل ہم حائے قرعاید نہ نے خوب نہ نے دمہ شوہ
خپل کورہم ہر چا اور شوہ ہمیشہ دا سے علامہ شوہ
توکل دعائے او کپہ میلا ہونہ ہمیشہ
توکل دعائے او کپہ اکوزی وو ہم زر گوئہ
راتل مے مشران کسیند ہم غارہ لکہ غرونہ
دزغروئے خلکئے وے دوشالے مے ہم سرونہ
د حسن ہم صفت مے بادشاہان نہ مویدہ
د حسن ہم صفت ہم مے لکیایم خو شو کالہ
گلونہ د کلاب وو خزان تو مے کپہ حمالالہ
ساتل ہم میندو خویندو۔ اللہ ور وستل قضالہ
اجل مے ہم دیرو وو دلہہ مے لہوئیدہ

اجل ہے یہ پیرو و وائیزو او کپڑا۔ توره
رحمت ہے مالار زوشہ مدعا ہے کپڑہ حضورہ
نران دی کدا ہے زئی سرونہ، نہ اپنی لبہ تر بوره
خاوندہ خدین خیل د پینے کلمہ تبتیدہ
د پینے نہ جاورزی نوری زی دی اثر دران
مدام ہے صف جنگی وی د او شکو پہ میدان
د اللہ نوم چہ ہے و اغست ترے بہ مات شولو سکھان
د نخبو د کمنہ ہے رنجیت او یریدہ
د نخبو پہ کمنہ کبش شہید شوے دے پیر خان
د قام پہ سخکین سپہ شول فیض طلب او لطاف خان
شیرداد، ماب الہ رونہ پرے میرات شہ سرور خان
اسمعیل زی د لوئے ملا سرہ لعلونہ توئیدہ
اسمعیل زی د لوئے ملا پہ سخکین سپہ شول امانت
معصم او عدل شاہ دے اللہ کاندے پہ جنت
د او شکو جنگ نے او کپڑو پہ میدان کبش نہ ساعت
پہ مرگ ہے پہ آسمان کبش ملاٹک او ژریدہ
پہ زمکہ ژاری جونہ ملاٹک دی پہ آسمان
یو چرک پہ ناپہ ہریوت اخوند خیل شوبندی وان
د مرگہ پورے پلار د حضرت دین کوی ارمان
میرات ہے ہالنگونہ پہ میدان خاورے کیدہ
میرات ہے ہالنگونہ پہ میدان شو لو یوازے
ژاری خویندے میندے کامے ہے کپڑے اغمازے
د خاورونہ شوے لاندے ہغہ ہے ہگڑی درازے
پہ صفت ہے مویزی لکہ فولاد او پشیدہ

صفت د یوسف زو کوم چہ قتل ہے کپڑو خان
پہ سخکین ہے تمام شول پیر ملا او صاحبزادگان
پہ دولخ کبش پہ کفار وی پہ جنت کبش دا غازیان
پہر بیت د مویزی لکہ مر جان بیعہ کیدہ



اس جنگ میں سینکڑوں سکھ لشکری مارے گئے اور سکھوں کا مشہور
جنرل بھولا سنگھ بھی مارا گیا۔ رنجیت سنگھ نے پشاور تک یلغار
جاری رکھی۔ تاخت و تاراج کی ہالسی پر عمل ہوا۔ پشاور کی
عمارتوں کو توڑا بھوڑا گیا سکھوں کے لشکر کو اپنی ہماڑیوں کے
قریب دیکھ کر افریدیوں کو فکر دامنگیر ہوئی۔ تو انہوں نے ایک رات
دریائے باڑہ کا بند توڑ دیا جس سے سکھ لشکر کو سخت پریشانی کا سامنا
ہوا۔ افریدی ان کا مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔ رنجیت سنگھ ان
حالات سے سخت دل برداشتہ ہوا۔ تو افغانسان کے ہارک زئی چار
سرداروں کو جو اس وقت پشاور میں تھے اس شرط پر اقتدار قائم رکھنے
کی اجازت دے دی کہ وہ سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ ان چار سرداروں
کے نام یہ ہیں۔ سید محمد خان۔ یار محمد خان۔ سلطان محمد خان۔ اور
پیر محمد خان۔

اسی دوران سید احمد شہید اپنے مجاہدین کو ساتھ لے نمودار
ہوئے انہوں نے سکھوں سے جنگ لڑی ان کے پیرو مسلسل نبرد آزما
رہے جن کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ پھر سید احمد
شہید کی وفات پر جب ان کی جماعت منتشر ہو گئی اور سکھوں کو اپنے
مقابل صرف ہارک زئی سردار نظر آنے لگے۔ جو کئی بار اپنی فرمانبرداری
و اطاعت کا اقرار کر چکے تھے تو سکھوں نے انہیں بھی ہمیشہ کے لے
ختم کرنے کا فیصلہ کیا اس وقت تک سکھ کافی طاقتور ہو چکے تھے۔

اور رنجیت سنگھ موقع کی تلاش میں تھا -

ان حالات میں سردار دوست محمد خان نے کابل میں اپنی یادداشت کا اعلان کر دیا - پشاور کے بارک زئی سردار اسے برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اسے تخت سے اتارنے کے لیے سکھوں سے ساز باز شروع کی جو حقیقتاً خود ان کی تباہی کا باعث بنی - رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو دریائے سندھ عبور کرنے کی ہدایت کی اور اس نے اپنے لشکر سمیت پشاور کے قریب موضع چمکنی میں کیمپ نصب کر دیا وہی سردار جو رنجیت سنگھ کو دوست محمد خان کی طاقت کو کچلنے کی دعوت دے رہے تھے نلوہ کے لشکر کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے اور جو جال دوست محمد خان کے لیے بچھایا جا رہا تھا - اس میں خود پھنس جانے کا خطرہ دانستے ہوئے - ہری سنگھ نلوہ نے جب انہیں ہلا بھیجا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنے اہل و عیال کو لئے شب قدر کی طرف چل دئے - تاکہ وقت ضرورت مہمندوں کی پہاڑیوں میں پناہ لے سکیں - نلوہ نے جب یہ حالت دیکھی تو بہ اطمینان خاطر ۱۸۳۴ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا - اس کے بعد دوست محمد خان نے ۱۸۳۵ء میں سکھوں کو لکائنہ کی کوشش کی اور لشکر لئے درہ خیبر آ پہنچا لیکن وہ خود ان بارک زئی سرداروں سے مشکوک ہو کر واپس لوٹ گیا - اور اس طرح پشاور پر سکھوں کا مستقل قبضہ رہا -

سکھوں کی طرف سے ہری سنگھ نلوہ فوجی گورنر کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا اس نے بالا حصار کی برہاد شدہ بنیادوں پر قلعہ بالا حصار تعمیر کیا یوسفزیوں کی روک تھام اور پشاور الٹک کے درسیانی سڑک کی حفاظت کے لیے جہانگیرہ میں دوسرا قلعہ تعمیر کر دیا - وہ اپنی بربریت کے ثبوت میں یوسفزیوں کے میدانی علاقوں پر اچانک خود حملے کرتا رہا - ان کی آبادیوں کو ویران کرتا فصل تباہ کرتا اور جب

یوسفزی جوابی اقدام کرتے تو واپس بھاگ جاتا میدانی علاقے کا شاید ہی کوئی کاؤں اس کے ظلم و ستم اور ڈاکہ زنی سے بچا ہو اس کے باوجود افغان طوق غلامی زیر گلو کرنے پر آمادہ نہ کئے جا سکے -

مہمندوں کے بہت سے قابل ذکر افراد مقبوضہ علاقے سے نکل کر بالائی علاقہ میں جا مقیم ہوئے اور وہیں سے انہوں نے سکھوں کو پریشان کرنا شروع کیا - موقع ملنے پر دوست محمد خان نے اہریل ۱۸۳۷ء میں سکھوں پر شدید حملہ کیا - جنگ ہوئی - ہری سنگھ نلوہ مارا گیا - لیکن بعض وجوہات کی بنا پر پشاور پر قبضہ نہ کر سکا اور واپس لوٹ گیا -

رنجیت سنگھ نے جسے اس وقت تک سرحد پر حکومت کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی پھر بارک زئی برادران کی طرف رخ کیا - سردار سید محمد خان کو پشتنگر اور سردار پیر محمد خان کو دو آبہ کا علاقہ سپرد ہوا - سردار سلطان محمد خان کو کوپاٹ کے محصولات وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوئے - پشاور کے گرد و نواح کا علاقہ تیجا سنگھ کی گورنری میں دے دیا گیا اور اس کو قبائلیوں کی یورشوں سے بچاؤ کے مکمل اختیارات دئے گئے - تیجا سنگھ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا تو اس کی جگہ ایک اطالوی جرنیل اوٹیمائل (Paolodi Bartololomed Avitabile) کو بھیجا گیا جو پشاور میں اس وقت تک ابو طیبہ کے نام سے مشہور ہے - ۵ گورنر ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا - یوسفزیوں کے میدانی علاقوں سے کسی وقت بھی محصولات وصول نہ کئے جا سکے - اسی گورنر کے عہد میں سکھوں نے درہ کوپاٹ میں اقدام کرتے ہوئے نقصان عظیم اٹھایا تو ایک مصنف رنجیت سنگھ کے کابل فتح کرنے کے ارادے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :-

”رنجیت سنگھ کے لئے کابل فتح کرنے کا خیال ایسا ہی ہے جیسے وہ چین کو فتح کرنے چلے۔“
اور بقول گورنر ابو طہیلہ :-
”خیبر کی طرف رخ کرنے کے خیال سے ہی سکھوں کو درد قولنج شروع ہو جاتا تھا“

سکھوں کا یہ جرنیل ابو طہیلہ بہت ظالم تھا۔ اس نے زور بازو سے محصولات وصول کرنے شروع کئے۔ یوسف زئی تو پہلے ہی سے اس جبر و تشدد کے عادی تھے اب خلیل اور مہمند بھی کہ جو تعاون پر آمادہ تھے مقبوضہ علاقہ سے بھاگنا شروع ہوئے ادھر ہندوؤں کو پہلی بار افغانوں پر ظلم ڈھانے کا موقع ملا۔ کئی علاقوں میں ہندو سرمایہ داروں کو محصولات وصول کرنے کے اختیارات دئے گئے تھے۔ انہوں نے من مانی کاروائیاں کیں اور اپنی عیاری سے اصل رقومات سے زائد مال و زر جمع کرنا شروع کیا دیگر ابو طہیلہ کے عہد میں مقامی باشندوں کی باہمی دشمنیوں کو ہوا دی جانے لگی۔ اور طرفین پر بھاری جرمانے عائد کئے گئے۔ اندرون ملک کسی وقت امن قائم نہ ہو سکا۔ اور سرحدات پر قبائلی حملوں کی بھی بہتات تھی۔ نتیجہ یہ کہ شہر کے ارد گرد جگہ جگہ بھانسی لگانے کا سامان نظر آنے لگا۔

ابو طہیلہ کے بعد دوسری بار تیجا سنگھ نے پشاور کی گورنری کا چارج لیا اور ۱۸۴۶ء تک مقیم رہا۔ اس کے بعد شیر سنگھ نے چارج سنبھالا لیکن اس سال سکھوں کے ساتھ انگریزوں کی پہلی جنگ نے حالات کو بدل دیا۔ شیر سنگھ کی جگہ گلاب سنگھ بحیثیت گورنر پشاور پہنچا۔ اور ایک انگریز افسر میجر جارج لارنس لاہور میں مقیم انگریز ریویڈنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے ساتھ تھا۔ اس کے فرائض میں سکھ لشکر کی نگرانی بھی شامل تھی سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد ان

میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۳۹ - ۱۸۴۸ء میں سکھ لشکر نے لارنس کی قیادت سے بغاوت کر دی۔ جس پر میجر لارنس بھاگ کر کوہاٹ پہنچا، جہاں سلطان محمد خان نے پہلے تو اظہار دوستی کیا اور بعد میں اسے ایک قیدی کی حیثیت سے سکھوں کے حوالے کر دیا۔ پھر جب سکھوں نے دوسری جنگ میں انگریز سے شکست کھائی تو پشاور کا علاقہ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کے قبضہ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ اور مذکورہ میجر لارنس پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔ یہی انگریز بعد میں لارنس آف عربیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی نے ترکی کے خلاف عربوں کو لڑایا تھا۔

یوسفزیوں نے رنجیت سنگھ کو جس قدر پریشان کیا۔ اس کا اندازہ اس تحریر سے لگائے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ دربار کے خزانہ میں اتنی رقم بھی باقی نہ رہی تھی کہ ملازمین کو تنخواہیں دی جاتیں۔ اور اگر یوسفزیوں میں اتحاد و تنظیم قائم رہتا تو لازمی تھا کہ رنجیت سنگھ کی سلطنت دیوالیہ ہو کر میدان خالی چھوڑ جاتی۔ بوئے شاہ اپنے قلمی مسودہ میں لکھتا ہے کہ :-

”دیوان بھوانی داس کو حکم دیا گیا کہ تم فرنیس کے مکان پر پہنچ کر سرکار کی طرف سے انہیں بتاؤ کہ اس سال جنگ یوسفزئی وغیرہ میں خزانہ سرکار سے بہت زیادہ خرچ ہو چکا ہے۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ اپنی اور اپنے ہمراہ فوج و ہلٹن کے لئے دو ماہ کی تنخواہ کا مطالبہ نہ کریں“

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ یوسفزئی ہی تھے جنہوں نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سکھوں کو علاقہ یوسفزئی میں قدم جمانے کا موقع نہ دیا اور جس کے متعلق مصنف میجر جنرل سروینسنٹ آرٹر یوں اظہار خیال کرتا ہے :-

”سکھوں نے پنجاب پر اپنی حکومت کے دوران اپنے مخالف یوسفزیوں کو بہادر و نڈر پایا اور انہیں خوفزدہ یا اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے سکھوں کو ہمیشہ پشاور کے ارد گرد کثیر تعداد میں لشکر جمع رکھنا پڑا۔“

منشی عطا محمد شکار پوری اپنی تصنیف تنازعہ نوائے معارک میں لکھتے ہیں :-

”آفرین ہزار آفرین طائفہ صادقہ یوسفزئی را کہ چون یوسف از چاہ ظلمت نفاق اخوان زمان برآمدہ - ہریک صفیر و کبیر خود ہوا را مانند زال در خریداران یوسف جہاد ایمانی منسلک نمودہ و سمد بے ننگی و بے عاری بر چہرہ زلیخائی حمیت خود نگذاشتند - وہ بوئی پیراہن یوسف شہادت چشم یعقوب دنیا و آخرت خود را روشن نمودند۔“

سکھوں کی مخالفت میں مقرب خان خدوخیل نے نمایاں حصہ لیا تھا چنانچہ سکھ آسے شیر کا بچہ کے نام سے پکارتے تھے - اور ایک روایت ہے کہ ایک موقع پر جب میرہ یار حسین میں سکھ لشکر پہنچا - تو کسی نے آواز دی کہ شیر کا بچہ آ گیا تو سکھ نہایت ہتسری اور بے قاعدگی سے بھاگ نکلے -

تحریریک مجاہدین

سید احمد شہید ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ع کو رائے بریلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے - اور دوست دشمن سب سے اپنے اعلیٰ اخلاق - مجاہدانہ کردار - خدمت اسلام اور جزیہ فداکاری وطن کے لئے خراج تحسین حاصل کرتے ہوئے ۶ مئی ۱۸۳۱ع کو جام شہادت نوش کر گئے -

مروجہ تعلیم سے بچپن ہی میں رغبت نہیں تھی - ہوش سنبھالتے ہی جہاد اور صرف جہاد کی دھن میں مگن رہا - اٹھتے بیٹھتے یہی ورد زبان تھا - اور اسی جزیہ سے نواب امیر خان یوسفزئی والے ٹونک کے لشکر میں شمولیت کی - تاکہ فنون جنگ سے واقفیت حاصل کر سکے - اسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جہاں مقیم ہو کر وہ غیر مسلموں کے خلاف جہاد کا نظام قائم کر سکے - ہندوستان میں ہر طرف سلطنت اسلامیہ کو مٹانے کی کوشش ہو رہی تھی کوئی ایسی جگہ یا علاقہ موجود نہ تھا جہاں سے یہ اطمینان وہ جیوش مجاہدین کو میدان جنگ کی طرف روانہ کر سکتا - لاسیالہ اس کی نظر صوبہ سرحد کی پہاڑیوں پر اٹھتی تھی جہاں کے باشندے ابتدائی دور تاریخ سے ہی میدان جنگ میں بہادری اور جوانمردی کا سکھ بٹھا چکے تھے - اور جنہیں وقت کے جابر سے جابر حکمران بھی اطاعت قبول کرنے پر رضامند نہ کر سکے تھے سید صاحب کو بھی یہی علاقہ پسند آیا - کیونکہ یہاں سے جہاد کا نظام وہ بطریق احسن کر سکتے تھے - سامنے اگر دشمن کی طاقت یا سلطنت تھی تو پشت پر دور دراز علاقوں تک مسلمان ہی مسلمان آباد تھے اور ان سے امداد و اعانت کی توقع بھی کی جا سکتی تھی -

ان حالات میں سید صاحب نے رخت سفر باندھا اور عزم جہاد لئے راہ ہجرت اختیار کی - اہل و عیال کو نواب امیر خان کے پاس ٹونک میں چھوڑ دیا اور خود براستہ سندھ - شکارپور - کوئٹہ - قندھار - غزنی اور کابل سے ہوتے ہوئے نومبر ۱۸۲۶ع کو پشاور پہنچا - اور مختصر قیام کے بعد چارسدہ کی طرف چل دیا - دوران سفر میں راستہ ہی سے حکومت کابل کو اپنے ارادوں کی اطلاع دے دی تھی اور واضح کر دیا کہ ان کا ارادہ یوسفزئی قبیلہ کے ساتھ قیام کرنے کا تھا - لیکن چارسدہ پہنچنے پر جہاں قبیلہ محمد زئی آباد ہے حالات سے مجبور ہو کر

عملی جہاد کا اعلان کر دیا۔

چار سہ پہنچے ہی تھے۔ کہ سکھ اقدام کی اطلاع ملی۔ سکھ لشکر بدھ سنگھ کی قیادت میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے نوشہرہ کی طرف گامزن ہو چکا تھا۔ اب اس بے سرو سامانی کے عالم میں کہ اس علاقے میں نو وارد تھے مقابلہ میں سکھوں کا منظم لشکر اور وہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھا۔ عوام سے راہ و رسم ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی افغانوں کے رسم و رواج دوستی دشمنی کسی چیز سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر بھی سید صاحب خاموش نہ رہ سکے۔ اور خدا کا نام لے کر اعلان جہاد کر دیا۔ اس وقت تقریباً پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندھاری ان کے شریک سفر تھے آٹھ سو مقامی باشندے بھی ہمنا ہو گئے تو ان ہندو سو مجاہدین کو ساتھ لے کر آپ مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جذبہ ایمان اور ولولہ جہاد کے سوا ان ہندو سو مجاہدین کو کونسی طاقت سکھوں کے مقابلے میں ہمت دلا سکتی تھی۔ قدرت نے پوری کی اور خدا کا نام لے کر وہ میدان کارزار کی طرف چل پڑے اور ۱۹ دسمبر ۱۸۲۶ء کی صبح کو نوشہرہ جا پہنچے شبخون مارنے کا فیصلہ ہوا۔ تو نو سو مجاہدین کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ اس دوران خواص خان خشک اپنی جماعت ساتھ لے سکھوں سے جا ملا۔ تو اس کے چچا امیر خان خشک نے سید صاحب کی قیادت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور پھر مذکورہ منتخب شدہ مجاہدین نے ۲۰ - ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شبخون مارا۔ ابتدا میں تو سکھ سرا سیمہ ہو کر بھاگے لیکن مجاہدین نے غلطی کی اور اپنے مخصوص فرائض چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے مال و اسباب پر قبضہ کرنے کی فکر ہونے لگی۔ نتیجہ یہ کہ سکھ سنبھل گئے اور مجاہدین کو واپس لوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

مذکورہ شبخون میں سید صاحب کی ہمت و استقلال کو دیکھ کر خاص و عام اس طرف متوجہ ہوئے۔ سکھوں کے مظالم سے پوری آبادی نالاں تھی۔ انہیں جب ایک مجاہد قائد مل گیا تو پوری طرح اس کی امداد و اعانت پر تیار ہو گئے چنانچہ اس جنگ کے فوراً بعد ہند کے رئیس خادی خان اور زیدہ کے رئیس اشرف خان معہ اپنے ساتھیوں کے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور پھر خادی خان نے سید صاحب کو اپنے ساتھ ہند میں مقیم ہونے پر بھی رضامند کر لیا۔ قبیلہ خدو خیل کے رئیس فتح خان ساکن پنجتار نے بھی ساتھ دینے کا اعلان کیا تو بارک زئی خاندان کے حکمران سید محمد خان اور سلطان محمد خان نے بھی بیعت کر لی۔

مذکورہ شبخون کے بعد سکھ تیارہوں میں مصروف ہو گئے تھے اور سید صاحب بھی میدان کارزار دیکھنے کے متمنی تھے لشکر جمع کیا جانے لگا۔ یوسفزئی بکثرت جذبہ جہاد سے سرشار میدان جنگ میں کود جانے کے لئے بیقرار نظر آئے۔ لشکر کی فراہمی میں سرداران یوسفزئی فتح خان پنجتار۔ اشرف خان زیدہ اور خادی خان ہند وغیرہ کے علاوہ امیر محمد خان ترکانڑی باجوڑی اور دوسرے رؤسا بھی ہمہ تن مصروف تھے۔ نوشہرہ میں لشکر کا اجتماع ہونا تھا۔ رسم ملک کے مطابق ہر جماعت اپنا نشان اٹھائے چلی آ رہی تھی۔ یار محمد خان اور اس کے بھائی سلطان محمد خان اور پیر محمد خان بھی معہ اپنے لشکر کے ان مجاہدین سے آ ملے۔ سکھ لشکر جس کی تعداد پینتیس ۳۵ ہزار بتائی جاتی ہے اس وقت شیدو کے مقام پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ تو مجاہدین نے اکوڑہ کے قریب اپنا کیمپ نصب کر دیا۔ مجاہدین نے شدت سے حملہ کیا تو سکھوں کے پاؤں اکوڑنے لگے پھر سنبھلے لیکن شکست کھائی پھر بھاگے فتح یقینی نظر آئی۔ سید صاحب خود میدان جنگ

میں علیہ لڑے تھے اور ان کے دست راست مولوی محمد اسماعیل جو اولین بیعت کرنے والوں میں سے تھے - تیمارداری میں مصروف رہے - اس دوران کہ جنگ ابھی جاری تھی سردار یار محمد خان بابرک زئی اپنے بھائیوں سمیت جنہوں نے میدان جنگ میں معہ لشکر موجود ہونے ہوئے بھی عملاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا - میدان سے بھاگ نکلے اسے دیکھا دیکھی کئی دوسرے افراد بھی بھاگ گئے اور اس افرتفری میں جنگ کا رخ بدل گیا نتیجہ یہ کہ مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی - اس جنگ میں افغان مردانہ وار مصروف جنگ رہے لیکن سردار یار محمد خان اور اس کے بھائیوں کی غداری مسلمانوں کی تباہی کا باعث بنی کہا جاتا ہے کہ سکھوں نے پہلے ہی سے یار محمد خان کو دھمکانا شروع کر دیا تھا اور اسی دھمکی سے گھبرا کر اس نے غداری کا ثبوت دیا - اور اس کی یہ غداری اسلامی لشکر کی شکست کا باعث بن کر رہ گئی جس پر سکھوں نے اپنی پوری مملکت میں جشن خوشی منایا یہ جنگ ۱۸۲۷ع میں لڑی گئی تھی -

مذکورہ جنگ کے بعد سید احمد نے بونیر اور سوات کی راہ لی اور اپنے لیے مستقل مرکز کی تلاش شروع کی - ان علاقوں میں ایک ایک آبادی کا دورہ کیا ہر جگہ ان کا عزت و احترام سے استقبال ہوا - جگہ جگہ سے امداد و اعانت ملتی رہی - اور ان کی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا - چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں :-

”فقیر نے یوسفزئی کے مختلف اضلاع مثلاً چملہ - بونیر اور سوات کا دورہ کیا - اور انہیں بستیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامت جہاد اور الزام فساد کی ترغیب دی - افغانوں کے متعدد گروہوں مثلاً افریدہوں مہمندوں اور خلیلوں کو تحریری دعوت نامے بھیج کر اس سعادت عظمیٰ کے اصول

اور اس عبادت کبریٰ کی بیجا آوری پر متوجہ کیا - الحمد للہ - مومنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کر لیا -“

(سید احمد شہید از مہر)

فتح خان رئیس کی دعوت پر پنجتار کو مرکز کی حیثیت دے کر سید صاحب نے اس کے ارد گرد علاقہ کا دورہ کیا - ہر جگہ نتائج خاطر خواہ نکلے - پھر بعض وجوہات کی بنا پر انہوں نے خار کو مرکز بنا لیا - اور دسمبر ۱۸۲۷ء کو وہاں پہنچے - تو ایک عرصہ قیام کے بعد جنوری ۱۸۲۹ء تک وہاں مقیم رہے - اس عرصہ گرد و نواح میں تبلیغ کا کام جاری رہا - جنگ شیدو کے بعد مولوی محمد اسماعیل شہید کی قیادت میں کچھ مجاہدین ہزارہ کی طرف چلے گئے تھے - ادائے فرائض کے بعد وہ بھی دوبارہ پنجتار میں سید صاحب سے آ ملے اور بعد میں ان کے ساتھ ہی رہے -

مختصر یہ کہ وقت نے پوری طرح سید احمد شہید کا ساتھ دیا جہاں بھی گئے کامیابی نے قدم چومے - علاقے کے رئیس اور عوام آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے - ہزاروں کی تعداد میں باشندگان سرحد نے میدان جہاد میں اپنی جانیں قربان کر کے پیش کر دیں مگر جب یہ سب طاقت یکجا ہونے لگی کہ جس سے سکھوں کا قلع قمع کیا جا سکتا تھا حالات نے پلٹا کھایا تو وہ خود مسلمانوں کو آپس میں کچلنے کے لئے استعمال ہونے لگی - ان لوگوں کو جنہوں نے سید صاحب کے خلاف اقدام کیا تھا یا کرنا چاہتے تھے اب ان کا روکنا ضروری ہو گیا لہذا یہ اطلاع ملنے پر کہ درانیوں کا لشکر (جو اس وقت ہشاور اور اشغر وغیرہ کے علاقہ پر حکمران تھے) سید صاحب پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھا سید صاحب کو اس کی مدافعت کے لئے اقدام کرنا ناگزیر ہو گیا - چنانچہ مجاہدین موضع اتمان زئی کی طرف روانہ

ہوئے اور مسلمان کے مقابلہ میں مسلمان شمشیر بکف نظر آنے لگا مجاہدین چونکہ باقاعدہ منظم نہ تھا اس وجہ سے شکست کھائی اور اس خون مسلم سے موضع اتمان زئی تحصیل چارسدہ کے سرزمین کی آبیاری ہوئی ۔

اس جنگ کے بعد اپنے حقیقی مقاصد کے حصول کے لئے سید صاحب نے تگ و دو کو اور تیز کر دیا ۔ اور خار سے چل کر پنجتار میں جا میقم ہوئے اب تجویز ہوئی کہ علاقہ بھر کے علما رؤسا اور دیگر قابل ذکر افراد کو مجتمع کیا جائے ۔ چنانچہ ۶ فروری ۱۸۲۹ء کو ایک اجتماع عظیم ہوا ۔ جس میں علما اسلام نے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے فوری قیام و اجرا کا فیصلہ سنا دیا ۔ اس اجتماع میں شمولیت کرنے والے یوسف زئی رؤسا میں اشرف خان زیدہ ۔ خادی خان پندہ اور فتح خان پنجتار کے نام قابل ذکر ہیں جن کے ساتھ اپنی اپنی بھاری جمیعتیں تھیں ۔ اور جو حقیقتاً اپنے اپنے علاقہ میں حکمران کی حیثیت رکھتے تھے ۔ ان میں سے فتح خان رئیس پنجتار نے سید صاحب کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا کہ ” صدہا برس کے مراسم ترک کرنے کے باعث افغانوں کے ساتھ اختلافات بھی رونما ہو جائیں گے ۔“

لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی ۔ اور جہاں ہمارے علما کرام نزاکت و وقت گرد و پیش اور کسی فیصلہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کے بغیر اپنے اقتدار کے قیام و زعم علم میں فیصلہ کر دینے کے عادی ہو چکے ہوں وہاں کسی کی کیا چل سکتی تھی ۔ اظہار اختلاف کا جواب کافر بنا دینے کے سوا اور کیا مل سکتا تھا اس جگہ بھی علما اپنے فیصلہ پر بضد رہے ۔ حکم خدا اور رسول کے نام سے ان کے فیصلے نافذ کر دینے کا فیصلہ ہوا تو اشرف خان زیدہ ۔ خادی خان پندہ اور فتح خان پنجتار کے ساتھ کئی دوسرے رؤسا نے ہمارے مجبوری

سے تسیم خم کر دیا ۔

جس خطرے کی طرف رئیس پنجتار اشارہ کر چکا تھا ۔ وہ کسی طرح غیر اہم نہ تھا ۔ اس پر اگر غور و فکر کر لی جاتی تو شاید بعد میں مجاہدین کو بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ان خوانین میں کشمکش شروع ہو گئی ۔ انہیں اپنی اپنی اقتدار کی فکر پیدا ہوئی ۔ فتح خان اور اشرف خان تو سید صاحب کے ہمرکاب رہے لیکن خادی خان کو اپنے اقتدار میں کمی برداشت نہ ہوئی ۔ اور یہ بھی گوارہ نہ کر سکا ۔ کہ سید صاحب کی امداد و اعانت کے باوجود وہ ان کی نظروں میں ایسی وقعت نہ رکھے جو فتح خان کو حاصل تھی ۔ نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ خادی خان اور اشرف خان میں چیلنج ہو گئی اشرف خان گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا اس کے بعد خادی خان سید صاحب کا ہمنوا نہ رہا اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لئے تگ و دو شروع کر دی ۔ سکھوں نے یہ حالت دیکھی تو جنرل دنتورہ کی کمان میں اقدام کر دیا سید صاحب نے اس مقابلے کے لئے تین سو مجاہدین پر مشتمل ایک جماعت روانہ کر دی ۔ سکھوں کو ان کی آمد کا علم ہوا تو شبخون کے ڈر سے گھبرا کر لوٹ گئے ۔

جو اندونی مخالفت زور پکڑ رہی تھی وہ کسی کے سنبھالنے نہ سنبھل سکی سید صاحب چاہتے تھے کہ علما کرام کے فتووں سے سب کے دلوں پر قابو پا لیں ۔ لیکن جو عادتیں راسخ ہو چکی تھیں انہیں جلد بدلا نہ جا سکتا تھا حالات کی تشویناکی پریشانی کا باعث بنی ۔ ان حالات کے پیش نظر اگر قابل ذکر خوانین کو یکجا کر لیا جاتا تو صلاحیت کی کوئی صورت نکل آتی ۔ خوانین اپنی وقار کی خاطر ایک دوسرے کی رائے کو احتراماً تسلیم کر لیتے لیکن اس کی بجائے ہر علما کرام کا اجتماع کر دیا گیا ۔ اصل مقصد یہ تھا کہ خادی

خان کو راہ راست پر لایا جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو علماء سے ایسے شخص کے متعلق فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔

سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل نے بڑی درد انگیز تقریریں کیں۔ لیکن بالآخر معاملہ علماء کو سونپ دیا گیا۔ جنہوں نے ہلا تکلف فتویٰ دے دیا کہ باغیوں کی مزا قتل ہے۔ خادی خان اس لشیب و فرار سے واقف تھا اور وہ سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ اس کی سرزنش کے لئے کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب سید صاحب نے اسے اپنے پاس ہلا کر سمجھانا چاہا تو وہ دل کی بات کہے بغیر نہ رہ سکا کہ:-

حضرت۔ ہم پختون لوگ کاروبار ریاست کا رکھتے ہیں اور یہ مشورہ ملاؤں نے مل کر کیا ہے یہ لوگ ہمارے اسقاط اور خیرات کے کھانے والوں میں ہیں کاروبار ریاست میں ان کا کیا شعور۔

افسوس کہ اس وقت سید صاحب بھی اپنے جوش جذبہ جہاد میں خادی خان کے ان الفاظ کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انہیں اس پر طیش آگیا۔ کہ علماء کرام کی شاف میں ایسے الفاظ کیوں استعمال ہوئے اور بجائے اس کے کہ خادی خان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی۔ جواب اسی قسم کی تلخی سے دیا گیا کہ خادی خان چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو گیا۔

سید صاحب نے پھر ارد گرد کے علاقوں میں امداد و اعانت کے لئے پیغام بھیجے مجاہدین جمع ہونا شروع ہوئے۔ اسی دوران سکھوں نے دلتورہ کی قیادت میں دوبارہ پنجتار کی طرف اقدام کیا اور موضع سلیم خان سے نکل کر طوطالی جا پہنچے۔ مجاہدین مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ پہاڑوں میں مجاہدین کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ دکھائی دے رہی تھی۔ دلتورہ نے آگے بڑھنے

کی ہمت نہ کی اور واپس لوٹ گیا۔ اور آمد و رفت دونوں اوقات میں سکھوں کی روایت کو زندہ رکھنے کے لئے اس راستہ کی آبادیوں کو نذر آتش کرتا گیا۔

اب مجاہدین اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگے۔ انہوں نے سوچا کہ یا تو بارک زئیوں کے خلاف اقدام کیا جائے جو سکھوں کے تابع فرمان اور مجاہدین کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ یا پھر خادی خان ہند کو راستہ سے ہٹایا جائے اس لئے کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خوانین یا قبائل شریعت اسلامیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہ تھے بالآخر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ پہلے خادی خان سے نہٹ لیا جائے۔ اور اس کے بعد بارک زئیوں کی باری آئے۔ سید صاحب ہند پر نہایت رازداری سے حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ ساز و سامان تیار کیا تاکہ شبخون مار کر قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے چنانچہ لشکر روانہ ہوا اور صبح ایسے وقت قلعہ کے سامنے پہنچا کہ مقیمین قلعہ بیخوف و خطر دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھے مجاہدین بندوقیں داغے ہوئے اندر داخل ہو گئے خادی خان جس نے سید صاحب کی اس علاقہ میں آمد پر انصار کے فرائض سر انجام دئے تھے مارا گیا اس کی لاش ورثاء کے حوالہ کر دی گئی لیکن اس کے اہل و عیال کو ایک عرصہ تک اپنے ورثاء کے پاس جانے کی اجازت نہ ملی۔ ہند پر اس حملہ کی تاریخ ۸ اگست ۱۸۲۹ ع بیان کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد خادی خان کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی اور خادی خان کے اہل و عیال کو رہائی دلانے کی کوشش شروع ہوئی مقرب خان رئیس زبیدہ جو سید صاحب کے فدائین میں سے تھا۔ انہیں بہنوئی اور قریبی رشتہ دار خادی خان کے اہل و عیال کی مدد نہ کر سکا تو گاؤں چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا جس پر اسے مغرور

قرار دے دیا گیا اور فتح خان رئیس زیدہ منتخب یا نامزد ہوا۔
خادی خان کے بھائی محمد امیر خان نے دوسرے خوانین سے امداد طلب
کی۔ اور بالآخر پشاور میں یار محمد خان بارک زئی کے پاس پہنچا اور
اسے اپنی امداد پر رضا مند کر لیا یار محمد خان کے ایک معتمد نے
ہینڈ پر یورش کی۔ اور وقتاً فوقتاً چھاپے مارتا رہا تا آنکہ یار محمد خان
خود بھی لشکر لے کر اریان پہنچ گیا۔ اریان سے نکل کر بدری نالہ پر
یار محمد خان نے اپنی توپیں نصب کر لیں۔ مقابلہ شروع ہوا۔
یار محمد خان کو شکست ہوئی اور زخمی ہو کر بھاگا تو راستہ ہی
میں جان بحق ہو گیا اور مال و اسباب مجاہدین کے ہاتھ لگا۔ یہ جنگ
۵ / ستمبر ۱۸۲۹ء کو ہوئی تھی۔

سید صاحب اس کے بعد ہزارہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک
جماعت کو قلعہ ہینڈ میں چھوڑ کر باقی مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ
ہوئے۔ یار محمد خان مرحوم کے بھائی سلطان محمد خان نے ہینڈ پر حملہ
کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا مقیمین قلعہ گرفتار کر لئے گئے جو بعد
میں قید خانہ سے بھاگ نکلے۔ سید صاحب ان حالات کو سن کر ہنچتار
میں مقیم ہوئے اور جب تسلی ہوئی کہ پشاور کی طرف سے کوئی حملہ
نہیں ہو رہا تو پھر ہزارہ کی طرف چلے گئے۔ وہیں سکھوں نے انہیں
پیغام دے کر اپنی طرف سے علاقہ یوسف زئی میں محصولات وصول
کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے مسترد کر دی۔

سید صاحب نے پھر یہاں سے ایک جماعت کو یوسف زئی کے
میدانی علاقہ کی طرف بھیج دیا تا کہ احکام شریعت کا نفاذ کرے۔
عشر پہلے علماء کو ملتا تھا۔ جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار
تھا۔ مجاہدین نے اسے امیر کا حق ظاہر کرتے ہوئے خود وصول
کرنا شروع کر دیا علماء نے پہلے تو مخالفت کی مگر طاقت سے دب کر

پہنچا ہو گئے تا ہم دلوں میں مخالفت پکڑنے لگی۔ اسی دوران
خان کلاٹ مقابلہ پر اتر آیا جنگ ہوئی خان نے شکست کھائی اس
کے ساتھ ہی مجاہدین نے قلعہ ہینڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور ارد گرد
کے علاقے مثلاً مرغز ٹھنڈ کوئی کڈی اور پنج پیر پر بھی انہیں اقتدار
حاصل ہو گیا۔ باہن ہمد ادائیگی عشر کا مسئلہ متنازعہ رہا۔ جہاں
طاقت دکھائی دیتی اقرار کر لیا جاتا اور جہاں طاقت دکھائی نہ دی
لوگوں نے ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اب کسی مزید بحث و دلیل کی
گنجائش نہ تھی۔ بلکہ فیصلہ دے دیا گیا کہ عشر امیر کا حق ہے۔
اس سے اختلاف کفر کے مترادف ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر مذکورہ
جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ جو
اہل رسوم خدا اور رسول کے خلاف باپ دادا کی روایت پر چلتے ہیں وہ
عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ ”میتہ المصلیٰ“ میں اہل رسوم
کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قائد
موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے
دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ دیگر اسے دوبارہ مسلمان نہ بنایا گیا۔
مسائل کو علماء کی سرکردگی میں طاقت کے زور سے منوایا جاتا رہا۔
نتیجہ یہ کہ دلوں میں کدورتیں بڑھنے لگیں اور اندر ہی اندر مخالفت
کی آگ سلگتی رہی۔ اگرچہ اس جماعت کے سامنے یکے بعد دیگرے
مختلف گاؤں اظہار وفاداری بھی کرتے رہے۔

ان حالات میں رئیس مردان سے بھی اختلافات پیدا ہو گئے اس
وقت احمد خان ولد لشکر خان مردان جس پر سرداران پشاور، یار محمد
خان وغیرہ کی بہن بیابھی ہوئی تھی، کمال زئی علاقہ کا رئیس اعظم تھا۔
وہ شکست کھا گیا تو اس کا مال و اسباب بحق مجاہدین ضبط کر لیا
گیا اور اس کے بھائی محمد خان کو جو فتح خان ہنچتار کا معتمد تھا،

کو علاقہ کا سردار مقرر کر دیا اس حملہ اور جماعت کے قائد قاضی سید محمد حبان اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اور جب لشکر نے واپسی کا اہتمام کیا۔ تو علاقہ میں جگہ جگہ عشر وصول کرنے کے لئے تحصیلدار مقرر ہوئے جن کی قیادت مولوی محمد اسماعیل کے ہاتھ میں آئی بارک زیوں نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔ جب سید صاحب کو علم ہوا تو وہ ہزارہ سے ہنجتار اور شوا و اسماعیلہ سے ہونے ہوئے کڑھی امان زئی پہنچ گئے ادھر بارک زئی لشکر پشاور سے چارسدہ ہوتے ہوئے اتمانزئی میں جا مقیم ہوا۔ دونوں طرف سے جنگ کی تیاری ہونے لگی۔ بارک زیوں کا یہ خیال کہ وہ ملک کے جائز حکمران تھے تو سید صاحب کو امارت اور نفاذ احکام شریعت کا دعویٰ تھا۔ بالآخر طور اور مایار کے درمیان دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی بارک زئی (سردار پشاور) نے پھر شکست کھائی اور سید صاحب کا وقار اور بھی بلند ہوا۔

انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بارک زیوں کے اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ وہ لشکر لے پشاور کی طرف چل پڑے۔ چارسدہ سے تنگی اور شہبندر ہوتے ہوئے میچنی کے راستہ ریگی (پشاور) پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی آمد کی خبر سن کر سلطان محمد خان بارک زئی پشاور خالی کر گیا تھا۔ اس جگہ کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اور سلطان محمد خان بارک زئی کی طرف سے ارباب فیض اللہ خان ساکن ہزار خوانی پشاور نے وکالت کرتے ہوئے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا۔ سید صاحب مع اپنے رفقاء کے بطور مسلمان کابلی دروازہ سے پشاور شہر میں داخل ہو کر گور گھٹڑی میں مقیم ہوئے۔ ارباب فیض اللہ خان نے شرائط صلح طے کیں۔ فیصلہ ہوا کہ حکومت سردار سلطان محمد خان کو سونپ دی جائے اور وہ وقت

ضرورت سید صاحب کی امداد و اعانت کرتا رہے اور اپنی ہری عادتوں کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد پشاور میں اجرائے شریعت کے لئے قاضی وغیرہ مقرر کر کے سید صاحب واپس لوٹ کر ہنجتار جا پہنچے۔

سردار سلطان محمد خان کو جب مجاہدین کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور پشاور کا علاقہ بھی اسے مل گیا یا یوں کہئے کہ جس سلطنت لٹ جانے کا ڈر تھا وہ محفوظ ہو گئی۔ تو اس نے سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دیے۔ یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ اکثر مقامات کے خوانین و صاحبان اثر و رسوخ، صرف طاقت کے خوف سے ہی وقتی طور پر مجاہدین کے ہمنوا ہوئے تھے اور ان کے صدیوں کے رسومات بیک جنبش لب دور نہ کٹے جا سکتے تھے لہذا سلطان محمد خان کی سازش جلد کامیاب ہوئی اس نے بھی علماء کی خدمات حاصل کیں اور انہوں نے سید صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف فتوے دئے۔ مخالفین کو ان فتوؤں کی آڑ مل گئی۔ اور بالآخر طے پایا کہ ایک ہی رات میں تمام مجاہدین کو جام شہادت پہلا دیا جائے۔ اس کی ابتدا پشاور سے ہوئی جہاں سلطان محمد خان نے ارباب فیض اللہ خان اور سید صاحب کے مقرر کردہ قاضی اور تحصیلدار کو قتل کر دیا اور باقیوں کو بھی مختلف مقامات پر نہایت بیدردی سے قتل کیا گیا۔ اور یہ بزدلی اور بد عہدی کا ایسا بد نما داغ ہے جو سرداران پشاور کے دامن سے دھلے دھلے نہیں سکتا۔

جس وقت ظلم و ستم ڈھایا جا رہا تھا۔ سید صاحب ہنجتار میں مقیم تھے یہ حالات سن کر مایوس ہوئے اور اس علاقہ کو چھوڑ جانے کا فیصلہ کیا بایں ہمہ ان خوانین کو جو اس سازش میں شریک نہیں تھے بلا کر حقیقت حال دریافت کی بعض مجرمین نے بھی سید صاحب کے مقرر کردہ افسروں کی سختیوں کا ذکر کیا۔ بعض نے کہا کہ ان

کی لڑکیوں کے نکاح بلا ان کی اجازت کے کرائے جاتے تھے۔ اور بعض نے بتایا کہ سلطان محمد خان کی طرف سے ہندوستانی علماء کے فتوے انہیں ملے تھے جن میں مجاہدین کو انگریز کا جاسوس ظاہر کیا گیا تھا۔ اور بتایا گیا تھا کہ وہ اس ملک کو انگریز کے حوالے کر دیں گے۔ غرض ہر ایک نے کوئی نہ کوئی حیلہ تلاش کر لیا۔ حقیقت میں یہ سب سردار سلطان محمد خان بابرک زئی کے جذبہ انتقام کا نتیجہ تھا۔ سید صاحب کے خیالات سن کر بعض رفقاء نے اختلاف کیا لیکن جب سید صاحب نے اس علاقے سے انتہائی نفرت کا اظہار کر دیا تو سب خاموش ہو گئے اس دوران اخوند صاحب سوات سے بھی مذہبی اختلافات زور پکڑ چکے تھے سید صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میدانی علاقہ کی مخالفت تو وہ خود دیکھ رہے تھے پشت پر سوات کا علاقہ وہ بھی مخالف، بلکہ فتح خان ہنجتار بھی قابل اعتماد نہیں رہا حالانکہ فتح خان اس وقت تک پوری دیانتداری سے ساتھ دے رہا تھا۔ بہر حال حالات سے مایوس و مجبور ہو کر سید صاحب نے پکھلی (ہزارہ) جانے کا آخری فیصلہ کر لیا اور خدا کا نام لے کر روانہ ہو گئے کچھ عرصہ تک ہزارہ میں تبلیغ کرتے رہے اور آخر کار بالا کوٹ (ہزارہ) میں مکھوں کے لرغے میں پھنس کر مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے بروز جمعہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو اپنے خلیفہ نائب یا دست راست مولوی محمد اسماعیل اور کئی دوسرے ساتھیوں کو ساتھ لے جا کر شہادت نوش کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ جس وقت اخوند صاحب سوات تحریک مجاہدین کی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما ملا سید امیر صاحب المعروف

”کوٹہ ملا صاحب“ اس تحریک کی حمایت میں تھے۔ اور پشاور کے مشہور عالم دین مولوی غلام جیلانی۔ ملا عبد المجید۔ قاضی منصور اور علاقہ خلیل کے پیر غیاث ساکن پلوسٹی بھی ان کی ہمنوائی کر رہے تھے۔

انگریز کا دور

اس راز کو ایک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے
”اقبال“

انگریز نے سکھوں کی حکومت کو ختم کرتے ہوئے ۱۸۴۹ء میں پشاور اور اس کے ملحقہ علاقہ جس پر سکھ حکومت کرتے تھے قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ تھوڑے دنوں کے بعد یوسفزئی کا بہت سا میدانی علاقہ بھی انگریز کے قبضہ میں آگیا اور میجر جارج لارنس جس کا ذکر سکھوں کے عہد میں کیا جا چکا ہے پہلا ڈپٹی کمشنر پشاور مقرر ہوا۔ انگریز لشکر کی کمان سرکولن کیپبل کر رہا تھا جو بعد میں لارڈ لائٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ پشاور میں انگریز کی آمد کے بعد علاقہ یوسفزئی میں ایک عرصہ تک خاموشی رہی۔

انگریز کی آمد کے پہلے سال ہی اخوند صاحب سوات نے علاقہ سوات کے قبائل کو منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اور الہوں نے پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کی بیعت کا اعلان کیا جس کو خوانین سوات نے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔

سید اکبر کے عہد میں ہجائے اس کے کد ملت مجتمع ہونے اختلافات مٹاتے اور مذہب ملکی انتظامات کرتے، بد قسمتی سے جب ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے غدر کی اطلاع ہشاور پہنچی تو سید اکبر شاہ رحلت فرما چکے تھے ان کے بعد ان کے لڑکے سید مبارک شاہ اور اخوند صاحب کے فرزند عبدالحنان نے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اور جلد ہی مذکورہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ سید مبارک شاہ نے سوات سے نکل کر پہلے ہنجتار بعدہ، ستیانہ میں قیام کیا۔ انگریز نے یوسفزیوں کے میدانی علاقہ میں جنگ و جدل کی ہجائے تدبیر عیاری اور مال و دولت سے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اسے اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی سوائے یوسفزی کے دو قبیلوں یعنی خدو خیل جس کی قیادت مقرب خان کر رہا تھا اور محمودزی (ماموزی) کی قیادت رحیم خان ساکن نواں کلی، انگریزوں نے محمودزی پر حملہ کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ایک ہی جست میں دونوں کی مخالفت کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن اقدام کے بعد پتہ چلا کہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ یوسفزی کے دونوں قبیلے پوری ہمت اور جوانمردی سے معہ اپنے تمام رفقاء کے مقابلہ پر اتر آئے اور مات خوڑ - ژمنی - ہنکارہ - مضافات اسوٹا اور شیخ جانا و نارنجی میں اس شدت سے مقابلے کرتے رہیں کہ انگریز کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کا بہت سامان جنگ اور گھوڑے غازیوں کے ہاتھ آئے۔ انگریز نے پھر بڑی شدت سے شیخ جانا پر حملہ کیا۔ مقرب خان خود کسی ناگزیر حالات کے پیش نظر اس مقابلہ میں نہ آ سکا تھا۔ البتہ اس کے دو بھائی مدد خان اور غفور خان لشکر لے آئے تھے ان یوسفزیوں کو کمک بھی نہ پہنچ سکا توپ کے گولے سے مدد خان شہید ہوا اور اس کی لاش کو اس کا بھائی غفور خان معہ چھپنے ہوئے انگریزی گھوڑوں کو ہنجتار لے گیا۔ رحیم خان کا دست راست

نواب خان راقم الحروف کا پردادا بھی توپ کے گولے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس شہید کے ٹکڑوں کو کمبل میں لپیٹ کر آبائی گاؤں نواں کلی (تھیل صوابی) پہنچا کر سپرد خاک کیا گیا ماموزی کے کئی سرکردہ جو جنگ میں گرفتار ہوئے انگریز نے ان کو سردست درختوں سے لٹکا کر پھانسی دی جن میں صرف دو آدمیوں کے نام مل سکے ہیں شادل ولد پور دل اور ظریف خان ولد آہو خان ساکنان اسوٹا۔

ماموزی اور خدو خیلوں نے حالات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے مصلحتاً پہاڑوں کی طرف ہٹ کر مقابلہ کیا۔ اور انگریز نے ہنجتار پر سلیم خان کی جانب سے طوطالی کی طرف چڑھائی کی۔ مقرب خان بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا جبکہ رحیم خان کو نوگرام میں گرفتار کر لیا گیا اور نواں کلی بمقام ٹنڈی جہاں انگریز کا کیمپ تھا لایا گیا اسماعیل خان اور میاں عنوان الدین نے اس کے رہائی کی سفارش کی اور اس پر دباؤ بھی ڈالا کہ وہ انگریز کی اطاعت قبول کر لے لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوا۔ رہائی کے بعد جاگیر کی پیشکش کی گئی جسے اس نے ٹھکرا دیا اور بعدہ، خاموش زندگی بسر کرتے ہوئے نواں کلی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

الغرض کامیابی کے بعد پھر انگریز نے نواں کلی اور شیخ جاناں کے درمیان بمقام الوہانڈہ اپنا کیمپ نصب کیا وہاں پر پھانسی کا بندوبست کیا اور مزید کئی سرکردہ آدمیوں کو وہاں لے جا کر پھانسی دی۔ پھر اس کے بعد ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز نے ہنجتار پر حملہ کیا شدید جنگ ہوئی اس جنگ میں قبائل کی امداد و اعانت میں ہندوستانی مجاہدین بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ جن کی قیادت مولوی نعمت اللہ کر رہے تھے۔ اور خدو خیل کی قیادت مقرب خان کا چچا زاد بھائی میر باز خان کر رہا تھا۔ جو مارا گیا۔ مجاہدین کے ایک قائد

اور ایک خدوخیل ملک کو پھانسی دی گئی اور دو گاؤں کو نظر آتش کرنے کے بعد انگریز واپس چلا گیا۔

۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز نے دوبارہ نارنجی پر حملہ کیا اور ابراربت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں کی آبادی کو ہاتھیوں کے ذریعہ مسمار کر دیا۔ برجون کو بارود سے اڑا دیا اور پھاس مجاہدین ایک جگہ شہید ہوئے۔ اور وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دئے گئے۔ نارنجی کا ایک ملک میرغزن کو زندہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ جنگیں ۴ اگست ۱۸۵۷ء تک جاری تھیں۔ یہاں پر یہ اسر بھی قابل ذکر ہے کہ انگریز نے اس دوران اپنا رعب و وقار قائم رکھنے کے لئے پشاور میں تاجروں سے حکومت کے نام پر قرضہ بھی مانگا اور چار لاکھ روپیہ وصول کرنے میں کامیاب رہا۔

اکتوبر ۱۸۵۷ء میں اسسٹنٹ کمشنر مردان مسٹر پورن شیخ جانا کا دورہ کر رہا تھا کہ مجاہدین کے قائد مبارس خان بن میر باز خان خدوخیل ساکن چنگلی نے اس پر حملہ کر دیا کمشنر خود تو ایک نالہ میں چھپ گیا اور اس کے چند ساتھی مارے گئے جس سے انگریز کو لشکر کشی کا بہانہ مل گیا۔ اور ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو نوشہرہ کے قریب لشکر کا اجتماع ہوا۔ اسی دوران ایڈورڈز نامی ایک انگریز افسر کو موضع سلیم خان روانہ کیا گیا۔ تاکہ وہ وہاں کے باشندگان کو غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کرے اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا۔ ۲۶ اپریل ۱۸۵۸ء کو جب نوشہرہ سے لشکر سلیم خان پہنچ کر پنجتار کی طرف اقدام کرنے لگا تو خوانین طوطالی نے انہیں خوش آمدید کہا اور مقرب خان کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز سے مل گئے۔ مقرب خان پنجتار سے نکل کر چنگلی پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انگریز نے پنجتار کو نذر آتش کیا اور اس کے تعاقب میں چنگلی کی راہ لی۔

چنگلی پہنچ کر مبارس خان کے مضبوط قلعے کو بھی خالی پا کر نذر آتش کیا اور آبادیوں کو پیوند زمین کرتے ہوئے واپس سلیم خان کی طرف لوٹ آیا وہاں سے منگل تھانہ جہاں مجاہدین آباد تھے کو برباد کرنے کی لہائی۔ اور ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو اقدام کیا طوطالی کے دو سو باشندے ہندوئیں لے ساتھ تھے۔ ۳۰ اپریل کی صبح کو وہاں کی آبادی کو بارود سے اڑا کر انگریز افسر وہاں سے واپس لوٹے۔

اس سال انگریز نے اپنے بل بوتے اور طاقت پر بعض سرحدی قبائل سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقوں میں آباد ہونے کی اجازت نہ دیں گے تو مجاہدین نے ستھانا کو خالی کر کے ملک میں آبادی قائم کی۔ اور ۱۸۶۱ء میں مجاہدین پھر اس علاقہ میں جن سے وہ نکالے جا چکے تھے قابض ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء میں انگریز کے دو آدمی کسی نا معلوم شخص کے ہاتھوں قتل ہوئے تو اسے پھر حرکت کرنے کا موقع ملا اور اس واردات کو سید مبارک شاہ کی سازش قرار دیا۔ چنانچہ انگریز نے ہندوستانی مجاہدین کے خلاف اقدام کا فیصلہ کیا۔ انگریز کا خیال تھا کہ اخوند صاحب سوات اور مجاہدین میں چونکہ اعتقادی اختلافات ہیں اس لئے وہ مجاہدین کی ہشت بھائی نہ کریں گے جس سے مجاہدین کو سوات اور بونیر کے علاقوں سے امداد نہ مل سکے گی۔ اور مٹھی بھر مجاہدین کو ٹھکانے لگانا آسان ہوگا اور دوسرے قبائل پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ مجاہدین بھی بے خبر نہ تھے انہوں نے ہوسفریوں کو انگریز کی چال بازوں سے آگاہ کرنے کے لئے خطوط لکھ کر بیدار کرنے کی سعی کی۔ ان میں ایک خط بقول مصنف ”ستھانا“ انگریزوں کے ہاتھ لگا جس کی عبارت یوں بیان کی جاتی ہے:-

”یہ بدکردار کانر اس خطہ گلزار خاص کو علاقہ جات چملا بونیر سوات وغیرہ کو لوٹ کر تباہ و برباد کرنے کے بعد اپنی مملکت

ہے اس کا الحاق کر لیں گے۔ اس طرح ہمارا دین و دنیاوی تمام مال و متاع ہمال کر دیا جائے گا۔ ان حالات میں حریت اسلام، تحفظ تعلیم اسلام دینی اور دنیاوی معاملات کے پیش نظر آپ اس موقع کو کسی طرح نظر انداز نہ کریں۔ یہ کافر حد درجہ کے دھوکہ باز اور فریبی ہیں۔ اور جن طور طریقوں سے بھی ہو سکا وہ ان پہاڑیوں میں پہنچ کر افغانوں کے سامنے اعلان کریں گے کہ ان کا ان قبائل سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ وہ صرف ہندوستانیوں (مجاہدین) سے نبٹنا چاہتے ہیں۔ اور تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ دیں گے۔ حتیٰ کہ تمہارے سر کے ایک بال کو بھی نہ چھوا جائے گا۔ بلکہ وہ ہندوستانیوں (مجاہدین) کو ملیا میٹ کرنے کے بعد فوراً واپس لوٹ جائیں گے۔ اور اس ملک میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ وہ افغانوں کو مال و دولت کا لالچ بھی دیں گے۔ اب یہ کام آپ کا ہے کہ آپ ان کے مکر و فریب میں نہ آئیں ورنہ جوںہی انہیں موقع ملا۔ وہ آپ کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ مصائب گرائیں گے اور عزت و آبرو سے محروم کرتے ہوئے آپ کی تمام دولت اور مال و متاع پر قبضہ کرنے کے بعد آپ کے مذہب کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔ اس وقت سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اس معاملہ کی اہمیت آپ پر واضح کر رہے ہیں۔“

دونوں طرف سے حرکت شروع ہوئی۔ اور ۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو مجاہدین نے اپنے قائدین محمد عبداللہ اور ملک عیسیٰ خان گدون کی سرکردگی میں موضع ٹوبی تحصیل صوابی میں مقیم انگریزی فوج (گانڈز) پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج کے لئے راہ فرار کے سوا کوئی چارہ کار

نہ رہا تو ایک انگریز مصنف میسن کو لکھنا پڑا کہ ”یہ فرار ہمہ گیر اور شرمناک تھا“۔ وہاں سے ہٹ کر مجاہدین نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے سوچے سنبھال لیے۔ اس دوران انگریز لشکر کا اجتماع ہوتا رہا اور پوری رازداری سے کام لیا جانے لگا۔ کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ اقدام کس طرف ہوگا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو جنرل چیمبرلین نے صوابی پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۸ اکتوبر کو شیردرہ اور درن کی طرف کوچ شروع ہوا۔ ۱۹ اکتوبر کو کمشنر پشاور نے ایک مطبوعہ اعلان کے ذریعہ اطلاع دی کہ انگریز صرف ہندوستانی مجاہدین کو سزا دینا چاہتا تھا افغانوں سے تعرض نہیں۔ بلکہ اس کا الٹا اثر ہوا اور یوسفزئی نے اپنے وطن عزیز کی سرزمین پر انگریز لشکر کی یلغار کو برداشت نہ کیا۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو لشکر براستہ نواں کلی روانہ ہوا تو ۲۰ اکتوبر کو امبیلہ جا پہنچا اور درہ کے آخری سرے پر کیمپ بسبب کر دیا۔ ۲۱ اکتوبر کا دن منصوبہ بندی میں گزرا۔ ۲۲ اکتوبر کو گھوڑ سواروں کے دستے حملہ کی طرف اقدام کرنے لگے اور جب شام کے قریب یہ سوار واپس لوٹے تو یوسفزیوں نے پہاڑیوں سے اتر کر انہیں نہ صرف پریشان کیا۔ بلکہ تعاقب میں انگریزی کیمپ تک جا پہنچے۔ نصف رات تک لڑائی ہوتی رہی۔ انگریز سراسیمہ ہو گئے۔ پھر حال نصف رات گزرنے پر یوسفزئی واپس لوٹ گئے۔

دوسرے یوسفزئی قبائل ابھی میدان جنگ میں کود پڑے۔ حتیٰ کہ اخوند صاحب کی سرکردگی میں مجاہدین نے ہلہ بول دیا۔ ہونیر اور سوات کے علاوہ دیر اور باجوڑ سے بھی ان کی آواز پر لبیک کہا گیا۔ ہندوستانی مجاہدین اور یوسفزئی پہلو بہ پہلو استخلاص وطن کے لیے سینہ سپرد دکھائی دے رہے تھے۔ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کو پھر شدید

جنگ ہوئی انگریز اپنی چوکیاں مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر میں تھا اور ایک مضبوط چوکی کیمپ سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر ایگل نسٹ کے نام سے پہاڑ پر قائم کی - اور ساتھ ہی تازہ دم لشکر کے انتظار میں لگا رہا - ۲۹ - ۳۰ اکتوبر کی درمیانی شب کو مجاہدین نے مذکورہ چوکی پر بڑی شدت سے حملہ کیا - انگریز کے ہاؤں اکھڑ گئے اور ان کے ۲۹ اشخاص مارے گئے ۹۲ زخمی ہوئے - مجاہدین نے ۳۰ اکتوبر کی صبح کو چوکی پر قبضہ کر لیا - ۱۲ نومبر کو ہاجوڑ کے لشکر نے ایک دوسری چوکی کریک پر حملہ کر دیا - رات بھر لڑائی ہوتی رہی اور ۱۳ نومبر کو مجاہدین نے چوکی پر قبضہ کر لیا - لیکن انگریز نے توپخانہ سے اس شدت سے حملہ کیا کہ مجاہدین اس چوکی کو خالی چھوڑ گئے - انگریز نے تمام چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے لشکر ہلا کر تمام طاقت کریک پر جمع کر دی - یوسفزیوں نے بے دریغ حملے کئے اور انگریز لشکر کے کمانڈر چیمبرلین کو زخمی کرتے ہوئے کریک پر قبضہ کر لیا یوسفزی جس ہمت اور جوانمردی سے لڑ رہے تھے اس کا ذکر لارڈ رابرٹس نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

ہم ہر مسلسل تین ہفتوں تک روزانہ حملے ہوتے رہے اور دشمن نہایت بہادرانہ طریقہ پر جنگ کرتا رہا - ان میں سے کئی ہمارے توپخانے کے حلقے میں پہنچ کر مارے گئے - دو دفعہ انہوں نے کریک کی چوکی پر قبضہ کیا جو ہمارے تحفظ کی کنجی تھی - اور جسے ہر قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا ضروری تھا - دوسرے حملہ میں جنرل چیمبرلین نے خود لشکر کی قیادت کی لیکن سخت زخمی ہو کر لشکر کی قیادت چھوڑ دینے پر مجبور ہوا -

اس سلسلے میں لارڈ مذکور مذید لکھتا ہے کہ یوسفزی قبائل اکثر

اوقات انگریز لشکر کے کمانڈروں کو آواز دیتے تھے کہ - ”ہمیں تمہاری ضرورت نہیں وہ لال ہگڑی والے کہاں ہیں - اور وہ گورہ لوگ کہاں ہیں - وہی ہمارے بہترین شکار ہیں - قبائلیوں نے جلد ہی سکھ اور انگریزوں کو پہچان لیا جو اگرچہ جنگ آرسا تھے لیکن ان پہاڑیوں میں بے بس نظر آنے لگے اور اپنا سر تک نہ چھپا سکے۔“

انگریز جان چکا تھا کہ فتح آسان نہیں تھی جنگ نے بھی طول پکڑا چنانچہ اس نے فریب کاری اور چال بازی سے کام لینا چاہا - پولیٹیکل افسر اس کام میں مشغول ہو گئے - اختلافات کو ہوا دی جانے لگی - رفتہ رفتہ یوسفزی قبائل میدان جنگ سے واپس لوٹنے کی فکر کر لے لگ گئے جس سے لامحالہ ان کی طاقت کمزور ہونا شروع ہوئی - انگریز ہونیر کے چند خوانین کو اس پر رضامند کرانے کی کوشش میں تھا کہ وہ انگریز لشکر کے ساتھ ہو کر از خود سلا کو نذر آتش کر دیں - اخوند صاحب مقابلہ پر گئے رہے گو کہ ان کے ساتھیوں میں کمی واقع ہو چکی تھی - انگریز نے انہیں ہتھیار بھیج دیئے یا لوٹ جانے کا مشورہ دیا جو انہوں نے ٹھکرا دیا - اور جنگ جاری رکھنے کے فیصلے پر کار بند رہے چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی - اخوند صاحب جان چکے تھے کہ انگریز سلا کو نذر آتش کرنے پر رضامند ہے تو انہوں نے یہ شرط پیش کر دی کہ انگریز سلا کے باہر کے ایک کوٹھے کو آگ لگا کر واپس لوٹ جائے تو وہ بھی میدان جنگ سے اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلے جائیں گے - ورنہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے - انگریز نے یہ شرط مان لی جس پر چھ انگریز افسر گانڈز فوج کے کچھ سپاہی لے کر خوانین ہونیر کی قیادت میں موضع سلا پہنچے تو گاؤں کے باہر ایک جھونپڑے کو نذر آتش کر کے واپس لوٹ آئے

کد اسمیلے کھیلے مارہا شمول

چمے خوراک وہ دگورائو لو مولونہ

انگریز کی اتنی شدید جنگ لڑنے کے بعد صرف ملکا کے ایک معمولی جھونپڑے کو نذر آتش کر کے لوٹ آئے ہر رضامندی اس کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ جس میں خود ایک انگریز مصنف ڈبلیو ہنٹر کی تحریر کے مطابق چودہ انگریز افسر اور ایک ہزار سپاہی کام آچکے تھے۔ اور ایک دوسرے مصنف ”ہگٹ“ نے لکھا ہے کہ

”افغانوں کے خلاف ۱۸۳۹ سے ۱۸۹۰ تک کے دوران بھالیس

مرتضہ فوج کشی کی گئی جس میں اس کے ۲۱۷۳ آدمی کام آئے

اور پھر اس میں ۹۰۸ صرف معرکہ اسمیلے میں مارے گئے تھے

اور اس طرح اس اہم ترین معرکہ کا خاتمہ ہوا۔“

معرکہ اسمیلے کے بعد ہندوستانی مجاہدین میں کچھ انتشار پیدا

ہوا ایک حصہ ہونیر میں ہی رہا اور دوسرا علاقہ چغرزئی کو کوچ کر گیا۔

انگریز نے بھی پولٹیکل افسر کی وسعت سے دخل اندازی کی۔ اخوند

صاحب سوات اور ان کے مخالفین میں جنگ ہوئی۔ مخالف جماعت

کا سرغنہ مارا گیا تو اخوند صاحب کے لئے میدان صاف تھا۔ مجاہدین

کو نکال باہر کر کے ہزارہ کی طرف دھکیل دیا گیا۔

اس معرکہ کے بعد یوسفزیوں کا انگریز کے ساتھ آٹھ نو سال تک

کسی جنگ کا ہتہ نہیں چلتا البتہ مختلف قبائل سے انفرادی حیثیت

میں معمولی جھڑپیں ہونیں۔ ہونیر کے قبیلہ عاشم زئی نے ضلع مردان

کے موضع پیر ساغے کو نذر آتش کیا تو ان کی ناکہ بندی ہوئی۔ اور

جب انہوں نے جلے ہوئے گاؤں کو تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تو ناکہ

بندی اٹھا لی گئی۔ عجب خان موضع چارگلی جو سلا میرو (پیر حسن) کی

اولاد میں سے تھا۔ کی انگریز سے بگاڑ کی صورت میں ہونیر میں مقیم رہا اس کی سرکردگی میں ہونیر کے قبائل نے چند مرتبہ سدوم پر حملے کئے تو اسے گرفتار کیا گیا اور عدالت نے اسے سزا دی۔

اس کے بعد ہونیر کے قبائل کو مقبوضہ علاقوں میں داخلہ ممنوع

قرار دے دیا گیا جس کے دوران جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ۱۸۸۶ء میں

صلح ہو گئی۔ قبیلہ عاشم زئی نے لوٹ کا مال واپس کر دیا اور قبائل

نوری زئی و دولت زئی نے بھی آئندہ حملہ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔

لیکن اگست ۱۸۹۷ء میں یوسفزیوں نے سالاکنڈ پر حملہ کر دیا تو ہونیر

والوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اور لندا کے (سوات) کے مقام پر انگریز

سے مقابلہ ہوا۔ انگریز نے ہونیر والوں کی وعدہ خلافی پر جنرل سربنگ ہلڈ

کی سرکردگی میں ۷ جون ۱۸۹۸ء میں بھاری لشکر کے ساتھ ہونیر کے

سالارزیوں کے علاقہ پر اقدام شروع کیا۔ درہ تنگا پر قبضہ کر لیا۔

دوسرا لشکر پیر ساغے کے راستہ سے درہ اسمیلے سے گزر کر چملا کے علاقہ

میں دکھائی دینے لگا اس دفعہ یوسفزی کی طاقت کم تھی۔ چنانچہ

وادی ہونیر کو روند ڈالا گیا۔ اور بارہ دن اس حکمت عملی پر عمل

پوتا رہا بالآخر سرداران قبائل سالارزی۔ عاشم زئی۔ گندی زئی۔

دولت زئی۔ نوری زئی اور نسوزئی نے جرمناہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر

کی تو ۱۹ جولائی ۱۸۹۸ء کو انگریز لشکر واپس لوٹ آیا۔

پھر ۱۹۱۳ء میں درہ اسمیلے میں دو انگریز افسروں پر کسی نے

گولی چلا دی تو انگریز نے لشکر کشی کی اور فروری ۱۹۱۳ء کی ایک

رات کو درہ ملندری کو غبور کرتے ہوئے موضع نواں کلی اور زنگی خان

کو جا برباد کیا اور سات ہزار روپیہ جرمانہ لگا کر لشکر واپس لوٹا۔

اول جنگ یورپ کے دوران علاقہ اشغر کے مشہور عالم دین

حاجی صاحب تورنگزئی جون ۱۹۱۵ء میں مقبوضہ علاقہ سے نکل کر

ہاجوڑ جا پہنچے۔ جاتے ہی انہوں نے انگریز کے خلاف معاذ قائم کیا اور جلد ہی ان کا لشکر پیر مائے - ملندری اور درہ اسمبلہ میں دکھائی دینے دینے لگا انگریز لشکر ۱۶ اگست ۱۹۱۵ ع کو رستم جا پہنچا۔ ہاشندگان بونیر بڑی بہادری سے لڑے لیکن کوئی اہم فیصلہ ہوئے بغیر حاجی صاحب ترنگرائی واپس لوٹ گئے۔ مہمندوں کا معاذ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ آخر کار یوسف زئی قبائل انگریز کی شرائط ماننے پر مجبور ہو گئے۔ جرمانہ ادا کرنے کا اقرار ہوا۔ تو لشکر واپس لوٹ گیا۔ اور ۱۹۱۹ ع میں ہندوستان کی تحریکات کی وجہ سے سرحدی علاقہ میں کوئی ہلچل نہ ہوئی۔

حالات یونہی چلتے رہے ادھر ریاست سوات کے حدود کو وسعت دی جا رہی تھی۔ اور ۱۹۲۴ ع میں بعض خوانین بونیر کی مرضی سے عبدالودود بادشاہ سوات نے اس پورے علاقے کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ ۱۹۲۲ ع میں ہندوستان کے محکمہ سروے نے اس علاقہ کی دیکھ بال کی۔ ۱۹۲۷ ع میں انگریز اور بونیر کی سرحد پر نظر ثانی ہوئی اور اس کے بعد اس علاقہ میں سڑکیں تعمیر ہوئیں علاج معالجہ کی سہولتیں میسر آئیں۔ تعلیم کا نظام رائج ہوا۔ اور بونیر و چملہ کا علاقہ خطرات سے محفوظ ہو گیا۔

عمرا خان جندولی

وادی جندول اندازاً آٹھ میل طویل اور چار میل عریض ہوگی جو دریائے پنجگوتھا سے میدان تک کے علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۸۷۹ ع میں عباس خان خان جندول کی وفات پر عمرا خان نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ یہ وہ عمرا خان ہے جس کا دادا فیض طلب خان

معمر کہ اسمبلہ ۱۸۶۳ ع جس کا ذکر اوپر ہو چکا، ہاجوڑ سے لشکر لے کر شامل جنگ ہوا تھا۔ ادھر اخوند صاحب کی وفات ۱۸۷۷ ع پر ان کے بڑے لڑکے میاں عبدالحنان نے سوات کی عنان اقتدار ہاتھ میں لینے کی کوشش کی عمرا خان نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں گل کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اور ۱۸۸۲ ع میں ارد گرد کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ خان دیر کی نصف ریاست بھی اس کے قبضہ میں آگئی۔ اس نے نہایت منظم طریقہ سے حکومت کا آغاز کیا۔ اور انگریز سے اسلحہ طلب کرتا رہا۔ اور جب اس نے بمبئی کے ایک سکاج کمپنی سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو مسٹر ڈین کمشنر ہشاور نے مداخلت کرتے ہوئے رکو دیا۔

انگریز مورخین نے اپنی تحریروں میں عمرا خان کو افغان ہنولین کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس نے تحفظ ریاست کے لئے دیگر انتظامات کے ساتھ ساتھ بہترین قلعے بھی تعمیر کرائے۔ بد قسمتی سے مہاں گل کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے اور اس نے خان دیر سے صلح کر لی جو عمرا خان کے لئے مشکلات کا پیش خیمہ تھی۔ تاہم اس نے ہمت نہ ہاری۔ اور ترقی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ حکومت افغانستان کو بھی خطرہ لاحق ہوا۔ تو کابل کی طرف سے ایک مذہبی پیشوا مکرانی ملا اس علاقہ میں نمودار ہوا۔ اس نے عمرا خان کے خلاف آگ کو ہوا دی۔ اور دیر۔ نواگئی۔ سوات۔ اتمان خیل۔ سالارزئی اور چھوٹا ہیموند اجتماعی حیثیت میں مقابلہ پر اتر آئے۔ عمرا خان نے جنگ بھی کی اور ساتھ ساتھ ان تمام میں ہاشمی کشمکش بھی پیدا کر دی۔ مخالفین منتشر ہو گئے۔ مکران ملا بھی اس علاقہ سے نکل گیا اور بالآخر ۱۸۹۰ ع میں عمرا خان اپنے اقتدار کے عروج تک پہنچ گیا۔ اس نے سوات پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ پورے دہر کے علاقہ پر اپنا

اقتدار قائم کر لیا۔ حتیٰ کہ خان دیر محمد شریف خان کو سوات میں جا کر پناہ لینے پڑی۔

اس دوران چترال کے حکمران خاندان کی آپس میں کشمکش ہوئی اور مہتر چترال امان الملک کا نوجوان لڑکا امیر الملک بھاگی کر علاقہ جندول میں پناہ گزیں ہوا اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۱۸۹۴ء میں واپس وطن لوٹ گیا۔ اس وقت اس کا بھائی نظام الملک مہتر چترال تھا اس لیے جا کر اسے قتل کر دیا اور جون ۱۸۹۵ء میں اپنی مہتری (بادشاہت) کا اعلان کر دیا۔ انگریز پہلے ہی سے اپنے دستے وہاں اپنی تحفظ کے لئے قائم کر چکا تھا۔ شہزادہ نے انگریز سے اپنی حکمرانی تسلیم کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ تو انگریز افسر نے مرکز سے ہدایت طلب کیں۔ اس دوران عمرا خان اپنا لشکر لئے چترال کی طرف چل پڑا۔ مہتر چترال یہ سمجھ کر کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آ رہا ہے اپنا لشکر لئے مقابلہ کے لئے آیا لیکن عمرا خان کے منظم لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ عمرا خان نے دروش پر قبضہ کرتے ہوئے وہیں قیام کیا۔ اور چترال پر خود قبضہ کرنے کے بجائے امیر الملک کے چچا شیر افضل کو مہتر بنا کر اس سے وعدہ لیا کہ وقت ضرورت دونوں مل کر مخالفت کا مقابلہ کریں گے۔

انگریز ہمیشہ سے عمرا خان کے جدید طرز کی حکومت کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کیونکہ اسے پوری طرح علم ہو چکا تھا۔ کہ اس کا لشکر عام یوسفزی قبائل کی طرح غیر منظم نہ تھا۔ چنانچہ اسے فکر ہوئی کہ کہیں عمرا خان چترال سے پشاور کی سرحد تک تمام قبائلی علاقہ پر اپنا تسلط نہ جما لے۔ اس نے مہتر شیر افضل کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بھانہ یہ بتایا کہ الفاظ

غیر موزون درخواست میں استعمال کیے گئے تھے۔ ساتھ ہی عمرا خان کو بھی تنبیہ کر دی کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ شیر افضل نے انگریز کی چوکیوں پر حملہ کر دیا اور ایک ہی جست میں چودہ نمبر سکھ رجمنٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور انگریز افسروں کو قیدی بنا لیا۔ قلعہ کے سپاہی محاصرہ میں لے لیے گئے اور جب ان دو انگریز افسروں کو عمرا خان کے بھائی عبدالمجید خان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دھوکہ سے گرفتار کیے گئے ہیں عبدالمجید خان نے گرفتار کرنے والوں کی مزمت کی۔ شیر افضل بھی عزت و احترام سے پیش آیا۔ اور بالآخر ان کو عمرا خان کے پاس دروش بھیج دیا گیا اور دوسرے روز جب عمرا خان واپس لوٹ رہا تھا۔ تو ان افسروں نے بغوشی اس کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی اور وہ عمرا خان کے قلعہ بروا پہنچ گئے راستہ میں ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا اور پھر عمرا خان کے پاس وہ دو ہفتے رہے اس دوران بھی ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا جس کا اعتراف ان افسروں نے خود کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمرا خان کی نیت انگریز کے حق میں خراب نہ تھی۔ تاہم انگریز جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس کی منظم جنگی طاقت سے ہمیشہ خائف رہا اس لیے اس نے عمرا خان پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔

۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء کو انگریز لشکر کا اجتماع پشاور میں شروع ہوا بعد میں نوشہرہ منتقل ہوا اور یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو جب اس لشکر نے اقدام کیا۔ تو اس میں ایک اندازے کے مطابق تین ہریگڈ جن میں نصف انگریز اور نصف دیسی فوج۔ گھوڑ سواروں کے دو رسالے۔ چار پہاڑی توپخانے اس کے ساتھ ہائیئر اور سپر مائٹرز معد تین رجمنٹیں رسل و رسائل کی دیکھ بھال کے لئے جن کی کمان لفٹیننٹ جنرل

سربراہ لٹو کے ذمہ تھے، شامل تھے۔ اور ساتھ پانچ دیگر بریگیڈیں جنرل تھے۔ یہ عظیم الشان لشکر آن افغانوں کے خلاف روانہ ہو رہا تھا جن کے پاس صرف خنجر۔ ہتھر اور ہراتی قسم کی ہندوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔

نوشہرہ سے لشکر نے کوچ کیا۔ تو اسے مرحدی پہاڑیوں کو عبور کرنے کے لئے درہ مورہ۔ درہ شاہ کوٹ اور درہ مالا کنڈ کے تین راستے دکھائی دیتے تھے۔ اور ان تینوں پر یوسفزئی مورچے باندھے۔ سینہ سپر نظر آئے۔ ایک حصہ لشکر کو بائی زئی کی جانب روانہ کیا گیا جس میں گھوڑ سوار تھے اور ہدایت تھی کہ وہ گرد و غبار اس طریقہ پر آرائیں جس سے افغانوں کو تمام لشکر کا گمان ہو۔ دوسرے حصہ لشکر کو درہ شاہ کوٹ کی جانب بھیجا گیا تیسرے حصہ کو پوری طاقت کے ساتھ مالا کنڈ پر یلغار کا حکم ملا۔ ۳ اپریل کو حیوانوں اور انسانوں کے اجسام آگے اور خون سے کھیلنے نظر آنے لگے۔ مسلسل پانچ گھنٹے جنگ جاری رہی جس کے محاذ کی لمبائی اندازاً ڈیڑھ میل کے قریب تھی۔

یوسفزئی قبائل جس انداز سے مصروف جنگ ہوئے اس کا ذکر اس میں شامل ایک انگریز (ریلیف آف پتھراں) یوں لکھتا ہے :-

”دشمن کی اس حقیقی بہادری کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جو اس نے مسلسل پانچ گھنٹوں تک توپ خانہ کے صحیح نشانہ اور شاندار بمباری کے مقابل دکھائی اور مزید برآں اس کے اختتام پر منگینوں کے حملہ میں بھی پوری مضبوطی سے سینہ سپر رہے۔ ان کے ایک سردار نے جو سرخ و سفید رنگ کا علم اٹھائے ہوئے تھا اپنے ساتھیوں کو ”سکارٹش بورڈرز“ (انگریزی فوج) پر اس وقت حملہ کرنے کو للکارا جبکہ وہ فوج پہاڑی کے

نصف تک پہنچ چکی تھی۔ حملہ ہوا ایک ایک کر کے حملہ آور گرتے رہے تا آنکہ ان کا ایک سردار باقی رہ گیا۔ وہ بلا خوف و خطر گرتے پڑتے آگے بڑھتا رہا۔ ادھر زخمی ہوا ادھر بلا توقف پھر اٹھا۔ چلا۔ بالآخر قریب پہنچ کر گولی لگنے سے ختم ہوا اس سے زیادہ ہمت و جرات کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔“

یہی مصنف ایک اور افغان کے متعلق لکھتا ہے کہ :-

”دشمن کا ایک ڈھولک بجانے والا جب اپنی جرات دکھانے پر مطمئن نہ ہوا تو ایک جھونپڑے پر چڑھ کر اوپر سے اپنے ساتھیوں کو للکارنا شروع کیا۔ اور وہیں سے انہیں شاہاش دیتا رہا۔ وہ یکے بعد دیگرے گولیوں سے زخمی ہوتا رہا۔ لیکن گرتا زخم کو باندھتا پھر کھڑے ہو کر ڈھولک پر ضرب لگاتا۔ بالآخر ایک گولی اس کا سینہ چاک کرتے نکل گئی تو وہ سر کے بل کوئی ایک سو گز کے فاصلہ پر چٹان کے کنارے گر کر ختم ہو گیا لیکن اس حالت میں کہ ابھی تک ڈھولک اس کے گلے میں اور ہاتھ ضرب لگانے کو اٹھے ہوئے تھے۔ (کیپٹن یسنگ ہفرنٹ)۔“

رات ہو چکی تھی جنگ بند کر دی گئی۔ وہ یوسفزئی جو درہ مورہ اور شاہ کوٹ میں پڑے ہوئے تھے حالات سے باخبر ہو کر اس طرف چلے آئے۔ اور مصلحتاً پیچھے ہٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دن چڑھے ایک بریگیڈ نے سوات کی راہ لی۔ شام کو یوسفزیوں نے پھر حملہ کیا۔ اور معمولی سی جھڑپ کے بعد واپس لوٹ گئے۔ تھانہ میں اجتماع کیا۔ ۵ اپریل کو پھر جنگ ہوئی۔ سخت مقابلہ کے بعد یوسفزئی دریائے سوات عبور کر گئے تو عمر خان کا ایک بھائی

امدادی لشکر لے پہنچ چکا تھا۔ انگریز کا بھی کچھ لشکر کسی نہ کسی طریقے سے دریا کے پار پہنچ گیا۔ چکدرہ میں عمرا خان کا تعمیر کردہ قلعہ انگریز کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اور انگریز لشکر نے جندول کی طرف اقدام شروع کیا۔

۱۔ اپریل کو دوپہر کے وقت دو لشکر دریا کے دونوں کناروں سے آئے دکھائی دئے۔ شدید جنگ ہوئی انگریز لشکر کا کمانڈر بری طرح زخمی ہو کر گرا تو لشکر نے واپس کیسٹ جانے کا رخ کیا۔ یوسفزئی تعاقب میں تھے اور بھتر اٹھا اٹھا کر انگریز لشکر پر پھینکتے رہے۔ بالآخر رات ہوئی تو افغان واپس لوٹ گئے۔

اس جنگ و جدل میں انگریز لشکر عمرا خان کے مرکز ہوا۔ کوئی اٹھارہ میل تک پہنچ چکا تھا۔ دریا نے پنجکوڑہ پر انگریزوں نے پل باندھا۔ خان دہر کو ہدایت ہوئی کہ وہ تھوڑا سا لشکر لے کر چترال کی طرف چل دے اور راستہ میں یہ مشہور کرتا جائے کہ عمرا خان کو شکست ہو چکی ہے اس نے ایسا ہی کیا لوگوں میں بددلی پھیلی اور عمرا خان کو مزید کمک نہ پہنچ سکی۔ انگریز نے خط کے ذریعہ عمرا خان کو دعوت دی۔ کہ وہ اکیلے باہر نکل کر لشکر کے کمانڈر سے گفتگو کرے۔ عمرا خان نے جواباً لکھا کہ :-

مجھے آپ سے مل کر بہ اطمینان گفتگو کر لینے میں بڑی مسرت ہوتی اور اس طرح تمام معاملات بہ طریق احسن طے کر لئے جاتے لیکن بدقسمتی سے میں اس وقت تین ہزار غازیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ جو میرے باہر نکلنے کی بات کو سننے کے بھی روادار نہیں ہیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ آپ بھی قاتلوں کو ساتھ لے ہوئے ہیں ان حالات میں بہ اطمینان گفتگو نہیں ہو سکتی میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اپنے قاتل ساتھیوں کو دور کر دیں اور میں اپنے

ساتھیوں کو دور بھیج دوں گا اس کے بعد میں اور آپ کھلے میدان میں مشاورت کر لیں گے۔

عمرا خان کا جواب قابل قدر تھا مگر انگریز کی نیت خراب تھی۔ جنگ شروع ہوئی۔ افغانوں نے شدت سے حملہ کرتے ہوئے انگریز لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا لیکن اسی دوران مزید لشکر جمع توپخانہ کے آ پہنچا جنگ بند ہو گئی عمرا خان کچھ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ راتوں رات وطن عزیز کو خیر باد کہتے ہوئے افغانستان چلا گیا۔ صبح ہوئی۔ انگریز لشکر نے اقدام کیا۔ مقابلہ ہر کوئی نظر نہ آیا۔ اور وہ نہایت فاتحانہ انداز سے منڈا قلعہ میں جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے داخل ہو گیا۔ یہ ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء کا رول بد تھا اب انگریز کو مزید اقدام کی ضرورت نہ تھی۔ وہ عمرا خان کی طاقت کو توڑنا چاہتا تھا توڑ چکا۔

مذکورہ جنگ کے دوران محمد شریف خان سابق خان دیر انگریز کی مدد کرتا رہا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے انگریز کا پیغام لے کر چترال کی طرف گامزن ہوا تھا۔ چنانچہ انگریز نے دوبارہ اسے خان دیر تسلیم کر لیا۔ اس دوران دیر اور سوات ایجنسی قائم ہوئی بعد میں چترال کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا تو وہ مالاکنڈ ایجنسی کے نام سے موسوم ہوئی۔

حاجی عمرا خان جندولی سے نبرد آزما ہونے کے بعد انگریز نے چترال پر اقتدار قائم رکھنے کی غرض سے پشاور سے چترال تک سڑک تعمیر کی۔ اور اسے محفوظ رکھنے کے لئے درگئی۔ مالاکنڈ۔ خار اور چکدرہ میں حفاظتی چوکیاں قائم کیں۔ تقریباً دو سال امن و چین سے گزرے تاہم یوسفزئی افغان سطمئن نہ رہ سکے اور موقع و محال کی تلاش میں رہے۔ انہی حالات میں ۱۸۹۷ء صوبہ سرحد کے تمام

قبائیلوں میں بیک جنبش انگریز کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ وزیرستان سے ایک چنگاری نے اڑتے ہوئے پورے صوبہ سرحد یعنی آفریدی - مہمند - اور علاقہ مالاکنڈ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بالائی سوات میں بھی شورش برپا ہو چکی تھی۔ نواب دیر نے انگریز کو ہالم ملا صاحب اور ان کے رفقاء کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کیا۔ جس سے عوام کے جذبات بھڑک اٹھے۔

۱۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو لنڈاکے کے قریب ملاستان یا سرتور فقیر جس کا اصلی نام سعد اللہ خان ولد حمید اللہ اور موضع ریگا ہونیر کا رہنے والا تھا اور یوسفزئی ملی کے ذیلی شاخ نوری زئی کے اہل زنی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بھائی کا نام زرداد پہلوان تھا، نمودار ہوا۔ جس نے عوام کو جہاد کی دعوت دی۔ انگریز کو علم ہوا تو اس نے مردان سے کانڈز ناسی فوج طلب کر لی۔ اور فیصلہ کیا کہ راتوں رات اسان درہ پر قبضہ کر لیا جائے ۲۶ جولائی کو ملاستان نے لنڈاکے سے تھانہ کا رخ کیا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف چند خورد مال لڑکے ہاتھوں میں جھنڈیاں اٹھائے چل رہے تھے۔ لیکن راستہ میں تین چار سو یوسفزئی نوجوان ساتھ ہو گئے تو مواضعات اللہ ڈھنڈ - بشخیلہ اور پیر کورونہ سے ہوتے ہوئے قلعہ مالاکنڈ پر رات ۹ بجے حملہ آور ہوئے۔ انگریز لشکر نے سراسیمگی کی حالت میں سکھوں کو آگے جھونکا جو اکثر قتل ہو گئے۔ افغانوں نے کواٹر گارڈ پر قبضہ کرتے ہوئے تمام اسلحہ اور ہارود لوٹ لیا اور صبح تک یہ ہنگامہ آرائی جاری رہی۔ اس حملہ میں انیس غازی شہید ہوئے اور انگریز سے ایک کرنل ایک میجر ایک لفٹنٹ اور پانچ سواکس سپاہی مارے گئے اور ایک ہزار تیس سپاہی زخمی ہوئے اسی رات سعد اللہ کے ہدایت پر افغانوں نے قلعہ چکدرہ پر بھی حملہ کر دیا تھا۔ وہاں بھی سخت مقابلہ ہوا انگریز نے

مالاکنڈ فیلڈ فورس کی بنیاد ڈالی۔ جس کا مقصد مالاکنڈ اور ملحقہ چوکیوں پر قبضہ مستحکم رکھنا تھا۔

۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو مذکورہ لشکر کا نوشہرہ چھاؤنی میں اجتماع ہوا جنرل بنڈن بلڈ نے اس کی قیادت سنبھالی۔ اس رات افغانوں نے چکدرہ کے قلعہ پر پھر حملہ کرتے ہوئے چکدرہ کی چوکی پر قبضہ کر لیا۔ دو انگریز افسر ۱۶ سپاہی اور ۲۶ گھوڑے مارے گئے۔ اس کی روداد یوں بیان کی جاتی ہے کہ چکدرہ میں اس جھڑپ کے دوران انگریز تازہ دم فوج لے کر آیا تھا۔ اور ان کی تعداد بھی پہلے کی نسبت زیادہ تھی۔ افغان پیچھے ہٹنے لگے دو انگریز افسر تعاقب میں تھے۔ کہ اچانک جمروز خان نامی ایک بہادر افغان جو مینگورہ (سوات) کا رہنے والا تھا اور ملک تجل نور کا بیٹا تھا اور یوسفزئی کی ذیلی شاخ بابوزئی سے تعلق رکھتا تھا کی للکار سنائی دی وہ اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا رہا تھا اور اپنا ہستول ہاتھ میں لٹے آن کو ٹھرنے کی ترغیب دے رہا تھا اس کے ہاتھوں رسالہ کے وہ دو انگریز افسر گھوڑ سوار مارے گئے اور کئی سپاہی بھی لقمہ اجل بنے اس کا یہ جذبہ چوکی پر قبضہ کرنے میں مدد ثابت ہوا۔ اس حملہ میں کئی غازی شہید ہوئے اور انگریز کا ایک صوبہ دار ایک میجر ایک لفٹنٹ اور ۱۱۱ سپاہی مارے گئے اور ۱۲۰ سپاہی زخمی ہوئے۔ یہ سب کچھ سید اکبر بامی خیل کی ہمت سے ہوا ۲ اگست کو انگریزی لشکر نے اقدام کرتے ہوئے امان درہ پر قبضہ کرنے کے بعد چکدرہ کو بھی محاصرہ میں لے لیا۔ اور اس قدر ہر بریت کا مظاہرہ ہوا کہ جو افغان سامنے آیا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سکھوں کو ہدایت ہوئی کہ وہ اپنا انتقام لینے کے لئے بٹ خیلہ پر پورش کریں وہاں بھی قتل عام ہوا۔ ان جنگوں میں باشندگان سوات - ہاجوڑ اور اتمان خیلوں کے علاوہ بڑی تعداد میں

مقبوضہ علاقہ کے افغان بھی شامل ہوئے۔ اپنے افغان بھائیوں کی امداد و اعانت کے لیے تہہ بائی زئی (ضلع سردان) اور تنگی (ضلع پشاور) سے بھی جتھے آئے۔

انگریز نے جوش انتقام میں چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو گو کہ وہ خالی ہو چکی تھیں اور ان کے مکین پہاڑوں میں چلے گئے تھے ہمار کر دیا۔ اور اسی طرح پائین سوات کے علاقہ کو بھی ہمال کرتے ہوئے بڑھتے گئے اور بالائی سوات پر نظر اٹھی۔ وہاں کے باشندگان نے شرائط صلح طلب کیں لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ اس علاقہ کو بھی ہمال کیا جائے۔ اسی مدعا کے پیش نظر ۱۶ اگست کو جنرل بلڈ کی کمان میں انگریزی لشکر نے تھانہ کی طرف کوچ کیا اور اسداد کے لیے مزید لشکر کو مردان میں مقیم کر دیا گیا اسی دن انگریز لشکر نے لنڈاکے پر حملہ کر دیا جس میں توپ خانہ بھی زیر استعمال تھا۔ افغان مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف سے افراد مرتے اور کٹتے رہے۔ ۱۸ اگست کو انگریز نے جدید انتظامات کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ قدم قدم پر غازی مدافعت کرتے رہے تاہم ۱۹ اگست کو یہ لشکر منگورہ پہنچ گیا۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تھی اور ۲۴ اگست کو بری کوٹ میں قیام کرنے کے بعد واپس اپنے کیمپ کی راہ لی۔

بعد ازاں انگریز کی پیش قدمی جندول کی طرف ہونے لگی تو ۹ ستمبر ۱۸۹۷ء کو غوسم کے مقام پر کیمپ نسب کر دیا۔ ۱۰ ستمبر کو اس لشکر نے مختلف جماعتوں کی شکل میں وادی میں گھومنا شروع کیا۔ خوانین سے انفرادی طور پر بات چیت ہوئی۔ اور بعد ازاں مہمندوں کی گوشمالی کا خیال پیدا ہوا جن پر نواگشی کے راستہ اقدام کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ لشکر کا ایک حصہ ۱۲ ستمبر کو شمشو

پہنچا۔ تو دوسرے حصہ نے علاقہ جبار کی راہ لی۔ اول الذکر لشکر دریائے وتلجے کو عبور کرتے ہوئے علاقہ خار میں داخل ہو گیا اور مقابلہ کرنے کے بجائے خان خار نے آن کا استقبال کیا نیز انگریز کمانڈر کو یقین دلایا کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ جس پر انگریز کمانڈر نے لشکر کی آمد سے فاصلوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس کا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

اب ایک حصہ لشکر کو وتلجے یا وادی میمونڈ کی طرف روانہ کیا گیا اور اس نے رعب ڈالنے کی خاطر وادی میں داخل ہوتے ہی پہلے کاؤں کو نذر آتش کر دیا جس پر افغان جو پہلے ہی سے اپنے گھروں کو خالی کر چکے تھے اور تیار بیٹھے تھے جلدی ان پر حملہ کر دیا۔ انگریز کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ منبہل نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ افغان کافی دور تک تعاقب کرتے رہے۔ انگریز لشکر نے نواگشی جا کر دم لیا۔ وہاں اطلاع ملی کہ مہمندوں کے مشہور بزرگ پٹہ ملا صاحب لشکر لے کر انگریز کا انتظار کر رہا ہے تو اس نے اس وقت مہمندوں کے حملہ کو التوا میں ڈال کر پہلے اس علاقہ کی وفاداری کا اطمینان کر لینا چاہا۔ جبار سے انگریز لشکر کی روانگی پر درہ رست کے قریب افغانوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا۔ نصف رات تک جنگ جاری رہی۔ تین انگریز ایک دیسی افسر کٹی سپاہی اور ۹۸ گھوڑے اور خچر کام آئے۔ دن نکلنے پر انگریز نے تعاقب شروع کیا مگر افغان اس وقت تک دور جا چکے تھے راستہ میں ایک آدھ جھوٹ ہوئی۔ اور جب سواروں نے گھوڑوں سے اتر کر پتھروں کی آڑ لے کر فائرنگ شروع کی تو افغان انہی گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ اب انگریز نے درہ رست کو عبور کرنے کا ارادہ ترک کر کے وادی میمونڈ کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا اور خان خار کے محفوظ ترین قلعہ عنایت میں انگریز

لشکر کا اجتماع ہوا تو ۱۶ ستمبر کو وادی میمونند کی راہ لی۔

مسلمہ توپخانہ اور پیادہ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک حصہ صبح ۹ بجے کے قریب داسودل پہنچا۔ افغان مقابلہ پر اثر آئے اور اس شدت سے حملہ کیا کہ انگریز واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو گیا۔ افغان تعاقب کرتے رہے۔ دوسرے حصہ لشکر نے بدلے کی طرف اقدام کیا یہاں پر بھی افغان ڈٹے رہے اور انگریز نے اپنی خیریت واپس لوٹنے میں ہی دیکھی۔ ادھر تیسرا حصہ جوشاہی تنگی کی طرف کوچ کر رہا تھا مصیبت میں پھنس گیا اور جب افغانوں نے زیادہ پریشان کیا تو اسے بھی واپسی کا حکم ملا۔ افغان پہاڑوں سے نیچے اتر آئے اور ایسی بھگڈ مچی کہ سپاہی ایک دوسرے پر گرنے لگے جب نصف کے قریب لشکری مارے جا چکے۔ تو افغان اس وقت کافی نزدیک آ چکے چنانچہ دست بدست جنگ شروع ہوئی۔ اور بمشکل باقی ماندہ لشکریوں نے بھاگی کر ایک نالہ میں پناہ لی اور ۱۲ بجے تک یہ جنگ جاری رہی اور اس کے بعد جب افغان واپس لوٹے تو ایک انگریز ڈاکٹر ہیوز کو بھی اٹھا لے گئے جس کے انجام کا کچھ پتہ نہ چلا۔

انگریز کے وقار پر یہ کاری ضرب تھی اس نے فوری طور پر لشکر کو جمع کیا اور اقدام کا حکم دے دیا۔ افغان اس وقت دور جا چکے تھے۔ جو تھوڑے بہت رہ گئے تھے انہوں نے جنگ جاری رکھی۔ انگریز نے بمشکل دو گھنٹوں میں پہاڑی پر چڑھ کر قلعہ تنگی پر بمباری شروع کر دی اور اسے برباد کرنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ ان کی واپسی پر افغان ان کے تعاقب میں رہے اور انہوں نے لشکر کے ایک حصہ کو اپنے لرغہ میں لے لیا۔ شام ہوئی اور انگریزی لشکر لرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کو افغان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

افغان سائے کی طرح ساتھ لگے رہے بھاگنے والوں کی حالت قابل رحم تھی راستہ میں نڈھال ہو کر خود بخود گرنے لگے اور سکھوں کا تو یہ حال تھا۔ کہ وہ اپنے اسلحہ اٹھانے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔ شدید بارش ہوئی اور افغان لرغے میں پھنسے ہوئے افراد کو اپنی حالت میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

اگلی صبح انگریز نے ان گم شدہ یا لرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کی فکر کی اور اقدام کیا۔ روانگی پرتی تو راستہ میں لشکروں کے مردے ملے۔ زخمی ملے۔ گرا ہوا سامان ملا۔ اور جب جائے وقوعہ پر پہنچے تو جھونپڑیوں میں اپنے تمام ساتھیوں کو خون میں لت پت پایا جن میں ایک جرنیل بھی تھا اس کا نام انگریز نے صہفہ راز میں رکھا۔ طرف آدمیوں اور خچروں کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس موقع پر ۹ انگریز ۴ دیسی افسر اور ۱۳۶ سپاہی لقمہ اجل بنے۔

۱۸ ستمبر کو جذبہ انتقام کے تحت انگریز نے پوری ایک بریگیڈ فوج کے ساتھ دمدولہ کی طرف اقدام شروع کیا۔ افغان بھی مقابلہ کرتے رہے اور لشکر پر مسلسل آتش بازی ہوتی رہی جس سے بھی معلوم ہو رہا تھا کہ کافی تعداد میں افغان مقابلہ کر رہے ہیں لیکن جب آتش بازی بند ہوئی تو دیکھا گیا کہ صرف ایک افغان انگریز لشکر کو اس قدر پریشان کر رہا تھا۔

۲۰ ستمبر کو انگریز نے موضع اغنی کا رخ کیا۔ اور معمولی جھوٹ کے بعد واپس ہوا۔ اسی طرح ۲۲-۲۳ ستمبر کو داغ اور تنگی کو برباد کیا گیا۔ دریں اثنا انگریز جنگ سے تنگ آ چکا تھا۔ اسے اپنے لشکر کی ضروریات مہیا کرنا آسان نہیں تھا چنانچہ صلح و صلاحیت کے بہانہ جنگ کو ختم کرنا چاہا اور صرف اس قدر مطالبہ کیا کہ ۱۶ ستمبر کو لشکریوں کو قتل کرنے کے بعد جس قدر ہندو قیں چھین

لی گئی ہیں وہ واپس کر دی جائیں اس پر ایک انگریز مصنف مسٹر چرچل یوں اظہار خیال کرتا ہے :-

” یہ ہندو قیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں اگر اہمیت تھی تو ان افسروں اور سپاہیوں کی کہ جو ہم کھو چکے تھے یہ نامناسب کفایت شعاری تھی ۔ لیکن حقیقتاً شہنشاہیت اور کفایت شعاری کا ہمیشہ سے آپس میں ٹکراؤ رہا ہے جیسا کہ دیانتداری اور ذائق اغراض کا ۔ اسی وجہ سے ہم بری رقموں کے پیچھے اچھی رقمیں پھینکنے کے پالیسی پر عمل پیرا رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ۔ تاکہ ہماری ساکھ قائم رہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نادہندہ قرضدار ، تاجر کو ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں سامان مہیا کرنے کے آرڈر دینا شروع کر دیتا ہے ۔“

۲۶ ستمبر کو وادی میمونہ کا ایک جرگہ گفتگوئے صلح کے لئے پنجکوڑہ پہنچا ۔ لیکن صلح نہ ہو سکی تو ۲۹ ستمبر کو انگریزی لشکر نے وادی میمونہ میں ہندو دیہاتوں کو مسمار کر دیا ۔ افغانوں کو اس کا علم پہلے ہی ہو چکا تھا اور انہوں نے اپنے اپنے اہل و عیال کو پہاڑیوں میں لے جا کر گاؤں خالی کر دیے تھے ۔ اور حتی المقدور مقابلہ کرتے رہے ۔ ۳۰ ستمبر کو آگرہ اور غٹ پر آگ برساتی جانے لگی ۔ افغان مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے ڈھول بچ رہے تھے اور والہانہ انداز میں جنگ لڑی جا رہی تھی ۔ دو انگریز افسر مارے گئے ہانچ شدید زخمی ہوئے اور ۵۴ سپاہی لقمہ اجل بنے ۔

لشکر کا کمانڈر پنجکوڑہ میں مقیم تھا ۲ اکتوبر کو وہ تازہ دم فوج لے آ پہنچا ۔ اس کی آمد سے قبل ۳۰ ستمبر کو بدلتی ہوا ہمارے ہتھیار ہو چکے تھے ۔ پہلی بمباری کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۔ بمباری کے بعد جب یہ لشکر واپس لوٹا تو افغان تعاقب کر رہے تھے ۔

اس کے بعد پھر گفتگوئے صلح کا آغاز ہوا ۔ اور ۱۱ اکتوبر کو خان خار ۔ خان جار اور خان نواگئی کی قیادت میں علاقہ کے معززین پر مشتمل ایک جرگہ عنایت قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر لوہا کی میں حاضر ہوا ۔ اور فیصلہ ہوا کہ ایک مقررہ تعداد میں ہندو قیں واپس کرنے کے بعد عمرا خان کے طرفداروں کو اپنے علاقہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے ۔ اس پر ۱۲ اکتوبر کو عنایت قلعہ کا کیمپ اٹھا لیا گیا ۔ انگریز نے خان نواگئی کو دس ہزار روپے ۔ خان خار کو ساڑھے تین ہزار روپے اور خان جار کو اڑھائی ہزار روپے بطور ” صلہ خدمات “ انعام میں دئے تو لشکر کی واپسی ہوئی اور ۲۰ اکتوبر کو جار پہنچ کر اتمان خیلوں سے شرائط صلح طے پائیں ۔ وہاں سے مالاکنڈ جا دم لیا ۔ راستہ میں بمقام جلالہ ایک مختصر سے لشکر کو مقیم رہنے کا حکم ملا تاکہ معاربہ تیراہ میں شمولیت کے خواہشمند ہونیر والوں کو روکا جا سکے اور اس طرح انگریز کا ۱۸۹۷ء کا وحشت اور بربریت کا دور ختم ہوا ۔

ریاست دیر

ریاست دیر شمال مغربی سرحدی علاقے میں واقع یوسفزئی قبیلہ کی ایک قدیم اور سیاسی حیثیت سے اہم اور مشہور ریاست تھی جس کی زیادہ تر آبادی یوسفزئی کی ذیلی شاخ ملی زئی خواجہ زئی ہو مشتمل ہے ۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس ریاست کی ابتدا کب اور کن حالات میں ہوئی کیونکہ اس قبائلی علاقہ میں عہد بہا گو خان کے بعد وقتاً فوقتاً صاحبان قوت اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا حکومتیں قائم کرتے رہے جن میں ریاست دیر کو قدرت نے طویل زندگی عطا کی ۔

کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں اخون الہاس نامی یوسفزئی ایک بزرگی نے اپنے زہد و تقویٰ سے اس علاقہ میں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ جو بعد میں اخوند صاحب دیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور جو سجادہ نشینی کی حیثیت سے قوم کی رہنمائی کرتے رہے اس کی وفات پر اس کے لڑکے ملا اسمعیل گدی نشین ہوا جو اپنے والد کے نقش قدم پر سجادہ نشینی کے ذریعہ قومی اصلاح و تعمیر میں مصروف رہا اس کی وفات پر اس کا لڑکا غلام خان گدی نشین ہوا جس کو حکومت کے ظاہری اسباب - گھوڑے - اصلاح - اراضی اور مال و دولت کافی مقدار میں میسر تھا۔ اس نے مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ خانی کی طرف بھی توجہ کی۔ اور یوں سجادہ نشینی کو حکومت میں تبدیل کر کے ریاست دیر کی بنیاد رکھ دی۔

غلام خان کے بعد اس کے بیٹے ظفر خان نے مذہبی چادر کو امارت و حکمرانی سے مکمل طور پر بدل دیا۔ اور اپنی حکومت کو بزور گرد و نواح کے اقوام پر ٹھونسنے لگا تھا۔ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا قاسم خان جانشین ہوا جس نے دیر کی حکومت کو بڑی حد تک وسعت دی۔ اس وقت علاقہ کاشغر میں چار حکمران تھے جن پر قاسم خان نے حملہ کر کے شکست دی اور ان کو محکوم بنا کر خراج کی ادائیگی پر اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دیر سے ملحقہ علاقہ کافرستان کے ایک حصہ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس کے بعد اقتدار اس کے بیٹے غزن خان کے ہاتھ آیا۔ جس نے ریاست دیر کی حدود وسیع تر کر دیں۔ حکومت میں ریاست کے زیر اثر حدود شمال کو پترال - جنوب کو سخاکوٹ - مشرق کو علاقہ سوات اور مغرب کو علاقہ اسمار (افغانستان) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اس کے ولی عہد رحمت خان نے عنان حکومت سنبھالی اور اس نے اپنے عہد حکومت میں

ریاست دیر کے حدود کو برقرار رکھا۔ رحمت خان کی وفات پر ۱۸۸۴ ع میں اس کے لڑکے محمد شریف خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد کے دوران حاجی عمرا خان جندولی سے جو کشمکش ہوئی اس کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

محمد شریف خان کی موجودگی میں ہی اس کے لڑکوں میں کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی وفات پر اورنگ زیب خان المعروف بادشاہ خان کو خان دیر تسلیم کیا گیا اپنے بھائی میاں گل جان کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوا جس میں میاں گل جان کو علاقہ جندول میں منڈا کا علاقہ دیا گیا اور جندول و دیر کے علاقوں کا تعین ہوا۔ حکومت ہند نے ۱۹۰۸ ع میں بادشاہ خان کو نواب کا خطاب دیا۔ اس کے عہد حکومت میں حالات پر امن نہیں تھے۔ اور اسے کئی معرکوں سے سابقہ پڑا۔ ۱۹۱۵ ع میں ایک مذہبی پیشوا منڈا کے ملانے رونما ہو کر باشندگان سوات جن میں ماسم خان اور حبیب خان شامی زئی پیش تھے، کو ساتھ لے کر نواب دیر کو شکست دی۔ اور علاقہ بالائی سوات کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ نواب کے بھائی محمد عیسیٰ خان نے میاں گل جان کی جگہ جندول کی راہ لی۔ سدو اور سوانے کی چوکیوں کو مخالفین نے نذر آتش کر دیا۔ دوسرے جوانین نے بھی مخالفت شروع کی لیکن اس کے باوجود ۱۹۱۶ ع میں علاقہ ادین زئی اور شموزئی پر نواب دیر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ نیکی خیل اور شامی زئی کے علاقہ میں اسے شکست کھانا پڑی۔

بادشاہ خان کی وفات پر عنان حکومت اس کے بڑے لڑکے شاہ جہان خان نے سنبھالی۔ اور اپنے بھائی عالم زیب خان کو ایک معاہدہ کی رو سے چند شرائط کے ساتھ علاقہ جندول بشمول پکھال - شیرین گال اور جفہ پنج میں اقتدار حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی وعدہ ہوا

تھا کہ اگر وہ دو سال تک نواب دیر پر اپنی وفاداری ثابت کرے گا تو اسے ہاران گولہ کا علاقہ بھی دے دیا جائے گا لیکن یہ اتحاد دیر پا ثابت نہ ہوا

اور جون ۱۹۲۸ع نواب دیر نے عالم زیب خان کو مذکورہ علاقوں سے بے دخل کر دیا۔ معمولی سی مخالفت کے بعد عالم زیب خان نے جار میں پناہ لی۔ لیکن جب ۱۹۳۱ع میں خان خاں نے نواب دیر سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تو عالم زیب خان کو جار سے نکل جانا پڑا اور وہ اتمان خیلوں کے پاس جا مقیم ہوا۔ اس کا ایک اور بھائی بختیہاں زیبخان المعروف تیمر خان نے ابتدا ہی سے سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ اور اب بھی وہ تیملگرہ میں آرام کی زندگی گزار رہے ہیں وہ بہت قابل، نیک اور پارسا آدمی ہیں اور عوام میں بہت مقبول ہیں۔ مارچ اور اگست ۱۹۳۲ع کے دوران عالم زیب خان ہاجوڑ کے مشہور مذہبی رہنما النگر فقیر کی معیت میں ہاجوڑیوں کی امداد سے مسلسل جندول پر ناکام یورش کرتا رہا۔ اگست ۱۹۳۵ع میں اس نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کی اور سالار زئیوں کا لشکر لے جندول جا پہنچا۔ قلعہ مسکینی پر قبضہ بھی کر لیا مگر جلد اسے وہ قلعہ چھوڑنا پڑا اور مردان کے علاقہ میں جا مقیم ہوا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ع کو مخالفین نے نواب دیر کے ہرانے زیر تعمیر نئے محل کو نذر آتش کر دیا۔ عالم زیب خان تحریک مسلم لیگ میں نمایاں حصہ لیتا رہا حتیٰ کہ اکتوبر ۱۹۶۰ع کے انقلاب کے بعد حکمران دیر نے اسے وطن واپس لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔

قیام پاکستان کے بعد نواب شاہجہان خان نے ریاست دیر کا الحاق اس اسلامی سلطنت سے کرا دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی سرحدیں محفوظ ہو گئیں اور اسے کسی بیرونی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہا۔ تاہم

یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ ریاست دیر اور اس کے باشندوں کو اس نے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے کی بجائے دور جہالت کے حکمرانوں کی طرح شخصی حکومت قائم رکھی تھی۔ باشندگان ریاست کو علم سے بے بہرہ رکھا اور عملاً تعلیم کی مخالفت کی۔ پوری ریاست میں نہ کوئی مدرسہ تھا نہ اسپتال۔ باشندے زمانہ قدیم کے رسومات کے مطابق گھریلو علاج کراتے۔ یہی حال زراعت اور تجارت کا بھی تھا۔

حکومت پاکستان کے ذمہ دار افسر وقتاً فوقتاً اس علاقہ کا چکر لگاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر ۱۹۹۰ع کو نواب شاہجہان خان اور اس کے بڑے لڑکے شہاب الدین خان المعروف خان جندول کو حراست میں لے لیا گیا اور حکومت نے انہیں لاہور میں صرف نظر بند رکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اور نواب کے چھوٹے لڑکے شہزادہ خسرو خان کو حکومت پاکستان نے نواب دیر تسلیم کر لیا۔ اور اسی حیثیت سے اس کی دستار بندی ہوئی۔

نواب خسرو خان نے عنان سلطنت منبھالتے ہی ملک کی طرف توجہ کی حکومت پاکستان کی طرف سے امداد و اعانت کی بدولت ملک کے فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے شروع کرے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدارس کا اجرا ہوا۔ شفاخانے کھلے۔ سفری شفاخانوں نے ملک کا چکر کاٹنا شروع کیا۔ سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور وہ لوگ جو حکمران کی آمد سے خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے لگے۔ اور آخر کار حکومت پاکستان نے پمپنی خان کے دور صدارت میں اسے پاکستان میں ضم کر کے اس کی ریاستی حیثیت کا خاتمہ کر دیا۔

نیز یہ بھی طے پایا کہ وہ متفقہ طور پر اپنے لئے ایک سربراہ کا انتخاب کریں۔ اس تحریک میں ماسم خان - حبیب خان درش خیلہ گلدار خان اور تاج محمد خان ملا صاحب کے دست راست کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ نتیجتاً ان سب اراکین جوگہ نے مل کر دیر کی سیادت کا خاتمہ کر دیا۔

مشہد کے جنگل میں جن قابل ذکر افراد نے شمولیت کی ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-

ماسم خان اور حبیب خان ساکنان درش خیلہ (دارمئے) خوشحال اور خواص خان ساکنان بے درہ - گلداد خان ساکن کرے - امیر خان ساکن چمن لالے - امیر خان ساکن برانڈے - بہرام خان ساکن شالپین عظیم خان ساکن چالپار - سلو خان ساکن جنگ - میاں آدم خان ساکن فتح پور - سلطان خان ساکن شینٹر - محمد افضل خان ساکن روڑیال - شمس خان ساکن چپر یال - شریف خان ساکن برہ تھانہ - امیر خان نواب ساکن شکدرہ - شہناز خان ساکن خرپڑے۔

چنانچہ پیر باہا کی اولاد سے سید عبدالجبار شاہ ساکن ستھانہ کو دعوت دے کر اقتدار سونپ دیا گیا اور جنوری ۱۹۱۳ء میں سوات کے پار شمالی علاقہ مشہد میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے حقیقی باقی سٹڈا کے ملا صاحب، اور ماسم خان و حبیب خان شامی زئی تھے۔ میاں گل عبدالودود اور شیر بن جان دونوں بھائیوں کو عبدالجبار شاہ کی قیادت پر اپنا خاندانی وقار خطرہ میں دکھائی دینے لگا تو وہ متحد ہو گئے۔ عبدالجبار شاہ اور اراکین جوگہ نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ پر آئے کٹیلے اور ہوڈی گرام میں شدید جنگ لڑی گئی اور یہ دونوں بھائی بری طرح شکست کھا کر اپنے آبائی مسکن شیدو کو چھوڑ کر ریاست دیر موضع دلبار میں جا مقیم ہوئے۔

نواب دیر نے سوات کے خلاف لشکر کشی کی یہ دونوں بھائی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور میاں گل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے شیدو تک جا پہنچا ادھر نواب دیر کے کچھ لشکر نے شموڑی ہر قبضہ کر لیا۔ جنگ ہوئی ابتدا میں عبدالجبار شاہ شکست کھا کر ہنجی گرام میں جا مقیم ہوا۔ لیکن اس کے بعد عبدالجبار شاہ نے دوبارہ اقدام کرتے ہوئے انہیں سخت شکست دی اور نکال باہر کیا۔ بعد میں عارضی صلح ہو گئی میاں گل سمیت نواب دیر کا لشکر واپس چلا گیا تاہم کشمکش جاری رہی۔ میاں گل بظاہر نواب دیر کے ساتھ تھا تاہم اسے اس پر امداد و اعانت کا کچھ بھروسہ نہ تھا چنانچہ اس نے رخ بدلتے ہوئے خوانین تھانہ کے ذریعے ماسم خان اور حبیب خان کو رضامند کرنے کی کوشش کی اور بمقام تھانہ عنایت خان کے حجرہ میں خوانین کا ایک جرگہ منعقد ہوا۔ اراکین جوگہ کے قابل ذکر نام یہ ہیں :-

محب اللہ خان ولد عنایت خان و بہرام خان خوانین تھانہ - ماسم خان درش خیلہ (دارمئے) صاحب زادہ محمد ایوب خان ساکن تھانہ وغیرہ، بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا۔ کہ بابوزئی کے علاقہ پر میاں گل کی حکومت قائم کی جائے اور اباخیل و موسیٰ خیل کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اور وہ دوسرے علاقوں پر مداخلت نہ کرے۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی ہوا کہ عبدالجبار شاہ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے سوات کے علاقوں میں دیر کی سیادت کو ختم کرا دے۔ چنانچہ میاں گل اور عبدالجبار شاہ نے علاقہ شموڑی میں ترنگ کے مقام پر قلعہ تعمیر کیا تو دیر اور سوات کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل دکھائی دینے لگے۔ ادھر اندرونی کشمکش بدیں وجہ شروع ہوئی کہ ایک ہی مملکت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ میاں گل عبدالودود کی جدو جہد کام آئی اور اس نے ماسم خان - حبیب خان شامی زئی اور سٹڈا کے ملا

صاحب جو درحقیقت سوات کے ہائی کمان تھے، کو راضی کر لیا اور بحکم کابل تپہ نیکی خیل جو درہائے سوات کے دائیں کنارے واقع ہے سیبچنی - شامی زئی - نیکی خیل ہموزی وغیرہ کے خوانین اور عوام کا جلسہ طلب کیا گیا اور آخر ستمبر ۱۹۱۵ء میں اتفاق رائے سے میان گل عبدالودود کو سوات کا بادشاہ منتخب کر لیا۔ اور عبدالجبار شاہ کو معزول کر کے نہایت عزت و احترام اور مال و دولت کے ساتھ واپس ستھانہ لوٹا دیا۔ اور ابتدا میں اس مملکت کا نام حکومت یوسفزی اور سرکاری زبان پشتو قرار پایا۔

میان گل عبدالودود نے بہت مشکل وقت میں اقتدار ہاتھ میں لیا۔ اور اپنے دور حکومت میں اسے بیرونی حملہ آوروں سے وقتاً فوقتاً جنگیں لڑنا پڑیں اور اپنے تدبیر سے ریاست کو کافی وسعت دی۔ حتیٰ کہ ہونیر چملہ - خدوخیل - کوہستان اور وادی کالام کو ریاست میں شامل کیا گیا۔ انگریزوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتے ہوئے خوانین سوات سے مشورہ کرتے بغیر ان کے ساتھ الحاق کیا تو ۳ مئی ۱۹۲۶ء کو حکومت انگلشیہ (برطانیہ) نے ریاست سوات کو تسلیم کر لیا۔ جس کی رو سے مملکت کا نام ریاست سوات قرار پایا اور بادشاہ کی جگہ والی (Ruler) کا لقب تجویز ہوا۔ تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس نے صدیوں کی غیر منظم - غیر تعلیم یافتہ اور کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے والی قوم کو اتحاد و تنظیم کا سبق پڑھایا اور ان کی اپنی حکومت قائم کی۔ ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کرتے ہوئے زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کیں۔ اس لحاظ سے ہائے ریاست میان گل عبدالودود اپنے وقت کا کامیاب ترین حکمران ثابت ہوا۔ ترستھ سال کی عمر میں بخوشی دست بردار ہو کر عنان سلطنت اپنے اڑے بیٹے عبدالعق جہانزیب کو سونپ دی۔ جسے وہ ۱۹۲۳ء میں اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا۔

اس نے ریاست کو مزید ترقی دی۔ اس کے عہد حکومت کے دوران اور صدر ایوب خان کے بعد حکومت پاکستان کے سربراہ یحییٰ خان کے ایک فرمان کے مطابق ریاست کو پاکستان میں ضم کر دیا گیا۔

یوسفزی ہندوستان میں

چونکہ ریاستوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان یوسفزی کا ذکر بھی مختصر طور پر کیا جائے جنہوں نے بحیثیت قوم کے ہندوستان میں کئی ریاستیں قائم کیں۔ ان میں اکثریت کی بنیادیں قبیلہ یوسفزی کے افراد کے ہاتھوں رکھی گئی تھیں۔ اور کچھ ان افراد کا جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر نام پیدا کیا۔ ان ریاستوں کے بچے کھچے نشانات اب بھی رام پور - جونا گڑھ - ماناوادر - پاکندپور - دوجانہ - ٹونک - جاوڑہ - اور بلاسنور وغیرہ کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں۔

ہندوستان میں یوسفزی ریاست کی بنیاد سب سے پہلے داؤدخان اکخیل بابوزئی نے رکھی تھی اور اس کے مقبوضہ علاقہ کا نام اسی کی نسبت سے روہیلکھنڈ پکارا جانے لگا۔ کیونکہ افغان پہاڑی باشندہ ہونے کی وجہ سے روہیلہ پکارا جاتا تھا اور پہاڑ کی نسبت سے روہیلکھنڈ یعنی افغانوں یا پہاڑیوں کا ملک یا علاقہ پکارا گیا۔ داؤد خان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ ۱۷۰۵ء میں سر زمین ہند پر نمودار ہوئے اور اپنی زندگی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے بالاخر کھٹیر اور منہیل، جسے بعد میں روہیلکھنڈ کا نام دیا گیا، پر قابض ہو گئے۔ سلطنت روہیلکھنڈ میں ہدایون - ہلی ہیت - رام پور - بریلی - شاہ جہانپور - بجنور - سروہد اور مراد آباد کے

اضلاع شامل تھے۔

داؤد خان کی وفات پر رسم قبیلہ کے مطابق اس کے متنبی علی محمد خان کی دستار بندی ہوئی۔ دہلی میں اس وقت محمد شاہ مغل کی حکمرانی تھی اس نے ریاست کو اور بھی مستحکم کیا اور اس کی عمر کے آخری ایام میں جرگہ کے فیصلہ کے مطابق اس کے بڑے لڑکے سعد اللہ خان کی دستار بندی ہوئی۔ اور فیصلہ ہوا کہ وہ حافظ رحمت خان کی نگرانی میں کام کرتے رہیں گے۔ لیکن اسے زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اور اس کی وفات پر اقتدار حافظ رحمت خان کے ہاتھ آیا جن کا تعارف باب دوم میں مفصل طور پر کیا جا چکا ہے۔ ان کے دور حکومت میں امن و چین رہا۔ زراعت نے ترقی کی۔ ایک انگریز مقرر مسٹر برک نے انگلستان کے دارالعوام میں اس وقت کا ذکر یوں بیان کیا :-

”ان یوسفزیوں کے ملک کی گلستان کی طرح کاشت ہوئی یہ دنیا بھر میں بہادر ترین۔ معزز ترین اور فیاض ترین قوم ہے“ اور اس کے ساتھ ہی ایک انگریز قانون دان مسٹر مکالے کہتا ہے :-

”ہندوستان میں ان یوسفزیوں کی آبادی نفیس ترین آبادی ہے“

یوسفزیوں کی یہ ترقی یافتہ رہاست شجاع الدولہ مغل اور انگریز کے اغراض کا شکار ہوئی۔ کئی سہیلوں بہانوں سے اسے ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے اور بالآخر مردانہ وار جنگ لڑتے ہوئے اپنے دو ہزار ساتھیوں سمیت حافظ رحمت خان ۲۳ اپریل ۱۷۷۳ء کو شہید کر دئے گئے یوسفزی جس بہادری اور جوانمردی سے نبرد آزما ہوئے اس کا ذکر کرنل چیمپین نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

”دشمنوں (یعنی یوسفزیوں) کی اس بہادری و عزم کی تفصیل بیان کرنے کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اکثر

ایسے نڈر تھے کہ وہ اقدام کرتے ہوئے مخالف لشکر کے درمیان پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دیتے تھے تاکہ ان کے رفقاء کے حوصلے بلند ہوں۔“

حافظ رحمت خان کے عہد میں رام پور پر فیض اللہ خان کا اور بسولی، مراد آباد، چاند پور اور سنہیل پر دوندے خان کا اقتدار رہا اس وقت نجیب خان المعروف نجیب الدولہ جس کا تعلق یوسفزی منڈر کے ذیلی شاخ عمر خیل خاندان نظر خیل سے ہے، نے پہلے ہی سے اقتدار اور طاقت حاصل کی ہوئی تھی اور اپنے نام کی نسبت سے نجیب آباد میں برسر اقتدار رہا اس کی تفصیل بھی باب دوم میں بیان کی جا چکی ہے۔ اور جیسا کہ درائیوں کے دور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے وقت اس کا ساتھ نجیب الدولہ دے چکا تھا احمد شاہ ابدالی نے واپس ہوتے وقت اس کو دہلی کا نگران مقرر کیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ضابطہ خان پھر اس کے لڑکے غلام قادر خان روہیلہ نے بتدریج شہرت حاصل کی۔ ضابطہ خان کے دوسرے لڑکے بھنبھو خان کو بعد میں انگریزی حکومت نے جاگیر عطا کی تھی اس طرح اس کے دو بیٹوں محمود خان اور جلال الدین خان کو وٹلیفے ملتے رہے۔ محمود خان نے ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی ہند میں حصہ لیا تو انگریز کے ہاتھوں میرٹھ جیل میں جان بحق ہوا جنرل بغت خان بھی اس خاندان میں مشہور اور قابل ذکر حیثیت کے مالک تھے اسی طرح عبدالاسلام خان نے میدان صحافت میں نام پیدا کیا اور نسب افغانہ اس کی مشہور تصنیف ہے۔

اکرم خان ولد رحیم خان یوسفزی منڈر کے ذیلی شاخ عمر خیل کے خاندان عنایت خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ۱۸۵۷ء کے جنگ کے دوران ہندوستان گیا وہاں ملازمت اختیار کی۔ اور جلد ہی اپنے

عقل و تدبیر کی وجہ سے وہاں کے حکمران کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تو بعضی اکرم خان کے نام سے وہاں کا وزیر بنا۔ اس کے تین لڑکے تھے اکبر شاہ - نادر شاہ اور احمد شاہ - اکبر شاہ اور نادر شاہ کی اولاد ہندوستان میں مقیم رہی جبکہ احمد شاہ وطن اجداد آ گیا تھا اور اس کی اولاد کندی عنایت خیل صوابی میں مقیم ہے۔

حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد یوسفزیوں کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ کچھ کمایوں کی پہاڑیوں میں جا گھسے اور بعض چھپتا (چیتو) فتح خان اور امیر خان کی سرکردگی میں برار سی ہی کی جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ جہاں سے انہوں نے انگریزوں کے خلاف منظم جنگ کا آغاز کیا۔ نواب امیر خان بانٹے ریاست ٹونک کا تعلق یوسفزیوں کے ذیلی قبیلہ سالار زئی میں سلی خیل کے اللہ داد خیل سے ہے۔ محمد شاہ مغل کے دور حکومت میں اس کا دادا طالع محمد خان اپنے وطن بونیر کے موضع جٹوڑ سے نکل کر ہندوستان وارد ہوا تھا۔ اور روہیلکھنڈ میں دوسرے یوسفزیوں کے ساتھ مقیم رہا۔ اس کا لڑکا حیات خان، حافظ رحمت خان کا شریک کار تھا۔ اور حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد اس نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس کے لڑکے کا نام امیر خان تھا جس نے نہایت بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریز کے ساتھ جنگیں لڑیں اور بالآخر ریاست ٹونک پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔

ریاست جاوہر کی بنیاد نواب غفور خان جو نواب امیر خان والی ریاست ٹونک کا رشتہ دار تھا، کے ہاتھوں پڑی جو انگریز اور نواب امیر خان کے معاہدہ کے تحت عمل میں آیا تھا۔

ریاست جونا گڑھ کی بنیاد یوسفزی رزؤ کے ذیلی شاخ اکو خیل کے عادل خان بابی کی اولاد میں سے شیر خان نے اپنی ہمت - طاقت اور

تدبیر سے رکھی اور اپنے دو بھائیوں دلیر خان اور شیر زبان خان کو مانا وادر کا علاقہ سونپ دیا تھا۔ بعد میں ان دونوں بھائیوں نے جائیداد تقسیم کی تو دلیر خان کو مانا وادر اور شیر زبان خان کو بنشوا اور گیداد (سردار گڑھ) کا علاقہ ملا۔

ریاست بلامنور کی بنیاد نواب منور خان نے رکھی تھی۔ جو یوسفزی مندڑ کے ذیلی شاخ بابی خیل سے تعلق رکھتا تھا اور ۱۸۹۰ ع میں انگریز سے معاہدہ کرنے کے بعد اس پر تسلط رہا۔

نامور افراد میں عظیم اللہ خان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جسے مفکر جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ ع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس نے انگریزی - فرانسیسی اور مقامی زبانوں میں سہارت حاصل کی تھی۔ انگلستان - ترکی اور روس کا سفر کیا اور ان ممالک سے راہ و رسم پیدا کرے۔ وہاں سے واپس مہو کر ہندوستان کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جس کے مطابق یہ جنگ لڑی گئی لیکن اس کے جسد خاکی کا پتہ تک نہ چل سکا۔ اس کا تعلق یوسفزی مندڑ کے ذیلی شاخ عمر خیل سے ہے جو اس وقت بھی مانیری صوابی میں آباد ہے۔

داؤد خان یوسفزی کے متنبی علی محمد خان جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے دور اقتدار میں موضع مرغز تحصیل صوابی سے مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کے دادا حیات خان ہندوستان گئے تھے۔ ان کا نسبی تعلق یوسفزی مندڑ کے ذیلی شاخ میر احمد خیل کے یارا خیل سے ہے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر جو بعد میں علی برادران کے نام سے موسوم ہوئے، نے اپنی اہلیت اور قابلیت سے انگریز کے خلاف سیاسی میدان میں اہک پہل چل پیدا کر دی تھی۔ جس کا ذکر اکثر جریدوں میں ہوتا رہا۔

اس لیے یہاں اس پر مفصل بحث کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ اور چونکہ یہ اوراق طوالت کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ کس طرح ان مجاہدین نے پاکستان کے شمال مغرب کے سرحدی پہاڑوں سے نکل کر اپنی ہمت، استقلال، جوانمردی اور تدبیر سے ریاستیں قائم کر لی تھیں۔

ریاست فرخ آباد

جیسا کہ یوسف زیوں نے روپہلکھنڈ میں حکومت قائم کی تو اس طرح ان کے قریب پڑوس میں بنگش ہٹھانوں نے بھی محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فرخ آباد میں اپنی ریاست قائم کی۔ بنگش خاندان کی حکومت کا بانی محمد خان بنگش ہوا۔ اس نے مالوہ اور بندیل کھنڈ میں بڑے کارنامے انجام دیے۔ محمد خان بنگش کی وفات پر اس کا بیٹا قائم خان جانشین ہوا جو اودھ کے نواب صفدر جنگ مغل کی سیاست کا شکار ہو گیا۔ صفدر جنگ نے قائم خان کو حافظ رحمت خان سے لڑوا دیا اور اس کے ایماء اور سازش سے قائم خان مارا گیا۔ صفدر جنگ نے بنگشوں کی فرخ آباد کی ریاست پر ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر جلد ہی ہوش میں آ کر محمد خان بنگش کا بیٹا احمد خان بنگش میدان میں آ گیا اور حافظ رحمت خان سے تعلقات بنانے کے علاوہ اس نے خوب مقابلہ کر کے فتح پائی اور صفدر جنگ کو ناک چنے چبوا دیے اس کا صوبیدار نول رائے جنگ میں مارا گیا۔ احمد خان بنگش بہت سمجھدار اور بہادر شخص تھا اس نے جنگ پانی پت میں بھی اپنے جوہر دکھائے تھے اس کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۳۶۷ پر ہوا ہے۔

آخر میں درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ

سندھ، سرحد اور بلوچستان کے علاوہ ہندوستان میں انگریزی عملداری کے قیام پر افغانوں کی پہلی مردم شماری ۱۹۰۱ء جس کو تاریخ نسب افغانہ (صفحہ ۱۲) کے مصنف عبدالسلام خان عمر خیل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے حسب ذیل تھیں۔

تعداد	صوبہ جات
۴۲۵۹۶۶	(۱) اجمیر، ماروڑ، راجپوتانہ، پنجاب، کشمیر
۱۸۲۷۸۹	(۲) بمبئی، برودہ
۳۳۱۳۷۹	(۳) مدراس، میسور، ملکہ متوسط ہزار
۹۱۹۲۶۳	(۴) شمالی متحدہ بہار
۲۳۵۱۶۲	(۵) بنگال، آڑیسہ
۱۱۳۵۳	(۶) آسام، شکم، کوچ بہار ٹپرا
۲۱۱۶۷۱۳	میزان تمام ہندوستان
افغانوں کی کل تعداد اکیس لاکھ سولہ ہزار ایک سو چودہ	

علاقہ چھچھ کے افغان

قطع نظر ان افراد یا خاندانوں کے جنہوں نے سرحدی افغانی علاقہ سے نکل کر ہندوستان میں اپنی ریاستیں قائم کیں۔ یا وہاں سکونت پذیر ہوئے ایک بڑی تعداد خان گجو کے وقت اور پھر مصری خان مالارزئی اور بہا کو خان خدوخیل کی قیادت کے دوران دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے علاقہ چھچھ میں جا مقیم ہوئے اور ان کے ناموں کی نسبت سے آبادیاں ظہور میں آئیں۔ جو اس وقت تک علاقہ چھچھ میں افغان مالکانہ حیثیت سے بیشتر حصہ پر آباد نظر آتے ہیں۔ اور علاقہ کے صاحب ثروت تاجر پیشہ۔ زمیندار اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر

سرفراز افراد کی اکثریت انہی افغان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔
 چھچھ کا علاقہ مقام اٹک سے دریائے سندھ کے مشرق کی طرف
 اور تحصیل صوابی کے بالکل مقابل جنوب کو ہے یہ علاقہ چوراسی ۸۴
 دیہاتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے نام کی نسبت کا وثوق سے کچھ نہیں
 کہا جا سکتا مؤرخین اپنے اپنے خیال کے مطابق اسے کسی کے ساتھ
 منسوب کر دیتے ہیں البتہ گزٹیر راولپنڈی ۱۸۶۵ء میں ایک انگریز
 افسر کرنل کریکرافٹ نے اس کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ دلچسپ
 بھی ہے اور معتبر بھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ چھچھ کا لفظ اصل میں
 پشتو کا لفظ ”چھج“ ہے جو یوسفزیوں نے یہاں آکر یہ نام اس
 علاقہ کو دیا۔ ”چھج“ پشتو میں ہاتھ کی بنی ہوئی ایک ایسی چیز
 کو کہتے ہیں جس سے اناج صاف کیا جاتا ہے۔ اور اس کے تین کنارے
 محفوظ اور ایک ڈھلان کی شکل کا ہوتا ہے ہو بہو یہ شکل علاقہ
 چھچھ کی بھی ہے یہی لفظ ”چھج“ بعد میں چھچھ بنا۔ کرنل کریکرافٹ
 کی تحریر کا ایک پھرہ ہما کو خان اور اورنگزیب کے علاقہ چھچھ میں
 شدید جنگ کے دوران اوپر تحریر کیا جا چکا ہے آگے وہ لکھتے ہیں کہ
 چھچھ کے علاقہ میں گنجان آبادی یوسفزی پٹھانوں کی ہے اور
 مالکوں میں اکثریت بھی یوسفزی پٹھانوں کی ہے جو اعلیٰ
 درجہ کے کاشتکار ہیں۔ افغان جو پٹھان کہلاتے ہیں چھچھ
 کی وادی اور برہان میں آباد ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد نے دلازاکی
 کو یہاں سے باہر نکال کر خود آباد ہو گئے تھے دلازاکی کے
 کچھ بقایا لوگ دو یا تین گاؤں میں اب بھی کچھ گھرانے
 موجود ہیں۔ یہ پٹھان اچھی نسل اور بہترین قسم کے کاشتکار
 ہیں۔ آپس میں پشتو بولتے ہیں اور ملک کی زبان پنجابی سے
 نا آشنا ہیں۔ ان کے بہت سے قبیلے ہیں مثلاً سرکانی - متنی -

علی زئی - وردگ - غرغشت - وغیرہ ان کے خاندان آخری زئی یا
 خیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ علی زئی علاقہ برہان اور حضرو میں
 اور ماغری مکھڑ میں آباد ہیں۔ چھچھ اور برہان کے معزز
 اشخاص یہ ہیں۔ لطیف خان عمرزئی سکند ملک مالہ - میر
 عالم خان غرغشتی - نادر خان علی زئی سکند سرواندہ - بوستان خان
 وردگ سکند نطوفہ - شیر محمد خان اور فیروز خان علی زئی سکند
 برہان - پٹھانوں کی آبادی علاقہ چھچھ میں ۵۶ گاؤں اور برہان
 میں ۹ اور مکھڑ میں ۷ گاؤں ہیں اس کے علاوہ بھی دیگر
 دیہات میں حصہ دار ہیں اور سرکار کو ۶۸۱۵۱ روپہ مالہ
 سالانہ ادا کرتے ہیں۔“

ان کے علاوہ علاقہ چھچھ میں مندرجہ ذیل افغان قبائل بھی آباد
 ہیں مثلاً سیدخیل ، نسوزئی ، ماسوزئی ، (موضع شینکی) عمرزئی ،
 بہوقی ، مایار ، میانہ ، برہ زئی ، سروانی ، خگوانی ، شیرانی ، پیر زئی ،
 عدل زئی ، فرملی ، خورہ خیل ، وغیرہ۔ ان سب قبائل کی شاخیں اور
 اور ہم نسل لوگ انہی ناموں سے دریائے سندھ سے شمال کی طرف
 علاقہ یوسفزی کے سمہ (ضلع مردان) ہونیر - سوات اور دیر باجوڑ میں
 بھی آباد ہیں۔ قبائل فرملی اور غرغشتی چھچھ آنے سے قبل علاقہ
 یوسفزی کے تپہ رزڑ موضع فرملی نزد شیوا اور تپہ خودو خیل کے موضع
 غرغشتی نزد طوطالی میں آباد ہو چکے تھے وہ گاؤں جس میں یہ لوگ
 نہیں ہیں پھر بھی اب تک انہیں کے ناموں سے موسوم ہیں۔

ایف اے رابرٹ سن علاقہ چھچھ کے ہندوہست کے بارے میں
 گزٹیر راولپنڈی ۱۸۸۵ء میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں :- کہ
 پٹھانوں کا ہندوہست دو حصوں پر مشتمل ہے ایک ضلع کے
 شمال مغربی کونے پر تحصیل ہندی گھیب میں مکھڑ کے آس

پاس جو ساگری پٹھان (بلاق خٹک) کہلاتے ہیں۔ دوسرا تحصیل اٹک علاقہ چھچھ میں یوسفزئی آباد ہیں۔ جو پشاور ضلع کے تحصیل صوابی سے دریائے سندھ کے مخالف سمت میں واقع ہے پٹھانوں کے ان دو علاقوں کے درمیان دریائے سندھ کے کنارے پر کھٹڑ اور قطب شاہی آوان آباد ہیں۔ چھچھ اور برہان کے علاقے کا پٹھان آپس میں مل جل کر ایک قبیلہ چلا آ رہا ہے۔ وہ عموماً بہت ہی عمدہ کاشتکار ہیں۔ اور دریائے سندھ کے پار اپنی برادری سے مختلف نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان میں کوئی مختلف خاندان بنے ہیں۔ اس وقت کے مشہور خوانین تحصیل اٹک میں حسب ذیل ہیں۔ میر عالم خان سکند غورغشی، آصف خان سکند ملک مالہ، امیر خان سکند ویسہ، علی اکبر خان سکند یاسین، اکبر خان سکند برہان اور غزن خان پٹھان جو اپنی وفاداری کے لئے مشہور ہے۔ اور جس نے قضیہ پٹند ستارہ کے سلسلہ میں اچھی خدمات انجام دیں۔ ان کو صلہ میں تحصیل کہوٹہ میں ایک اچھی ریاست ملی ہے:-

اوپر کے بیانات سے اس امر کی تصدیق تو ہو جاتی ہے کہ یوسفزئی وقتاً فوقتاً دیر سوات، بولیر اور سمنہ، علاقہ یوسفزئی سے نقل مکانی کر کے اپنے اپنے خاندانوں سے جدا ہو کر علاقہ چھچھ میں آ کر آباد ہو گئے تھے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ انگریز کے اس علاقے پر قابض ہونے سے قبل کے مکمل حالات باوجود سخت جستجو کے نہیں مل سکے جن پر کچھ روشنی ڈالی جاتی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ مصروف جنگ و جدل رہے اور برادری کے جو مظاہرے بونیر سوات اور صوبہ سرحد کے افغانوں پر مغل سکھ اور انگریز حکمرانوں کی طرف سے ہوتے رہے ان میں پہلا نشانہ یہی بنتے رہے۔ ان

میں ایسے افراد کی کمی نہیں تھی جن کا ذکر ہمارے ان اوراق کی زینت بنتا۔ ان کے گھرانے لوٹے گئے آبادیوں کو نذر آتش کیا گیا انگریز کے ہندوستان ثانی ۱۸۸۷ ع میں ویسا گاؤں کے متعلق سرکاری اندراج یوں کیا گیا ہے:-

آبادی اس گاؤں کی ویسا خان نے کی اس کے نام پر ویسا مشہور ہے عہدہ مسلمانی میں و نیز عہد سکھان میں یہ گاؤں چند دفعہ ویران ہوا۔ ۵۰ سال قبل ہندوستان قانونی سے برابر آباد ہے۔

اس وقت اس گاؤں میں بے شمار شہدا کی قبریں اس کی غمازی کر رہی ہیں اسی طرح اور دیہاتوں میں جہاں افغان آباد ہیں۔ شہدا کی قبریں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ باوجود سخت کوشش کے بھی فی الحال اس کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ جس کی اہم وجہ یہ ہے کہ نئی نسل کے جدید طرز تعلیم و تربیت کے پیش نظر انہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے اور وہ اپنے آباؤ اجداد کو فراموش کرتے جا رہے ہیں وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ پٹھان ہیں اس سے زیادہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کس خیل سے ہیں۔ دیگر انگریز کے تقسیم ملک نے ان کو دور لے جا کر پھینک دیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس تقسیم کے پیش نظر پنجابی کہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ معلوم رہے کہ علاقہ چھچھ کو انگریز نے پنجاب میں شامل کر دیا تھا جو بدستور پنجاب کا ہی ایک حصہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کے افغان مقامی باشندوں کے زیادہ قریب آتے گئے اور ان میں باہمی راہ و رسم اور مشترکہ کاروبار کا سلسلہ شروع ہوا نتیجہ یہ کہ وہ ان کے زیادہ قریب اور اپنی برادری سے دور ہوتے چلے گئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ان کی اپنی زبان پشتو بدلتے ہوئے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کیونکہ یہ قدرت کا اصول ہے کہ جو قوم اپنی اصلیت اور اپنی زبان کو پس پشت

ڈال دے تو وہ اپنی ملی روایات - تمہذیب و تمدن کو تا دیر زندہ و برقرار نہیں رکھ سکتی تاہم مجھے توقع رکھنی چاہئے کہ قوم کے نونہال اپنے آپ کو شناخت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے اور جس چیز کی ہمیں تلاش ہے اس میں کوشاں رہیں گے فی الحال میری جستجوئے تلاش و تحقیق صرف گزٹیر راولپنڈی ۱۸۶۵ع و ۱۸۸۵ع تک ہی محدود رہی جو عزیز خان ولد عظیم خان افغان ستنی (لال خیل) موضع ویسا کی کوشش سے میسر آئی اور اس نے میرے ساتھ اس بارے میں کافی مدد کی۔ اس کے علاوہ ان کے ماموں زاد بھائی سکندر خان ولد محمد ایوب خان جو امیر خان سکند ویسا کی اولاد میں سے ہے، کا جذبہ نہایت قابل تعریف ہے۔ اس طرح سردار خان ولد وزیر خان نسوزئی سکند نطوفہ بھی اس مطلوبہ جستجو میں پیش پیش رہے۔

ضلع ہزارہ میں افغان

زبانہ قبل میں یوسفزیوں نے ضلع ہزارہ کے موجودہ تحصیل ہری پور و ایٹ آباد کے علاقے دلازاک و گکڑ وغیرہ سے حاصل کر لیے اور مواتی پٹھانوں سے کچھ تعرض نہ کیا۔ تو ایٹ آباد کا علاقہ انہوں نے گدون یا جدون کو دے دیا اور تحصیل ہری پور میں یوسفزی مندڑ کی ذیلی شاخیں اکاڑی۔ کنارڑی اور علی زئی مقیم ہوئے اور انہوں نے اپنے ساتھ اسی علاقے میں اپنے حمایتی افغان قبائل ترین - ہنی - کاکڑ شلمانی اور شوانی کو بھی آباد کیا۔ جن کے مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں :-

گدون (جدون) : یہ پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ جو

اس وقت علاقہ اتمان یوسفزی اور اس کے متصل علاقہ ایٹ آباد ضلع ہزارہ میں آباد ہے ابتداً یہ قبیلہ بھی دوسرے پٹھانوں کے ساتھ قندہار اور بلوچستان کے درمیانی علاقہ میں مقیم تھا۔ یوسفزیوں کے کابل سے آمد کے کچھ عرصہ بعد یہ بھی وہاں سے یوسفزی کے ہاں چلے آئے سید محمود شاہ اپنی تصنیف بفتح الانساب میں لکھتا ہے کہ :-

یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے بتدریج خلیل - گگیانی - محمد زئی - کمال زئی - اور اتمان زئی قبائل سے جا ملے رہائش مانگی مگر ہدیرائی نہ ہوئی تو اس قبیلہ نے دریائے مندھ کا رخ کیا۔ دریا عبور کرنے کو تھے کہ قبیلہ اتمان زئی نے ان کو مصلحتاً واپس لوٹا کر مواضعات بازہ - کبل کیا - اچیلٹی - چنیٹے - گابائی اور سنگل چائی گندف وغیرہ سال مویشی چرانے کے لیے دے دیے۔ مگر کچھ عرصہ بعد اتمان زئیوں نے بازہ اور کبل کہا کا علاقہ ان سے واپس لے کر خود وہاں رہائش

اختیار کی :-

بفتح الانساب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب بہا کو خان یوسف زئی نے ہزارہ پر حملہ کیا تھا۔ تو گدون اس کے ساتھ تھے اور انہوں نے اس وقت سے دوڑی ناسی ندی کے دونوں اطراف کے میدانی علاقہ میں اپنا اقدار قائم کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ یوسفزیوں کے ساتھ ابتدا ہی سے رہے۔ اور ہمیشہ ان کی امداد و اعانت میں پیش پیش رہے تھے۔ اور تقسیم اراضی کے وقت یوسفزی نے ان کو اتمان کے ساتھ گندف وغیرہ کا علاقہ ابتدا ہی سے دیا تھا۔ اور یوسف زئی نے ہزارہ کے نئے مقبوضات میں سے بھی یہ موجودہ علاقہ ان کو دیا تھا۔

قبیلہ گدون دو حصوں میں تقسیم ہے سالار اور منصور جن کی

ذیلی شاخیں حسب ذیل ہیں :-

سالار کی شاخیں - مت خوازے - اتوزے اور سلیمانزے ہیں اور منصور کی شاخیں موسیٰزے - دولت زئی - خذرزئی اور امیزی ہیں -

سکھ اور انگریز کی آمد پر یہ قبیلہ غیر جانبدار رہا - لیکن ۱۸۵۸ء میں انگریز نے بونیر کے یورش کے دوران اس قبیلہ کو اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقہ میں قیام کرنے نہیں دیں گے - اور جب قبیلہ سالار اور کبل کیا کے اتمان زئیوں نے اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو ناکہ بندی ختم ہوئی - جب معرکہ امبیلہ شروع ہوا تو گدون انفرادی حیثیت سے شریک ہوئے معرکہ امبیلہ کے اختتام پر گدون کے خلاف انگریز نے لشکر کشی کی اور مینی پہنچ گئے - صلح کی گفتگو شروع ہوئی جو قریب قریب مکمل ہونے کو تھی کہ رات کو ملک جہانگیر خان اتفاق نہ کرتے ہوئے گندف سے چلا گیا اور مینی کے اکاڑی کی مداخلت پر جنگ نہ ہوئی - انگریز لشکر کپل کیا کی طرف کوچ کرتے ہوئے منڈی پہنچ کر اسے نذر آتش کر دیا - بعد میں سالار اور منصور سے صلح ہو گئی - اس کے بعد بھی انگریزوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں - اور سمجھوتے بھی طے ہاتے رہے - آزاد زندگی گزار رہے تھے - پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد انہوں نے اس سے الحاق کر دیا افسوس کہ گدون کے وہ لوگ جو ایٹ آباد تحصیل میں آباد ہو چکے تھے پشتو زبان کو بھول گئے -

پنی اور کا کڑ

یہ دونوں الغان قبائل دانی کے بیٹے ہیں اور دونوں کا مشترک

نام دانی ہے اور قبیلہ غرغشت سے متعلق ہیں - ان کے کچھ گھرانے یوسفزیوں کے ساتھ افغانستان سے آئے تھے اور ان کی برادری میں شامل ہوئے تھے - (اگرچہ ان کا بڑا قبیلہ اس وقت شمالی بلوچستان کے علاقہ کوہ سلیمان میں آباد ہے -) یہ لوگ یوسفزی کی ہر تکلیف و راحت میں شریک رہے اور جب یوسفزی کا موجودہ تحصیل پوری پور پر لیا قبضہ ہوا تو ان کو میدان ہزارہ اور صوابی میرہ میں حسب منشا حصہ دیا گیا جو اس وقت تک یوسفزی کے ذیلی شاخ اتمانزئی کے ساتھ تحصیل پوری پور میں آباد ہیں - بموجب تحریر مصنف تواریخ خان جہانی و مخزن افغانی جلد دوم صفحہ ۶۳۷ یہ لوگ یوسفزی کے رشتہ دار بھی تھے وہ یوں کہ ان کے ہاں مسمی سلیمان پر ملک یوسف بن خشی کی بیٹی بیہا ہو چکی تھی جب کہ یہ لوگ قندھار کے مغربی علاقہ میں آباد تھے مصنف نے سلیمان کو پنی کے بیٹے یہودا کے پانچویں پشت میں بتایا ہے - اور پھر سلیمان کی اس بیوی سے پیدا شدہ دو بیٹے عیسیٰ (علی) اور موسیٰ کے نام بتاتے ہیں - اگر یہ صحیح ہوں جیسا کہ درست معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ رائے قائم ہوتا ہے کہ یہ پنی لوگ جو موضع پنیان تحصیل پوری پور میں آباد ہیں عیسیٰ اور موسیٰ کی اولاد ہوں گے جو یوسفزی کے بھانجے تھے - اور کا کڑ پنیوں کی رشتہ داری اور برادری کے سبب ان کے ساتھ شامل رہے ہوں - اور پنی و کا کڑ کا یوسفزی کے ساتھ شامل ہونے کا سبب بھی یہی رشتہ داری ایک ذریعہ ہوں -

یہ بھی معلوم رہے کہ ابتدا میں پنی و کا کڑ کو شیخ ملی کی تقسیم میں تھہ بائی زئی علاقہ مردان کے موضع پیرسدو میں حصہ ملا تھا اور کچھ حصہ موضع قطب گڑھ میں بھی ملا تھا جو اس وقت بھی وہاں یہ سب کا کڑ کے نام سے موسوم اور آباد ہیں ضلع ہزارہ میں ان کو اس نئے مقبوضات میں دوبارہ حصہ دیا گیا تو پیرسدو اور قطب گڑھ

سے کچھ لوگ یہاں ہزارہ میں آکر آباد ہوئے اور کچھ گھرانے وہاں ہی موضع پیر سدو اور صرف ایک گھرانہ قطب گڑھ میں بحال سابقہ مقیم رہے جو اب تک ان کی اولاد وہاں رہائش پذیر ہیں مگر ان سب کو کاکڑ بولا جاتا ہے ہنی کا الگ نام نہیں پیر سدو اور قطب گڑھ کے علاوہ یہاں اسی تہہ میں ان کو موضع کوٹ جھونگرہ میں بھی حصہ ملا تھا اور اب بھی یہاں کچھ گھرانے آباد ہیں مگر یہ لوگ ہنی و کاکڑ کے نام سے نہیں بلکہ غرغشتی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ موضع پیر سدو میں کاکڑ کے علاوہ ملا گوری، اتمان خیل، دلازاک کے دو گھرانے، غازی خیل اور شاہی خیل بھی آباد ہیں اور ایک ایک گھرانہ معیار، میانہ، پیر خیل، سواتی وغیرہ افغان بھی آباد ہیں۔

ترین

ان کے کئی خاندان یوسفزیوں کے ساتھ ابتدا ہی میں آئے اور ان کے ساتھ آباد ہوئے اور جب یوسفزیوں نے اشغر کا علاقہ محمد زئیوں کو دے کر موجودہ علاقہ میں مقیم ہوئے تو یہ ترین بھی ترناؤ سے منتقل ہو کر ان کے ساتھ آباد ہو گئے۔ جب شیخ ملی نے ملک احمد خان اور خان قرہ کی قیادت میں اراضی تقسیم کی تو اس میں ترین بھی شامل تھے۔ اس وقت وہ چملہ کے مشرق حصہ میں رہے اور ان کے نام سے ترینان اب بھی ایک گاؤں وہاں آباد ہے جو موضع نگرئی کے قریب واقع ہے دلازاک کو نکالنے کے بعد تقسیم اراضی میں ان کو بھی منڈی کے ساتھ حصہ ملا۔ اور یار حسین منتقل ہو گئے چنانچہ موضع یار حسین تحصیل صوابی میں ترینان وند کے نام سے اب بھی اراضی موجود ہے۔ اور وہاں ان کے ایک خاندان بھی آباد ہے۔ اور جب

یوسفزی نے ہزارہ پیر یورش کی تو ترین ان کے ساتھ تھے۔ اور وہاں کے میدانی علاقوں میں ڈیرے جما لئے تو ان کی آبادیاں درویش۔ ہانڈک ریحانہ اور ہڈیانہ وغیرہ کے ناموں سے منظر عام پر آئیں۔ اور وہ طور ترین کہلائے اس کے علاوہ جٹو، تور بیلہ میں بھی ان کی مختصر سی آبادی ہے لیکن اب یہ ڈیم کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہی ہے جسے سچین ترین کہتے ہیں۔

سواتی پٹھان

اس قبیلہ نے سلطان محمد غوری کے عہد میں ان کے حکم سے سوات اور ہاجوڑ کی راہ لی تھی۔ اور وہاں سے قدیم باشندوں جو کافر تھے، کو نکال کر قابض ہوئے اور قریب چار سو سال تک یہاں قابض رہے اور پھر ان میں سے ایک ہرزگ شاہ میں بابا نے ہٹ خیلہ سے جا کر کشمیر پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کی محمد اکرام مصنف اب کوثر لکھتا ہے: کہ

سوات کے ایک بزرگ شاہ میں ۱۳۱۵ع میں کشمیر کے راجہ منگھ دیو کے ہاں ملازم ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت سے بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ ان کے بیٹوں کو بھی راجہ نے بڑے اختیارات دئے اور خود ان کو راجہ کے ایک جانشین نے اپنا وکیل مطلق مقرر کیا آخر میں جب ملک کا نظام درہم برہم ہونے لگا تو ۱۴۴۳ع میں شاہ میر شمس الدین شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے اور سکھ و خطبہ جاری کیا۔ کشمیر میں اسلام ان کی بدولت پھیلا۔ شاہ میں نے کشمیر سے اسلام کے سیاسی تعلقات کی بنیاد ڈالی۔

کیمرج ہسٹری میں شاہ میر کی نسبت لکھا ہے کہ
نئے بادشاہ نے اپنے اختیارات سمجھ اور نیک نیتی سے استعمال
کئے کشمیر کے ہندو راجے بڑے ظالم تھے - ان کی علانیہ
پالیسی یہ تھی کہ رعیت کے پاس معمولی دال روٹی سے زیادہ
کچھ نہ رہنے دیا جائے - نئے بادشاہ کی حکومت لبرل اصولوں
پر قائم تھی - اس نے بے جا سرکاری لگان اور غیر منصفانہ
ٹیکس ہٹا دیے - ٹیکس وصول کرنے کے ظالمانہ طریقے موقوف کر
دیے اور سرکاری لگان پیداوار کے چھٹے حصے پر مقرر کیا -

تاریخ فرشتہ میں درج ہے کہ

شاہ میر ۱۵ء میں کشمیر آیا اور راجہ کے اکثر رعیت اور
سلازموں کو موافق یعنی مسلمان کیا اور اتنا اثر پیدا کیا کہ
۱۴ء میں اس نے حکومت خود سنبھال لی ، بلاد کشمیر میں
حنفی مذہب کو رواج دیا ، شاہ میر کے چار بیٹے تھے بڑا بیٹا
جمشید اور دوسرا علی شیر تھا تیسرا شیراٹ اور چہارم ہندال
تھا ، یہ سب قابل اور ہوشیار تھے ، شاہ میر نے تین سال تک
کامیاب حکومت کر کے وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا جمشید کو
انفاق سے تخت پر بٹھایا گیا اور علی شیر اس کا وزیر ہوا اور
اپنے باپ کے طریقہ سے نظام حکومت عادلانہ قائم رکھی -

کتاب راج ترنگینی (فارسی ترجمہ ملا شاہ محمد شاہ آبادی) میں شاہ
میر کے اولاد کے متعلق ذکر یوں درج ہے

سلاطین شاہ میری نے کشمیر میں تقریباً دو سو سال تک
کامیاب حکومت کی ، اس خاندان کا معروف ترین سلطان ، زین
العابدین ، مشہور بہ بدشاہ ، تھا ، یہ سلطان بڑا عالم ، ادیب
اور شاعر تھا ، عربی اور فارسی میں شعر بولتے تھے اور کشمیری

سنسکرت ، اور تبتی زبانوں میں کامل مہارت رکھتا تھا ،
اس سلطان نے کشمیری زبان کے قلمی کتابیں اور نیز آثار عربی
و فارسی و سنسکرت کو جمع کیا اور ایک بڑے کتب خانے
کی بنیاد رکھی اور یہ کتب خانہ سری نگر شہر میں تا عہد
حکومت سلطان فتح شاہ (۸۹۲-۸۹۸ء) برقرار تھا ،

الغرض موافق پٹھانوں نے الخ بیگ اور ہابری کی اطاعت سے انکار
کرتے ہوئے مردانہ وار مقابلہ کیا اگرچہ شکست کھائی تاہم برسوں
تک اس علاقہ پر قابض رہے - یوسفزیوں کی آمد پر ان سے مقابلہ کی
تاب نہ لاتے ہوئے ہزارہ کا رخ کیا - اور وہاں موافق پٹھان ہکارے جانے
لگے - علاقہ موافق سے نکل کر ہزارہ میں جس علاقہ پر انہوں نے
قبضہ کیا اسے سلطان پکھال کے نام سے پکھلی نام دیا گیا - پھر
اٹھارویں صدی میں سید جلال بابا کی قیادت میں اس قبیلہ نے ہزارہ کے
شمالی علاقہ سے ترکوں کو نکال کر تمام پہاڑی اور میدانی علاقہ
پر قبضہ کر لیا - یہ قبیلہ کئی ذیلی شاخوں میں منقسم ہے مثلاً گبری ،
سامی ، عالی ، مستراوی اور دودان ، دودگان یا دیکان جو ایک ہی نام
ہیں اور اس وقت ان کو دودیاں کہتے ہیں - فتوح البلدان کے مصنف
لکھتا ہے :-

دودان ایک قوم تھی شام کے مرحد (آرمینیہ) میں جو مدعی ہے

کہ وہ بنی دودان بن خریمہ میں سے ہے -

معلوم رہے کہ آرمینیہ میں اسرائیلی جلاوطنوں کا ذکر ہو چکا ہے -
بنی اسرائیل میں دودان ایک خاندان بھی تھا یہ لوگ محمد غوری کے
ساتھ اشغر میں آئے تھے -

تاریخ حافظ رحمت خانی میں متراوی قبیلہ کا ذکر ہو چکا ہے
کہ یہ لوگ اپنے آپ کو یوسفزی بہان کرتے ہیں - گبری کے وجہ

تسمیہ کے متعلق معلوم رہے کہ کوہ گبر دریا کے توجی کے قریب علاقہ میں ورغو کے متصل افغانستان کے مشرق سرحد پر جہاں اس وقت بٹنی افغان رہتے ہیں ایک وادی اور پہاڑ کا نام تھا یہ لوگ وہاں پر رہائش پزیر تھے۔ اور محمد غوری کے ساتھ وہاں سے چلے آئے تھے۔ وہاں کی رہائش کی وجہ سے ان کا نام گبری اور بعدہ سوات میں رہائش کی وجہ سے سواتی مشہور ہوئے جو ایک گروپ ہے ان میں چھوٹے چھوٹے مختلف افغان قبائل شامل ہیں جن میں بٹنی قبیلہ کے بھی ایک شاخ تھی جو بٹخیلہ - بٹگرام اور بٹل کے ناموں سے ظاہر ہے۔ بعض مؤرخین ان کے نسب کے متعلق مخالف رائے رکھتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ افغان قبائل ہیں سے ہیں۔ ان کی مادری زبان اب بھی پشتو ہے۔ اور اس وقت یہ لوگ ماضعات بٹل - لانی شنکیاری - بٹگرام - مانسہرہ - ہمد - اوکئی - کڑی حبیب اللہ اور بالا کوٹ وغیرہ میں آباد ہیں اور یہ لوگ اپنے آپ کو افغان اور پختون بولتے ہیں یہ لوگ بڑے معنی اور بہادر اور آزادی پسند واقع ہوئے ہیں۔ سکھوں اور انگریزوں سے جنگیں لڑی ہیں۔

مشوانی

یہ افغانوں کا مشہور قبیلہ ہے۔ یوسف زئی جب موجودہ افغانستان میں مقیم تھے تو ان سے اس وقت اچھے مراسم اور تعلقات قائم تھے۔ ان کے اکثر خاندان اس وقت افغانستان سے نکل کر یوسف زئی کے یہاں پہنچے تھے جب یوسف زئی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ ملک گیری میں یوسف زئی کے ساتھ تھے اور جنگوں میں کارپاٹے نمایاں سرانجام دئے تھے۔ ملک فتح کرنے کے بعد ان کو شیخ ملی کے تقسیم میں

علاقہ دیر میں بحکم درہ جندوں ایک ذرخیز علاقہ مل گیا تھا جس پر اس وقت بھی ان کے کافی گھرانے سکونت پذیر ہیں۔ اور پھر نئے مقبوضات میں بھی یوسف زئی کے ذیلی شاخ اتمان زئی مندر نے ان کو کوہ گنگر کے علاقہ میں کچھ اراضی بطور العام دیدی جہاں وہ مقیم ہوئے ان کی کثرت آبادی کوہ گنگر کے سری کوٹ - کنڈی امر خانہ گدوالیا میں دکھائی دیتی ہے۔ ان کی خصوصیات میں یہ بھی شامل ہے کہ روز اول سے اب تک ان کی زبان - پوشاک اور بود و باش افغانی ہی ہے اور اس معاملہ میں وہ ضلع ہزارہ کے دوسرے افغانوں سے ممتاز ہیں۔ ان کے کچھ گھرانے اسماعیلیہ اور ساول ڈیر میں اور چند گھرانے علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہیں آزادی کی خاطر سکھوں اور اس کے بعد انگریزوں سے ان کی لڑائیاں خوب ہوئی تھیں۔

تراوڑہ اکوڑی

ان کا جد اعلیٰ امیر خان ناسی موضع غالبگے سوات سے نقل مکانی کر کے ہزارہ میں آباد ہوا تھا۔ اور یہاں اس کا قبیلہ تراوڑہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد یہ موضع کٹدر میں آباد ہوئے اور یہاں ایک خانی کی بنیاد ڈالی۔ جو متصل حسن زئی سے طہارا - کندڑ اور چمبڑی تک پھیلی ہوئی تھی اور علاقہ شوننگلی پر قابض ہوئے۔ اور اسی خاندان کے ایک گروہ نے علاقہ نکا ہانی پر اپنا تسلط جمایا۔ یہ سبڑیاں تراوڑہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ جو بعد میں علاقہ اگروڑ کو چلے گئے اور موضع شہتوت میں سکونت اختیار کی۔ بعد ازاں تناوڑ کے دیگر ماضعات میں منتقل ہوئے گئے۔ اور بٹل بکوٹی اور چواق تک پھیل گئے۔ ضلع ہزارہ کے افغانوں کا ذکر ہو چکا

اب آگے دیکھئے

ہڑیس یا ہڑیج

یہ افغان قبیلہ ہے اور اس قبیلہ کو قیس عبدالرشید کے بیٹے شرخبون (شرف الدین) کی اولاد بیان کیا جاتا ہے ۔ اور یوسفزیوں کے افغانستان سے ہجرت کرتے وقت ان کے چند خاندان جن کے ساتھ ان کے گھرے تعلقات تھے ۔ آگے تھے شیخ ملی کے تقسیم اراضی کے وقت پہلے آنکو طور و شامت پور میں آباد کیا گیا ۔ تو بعد میں موضع ڈھوڈھیر سالم دیا گیا ۔ جہاں اس وقت بھی یہ لوگ آباد ہیں ۔ اور جب یوسفزی علاقہ چھچھ کی طرف بڑھے تو اس قبیلہ کے چند گھرانے ان کے ہمراہ تھے جو وہاں آباد ہو گئے اس وقت بھی علاقہ چھچھ کے کئی دیہاتوں میں آباد نظر آتے ہیں اس کے علاوہ چند گھرانے موضع یار حسین اور موضع انبار تحصیل صوابی میں بھی آباد ہیں حافظ رحمت خان روپیلہ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔

ایک مشہور بزرگ پیر ولی جس کے مناظرے اخون درویش سے ہوئے تھے ، بھی اس قبیلہ ہڑیج سے تھا ۔

سرکانی - تاران - مایار - اطرافی

یہ چاروں افغان قبائل ہیں جو ابتدا میں اپنے قبیلوں سے ان کی کچھ خاندانیں الگ ہو کر یوسفزی کے ساتھ شامل ہوئے ۔ یوسفزی کے ساتھ مالک گیری میں کارہائے نمایاں سر انجام دئے اور یوسفزی نے ان کو اپنے پاس رکھ کر اپنی برادری میں شامل کئے ۔ شیخ ملی

کے تقسیم میں ان کو دیر باجوڑ کے علاقہ میدان میں اراضیات دے کر بسایا گیا تھا جو اب تک وہاں آباد ہیں ۔ اور میدان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی آباد ہو چکے ہیں چھچھ میں بھی ان کی کچھ آبادیاں ہیں ۔

روانڑی - بوقیان - کنبار :-

یہ تینوں الگ الگ افغان قبائل ہیں اور ان کے کچھ خاندانیں ابتدا ہی میں یوسفزی کے پاس آ کر شامل ہو گئے تھے وہ ملک گیری اور نیز ہر تکلیف و راحت میں زیادہ اخلاص و ہمدردی سے پیش آئے تھے ۔ ان کو کمال زئی کے ساتھ موضع مایار میں تقسیم کے وقت حصہ ملا تھا اور اس وقت بھی یہی لوگ موضع مایار نزد طور و میں آباد ہیں اور یہاں کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی جگہ بہ جگہ کچھ گھرانے سکونت رکھتے ہیں مثلاً کنبار کے کچھ خاندان ہونیر میں سالار زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں ۔

قبیلہ روانڑی کے چند گھرانے مکنہ مایار میں کمال زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں لیکن ان کی زیادہ تعداد ، بلکہ بحیثیت قبیلہ و بموجب تقسیم شیخ ملی ، تہہ ہائی زئی کے سالم موضع جلالہ اور اس کے ملحقہ ہانڈہ جات میں مالکانہ حیثیت سے قابضان اور آباد ہو چکے ہیں ۔ ان میں کئی خیل ہیں مثلاً خواجہ داد خیل - زید خیل - طور زئی گوت حسن زئی - اتمان زئی - باتور خیل - حسن خیل ۔

روانڑی قبیلہ کے علاوہ جلالہ میں کچھ دوسرے مختلف افغان خاندان بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں مثلاً شلمانی کے چھ خاندان ۔ ہونیر وال دو خاندان ۔ فتح خیل دو خاندان ۔ مغدود خیل ایک خاندان ۔ مندوری ایک خاندان ۔ ہارک زئی دو خاندان ۔ لہہ خیل ایک خاندان

خویشگی ایک خالدان پیر خیل اور ملا زئی ایک ایک خاندان مذکورہ
سب نسل افغان ہیں لیکن ان کے علاوہ غیر افغان چند گھرانے بھی
یہاں قابضان ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ چار گھرانے باقیمندہ۔
دو گھرانے اوان۔ دو گھرانے گوجر وغیرہ۔

ہوقی یا ہوقیان قبیلے کی نسبت شام کے شمالی علاقہ جبل الکام
کے اطراف میں بیاس کے قریب ہوقا نامی گاؤں کو ہے جس کی رہائش
وہاں شام میں ہوقا نامی قصبہ میں تھی۔ مشرق کی طرف آنے کے بعد
وہی سکونتی نسبت سے یاد اور پکارے جاتے ہیں اور بعینہ اسی طرح
روانی یا روانوی اور کنبار یا کمبار بھی شام کے سکونتی مقامات کے ناموں
کے نسبت سے یاد کئے جاتے ہیں۔

وردگ

یہ ایک افغان قبیلہ ہے اور ان کے کچھ خاندان یوسفزئی کے
ساتھ افغانستان سے آ کر شامل ہوئے تھے اور ملک گیری نیز ہر تکلیف
میں یوسفزئی کا ساتھ دیا تھا ان کو شیخ ملی کی تقسیم میں ملی زئی
کے ساتھ دیر میں اور بابوزئی کے ساتھ سوات میں اور دولت زئی کے
ساتھ کپانی پیر میں حصص ملے تھے جو اب تک وہیں آباد ہیں اور
جب یوسفزئی نے علاقہ چھچھ ہر قبضہ کیا تو اس کو اس نے علاقہ میں
بھی موضع لٹوٹہ میں اس گاؤں کا تیسرا حصہ ملا جو اب تک وہاں
آباد ہیں۔ اور باقی دو حصوں پر نسوزئی اور سید خیل قابض ہوئے
جو دونوں نسل یوسف زئی ہیں۔

بے سود۔ رہو۔ لمغانی

تینوں الگ الگ افغان قبائل ہیں ان کے بھی کچھ خاندانیں
افغانستان سے آ کر یوسفزئی کے یہاں پہنچے اور ان کی معاون بنے
شیخ ملی کی تقسیم میں ان کو سالار زئی کے ساتھ حصص ملے تھے جو
اس وقت ان کے ساتھ ہونیر میں اور موضع درگئی اشغر میں آباد ہیں۔

اتمان خیل

یہ ایک مشہور افغان قبیلہ ہے یوسفزیوں کے کابل سے نقل
مکانی کے موقع پر یہ ان کے ساتھ رہے۔ اور امداد کے طور پر عملاً
جنگوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ کائلنگ اور شہباز گڑھ کے یوسفزئی
دلازاک معرکہ میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے تھے۔ قبل اس
کے یوسفزیوں نے ان کو ملاکنڈ کے مغرب کی طرف کا علاقہ اور ہاجوڑ
سے جنوب کو رہائش کے لئے دیا تھا۔ جو اس وقت تہہ اتمان خیل کے
نام سے مشہور ہے اس میں کیمور پہاڑ اور دیہات رنگ ہرنگ مشہور
ہیں۔ اور یہاں ہر الیاس نبی جو غازی پھمبہ کے نام سے مشہور ہے
کا مزار ہے۔

انیسویں صدی کے وسط تک اتمان خیل کی قیادت ایک طاقتور
خان کے ہاتھ میں تھی۔ جو ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ لیکن بعد
میں ان کی قوت تقسیم ہوقی چلی گئی۔ اور انگریز کی آمد پر ان کے کشی
معرکہ ان کے ساتھ ہوئے جس میں وہ آخر کار مغلوب ہو گئے۔ اتمان خیل
کے کچھ دیہات تہہ ہائی زئی کے مواضع میان خان، سنگاؤ، پھیل، خری،
اور کھوٹی ہرماول میں آباد ہیں۔ جنگ کائلنگ کے بعد بطور انعام

یوسفزیوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ اور شیخ ملی کی تقسیم اراضی میں انہیں حصہ رسدی دیا جانا ہوتا ہے خاندان غلزئی (غلجی - خلجی یا خلجی) کے افراد تہہ رزڑ کے موضع شیوہ اور تہہ اتمان کے مائیری اور زروبی تحصیل صوابی میں آباد اور صاحب املاک ہیں مشہور عالم دین پیر طیب جن کا ذکر اخوندریوزہ نے کیا ہے اور اس کے مخالفین میں سے تھا، بھی اس قبیلہ خلجی سے تھا۔ لودی خاندان کے افراد بھی علاقہ یوسفزی میں مقیم نظر آتے ہیں۔ اور ان کا مشہور خاندان موضع ٹوپی میں آباد ہے جس سے نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے مختلف قبائل کو بھی یوسفزیوں نے اپنے ساتھ جہاں کہیں وہ رہے آباد کیا اور خیر سگالی کے طور پر ان کو زمین بھی دی تا کہ وہ اپنی زندگی گزار سکیں۔ اور اس وقت تک وہ مختلف مقامات پر ان کے ہمراہ آباد نظر آتے ہیں۔

میدان اور میان

پٹھان لوگ علما، مشائخ اور سادات کی ابتدا سے عزت و احترام کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان کے متعدد خاندان علاقہ یوسفزی میں مقیم ہیں۔ شیخ ملی کے تقسیم اراضی میں ان کو جائے سکونت اور اراضی بطور سیری دی گئی تھی ان میں اچھے فاسور زمیندار بھی ہیں۔ حکومت میں اچھے عہدوں پر سرفراز اور میدان سیاست میں دکھائی دیتے ہیں۔ یوسف زئی نے جہاں بھی تمام پختون خوا میں سمجھدار اور عالم فاضل شخص دیکھا، ان کو اپنے ہاں بلا کر آباد کیا تھا۔

یہاں ان کو مذید حصہ ملا تھا۔ اور کچھ گھرانے موضع گیارہ میں بھی آباد ہیں۔

خویشگی پٹھان

اس قبیلے کے کچھ خاندان ابتداً محمد زیتوں کے ساتھ شریک سفر رہے۔ حالانکہ ان کا پورا قبیلہ قصور پنجاب کے علاقے میں جا داخل ہوا تھا یوسفزیوں نے جب محمد زیتوں کو اشنفر کا علاقہ دیا تو خویشگی بھی چارمہ سے دو میل کے فاصلے پر جانب شمال مغرب رہائش پذیر ہوئے جس کا نام خویشگی ڈھیری پڑا۔ محمد زیتوں کو اس کے بعد نوشہرہ کا کچھ علاقہ بھی یوسفزیوں نے دیا تو خویشگی وہاں سے منتقل ہو کر نوشہرہ سے مغرب کی جانب ایک گاؤں میں آ بسے جس کا نام خویشگی مشہور ہوا یہاں ان کے ساتھ کچھ دوسرے قبائل بھی جو یوسفزی کے حمایتی تھے شامل کر کے موضع خویشگی دو حصوں پر موسوم ہے۔ برکلے اور کوزکلے، برکلی میں ہٹکڑی، لالی خیل، شالم خیل، نگبی زئی، مٹہ خیل اور ماندوری اور درم سالی پندکی مذکورہ آباد ہیں۔ کوزکلی میں چندا خیل، گریزی، گوگیان اور خورا ماران، کوچیان، خشک یہ مذکورہ سب افغان قبائل ہیں جو اس وقت موضع خویشگی میں رہتے ہیں۔

غلزئی اور لودی

ان دونوں قبیلوں نے تاریخ ہند میں خلجی اور لودی کے نام سے نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔ ان کے چند گھرانے بھی ابتدا میں

خشی قبائل

یہ چار قبیلوں پر مشتمل ہیں (۱) یوسفزئی (۲) گگیانی (۳) ترکاٹری (۴) محمد زئی (وصلی) ان کے مختصر حالات یہ ہیں :-
(یوسف زئی کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)

گگیانی

اس قبیلے کو بمطابق تقسیم ملک احمد یوسفزئی، تپہ دوآبہ کا علاقہ ملا تھا۔ تپہ ہذا چارمہ کے دریائے سوات سے مغرب اور دریائے کابل کے شمال مشرق دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے کا نام ہے۔ یہاں پر ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے زیر سایہ آباد ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مواضع نصرت زئی - سوختہ - گونڈہ - دوسہری - سروانی - غوثیک
بکیانہ - منڈہ سر - ترخہ - پیریانہ - ہنگرام - کانکڑہ - ماہ زارہ -
یاغی بند - (ہرمہ گاؤں) چکڑ - انبا ڈھیر - نجفی - خری - دولت پورہ
سریخ - مارو زئی - متہرا - ڈیری ہانڈہ متہرہ - مندی زئی - مرزالی -
سوٹ مارہ - شہقدر - شنکر گڑھ - موسی زئی - کوٹک - مشہ مغل خیل -
کیلے - حسن زئی اور بیلہ میں خود قبیلہ گگیانی آباد ہیں۔

(۲) مواضع اٹکے - دلازاک - وچہ ولدہ میں اولاد شاہ عالم، میر خان، عالم - غوث - اکبر - پسران مہندان خان ولد بابو خان ولد پور دل خان ولد نور محمد خان قوم دلازاک افغان آباد و قابضان ہیں۔

(۳) مواضع پنجپاؤ اور اہا زئی کے بالائی علاقہ پر برہمہندہ

آباد ہیں -

(۴) مواضع (۱) کتوزئی (۲) وصدہ گڑھی (۳) ٹوٹکی میں قوم یوسفزئی کے چند خاندان یعنی بہاکو خان بن مامون خان بن عثمان خان خود و خیل کی اولاد آباد ہیں اور کتوزئی میں ان کے ساتھ اچینیان افغان قبیلہ بھی رہتا ہے۔ کدو یا کتوزئی نام بھی یوسف زئی ہی ہے ابتدا میں جب یوسف زئی دوآبہ میں آباد تھے تو یہاں ملک کدو کا ساموزئی قبیلہ رہتا تھا۔

(۵) مواضع جمٹ - گڑھی گگر میں اولاد مسمیان قمر دین - اسماعیل اور کالو ہرمہ قابضان قوم اوان کے آباد ہیں۔

(۶) گڑھی شریف خان میں مسمی شریف خان قوم مغل کی اولاد اور گڑھی ناظر میں ناظر خان قوم مغل کی اولاد آباد ہیں۔

(۷) موضع گڑھی عبدالرحمن میں مسمیان غلام محمد و محمد داؤد قوم سید کی اولاد آباد ہے۔

(۸) موضع مامون میں اولاد حاجی محمد قوم ہاہینی اور موضع ملا خیل میں لیبیب افغان ملا خیل اور موضع حاجی زئی میں یاسین محمد زئی کی اولاد آباد اور قابضان ہیں۔

(۹) موضع بنیادی میں اولاد مجید افغان قوم شلڑی اور موضع ڈب میں اولاد ہفت یار افغان قوم شمو خیل اور موضع گڑھی جالہ ہانان میں اولاد فاضل افغان قوم شلمانی آباد ہیں۔

(۱۰) پنجپاؤ میں مہمند آباد ہیں اور اس کے علاوہ بہلول خیل بھی آباد ہیں جو نہ گگیانی ہیں اور نہ مہمند، بلکہ ایک الگ افغان قبیلہ ہے۔

تپہ دوآبہ پنجپاؤ میں برہمہندہ کے آنے کے وجوہات یہ ہیں -
۱۵۸۶ع میں قبیلہ یوسف زئی ہر سرکردگی ملک کالو خان اور مغل

حکمران اکبر بادشاہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی - اکبر خود قلعہ اٹک میں مقیم تھا - اور کابل و ہندوستان سے چیدہ فوج بلا کر علاقہ یوسفزئی پر حملہ آور ہوا جس کے نتیجے میں اکبر کی کل فوج جو پچاس یا باون ہزار بیان کی جاتی ہے راجہ بیر بل سمیت یوسفزئی کے پہاڑوں میں مارے گئے اس جنگ میں افغانوں کے اکثر قبائل شامل ہوئے تھے خصوصاً سہمند یوسفزیوں کی امداد و اعانت میں پیش پیش تھے - جو اس وقت پشاور اور لو شہرہ کے درمیان اب جو تپہ خالصہ کے نام سے یاد ہوتا ہے، میں مقیم تھے - اکبر بادشاہ نے بعد میں انتقام لینے اور کابل کا راستہ صاف کرنے کی خاطر سہمندوں پر حملہ کیا اور اپنے مخالف برہمنند کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا - چونکہ اس وقت سوائے علاقہ یوسفزئی کے اور کوئی مقام مغلوں کے اثر سے محفوظ نہیں تھا - ایک طرف دریائے کابل حد فاصل تھا تو دوسری طرف دریائے سندھ - چنانچہ یوسفزئی نے سہمند قبیلہ کے ان خاندانوں کو جن کو برہمنند بولا جاتا ہے تپہ دوآبہ میں پنچپاؤ کا مارا اور ابا زئی کا مغربی پہاڑی علاقہ دے کر پناہ دی - ابا زئی کے پہاڑی علاقہ میں جو ابا زئی خاندان آباد تھے وہ اپنے قبیلہ ابا زئی کے ہاں سوات میں موضع برادوان منتقل کئے گئے اور پنچپاؤ کو جو قبیلہ یوسفزئی کی ذیلی شاخ ہے - اپنی برادری کے علاقہ کوٹھہ ٹوہی وغیرہ میں بھیج کر وہاں آباد کئے گئے - اسی مذکورہ پنچپاؤ قبیلے کے سبب اس تپہ کا نام ابھی تک انہیں کے نام سے مشہور ہے - پنچپاؤ قبیلہ منڈر یوسفزئی کو اس مقام پر خان کجوانے بغرض حفاظت دوآبہ، غوریا خیل سے بعد از جنگ شیخ تہور آباد کیا تھا - اور اسی طرح قبیلہ یوسفزئی کے کچھ اور خاندان مواضع کتوزئی - صدر گڑھی میں آباد ہوئے اور ابا زئی ابتدا ہی سے یہاں آباد تھے جو ابھی تک وہاں مقیم ہیں -

قبیلہ گگیانی جب علاقہ دوآبہ یوسفزئی میں مقیم ہو رہے تھے تو اس وقت ملک حمزہ مغل خیل - ملک میرے لالہ زئی اور ملک یحییٰ میر زئی اس قبیلہ کے قائدین تھے اس وقت بھی بڑے بااثر لوگ اس قبیلہ میں موجود ہیں - ملاحظہ ہو شجرہ نسب

ترکانوئی

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ملک احمد یوسفزیوں کو لیے کر افغانستان سے نکلے تو ترکانوئی لہغان میں مقیم رہے - جہاں ان کی اپنی ریاست تھی - کچھ عرصہ بعد حکومت مغلیہ کابل سے ان کی کشمکش ہوئی تو وہاں سے نکل جانے پر مجبور ہوئے - اس وقت یوسفزئی دوآبہ اشغر، سوات، دیر اور ہاجوڑ پر قابض ہو چکے تھے - ترکانوئیوں نے خان کجوان سے پناہ لینے کی درخواست کی تو ان کو ہاجوڑ میں مقیم ہونے کی اجازت ملی - یوسفزیوں کے ساتھ ان کے تعلقات ابتدا ہی سے خوشگوار تھے اور یہاں آنے پر آپس میں ایسے گھل مل گئے کہ دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا - ترکانوئی دو حصوں میں منقسم ہیں یعنی ترک کے دو بیٹے تھے ایک موسیٰ دوسرا شعیب -

موسیٰ کی اولاد :- (۱) محمود (لوئے ساموند) (۲) اسماعیل اسماعیل زئی (۳) حسن (۴) عیسیٰ (ایسوزئی) (۵) مدے جس کے بیٹے خواجے، معروف، الیاس ہیں (۶) ہارون (۷) سوار -

ہاجوڑ میں مقیم ہوتے وقت ان کے چند گھرانے جو کٹور کہلاتے تھے بدخشان اور چترال کی طرف بھی چلے گئے تھے اور ککے زئی جو لوئے ساموند کی ایک شاخ ہے پنجاب میں جالندھر، لاہور، گوجرانوالہ، پٹالہ اور سیالکوٹ کی طرف گئے اور وہاں مقیم ہوئے - ایسوزئی کی ذیلی

شاخ مست خیل سے عمرا خان جندولی متعلق تھا۔ اور ایسوزی کے ذیلی شاخ موسیٰ خیل سے میان عمر صاحب چمکنی متعلق ہیں۔
شعیب کی اولاد :- یہ افغانستان میں ہی رہ گئے تھے۔ اور ابھی تک وہیں مقیم ہیں اور لغمان میں سرہ قلعہ اور علاقہ سدہ صہ و نیز لنگرہار کے مختلف مقامات میں آباد ہیں۔

چونکہ ترکانڑیوں کا شجرہ نسب آج تک کوئی مؤرخ بھی مرتب نہیں کر سکا تھا۔ جس سے میری راہنمائی ہوتی لہذا مجھے اسے مرتب کرنے میں کافی تگ و دو اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان علاقوں میں مجھے کئی بار جانا پڑا جہاں یہ قبیلے آباد ہیں۔ چنانچہ کچھ وہاں کے معمر ترین افراد کی مدد سے اور کچھ تاریخ ابراہیم بٹنی کے قلمی نسخہ سے جو مجھے میسر آیا ان کے شجرہ ہائے نسب مرتب کیے۔ جو آنے والی نسلوں اور پڑھنے والوں کے لئے ضرور دلچسپی کا باعث ہوگی آخر میں ملاحظہ ہو شجرہ نسب۔

قبیلہ ککی زئی پنجاب میں

یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ جس قبیلہ کو سابق متحدہ پنجاب کی حکومت نے ۱۹۲۵ء میں جرائم ہمیشہ قرار دیا تھا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد اسی قبیلہ کے افراد اسی سر زمین پنجاب پر گورنر جنرل مہریم کورٹ کا چیف جسٹس اور مرکزی و صوبائی وزارتوں کے وزارت قانون کے مالک رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ تاریخ کے صفحات پر عجائبات عالم میں سے شمار کیا جائے گا۔

معلوم رہے کہ ایک قوم جو افغان قبیلہ ترکلانی، ترکانی (ترکانڑی) جو شیخ قبیلہ یوسفزئی و گگیانی کے برادری میں ہے کے

ذیلی شاخ ماموند کے نام سے علاقہ باجوڑ میں موجود ہے۔ جو کہ سات ذیلی شاخوں پر منقسم ہے۔ بڑوزئی، ککی زئی، آریازئی، سالارزئی، برم کازی، خلوڑی اور بدل زئی اور ککی زئی پنجاب اس لوٹے ماموند کے لوگ ہیں۔ قبیلہ ترکانڑی کا باجوڑ کی جانب مغرب، علاقہ لغمان افغانستان میں ۱۵۰۸ء کے ابتدا تک اپنی ریاست تھی۔ مگر بغل حکمران کے ہاتھوں برباد ہو کر یہی لوگ علاقہ یوسفزئی تپہ باجوڑ میں آکر پناہ حاصل کی تھی۔ اور یوسفزیوں نے ان کو باجوڑ میں کافی علاقہ خوشی سے امداد کے طور پر حوالہ کیا تھا۔ تاریخ کے اس متذکرہ عہد میں وادی جندول کے جنوبی سرے پر رودبار، باجوڑ کے عین جنوبی کنارے پر واقع ایک پہاڑی نشیبی درہ کلالہ میں قبیلہ ماموند کے ذیلی شاخ ککی زئی کے لوگ آباد تھے۔ اور اسی مقام کی نسبت سے یہ لوگ کلالہ کے نام سے بھی موسوم ہوئے تھے۔ اور باجوڑ سے نکل کر پشاور میں بھی رہے ہیں۔ اور یہاں بھی کلالہ یا کلال (ککی زئی) کے نام سے مشہور ہیں۔ واضح رہے کہ کلال ایک اسرائیلی نام ہے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی میں لکھا ہے کہ قریب ۱۵۰۸ء میں جب قبیلہ یوسفزئی بہ سرکردگی ملک احمد باجوڑ میں دلازاک سے نبرد آزما تھے۔ اور دلازاک اور یوسفزئی کا سخت مقابلہ تھا۔ تو ملک سرخابی بن شمو ترکلانی جو اس وقت قبیلہ کا ایک نامور سردار تھا۔ اپنا لشکر لے کر لغمان سے یوسفزیوں کی امداد کے لئے پہنچا۔ اور پیہو سردار دلازاک کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ سمجھ سکا۔ اور نوبت بیچنگ رسید، قریب تھا کہ یوسفزئی شکست کھاتے لیکن ملک سرخابی بن شمو نے اپنے لشکر کو للکارا جس کے نتیجے میں پیہو کو پائندہ ترکلانی ککی زئی نے تلوار سے مارا اور برہان ترکلانی

ککی زئی نے ہیپو کے بھائی جہان شاہ کی گردن مارا اور سر تن سے الگ ہو گیا مختصر یہ کہ دلازاک قوم کے دونوں سردار ہیپو اور جہان شاہ ککی زیموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اور دلازاک لشکر شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ اور سارا علاقہ ہاجوڑ یوسفزئی کے قبضہ میں دے کر ککی زئی سردار اور ملک سرخابی مالارزئی اپنے لشکر سمیت لغمان واپس چلے گئے۔ اور جاتے وقت یوسفزئی ملک کو کہہ گئے کہ یہ ملک ہاجوڑ تمہارے لئے فتح کیا اس پر اب اطمینان سے رہو ہم اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ ملک سرخابی کی وفات کے بعد سربراہ قبیلہ اس کا بھائی مٹہ نامزد ہوا اور غوریاخل کی جنگ میں وہ دو سو گھوڑ سواروں سمیت یوسفزیوں کی امداد کے لئے بمقام شیخ تھور، خان گجو کے پاس آیا تھا اور اس نے جنگ میں بہت اخلاص اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔

محمد زئی

محمد زئی اشغر کے تہہ تحصیل چارسدہ میں آباد ہیں۔ ان کے اپنے قبیلے کے علاوہ جگہ بجگہ کچھ دوسرے خاندان بھی ان کے ساتھ سکونت پذیر ہیں۔ اور ان کو بھی انہی کے ذریعہ مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

مواضعات رزڑ، دروگہ، کوٹ، اتمان زئی، چک اتمان زئی امیر آباد، محمد ناڑی، خان مائی، ترناب، عمرزئی، شگئی، چک محمد امیر خان، سنگر، دلدار گڑھی، مرزا ڈھیر، چارسدہ، چتلی ٹاہو گاندہ بیلہ، نستہ، پڑانگ، اگرہ، سافہ خیل، سدوخیل، سربخ بیلہ یسین زئی، مینڈاری، سابو کے، تونگزی، شیر پاؤ، ڈاگی، تنگی

نصرت زئی، قلعہ شیر پاؤ، بنے، دو بندی، باری بند، گنڈیرے، حصارہ، پری چند، جرعد، تنگی برہ زئی، گڑھی میان صاحب، پلٹے، بہرام ڈھیری، سحرانگ، جرعد، عیسوگے، میں اولاد محمد زئی خود مالکان و قابضان ہیں۔

مرزا ڈھیر میں محمد زئی کے علاوہ قبیلہ درانی کے مسلمان امیر محمد خان، عطا محمد خان، تاج محمد خان و یار محمد خان پسران اباش خان افغان درانی کی اولاد بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہے۔

اس کے علاوہ سکونتی صورت حال یہ ہے۔ موضع کانگو میں اولاد دین محمد قوم آوان اور ڈاگی غلام قادر میں اولاد افضل خان یوسفزئی اور ڈاگی فیض اللہ میں اولاد اعظم خان قوم افغان علی خیل اور سیلمٹی میں اولاد شہاب الدین قوم آوان سکونت پذیر اور قابضان ہیں۔ اور اسی طرح موضع طوطیکے میں اولاد محبت خان افغان درانی اور اولاد ولی محمد شیع قابضان و سکونت پذیر ہیں۔ اور موضع گمتی قاضی غلام قادر افغان یوسفزئی کو صاحب میں منجانب احمد شاہ ابدالی ملا تھا۔ موضع دوسرہ پر اولاد دوست محمد خان خٹک اور شیخ کلے پر اولاد محمد عظیم خان افغان پوہل زئی درانی اور موضع ڈوگر میں میان محمد یوسف قوم سید بخاری اور ڈھیری زرداد میں اولاد زرداد خان قوم افغان پوہل زئی آباد ہیں اور موضع سملہ پر اولاد نصرت یا نصرت قوم اوان اور موضع ابا بکری پر اولاد میر احمد خان افغان قوم درانی قابضان ہیں۔ اور موضع چتلی مانکرائی پر اولاد امیر خان خٹک اور موضع درگئی پر اولاد جہانگیر، ستار، شیرگل، شاہنواز، احمد وغیرہ قوم افغان بے سود اور موضع ترلاندی پر اولاد زریق قوم افغان گمرانی سکونت پذیر ہیں۔ موضع نودہ پر اولاد امیر خان افغان محمد زئی مالک خود اور کچھ حصہ قاضی خیل کی ملکیت ہے۔ اور موضع چتہ پر اولاد عبدالغنی خان

قوم افغان درانی سکونت پذیر ہیں - اور موضع دولت پورہ پر اولاد غزن خان افغان گمرانی اور موضع چک کا کا خیل پر اولاد فضل بابا کا کا خیل اور موضع چینہ پر اولاد موسم قوم آوان آباد ہیں - موضع گڑھی بہادر (بہار) پر اولاد معظم خان افغان افریدی اور موضع ڈانگ قلعہ پر اولاد میں صاحب قوم سید اور چک تر لاندی پر اولاد کالا خان قوم افریدی آباد ہیں -

اس کے علاوہ اولاد کا کا خیل موضع قاضی خیل اور گڑھی قاضیان اس تہہ میں قابضان و مالکان ہیں - موضع ابا زئی میں قبیلہ یوسفزئی کے ذیلی شاخ ابا زئی کے کچھ خاندان مالکان و قابضان ہیں - جو کہ زمانہ قدیم سے اس گاؤں کے مالکان کی حیثیت سے سکونت پذیر رہے ہیں - اس گاؤں کا نام بھی انہیں کے قبیلہ ابا زئی کے سبب موضع ابا زئی مشہور ہے -

قبیلہ محمد زئی جب اشغر میں ۱۵۱۱ع کے لگ بھگ مقیم ہو رہا تھا تو اس وقت ملک خضر خان اور ملک بیگی خان اور میر ہائندہ خان اس قبیلہ کے قائدین تھے اور بہت سمجھدار - مخلص اور قابل سربراہ تھے - تواریخ حافظ رحمت خانی میں ان کا ذکر آچکا ہے قبیلہ محمد زئی کا شعبہ شامل کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو ان کی شناخت میں آسانی ہو اور وہ متعارف ہو سکیں -

تپہ اشغر

اشغر کا ماضی پٹھانوں کے لیے شاندار رہا ہے اس سر زمین پر افغانوں کی کئی تحریکات عمل میں آئیں مثال کے طور پر :-
(۱) خاندان غزنوی نے جب غوریوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو

شہاب الدین محمد غوری افغان نے پہلی فرصت میں یہ طے کیا کہ پٹھانوں کو یہاں آباد کیا جائے - چنانچہ یہاں کے ہندو آبادی کو پنجاب کی طرف دریائے سندھ کے پار جانے کا حکم دیا - اور یہاں پر پٹھانوں کو لا کر آباد کیا - معلوم رہے کہ ازیں قبل سوات ہاجوڑ کابل تک ہندو آباد تھے - اور ان کے شمال مغرب میں ترک آباد تھے پٹھانوں کا علاقہ قندہار، زوب، ہرات، غور وغیرہ یعنی غزنی کابل پشاور کے جنوب میں تھا - اس منتقلی سے محمد غوری کو ہندوستان پر حملے کی صورت میں اسداد اور لشکر باآسانی مل سکتا تھا - دوئم پٹھانوں کو رہائش کے لیے ایک وسیع علاقہ مل گیا اور محمد غوری افغان کو ہندوستان فتح کرنے میں کافی سہولت ہوئی -

(۲) بایزید انصاری (پیر روشن) نے بھی ابتدائی وقت میں یہاں سے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا - اور یہاں ہی ان کے ساتھ مخالفت میں اخوندرویزہ و پیر بابا کے مناظرے ہوئے تھے - بایزید کی یہ تحریک مغل حکومت کے خلاف افغانوں کو بہادر کرنا اور ایک مرکز پر جمع کرنا تھا -

(۳) سید احمد شاہ بریلوی اور اسماعیل شہید نے یہاں سے ہی سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر کے نوشہرہ وغیرہ کے جنگ میں شرکت کی (۴) افغان جرگہ خدائی خدمتگار تحریک جو انگریز کے خلاف تھا - اسی علاقہ سے شروع ہوئی - اسلانی مدرسوں کی تحریک اور پنچاہتوں کے ذریعے گھریلو فیصلے اور انگریز کے خلاف فضا کی پسواری کی سعی و تگ و دو کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا اور یہیں سے حاجی صاحب ترنگزئی نے بھی انگریز کے خلاف اعلان جہاد کیا اور اسی غرض کے لیے وہ ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس گئے ان کا نام فضل واحد اور والد کا نام فضل احمد تھا - ولادت ۱۲۷۳ھ اور وفات ۱۳۵۶ھ عمر ۸۳ سال

(۵) اس وقت بھی اس علاقہ میں کافی مسجھدار لوگ موجود ہیں ۔ جو ملکی خدمات میں مصروف ہیں ۔ خدا کرے کہ ان کے ہاتھوں ملک و ملت کی بہترین خدمت سر انجام ہو آمین ۔

خشک

یہ افغان قبیلہ کرلانی کی ایک شاخ ہے اور دو ذیلی شاخوں میں تقسیم ہے ایک تورمان جس کی دو ذیلی شاخیں ہیں تری اور ترکی اور دونوں مل کر تری کہلاتے ہیں جو خوشحال خان کا قبیلہ ہے ۔ دوسرا بلق جو ساگری ، نندرک اور مروزی کہلاتے ہیں ۔ پھر ان کے بھی بہت سی ذیلی شاخیں ہیں ۔ ابتداً خشک جنوبی وزیرستان میں آباد تھے ۔ اور بعد میں علاقہ کوہاٹ اور موسیٰ درہ میں جا آباد ہوئے ۔ شیخ ملی کی تقسیم میں نوشہرہ سے خیر آباد تک کا علاقہ خلیل ، سہمند اور داؤد زئی کا مشترکہ طور پر چراگاہ کی صورت میں رکھا گیا تھا ۔ اور ان کی باقبضہ ملکیت تھی ۔ مغلوں نے ان کے اس علاقہ پر قبضہ کر کے خشکوں کے حوالہ کیا ۔ واقعہ یوں تھا کہ ۱۵۸۱ء میں اکبر نے بغرض حفاظت شاہپراہ ہشاور و کابل ، چند آدمیوں کو اٹک ہلا کر ان کو شاہپراہ افغانستان کی حفاظت کے بارے میں کہا انہوں نے اس کام کے لیے ملک اکوڑے کا نام بتایا جو اس وقت وہ چند آدمیوں کے ہمراہ اٹک کی جانب جنوب مغرب ایک پہاڑ میں قیام کر رہا تھا ۔ اکبر نے اسے بلایا اور راستے کی حفاظت ان کے سپرد کی اور نیز ملک اکوڑے کو قبیلہ کا سردار مقرر کیا ملک اکوڑے خشک کے ذیلی قبیلہ تری سے تعلق رکھتا تھا ۔ حفاظت راہ کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے ملک اکوڑے نے ایک مرکز قائم کیا تو گاؤں آباد ہوا جو اس وقت

بھی اس کے نام کی نسبت سے سرائے اکوڑے (اکوڑہ خشک) کہلاتا ہے ۔ یوسفزئی چونکہ مغلیہ سلطنت کے سخت مخالف تھے اور خشک مغل کے وفادار بن گئے اسی سبب سے یوسفزئی اور خشک کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے لیکن پھر بھی خاموشی سے وقت گزر رہا تھا ۔ بدقسمتی سے بہت جلد خشک کے دونوں قبیلوں تری اور بلق میں خانگی معاملات کے سلسلہ میں کشمکش پیدا ہوئی ۔ جس کے نتیجے میں ملک اکوڑے اپنے لڑکے یوسف خان اور دیگر کئی ساتھیوں سمیت ساگری نندرک اور مروزی بولاقوں جن کی قیادت ملک نازو ساگری کر رہا تھا کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے ۔ ملک اکوڑے کے بعد قیادت اس کے لڑکے یحییٰ خان کو ملی تو اس نے باپ کا بدلہ لینے کے لئے بلقوں پر حملہ کر دیا ۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے یوسفزیوں کے علاقہ میں جا پہنچے اور پناہ لینے کی درخواست کی ۔ یوسفزیوں نے ہمدردانہ طور پر انہیں پناہ دے کر اور ان کو دو حصوں میں تقسیم و آباد کر دیا ۔ ایک حصہ علاقہ مندرک کے ماضعات لاہور غربی ، جلسنی ، جلبی ، موضع نندرک ، مانکی ، جہانگیرہ اور تورڈھیر وغیرہ میں آباد کیا گیا تو وہ علاقہ انہی کے نام سے بلق نامہ ہکا گیا ۔ دوسرے حصہ کو تپہ بائی زئی کے کٹی گڑھی ، کالنگ ، جمال گڑھی ، ساول ڈھیر کوٹکی ، میان عیسیٰ ، لونڈخوڑ ، الو ، تازہ گرام ، قطب گڑھ ، دوندیا شیر گڑھ ، ڈاگی ، جنگی ڈھیر ، وغیرہ میں آباد کر دیا گیا جہاں وہ اس وقت تک آباد ہیں ۔

مگر کیسے معلوم تھا کہ بلق کے ساتھ یوسفزیوں کی یہ خوش اخلاقی اور فیاضی ان کے لئے تری خشک کے ساتھ موجب نزاع بنے گی اور یہی ہوا کہ بعد میں تری خشک مغلوں کے امداد اور طاقت سے

ہمیشہ یوسفزیوں کے لئے درد سر بنے رہے۔ الغرض بلاقوں کے اس نئے دیہات پر جہاں ان کے قریب تازہ تازہ پناہ لے چکے تھے تری خٹکوں نے حملہ کیا۔ یوسفزی امداد کو پہنچنے سے سخت جنگ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک یحییٰ خان اور اس کا بیٹا عالم خان دونوں، بلاق اور یوسفزی کے مشترکہ لشکر کے ہاتھوں اس جنگ میں واصل بحق ہوئے۔ مغل حکومت نے یحییٰ خان کے بیٹے شہباز خان کو سردار قبیلہ تسلیم کیا۔ وہ بھی اپنے پیشروں کے نقش قدم پر چل کر بلاقوں پر حملہ آور ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حملہ میں کامیاب ہو کر بلاق کے سردار خادی خان کا لڑکا جلبی جلسی کے قریب جنگ میں مارا گیا۔ ملک خادی خان اور فرید خان بلاق ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جنہیں پشاور کے قید خانہ میں بند کر کے تدفیغ کر دیا گیا۔ حالات یونہی چلتے رہے۔ یوسفزیوں کی قیادت بہا کو خان اور تری خٹکوں کی قیادت شہباز خان کر رہے تھے اس کے بعد شہباز خان نے پھر اچانک بہت زیادہ طاقت کے ساتھ بلاقوں پر جلبی جلسی اور مانکی کے مقامات پر حملہ کر دیا۔ تو بہا کو خان کی قیادت میں یوسفزی ان کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے۔ یوسفزیوں اور بلاق خٹکوں نے مل کر تری خٹکوں کو شکست دی اور جہانگیرہ تک جا پہنچے شہباز خان کا لشکر تباہ ہوا۔ اور صرف وہ معہ اپنے اٹھارہ سالہ لڑکے خوشحال خان کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شہباز خان نے پھر حملہ کر دیا۔ اور اس دفعہ اس نے یوسفزیوں کے قہہ کمال زئی کی ایک آبادی کو نذر آتش کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس حملہ میں خوشحال خان - اس کا بھائی جمیل بیگ اور ایک برادر زادہ ساقی بیگ ولد آدم خان ساتھ تھے۔ مقابلہ ہوا۔ ساقی بیگ مارا گیا شہباز خان و خوشحال خان اور جمیل بیگ زخمی ہوئے۔

بلکہ ایک سوار بھی ایسا نہ رہا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ اختتام جنگ کے چوتھے روز شہباز خان زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گیا۔ شہباز خان کی وفات پر مغل حکومت نے خوشحال خان کو قائد قبیلہ تسلیم کیا خوشحال خان نے زخموں سے چالیس دن بعد صحت یاب ہو کر رات کے وقت اچانک کمال زئیوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان کے ایک گاؤں ایتھ کو جو اسماعیلہ سے مغرب کی جانب تھا نذر آتش کر دیا۔ اس وقت اس گاؤں میں کمال زئی کی ذیلی شاخ اکاخیل رہائش پذیر تھے۔ وہ سب تباہ ہوئے۔ کمال زئی امان زئی اور رزڑ امداد کے لئے دوڑے تو خوشحال اپنا لشکر لے واپس ہو گیا۔ مگر بلو کے مقام پر یوسفزی پہنچ کر ایک اور جنگ ہوئی۔ جس میں خوشحال خان بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

چھوڑ خانی کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ جیسا کہ پہلے عہد بہا کو خان میں ذکر کیا جا چکا ہے البتہ خوشحال خان نے ۱۶۶۸ع میں قید سے رہائی کے بعد قلعہ لنگرکوٹ کے تعمیر کی مخالفت کی اور یوسفزیوں سے تعلقات کو معمول پر لانے کی فکر میں تھا۔ اور بعد میں یوسفزیوں کے علاقہ میں دورہ کرتے ہوئے سوات تک جا پہنچا۔ یوسفزی عزت و احترام سے پیش آئے لیکن اظہار اعتماد نہ کر سکے۔ تو ان کی مذمت میں مشنری سوات لکھ کر واپس لوٹ گیا۔ بعد میں خوشحال خان اور اس کے بیٹے بہرام خان میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو نتیجہ کے طور پر خوشحال خان نے مواضعات موڑی زئی، ڈنگر زئی - شیدو اور نرے کو نذر آتش کر دیا۔

اورنگ زیب نے اوائل ۱۶۷۶ع میں اپنے بیٹے شاہ عالم کو پشاور کی طرف بھیجا۔ تو اس نے خوشحال خان کو دعوت ملاقات دی۔ خوشحال خان نے موقع کو غنیمت جان کر تمام مخالفت کو نظر انداز

کر دیا اور شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کے ساتھ پشاور سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں خلعتیں عطا ہوئیں۔ اور جلال آباد سے رخصت کیا اور اس کے بیٹے سکندر خان کو شہزادہ نے اپنے ہمراہ کابل لے گیا۔

خوشحال خان مظہر تو ہو گیا۔ تاہم جو اقتدار وہ کھو چکا تھا وہ خود خٹکوں کے ہاتھوں آسے دوبارہ نہ مل سکا۔ اس کے دوسرے بیٹے بھی ہمنوائی نہ کر سکے۔ قبیلہ کی حمایت وہ پہلے ہی سے کھو چکا تھا۔ مختصر یہ کہ مذکورہ شہزادہ سے ملاقات کے بعد اس نے مغلوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کی البتہ خانہ جنگی میں مبتلا رہا۔ اور اپنے چچوں۔ بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھوں ہریشان ہو کر تیراہ کی راہ لی۔ ۲۰ فروری ۱۶۸۹ء کو وہیں فوت ہوا اور اس کی لاش کو لا کر موضع اہسوزی نزد اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن سپرد خاک کیا گیا۔

مندوری اور کھار، کھار یا کشار

یہ دونوں افغان قبائل ہیں جو یوسف زئی کے ساتھ ابتدا ہی سے شامل ہوئے تھے اور یوسف زئی کے ملک گیری میں انہوں نے ساتھ دیا تھا اور ان کو شیخ ملی کی تقسیم میں کمال زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا جو اس وقت مندوری موضع ہوتی و چک ہوتی میں زیادہ تعداد سے اور کچھ گھرانے شاست پور طورو میں آباد ہیں۔ اور اس طرح قبیلہ کھار یا کشار بھی موضع طورو ماہار میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

مندہ اور کشار

واضح ہو کہ مندہ ایک قصبہ تھا جو طورسیفا کے مشرق میں

طبرہ اور عکہ کے سڑک پر واقع تھا جس سے مندوری افغانوں کی سکونت نسبت ہے اور اسی طرح شام میں کشار ایک شہر کا نام تھا جو حتیوں کا مرکزی شہر تھا۔

تیراہی اور گمرانی

یہ دونوں افغان قبائل ہیں تیراہی قبیلہ کے زیادہ لوگ مواضعات تارو، ناصر پور اور قاسم تپہ خالصہ ضلع پشاور میں آباد ہیں اور گمرانی افغان علاقہ یوسف زئی کے علاوہ محمد زئی کے ساتھ اشغر میں بھی آباد ہیں۔

یوسف زئی علم و ادب

قبیلہ یوسفزئی کو ابتدا ہی سے علم و ادب میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے اور ان میں بہترین مشائخ۔ عالم، فاضل۔ شعرا اور ادبا پیدا ہوئے۔ تبلیغ اسلام اور اشاعت دین میں انہیں فوقیت حاصل رہی۔ بلکہ دوسرے قبائل میں بھی جب کوئی قابل ہستی نظر آئی۔ تو اسے بھی انہوں نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس لا کر جگہ دی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس قبیلہ میں نہ تو علما قدیم کی کبھی کمی محسوس ہوئی اور نہ علما جدید کی۔ بہترین قسم کے لوگ اس علاقہ میں دوسرے علاقوں سے آکر اپنی قابلیت کے سکے جمانے رہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے دور گزشتہ کے صرف چند افغان قابل ذکر شعرا۔ ادبا۔ مشائخ و بزرگان دین پر مختصر آ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

افغان مشائخ

حافظ الپوری

ان کا نام عبدالصمد ہے۔ اور وہ نسلِ رزؤ مندڑ یوسفزی سے متعلق ہیں۔ وہ ایک بڑے عالم اور اچھے شاعر تھے ان کا اپنا ایک کتب خانہ تھا اور وہ کتابیں اب بھی موجود ہیں مگر افسوس کے ان کے ورثاء کسی کو دینا نہیں چاہتے۔ جس وقت مندڑ لوگ بالائی حصہ میں رہائش پذیر تھے تو یہ بھی ان کے ساتھ وہاں رہے اور وہیں الپوری کے مقام پر ۱۰۱۱ھ میں وفات پا کر مدفون ہوئے۔ ان کے متعلق یہ بہت سی مختصر حالات بمقام چکیسر جناب صدف صاحب جو چکیسر کے قاضی ہیں، نے بتائے صدف صاحب مذکور کا نسلی تعلق یوسفزی کی ذیلی شاخ مرلی خیل سے ہے۔ انہوں نے مجھے چند قلمی کتابیں بھی عنایت کیں۔

اخون پنجو بابا

دسویں صدی ہجری میں جب بزرگان دین نے صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ اور اصلاح باطن پر خاص زور دیا ان میں سے ایک اخون پنجو بابا بھی تھے۔ جن کی خانقاہ مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کا مرکز تھی۔ ان کا اصلی نام عبدالوہاب تھا۔ اور چونکہ ابتدا ہی سے ارکانِ خمسہ اسلام کی تعلیم دیتے تھے اس لئے عوام میں پنجو بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد غازی خان افغان

مقام منبھل (ہندوستان) میں رہتے تھے اور ابراہیم لودی کے امرا میں شمار ہوتے تھے ابراہیم لودی کے باہر کے ہاتھوں شکست کے بعد وہ اپنے علاقہ یوسفزی میں خان گجو کے ہاں آ کر رہائش پذیر ہوئے اور جان خان المعروف دیوانہ بابا کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ دیوانہ بابا کو کسی اور نام سے موسوم کرنا سراسر غلط ہے ان کا اصلی نام جان خان ہی ہے اور وہ قبیلہ یوسفزی کے ذیلی شاخ عمر خیل سے متعلق ہیں۔ یہیں یہ مقام چمہ ڈھیری (صوابی) اخون پنجو بابا کی ولادت یا سعادت ہوئی۔ خان گجو کی وفات کے بعد غازی خان نے ترک وطن کر کے پشاور آ گئے اور موضع چوہا گوجر میں سکونت اختیار کی۔ یہیں پر اخون پنجو نے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر ہندوستان تشریف لے گئے اور تعلیم کے حصول کے لئے روپہلکھنڈ میں کافی عرصہ رہ کر علوم ظاہریہ کی تکمیل کی۔ اور نوسلجام گاؤں میں رہائش کی وجہ سے افغانی نوسلجامی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس اثنا میں آپ کے والد غازی خان نے موضع چوہا گوجر سے منتقل ہو کر شاہ ڈھنڈ نزد بالاحصار پشاور سکونت پذیر ہوئے یہاں وفات پائی اور یہیں بالاحصار کے نیچے دفن کرے گئے۔ ۹۹۰ھ میں اخون پنجو بابا نے پشاور سے سکونت ترک کر کے موضع اکبر پورہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور عہد شاہ جہانی میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ع میں وفات پائی۔ ان کی تجہیز و تکفین میں سیان عثمان۔ اخون سالاک بابا کابل گراسی، شیخ علی، شیخو شاہجہان پوری اور شیخ رحمکار (لمکار) جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے اور موضع اکبر پورہ کے قریب مصری پورہ میں دفن کرے گئے۔ آپ نے اپنے بیچھے چار صاحبزادے چوڑے ہیں عثمان۔ سلیمان۔ لقمان اور فرید الدین۔ فرید الدین لاولد رہے باقی تینوں

کی اولاد موجود ہے اور وہ صاحبزادگان سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جو مواضع گجرات - ہمزہ کوٹ - آدینہ - اسماعیلہ - چمکنی - ماشو - خوش مقام اور اتمانڑی میں آباد ہیں۔

اخوند سالاک

وہ طوغہ کے تھے اور طوغہ اصل میں ترین افغان ہیں۔ ان کے والد ماجد علاقہ خشک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زہارت ہے اخوند صاحب بہا کو خان کے عہد میں علاقہ یوسفزی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتے تھے اور مسلسل جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ ہند آیا۔ شب و روز یہی شغل رہتا تھا جس کا کچھ حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کے چار بیٹے میاں بابا، شیخ بابا، ہاچا بابا، اور سیری بابا ہیں۔ میاں بابا کی اولاد کابل گرام کچھ کلائی علاقہ پورن میں آباد ہیں۔ سیری بابا کی اولاد سیری نزد مارتونگ اور کچھ کابل گرام میں آباد ہیں۔ شیخ بابا کی اولاد دریائے مندہ پار مشرق جانب دوڑسیرہ میں آباد ہیں۔ ہاچا بابا کی اولاد سیری علاقہ پورن میں آباد ہیں۔ اخوند سالاک کی کچھ اولاد میر احمد خیل کے ساتھ مرغز میں آباد ہیں۔ جو اخون خیل سے مشہور ہیں۔ اور ان کے کچھ گھرانے مواضع چینی علاقہ گدون اور مہابن کے اوپر اور کچھ موضع جلالہ تپہ ہائی زئی اور موضع درہ تحصیل صوابی میں مقیم ہیں اور ان کا ہم نسل خاندان طوغہ موضع جنکدرہ خدو خیل کے ساتھ رہتے ہیں۔ اخوند سالاک کے بھائی پیر سبک کی قبر مدوم میں موضع رستم کے قریب سکینہ بازار میں واقع ہے اور اس کی اپنی قبر کابل گرام میں ہے۔ انہوں نے دین اسلام کی بہت خدمت کی ہے

قاضی خیل ہشاور

ہشاور شہر کے مشہور خاندان قاضی خیلوں کو بھی قبیلہ یوسفزی کی شاخ اسمانڑی سے نسلًا تعلق ہے۔ اور کاغذات مال سے پتہ چلتا ہے کہ قبیلہ اسمانڑی میں ترکمان بن تاج خان بن مدت بن حسن ایک بزرگ تھے جنہوں نے اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے اخوند کا لقب حاصل کیا۔ ان کے فرزند محمد غوث نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عالمانہ حیثیت سے شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ ان کی شہرت نے احمد شاہ ابدالی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تو احمد شاہ ابدالی نے ”خان علوم“ کے خطاب سے نوازتے ہوئے محمد غوث کو ہشاور میں عہدہ قضا عطا کر دیا۔ کتاب رؤسائے بالاختیار و نامی خاندان پنجاب میں تحریر ہے کہ

ہشاور کے قاضی خیل دولت زئی (اسمانڑی) شاخ کے یوسفزی افغان ہیں۔ ہشاور کے میدان میں جب یوسفزی آئے۔ تو اس وقت مدت خان ان کا سر کردہ تھا۔ اس کی دسویں پشت میں محمد غوث خان تھا جس نے احمد شاہ درانی کی ملازمت اختیار کی۔ اور اس کے ساتھ پانی پت آیا۔ اسے خان علوم کا خطاب ملا۔ اور مشیر صیغہ تعلیم مقرر ہوا۔ یہ خان بڑا عالم شخص تھا۔ اس نے بہت کتابیں تصنیف کیں۔ اور خاندان قاضی خیلان ہشاور اس کی نسل سے ہیں۔

تعلیقات نوائی معارک میں یوں تحریر ہے کہ

این خاندان از عصر احمد شاہ ابدالی در سیامت علم و ادب دست قوی داشته و بدر بارہائے شاہان کابل شہرت بسزائی راکسب کردہ اند۔

محمد غوث کی وفات پر ان کے دو لڑکے قاضی محمد اکبر شاہ اور قاضی اللہ داد خان اپنے والد کی مسند پر رونق افروز دکھائی دئے انہی کی اولاد سے موجودہ خاندان قاضی خیلان عالم وجود میں آیا۔ جو اس وقت تک بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قاضی محمد اکبر شاہ کے پوتے قاضی طلا محمد خان بن قاضی محمد حسن خان اپنے وقت کے مشہور عالم اور صاحب تصنیف گزرے ہیں۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں۔ دیوان طلا محمد، فارسی، دیوان عربی، جواہر النفر، صلوة التحریر، محبت الملک لستہ العقول، صلوة الکہیب، قصیدہ بانیم اور عمل بالحدیث۔ اور مجاہد سرحد قاضی محمد ولی خان جو انگریز کی مخالفت میں چالیس سال تک جلاوطن رہنے کے بعد واپس لوٹ کر ۱۹۶۰ع پشاور میں واصل بحق ہوئے اسی خاندان سے تھے۔ قاضی رحیم اللہ خان جنہوں نے سر جارج روس کپہل اور نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے ساتھ پشتو میزول (انگریزی) ناسی کتاب لکھی تھی اور میجر جنرل قاضی عبدالرحیم خان جو مشرقی پاکستان کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

شیخ محمد شعیب تورڈھیری

ان کا اصل نام محمد شعیب اور والد کا نام حافظ گل بن ملک غازی خان تھا۔ وہ نسلاً درانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جب احمد شاہ ابدالی نے افغانستان کی زمام حکومت سنبھالی اور ملک کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے بعد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ تو اس کے لشکر میں شیخ محمد شعیب کے والد اور دادا بھی شامل تھے۔ احمد شاہ ابدالی سر ہند تک سکھوں اور ہندؤں کے تعاقب میں گیا اور

جب واپس ہوا۔ تو بعض یوسفزئی دوستوں کی خواہش پر شیخ محمد شعیب کے والد اور دادا نے علاقہ یوسفزئی میں سکونت اختیار کی۔ میان عمر صاحب کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ حافظ گل صاحب کبھی کبھی اپنے صاحبزادے محمد شعیب کو لے کر میان عمر صاحب کے گھر جاتے میان عمر ان کو دیکھ کر ہمار کرتے۔ اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے آئندہ چل کر یہ بچہ بہت بڑا آدمی ہوگا۔ محمد شعیب سن شعور کو پہنچ کر مرشد کامل کی تلاش میں نکلے۔ اس زمانے میں حافظ ملا محمد، محمد زئی کی زیادہ شہرت تھی۔ جو موضع عمر زئی اشغر کے رہنے والے تھے۔ اور علم و عمل کا آفتاب تھے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ سڑابنی اسرائیلی لکھا کرتے تھے۔ شیخ محمد شعیب نے ابتداً ان کے حلقہٴ درس میں شریک ہو کر علوم ظاہری کی تشکیل کی اور چند دن کے بعد ان کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے سلسلہٴ قادریہ میں عرفان و تصوف کے منازل طے کئے۔ چنانچہ وہ اپنے پیر کی ہدایت پر اپنے گاؤں تورڈھیر تشریف لائے۔ شیخ محمد شعیب کو درس و تدریس اور مدارس کے قیام کا بے حد شوق تھا۔ انہوں نے تورڈھیر میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ع میں شیخ محمد شعیب نے وفات پائی۔ ان کا مزار آج بھی تورڈھیر میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے سعید الدین اور صدر الدین، ان دونوں صاحبزادوں کی اولاد علاقہ یوسفزئی کے سواضعات تورڈھیر، قاسم، سوکٹی، بخشالی، قاضی آباد، اوڈی کرام اور موضع عمر زئی میں آج بھی موجود ہیں۔ جو صاحبزادگان کے نام سے موسوم ہیں۔

میاں گلو بابا تور ڈھیری

آن کا اسم مبارک گل محمد تھا - لیکن عوام میں میاں گلو بابا کے نام سے مشہور ہوئے - آن کے والد کا نام مراد تھا - ذات سے افغان اور علاقہ ننگرہار کے درہ چپریال کے موضع شغلانی کے رہنے والے تھے - اور اسی گاؤں کے ایک بڑے عالم ملا ہوردل افغان سے بیعت کرتے تھے - ابتداً وہ ننگرہار سے موضع طورو میں آئے - پھر وہاں سے موضع تورڈھیر تحصیل صوابی میں سکونت اختیار کی - کچھ عرصہ بعد ایک خان نے آپ کو ایک کنواں اور چھ کنال زمین بطور سیری دے دی - انہوں نے اس اراضی میں ایک مسجد تعمیر کرائی - اور ساری عمر اس گاؤں میں عبادت میں بسر کی - ۱۰ رمضان ۱۱۸۰ھ کو وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے - آن کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام ہے ان کے چار صاحبزادے جان محمد ، خان محمد ، فتح محمد ، اور خیر محمد تھے جن کی اولاد اب تک موضع تورڈھیر میں آباد ہیں -

سید امیر کوٹہ ملا صاحب ،

سید امیر صاحب کا جد اعلیٰ عبدالغفور ولد سہر بیگ ولد شاہ بیگ باد غیس علاقہ غور سے آیا تھا - وہ نسل افغان تھا - سکند پجمن و گجٹی کے درمیان اور جھنڈا بوقہ سے شمال کو پہاڑ کے دامن میں کنڈل نامی ایک گاؤں علاقہ یوسفزئی میں سکونت پذیر ہوا - یہ گاؤں نادر شاہ کے حملہ میں ویران ہوا - عبدالغفور وہیں مدفون ہیں اور کنڈل بابا سے مشہور ہیں - کنڈل کی ویرانی کے بعد کنڈل بابا کے دو بیٹے جان محمد و یار محمد رہ گئے تھے جان محمد کی اولاد موضع

ہایشی میں سکونت پذیر ہوئے اور یار محمد کی اولاد موضع کوٹہ تحصیل صوابی میں سکونت پذیر ہوئے کوٹہ ملا صاحب اسی مذکورہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے - اور اسی وجہ سے ہی وہ کوٹہ ملا صاحب ہکارے جانے لگے وہ اپنے وقت کے ایک جلیل عالم دین ، صاحب عمل اور مالک فہم و فراست تھے - علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ انہیں ملکی سیاسیات سے بھی دلچسپی رہی اور انہی کے مشوروں سے تحریک مجاہدین (جس کا ذکر ہو چکا ہے) نے نمایاں ترقی حاصل کی تھی - انہیں اس وقت تک بڑی عزت اور وقعت سے دیکھا جاتا ہے ان کی اولاد نے علم قدیم و جدید میں نمایاں حیثیت حاصل کی - صاحبزادہ محمد خورشید کرنل ڈاکٹر آفتاب احمد خان اور نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - مکمل شجرہ نسب اخیر میں ملاحظہ ہو -

جھنڈہ بابا جی

ان کا اصلی نام حسام الدین تھا - عوام میں جھنڈہ بابا جی کے نام سے مشہور ہوئے - وہ نسل افغان قبیلہ یوسفزئی میں منڈڑ کی ذیلی شاخ خضرزئی سے متعلق تھے - ان کا اولین مسکن موضع امیر شاہی تھا جو نارنجی سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب شمال مشرق آباد تھا - کہا جاتا ہے کہ انگریز کی آمد سے کچھ عرصہ قبل خضرزئی اور محمود زئی میں شدید جنگ ہوئی تھی جس میں موضع امیر شاہی کلیتہاً برباد ہوا تو جناب حسام الدین صاحب کسی نہ کسی طرح تن تنہا زندہ بچ کر ہریشان حال مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے طور ڈھیر پہنچے - جہاں انہیں شیخ صاحب طور ڈھیر کی خدمت کا موقع ملا -

اور آن کے حلقہ کے خلیفہ نامزد ہوئے۔ وہاں سے نکل کر کچھ عرصہ موضع کھنڈہ میں قیام کیا۔ اور بالآخر موضع جھنڈہ پہنچ کر مستقل اقامت اختیار کر لی۔ بقیہ زندگی وہیں گزاری۔ اور اسی جگہ فرشتہ اجل کو لبیک کہتے ہوئے سپرد خاک کئے گئے۔ ان کے تین بیٹے محمد انور۔ محمد حسن اور غلام حسین تھے جن کی اولاد اس وقت بھی موضع جھنڈہ تحصیل صوابی میں مقیم ہیں۔

اڈہ ملا صاحب

ان کا اصلی نام نجم الدین اخون زادہ تھا عوام میں اڈہ ملا کے نام سے مشہور ہوئے۔ موضع اڈہ علاقہ سہمند سے متصل مغرب کی طرف واقع ہے۔ ملا اڈہ اصل میں تو افغانستان کے علاقہ شیلگر کے رہنے والے تھے جو غزنی کے ملاحقات میں شامل ہیں۔ اس علاقے میں احمد زئی اور سلیمان خیل قبائل کے لوگ آباد ہیں۔ اڈہ ملا صاحب نسلا افغان اندڑ، سلیمان خیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان کے نام کے ساتھ اخون زادہ کا لقب وابستہ ہونے سے قیاس غالب یہ ہے کہ ان کا خاندان صاحب علم و فضل خاندان تھا اور اسی خاندان کے ایک روشن چراغ یہ بھی تھے۔

اڈہ ملا صاحب نے ابتدائی تعلیم علاقہ شیلگر میں پھر غزنی میں حاصل کی پھر حصول علم کے لئے کابل تشریف لے گئے اور وہاں معلمہ تندور سازاں میں مقیم رہ کر وہاں کے مختلف علما سے تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر جلال آباد تشریف لائے اور وہاں سے اس شہر سے کچھ فاصلہ پر اڈہ نامی موضع میں سکونت پذیر ہوئے اسی وجہ سے وہ اڈہ ملا سے موسوم ہوئے اڈہ ملا صاحب باطن بھی تھے

اور صاحب سیف بھی۔ انہوں نے جہاں اپنے فیوض روحانی سے افغانوں کو منور و درخشاں بنایا وہاں انگریزوں کے استبداد کے خلاف قلاوڑ اٹھائی۔ اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ جہاد بالسیف میں گزارا۔ وہ پچیس سال تک ان تمام جنگوں میں شریک رہے جو انگریزوں اور افغانوں کے درمیان ہوئیں۔ ان کے جہاد کے معاذ زیادہ تر سہمند اور مالاکنڈ ایجنسی رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ اس پاک سرزمین سے انگریزوں کے اقتدار کو ختم کر کے اسلامی ریاست کے وجود کو عمل میں لایا جائے انہوں نے ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں وفات پائی۔

اخون بالول بن بازید (ہائیز خیل) عمرزے خضرزئی

وہ اپنے وقت کے مشائخ اور بزرگان دین میں سے اور قبیلہ خضرزئی کے راہنما تھے۔ وفات ہونے پر انہوں نے تین بیٹے چھوڑے جو اپنے والد کے نقش قدم پر ٹھیک چلے۔ ان کا بڑا بیٹا ملا ایمل اور دوسرا کیمل اور تیسرا کلو تھا۔ تینوں بھائی اپنے زمانہ کے بزرگوں اور عالموں میں سے تھے۔ جب خضر زئی سوات سے یہاں آکر آباد ہو رہے تھے تو یہ تینوں بھائی بزرگان کی حیثیت سے ان کے ساتھ موجود اور دینی و دنیاوی راہنمائی میں پیش پیش تھے۔ ملا ایمل موضع اگاری چملہ جا کر بمطابق تقسیم شیخ ملی اپنی حصہ داری پر قابض ہو کر مقیم ہوا اور وہیں وفات پا کر دفن ہوا۔ اس کی زیارت علاقہ چملہ میں زیادہ مشہور ہے۔ کیمل نے موضع کالو خان میں رہائش اختیار کی اور وہیں وفات پا کر دفن ہوا۔ کلو جو اب کالا بابا سے مشہور ہے موضع شیوہ میں اس کی قبر ہے اور اس کی زیارت خاص و عام میں کافی شہرت رکھتی ہے۔

ان کی اولاد مواضعات کالو خان ، تختہ بند ، شیوہ ، مداخیلہ اور اگاری میں آباد ہیں ۔ اخون بالول کے لقبی نام اخون کے سبب ان کی اولاد اخون زادہ گان سے یاد کرے جاتے ہیں ۔ اخون بالول کے ایک بھائی کا نام حق تھا اس کو شیخ کا خطاب دیا گیا تھا جس کے سبب وہ شیخ حق سے مشہور تھا ۔

میاں نور بن ملا ارادت سلطان خیل ملی زنی خواجہ زنی

وہ اپنے زمانے میں ایک راہنما اور قبیلہ یوسفزی کا ایک با اثر مذہبی پیشوا تھا ۔ اس کے وقت میں جب خوشحال خان خٹک نے اورنگزیب کے خلاف یوسفزی سے تعاون اور امداد حاصل کرنے کی غرض سے سوات کا سفر اختیار کیا تھا تو میاں نور بھی نے تمام جرگہ کے حاضری میں خوشحال خان کے خلاف فیصلہ صادر کر کے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا اور تعاون و امداد سے انکار کیا جس کے سبب خوشحال خان سوات سے خفا ہو کر آیا تھا ۔

میاں نور ایک بڑا بزرگ تھا اس کی زیارت جوینڈر بابا سے شہرت رکھتے ہیں علاقہ دیر کے موضع خال میں واقع ہے ۔ میاں نور کا اعزازی لقب اخون تھا اس وجہ سے ان کی اولاد اس معزز نام سے اخون زادگان ہکارتے جاتے ہیں ۔ میاں نور کا والد ارادت بھی ملا کے معزز لقب سے ملا ارادت یاد کرے جاتے ، وہ بڑا بزرگ شخص تھا اور اپنے قبیلے کا مذہبی پیشوا تھا ۔ اسی طرح میاں نور کے تینوں بیٹے بھی باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے رہے ۔ اس کا بڑا بیٹا حافظ بابا دوسرا ملا بابا اور تیسرا پاچا بابا سے یاد کرے جاتے تھے اور تینوں اپنے وقت کے مشائخ اور بزرگوں میں سے تھے ۔ ان کی اولاد موضع خالوند میں آباد ہیں

اسوٹا بابا جی

ان کا نام حمید اللہ اور والد کا نام شرف شاہ بن قطب شاہ ہے ان کا شمار ناسور بزرگوں میں ہوتا ہے ۔ تعلیم کے مدارج سے فارغ ہو کر انہوں نے ساری زندگی تبلیغ اور اصلاح میں گزاری اور ۱۴۰۳ھ میں بمقام اسوٹا وفات پائی اور وہیں ان کی زیارت ہے ان کی تقدس کی وجہ سے اسوٹا شریف کہا جاتا ہے ۔ وہ نسلاً افغان اور قبیلہ ماسوزی کے ذیلی شاخ بوبا خیل میں ٹل علی شیر خیل سے متعلق ہے جدی گاؤں بمطابق تقسیم شیخ ملی موضع شیخ جانا تھا ان کا جد امجد مسعود شاہ بڑا عالم فاضل شخص تھا جس کو موضع اسوٹا کے لوگوں نے مجبور کر کے اپنے پاس رہائش پذیر کیا تھا اور ان کی گزر اوقات کے لئے اراضیات وغیرہ بھی وقف کر دی تھی ساکنان اسوٹا ان کے عزیز دار یعنی اکا خیل ماسوزی تھے جس کے سبب وہ وہاں منتقل ہو جانے اور مستقل سکونت پر راضی ہو چکے تھے ۔

مسعود شاہ کے تین بیٹے تھے وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلے ان کا بڑا بیٹا قطب شاہ تھا جس کا نواسا حمید اللہ المعروف اسوٹا بابا جی ہے جن کی اولاد پاچا گان سے یاد کرے جاتے ہیں اور وہ عبدالغفور اخوند سوات کے پیر بھائی اور شیخ محمد شعیب نور ڈھیر کا مرید تھا ۔

مسعود شاہ کا دوسرا بیٹا مہدی شاہ اور تیسرا محسن شاہ تھا ۔ مہدی شاہ کا پہلوٹا بیٹا قاضی صفی اللہ تھا ۔ جس نے تعلیم کے مدارج مختلف علما کرام سے حاصل کرنے کے بعد موضع فریلی میں سکونت اختیار کی ۔ بعد میں اس کا ایک بیٹا حافظ عبدالجلیل موضع اسوٹا میں جا کر آباد ہوا اور اس کی اولاد حافظان قرآن سے مشہور ہیں اور قاضی صفی اللہ کا دوسرا بیٹا قاضی عبدالمجید موضع فریلی فی میں مقیم رہا

جس کی اولاد قاضیان فرملی سے یاد کرے جاتے ہیں - محسن شاہ بن مسعود شاہ کے دو بیٹے محمد شعیب اور نور اللہ تھے جو موضع اسوٹا میں آباد تھے اور ان میں بھی بڑے بڑے علماء اور قاضیان ہوئے - اس وقت بھی یہ پورا خاندان علمی گھرانہ ہے - شجرہ نسب آخر میں درج ہے -

یوسفزیوں کے حرکات و سکنات پر ایک سرسری نظر

یوسفزیوں کے حالات ہر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ روز اول سے ہی یہ قبیلہ کشمکش جہات میں مبتلا رہا - بیرونی حملہ آوروں سے یہ کسی وقت بھی آرام سے نہیں رہے اور اندازاً گذشتہ پانچ صدیوں سے یہ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے نبرد آزما رہے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور اندرون ملک کے نظم و نسق کو بھی قائم رکھا - فیاضی اور خوش اخلاق کا یہ عالم کہ اگر کسی دوسرے قبیلے نے مدد مانگی تو تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا یہاں تک کہ اگر دشمن نے پناہ مانگی تو اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر امداد پر آمادہ ہو گئے اور اپنے ہاں ان کو پناہ دی اور ان کی سہماں نوازی اس طرح کی کہ انکی حفاظت کے لئے انہیں کئی جنگیں لڑنا پڑیں - جب بھی کوئی دوسرا قبیلہ کسی طاقتور حکومت کا نشانہ بنا اور وہ نقل مکانی پر مجبور ہوا - تو یوسف زئی قبیلہ نے اسے اپنے ہاں جگہ دی - مثال کے طور پر پہلے گیکیانوں کو جگہ دی پھر محمد زئی اور خویشگی ، بعد میں ترکانی جب اس طرف آنے پر مجبور ہوئے تو انہیں اپنی جگہ رہائش کے لئے پیش کی - بعد میں مہمند قبیلہ کو اکبر کے زیرِ اعتبار آ کر نقل مکانی پر انہوں نے اپنی جگہ رہائش کے لئے دی

نیز دیگر کئی چھوٹے چھوٹے قبائل کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ بسایا اور جیسا کہ باب خٹک میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلے ہلاق خٹک کو پناہ دے کر خوشحال خان کے تری قبیلہ اور مغل کا نشانہ بنے اور ان کی حفاظت کی خاطر بے انتہا قربانیاں دیں - اور پھر خوشحال خان کی درخواست پر اس کے بال بچوں اور ان کے ساتھ ایک سو دوسرے خاندانوں کو مغل کے پنجہ سے بحفاظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینا صرف کھدینے اور لکھ دینے میں تو آسان ہے مگر عملاً ایسا کرنا بہت معنی رکھتا ہے - اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہر یوسف زئی فخر کر سکتا ہے - لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اتنی شاندار روایات کا متحمل قبیلہ پھر بھی اپنی حقیقی اہمیت کے لئے ہمیشہ مؤرخین کی توجہ کا محتاج رہا ہے -

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ نے ہمیشہ ان پر زیادتی کی اور جو جس کے جی میں آیا مخالفت میں لکھ دیا - یوسفزیوں کے کارناموں اور فتوحات کو اپنا ظاہر کر کے قلم بند کیا اور تعجب ہے کہ اس طرف کسی نے توجہ نہ کی اور ہر پڑھنے والے کی نظر میں یوسف زئی کا وقار کم ہوتا چلا گیا حالانکہ یہ یوسف زئی ہی تھے جو اپنے سرحدی علاقہ سے بے دست و پا ہندوستان گئے اور وہاں پر اپنی حکومتیں قائم کیں

یوسف زئی کی تقسیم اراضی کا بہترین کارنامہ اپنی مثال آپ ہے بلکہ میں تو یوں کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شیخ ملی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات و تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تقسیم اراضی کا آغاز کیا تھا - اور بعد میں یوسف زئی قبیلہ وقتاً فوقتاً دوسرے پریشان حال قبائل کو اپنے ساتھ یوں آباد کرتا رہا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے پر وہاں کے باشندگان نے

نے کیا تھا - ایسی حالت میں یوسف زئی کو اگر انصار کہلایا جائے تو بے جا نہ ہوگا -

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یوسف زئی قبیلہ کو جنگ و جدل سے اتنی فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ کسی وقت اپنی اقتصادی و تعلیمی حالت پر بہ اطمینان غور کر سکتے اور جو بلند توقعات اس سے وابستہ کی جا سکتی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں - تاہم ان کا سیاسی شعور بہت بلند رہا ہے جس کا اعتراف وقتاً فوقتاً باہر کے بعض مؤرخین کر چکے ہیں ان کی فیاضی - خوش اخلاقی - اعلیٰ کردار مہمان نوازی - ہمت و جرات - بہادری - خودداری - غیر مسلموں سے اچھا سلوک اور مظلوم کی حمایت یہ ایسے کارنامے ہیں جن کو ضبط تحریر میں لانا کوزے میں دریا سمونے کے مترادف ہے -

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یوسف زئی قبیلہ کی اپنی کوئی تاریخ باقی نہیں رہی تھی جس سے اصل واقعات پر روشنی پڑتی اور موجودہ نسل اس سے کما حقہ، روشناس ہو سکتی بلکہ یہ حقیقت ہے کہ نئی روشنی کے اس دور یا بالفاظ دیگر اس ترقی پذیر دور میں جب ان کا اباؤ اجداد کے کارنامے ان کے سامنے اصلی روپ میں پیش کرے جاتے ہیں تو وہ انہیں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی نامعلوم چیز سے تشبیہ دیتے ہیں - جیسے کہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ایک دلچسپ واقعہ ”قصہ ایک وزیر کا“ لکھتا ہے :-

”اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک وزیر ہر جب بادشاہ کا عتاب ہوا تو اس کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا اور وزیر سالوں وہاں رہا - اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا - اس نے بھی وہاں ماں باپ کے ساتھ پرورش پائی - جب اس نے ہوش سنبھالا تو ایک روز باپ سے پوچھنے لگا کہ یہ گوشت جو ہم کھا رہے ہیں

کس چیز کا ہے - باپ نے کہا ہکرے کا - بھٹا بولا ہکرا کیسے ہوتا ہے - باپ نے اس کا ہورا حلیم بہان کیا - لڑکے نے کہا ابا جان کیا وہ چوپے کے منافذ ہوتا ہے - باپ نے کہا سبحان اللہ کہاں ہکرا کہاں چوپا - اسی طرح گامے اور بھینس کے گوشت کے بارے میں گفتگو چلی وجہ اس کی یہ تھی کہ وزیر کے لڑکے نے قید خانہ میں زندگی گزارنے کے سبب سوامے چوپے کے اور کوئی جانور دیکھا ہی نہ تھا اس لئے وہ ہر جانور کو چوپے کی نسل سے جانتا تھا :-

مساکن یوسف زئی بمطابق شجرہ ہائے نسب

افغان قوم کی نئی زندگی کا آغاز اس وقت سے ہوا - جب بنی اسرائیل کے جلاوطن قبیلے مشرف بہ اسلام ہوئے - دین اسلام نے ان میں نئی روح ڈالی - اور انہیں متحد ہونے کا سبق سکھایا - چنانچہ انہوں نے اپنی منتشر قوم کو اکٹھا کیا - اور جیسا کہ وہ زیادہ مشہور اور بڑے گروہوں کی صورت میں چار مرتبہ شام و عراق سے جلا وطن کرے گئے تھے - اسی نسبت سے انہوں نے اپنے تعارف کے لئے ان کے چار گروپ بنائے - اور ان کے یہ نام مقرر کئے سڑاہنی، ہثنی، غرغشتی اور کرلانی - ان گروہوں میں وہ قبائل شامل کرے گئے - جن میں نسبتی یا علاقائی قرابت موجود تھی - اس تعارف کی خاطر انہوں نے ایک لوسی پیشوا قیس عبدالرشید جس کا ذکر باب دوم میں ہو چکا ہے، کو اپنا مورث اعلیٰ (اعزازی باپ) متفقہ طور پر مقرر کیا - اور یہیں سے افغان قوم کا ایک نیا شجرہ نسب مرتب ہوا - جن سے بعد میں بے شمار قبیلے بنے - کتاب ہذا میں ہمارا تعلق چونکہ خشی یا خاشی

قبائل خصوصاً قبیلہ یوسف زئی سے ہے۔ اور یہ سڑابنی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ لہذا ہم نے خشى قبائل کے شجرہ ہائے نسب مرتب کر کے شامل کئے ہیں۔

ان قبائل کے شجرہ ہائے نسب کو شامل کرنے کے بعد ہم ان کی موجودہ رہائش گاہ پر نظر ڈالتے ہیں اور مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ان کی ذیلی شاخیں اس وقت کہاں کہاں پر مقیم ہیں۔ معلوم رہے کہ زئی اور خیل کے معنی اولاد کے ہیں جو ذیلی خاندان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ملی زئی اور اباخیل۔ ملی اور ابا مورث اعلیٰ کے نام ہیں اور ان کے جو خاندان اپنے وہ ملی زئی اور اباخیل ہمارے جانے لگے۔ یعنی ملی اور ابا کی اولاد۔ یہ تشریح اس لئے ضروری سمجھی گئی تا کہ ہر پڑھنے والا با آسانی سمجھ سکے۔ خشى قبائل کے تین شاخوں یعنی گگیانی، ترکاڑی اور محمد زئی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب چوتھی شاخ قبیلہ یوسف زئی کا تعارف پیش خدمت ہے۔

قبیلہ یوسف زئی

واضح رہے کہ مندے بن خشى یا خاشی (خیشی) کے دو بیٹے مسمیان یوسف اور عمر تھے۔ یوسف بڑا اور عمر چھوٹا تھا۔ عمر نے وفات پائی تو اس کا ایک بیٹا شیر خوار بچہ مندے رہ گیا۔ جس کی تربیت و پرورش آس کے چچا یوسف نے بہت اعلیٰ طریقے پر کی۔ اور بالغ ہونے پر اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی۔ یوسف اپنے بھتیجے اور داماد مندے کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتا تھا۔ بلکہ یوسف نے مندے کے باپ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور رسم ملک کے مطابق

مندے اپنے چچا کا والد کی طرح احترام کرتا رہا ان وجوہات سے مندے کی اولاد بھی آس کے چچا یوسف ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور افغان قوم کا یہ ایک دستور بھی رہا ہے کہ بڑے بھائی کے نام سے چھوٹے بھائی کی اولاد موسوم ہو جاتی تھی۔ جس کی کئی مثالیں خود قبیلہ یوسف زئی میں موجود ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یوسف کو اپنے بھائی عمر کے اکوٹے لڑکے مندے سے بے حد پیار تھا یہی وجہ ہے کہ ابتدا سے آج تک یوسف اور مندے میں کسی قسم کا کوئی فرق محسوس نہیں ہو سکا اور ہر کوئی انہیں یکجان تصور کرتے ہیں جو کہ حقیقت پر مبنی ہے۔

یوسف کے پانچ بیٹے مسمیان (۱) اکو (۲) موسیٰ (۳) عوسلی (۴) ملی اور (۵) اوریہ تھے اور یوسف کی بیٹی سے مندے کے چار بیٹے مسمیان (۶) منو (۷) رزڑ (۸) خضر اور (۹) محمود تھے۔ اور ان سب کی اولاد یوسف زئی کہلائے البتہ آپس میں شناخت کے لئے صرف یوسف اور مندے کے جدا جدا ناموں سے بھی گاہے گاہے یاد کئے جاتے ہیں لیکن ان کا مشترک اور مجموعی نام یوسف زئی ہے۔ اب میں مذکورہ بالا مورثیان یوسف زئی جو اکو سے محمد تک ہیں، کا مختصر تعارف اور ان کی اولاد کے مساکن پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔ ان کے شجرہ ہائے نسب مکمل طور پر ذیلی شاخوں تک کتاب کے اخیر میں درج ہیں۔

(۱) اکو بن یوسف

اس کی اولاد اکوزئی سے مشہور ہے۔ جو تعداد میں دوسری برادری میں زیادہ ہیں۔ ملک اکو کی دو بیویاں سماء گوہرہ اور

مسماءہ رائی تھیں مسماءہ رائی کی اولاد رائی زئی سے مشہور ہوئی جس کا ذکر بعد میں اپنی جگہ پر آئے گا۔ مسماءہ گوہرہ سے ملک اکو کے چار بیٹے تھے۔ بازید، خواجہ، ابا اور خدادک۔

بائی زئی: بازید کی اولاد بائی زئی سے مشہور ہیں۔ جن کے تین بیٹوں، سہیل سلیمان اور بابو (بابو زئی) کے نام سے الگ الگ خیل بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ سہیل بن بازید کی اولاد سولہ زئی سے مشہور ہیں۔ اور سہیل کے دو بیٹے ابا اور عزیز تھے۔ بڑے بیٹے ابا کی اولاد ابا خیل اور چھوٹے بیٹے عزیز کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں۔

ابا خیل: ابا کے پانچ بیٹے تھے۔ شاہ بیگ، شخالی، شرغا خاصی اور اسماعیل۔ شاہ بیگ کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شرف اور دوسرے کا خانا تھا شرف کے تین بیٹے تھے۔ اول ملک متہ دوئم ملک جانا جن کی اولاد ننگر خیل سے مشہور ہیں۔ اور سوئم ملک پاچا جس کی اولاد پاچا خیل سے مشہور ہیں۔ خانا بن شاہ بیگ کے چار بیٹے تھے۔ اول بازید جس کی اولاد بازی خیل سے مشہور ہیں دوئم علی جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہیں۔ سوئم کنڈا جس کی اولاد کنڈا خیل سے مشہور ہیں۔ چہارم سہیل جس کی اولاد سمیل خیل جو ناگوال سے مشہور ہیں۔ سمیل خیل پہلے تقسیم کے مطابق موضع ناگوال میں مالکان اور رہائش پذیر تھے۔ بعد میں یہ لوگ موضع ناگوال سے اپنے بھائیوں کے ہاں موضع تھاند منتقل ہونے اور ننگر خیل و پاچا خیل اولاد شرف کو موضع ناگوال، کو موضع تھاند کی جائداد کے بدلے میں دے دیا۔ اس وجہ سے سمیل خیل کو ناگوال یعنی ناگوال والے سے شہرت ہوئی۔ شرف کی اولاد یعنی ننگر خیل و پاچا خیل موضع ہرڑئی سوات میں آباد ہیں اور موضع ناگوال بھی ان کی ملکیت ہے اور ملک متہ کی اولاد موضع متہ تہہ ہائی زئی ضلع مردان میں آباد ہے موضع متہ، ملک متہ

ہی کے نام سے موسوم ہے۔ واضح ہو کہ موضع متہ کی جائداد شرف اور خانا کی اولاد کی ملکیت تھی۔ لیکن خانا کے اولاد نے اپنا نصف حصہ اولاد جلال قوم اوتمان خیل کو بطور صلہ خدمات، انعام میں دیا تھا۔ لہذا موضع متہ کے نصف رقبہ پر اولاد متہ بن شرف بن شاہ بیگ ابا خیل یوسف زئی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور خانا خیل کے نصف پر اولاد جلال اوتمان خیل قابض ہیں۔

خانا کی اولاد خان خیل سے مشہور ہیں۔ اور ان کا مسکن موضع تھاند سوات ہے۔ صرف قتلان خان کی اولاد چکیسر میں عزی خیل کے ساتھ آباد ہے۔ معلوم رہے کہ ابا خیل کی جائداد میں شاہ بیگ کی اولاد کا پانچواں حصہ تھا۔ اس لئے کہ ابا خیل پانچ بھائی تھے۔ مگر بڑے بھائی اور خانی کے سبب دوسرے بھائیوں نے خوشی سے شاہ بیگ کو ایک حصہ زیادہ یعنی دو حصے دئے تھے جو اس وقت تک ان کی ملکیت ہے۔ اس کی ایک اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں باہر سے تمام قبیلہ یوسف زئی کے ملک بدر لوگ تھاند آ کر پناہ لیتے تھے اور ان کو ہسانا اسی بڑے گھرانے کا کام تھا۔ شاہ بیگ کی اولاد میں ملک متہ اور ملک حمزہ بڑے نامور گزرے ہیں۔ ملک متہ مصری خان کا وزیر بھی رہا تھا۔ معلوم رہے کہ تھاند کے ملحقہ ہانڈہ جات بھی خان خیل تھاند کی مقبوضہ ملکیت ہے جیسے گٹ کوٹھے جلالہ، ایٹ گرام، کھڈے، بختہ، گنیار، نل، ہازدرہ، شیر خالئی زور منڈئی، پلٹی، مورہ نامی پہاڑ کے مغربی اور جنوبی اطراف۔

ابا کے دوسرے بیٹے شخالی جس کی اولاد شخالی خیل سے مشہور ہیں۔ موضع شینگردار مالام گاؤں اور کچھ گھرانے گروتشی میں آباد ہیں۔ ابا کے تیسرے بیٹے شرغا کی اولاد جو شرغا خیل سے مشہور ہیں۔ اور ان کی ذیلی شاخیں میر خیل، زمان خیل، اکا خیل، خانا خیل اور

شیخ علی جس کی اولاد ملا خیل سے موسوم ہیں۔ یہ سب موضع بری کوٹ سوات میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ بانڈہ جات نجی گرام، ناٹسیرا بھی ان کی ملکیت ہے۔ البتہ خانا خیل اور زمان خیل کے چند گھرانے موضع گروتٹی میں بھی آباد ہیں۔ ان میں شیخ علی اباخیل نامور شخص گزرا ہے۔

ابا کے چوتھے بیٹے خاصی (جس کی اولاد خاصی خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے سلطان خیل، حقداد خیل، ترخان خیل اور میر احمد خیل ہیں یہ سب موضع غالیگی (سوات) میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ مواضع ناواگٹی، املو کودرہ کے بھی مالکان ہیں۔

ابا کے پانچویں بیٹے اسماعیل (جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے نتوخیل، بسے خیل، علی خان خیل اور شیر خان خیل ہیں جو سب موضع مانیار علاقہ سوات میں آباد ہیں۔

عزیز خیل :- عزیز کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں۔ اس کے تین بیٹے اول بارک جس کی اولاد بارہ خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم لقمان اور سوئم احمد ہیں۔ بارک یعنی بارہ خیل کے چار بیٹے اول ادراہی جس کی اولاد ادراہی خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم مہر علی جس کی اولاد مرلی خیل سے مشہور ہیں۔ سوئم شاہو جس کی اولاد شاہو خیل سے مشہور ہیں۔ چہارم نماز جس کی اولاد ازخیل سے مشہور ہیں۔ بارک کے بھائی لقمان کے تین بیٹے اول رستم جس کی اولاد رستم خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم اسماعیل جس کی اولاد اسماعیل خیل سے مشہور ہیں۔ سوئم جلال جس کی اولاد جلال خیل سے مشہور ہیں۔ بارک اور لقمان دونوں بھائیوں کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں۔ اور یہ سب لوگ مواضع خوازہ خیلہ، ہانڈی، گاشگوڑ، ٹٹاٹ، کٹ کوڑ، اوہل، چالیار، ٹکداری، تاروگے، لغر، شالپین، فقیرا

چنکولٹی، چمتلٹی، بابو، مشکوٹی، جانو، لغر، مارتوانگ، چکیسر اور تپہ سہنکڑی کے مواضع ہشام، بوٹیال، فنگ، لالکو، دندئی علاقہ مشرق سوات میں آباد ہیں۔ بارک اور لقمان کے تیسرے بھائی احمد کے دو بیٹے تھے۔ اول جنکی دوئم قلندر۔

جنکی (جن کی اولاد جنکی خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے عیسیٰ خیل، سندڑ خیل، بشری خیل اور عبدالرحمن خیل ہیں یہ سب لوگ مواضع شینڈ، مان پتٹی، نویکلے، فتح پور، جرے، بتوڑی، سجا، اسالا، کوٹنی ہوا، بارام پٹی، جوختی، سینٹی، خیر آباد، میان دم، لہٹی، لاخار ہارکین اور شنگہ پار علاقہ قانا (کانا) دلائی (شاہور) کارشٹ، داسوڑی لٹ ہانڈی، اجمیر، ولندر اور پیر خیل میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ علاقہ غور بندہ میں بھی عزیزی خیل اور جنکی خیل اپنے حمایتی لوگوں کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ مواضع غور بندہ میں ہیں۔ لیلاؤڑی اپوری، کسولہ، شمانوکلے، لیولو باہا، کوز کوٹکے، ہر کوٹکے بازار کوٹ۔

جنکی کے بھائی قلندر کے دو بیٹے تھے اول غالی، جس کی اولاد غالی خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم جان بابا، جس کے تین بیٹے تھے۔ اول اسیر خان دوئم سلیم خان سوئم خواجہ جس کی اولاد خواجہ خیل سے مشہور ہیں۔ خواجہ خیل جنکی خیل کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ اور جنکی خیل سے ہی یاد کئے جاتے ہیں۔ غالی کا ایک بیٹا معروف تھا معروف کے دو بیٹے اول ہاڈو جس کی اولاد ہاڈو خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم پیر داد جس کی اولاد پیر داد خیل سے مشہور ہیں۔ اسیر خان خیل، سلیم خان خیل، ہاڈو خیل اور پیر داد خیل موضع سموڑی تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ اور ان

کے عزیز، بھائی خان بن رستم بن لقمان عزی خیل کی اولاد موضع کاٹلنگ میں مالکانہ حیثیت سے سکونت پزیر ہیں۔

سلیمان (سوپل) جو سہیل کا بھائی اور بازید کا بیٹا ہے اس کا ایک بیٹا ایسکو، تھا جس کے تین بیٹے تھے اول متوڑے جس کی اولاد متوڑی زئی سے مشہور ہیں۔ دوئم پائی اور سوئم موسلی ہیں۔ متوڑی کے دو بیٹے الاخیل اور بہلول خیل ہیں۔ یہ لوگ مواضعات گلی باغ چار باغ، ڈکوڑک، عالم گنج، مالالی، اللہ آباد، سیر اور تلی گرام میں آباد ہیں۔ پائی لاولد ہے۔

موسلی خیل :- موسلی کی اولاد موسلی خیل سے مشہور ہیں۔ موسلی کی دو بیویاں تھیں ایک دردانی دوسری خاتون۔ دردانی کی اولاد دردانی خیل اور خاتون کی اولاد خاتون خیل سے مشہور ہیں۔ دردانی کے چار بیٹے میر فتح خان جس کی اولاد فتح خان خیل سے مشہور ہیں۔ بسے خیل، خنڈی خیل اور ابیہے جس کی اولاد بی بی خیل سے مشہور ہیں۔ موضع ابوبہ علاقہ سوات میں رہائش پزیر ہیں اور بانڈہ جات نری ہنڈ، شاہ ہنڈ، جربانڈی، ہلوکے، اسلوک، گرتشی، شمال، ڈڈ، دربندی، ہانکر، جہانگیر اور کانڈا میں بھی یہ لوگ مالک و قابض ہیں۔ خاتون کے تین بیٹے اول بارہ خان جس کی اولاد بارہ خان خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم دولت جس کی اولاد دولت خیل سے مشہور ہیں۔ سوئم ولی جس کی اولاد ولی خیل سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ موضع کوٹھہ، نوپکے علاقہ سوات میں آباد ہیں۔ اور بانڈہ جات سورہ نامی پہاڑ کے شمال مشرق جانب اور مواضعات چوا، سدو خان کس، سینڈوکا، ولوکس، تلنگ، لنڈاکے اور چورخٹی کے بھی مالک و قابض ہیں۔ موسلی، خود بھی اور اس کی اولاد میں میر فتح خان ہارا خان اور ظریف خان نامور اشخاص گزرے ہیں۔

بابو بن یازید :- اس کی اولاد کو بابو زئی کہتے ہیں اس کی دو بیویاں تھیں زوجہ اول سے تین بیٹے ابا خیل، برت خیل اور ہامی خیل ہیں۔ ابا کے تین بیٹے تھے اول مغدود جس کی اولاد مت خیل سے مشہور ہیں۔ دوئم پیر مدے بابا جس کی اولاد پیریل سے مشہور ہیں۔ سوئم بازید جس کی اولاد بازید خیل سے مشہور ہیں۔ اور یہ لوگ مواضعات ہلوگرام، کمبر، کاٹھیلٹی اور تختہ ہند میں آباد ہیں۔ برت کے تین بیٹے دادی خیل، قاضی محمد اور زنکا خیل ہیں جن میں سے دادی خیل اور زنکا خیل مواضعات اوڈی گرام، گوگردہ، تیندو ڈاک اور پچی گرام میں آباد ہیں اور اولاد قاضی محمد ضلع مردان کے مواضعات بابوزئی، کاٹلنگ، ڈھیری لکپانی اور جرجوڑ میں اباخیل کے ساتھ مشترک طور پر آباد ہیں۔ ہامی کی دو بیویاں تھیں زوجہ اول سے ایک بیٹا علی خان جس کی اولاد علی خان خیل سے مشہور ہیں اور زوجہ دوم سے دو بیٹے عیسیٰ اور فتح خان ہیں جن کی اولاد عیسیٰ خیل اور فتح خان خیل سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ سینگورہ، نوپکے، منگور اور کوکارٹی علاقہ سوات میں آباد ہیں۔ بابو کی زوجہ دوم سے دو بیٹے اکا اور معروف تھے جن کی اولاد اکاخیل اور معروف خیل سے مشہور ہیں۔ اور یہ لوگ سینگورہ جام بیل، دنگرام، منگورہار، سینگوٹہ اور اینگرو ڈھیری میں آباد ہیں۔ بابو زئی کے ملکیتی بانڈہ جات یہ ہیں۔ سیدو سرسردارے، گلوگرام، کوکڑی، ہشودہ، سہل بانڈی، شیراقرپ اور سلام پور وغیرہ۔ ان کے مشترک سب قبیلے علاقہ پورن میں مواضعات کوٹکے، الوچ، پن گلی، سندوی، چاکم اور شیلہ میں بھی آباد ہیں۔ اور بابو زئی کے ساتھ وردگ، دیگان، کوتوال، سواتیان گلہان جو ان کے حمایتی افغان قبائل ہیں بھی رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اخوندرویزہ کی اولاد (اخون خیل) کے کچھ گھرانے بھی بابوزئی کے پاس رہتے ہیں

اخون صاحب سوات بھی انہیں کے ہاں موضع صیدو میں قیام پزیر ہوا اور صیدو میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے۔ نیز موضع کلانشی کو پورن میں انہوں نے اخوند سالاک کو بطور سیری دے دیا تھا اب بھی اخوند سالاک اور اس کے بھائی پیر سبک کی اولاد یہاں آباد ہے۔ مذکورہ مساکن اور مقبوضات کے علاوہ قبیلہ بابوزئی کے اباخیل اور برت خیل کے کئی خاندان مواضع کاٹلنگ، بابوزئی، جرجوڑ، ڈھیرئی لکپانی وغیرہ تہہ ہائی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ موضع غازی بابا سالم ہر اولاد ملک غازی بابا ولد شیخ پنس افغان قبیلہ شموزی بن خوجہ زئی بن اکوزئی یوسفزئی، مالکانہ حیثیت میں ابتدا ہی سے آباد ہے۔ اور یہ گاؤں ملک غازی کے نام ہی سے غازی بابا مشہور ہے۔

واضح ہو کہ اگرچہ موضع شموزی میں قبیلہ شموزی کے کوئی باقی نہیں لیکن وہاں ان کی پہلی رہائش پر وہی نام چلا آ رہا ہے۔ اب یہاں عزی خیل آباد ہیں۔ قبیلہ شموزی کا یہاں اس تہہ میں صرف ملک غازی خان شموزی کی اولاد موجود ہے باقی قبیلہ شموزی درہائے سوات کے شمالی حصہ میں اس وقت مالکان اور سکونت پزیر ہیں۔

داؤد خان بانی حکومت روہیلکھنڈ اس قبیلہ بابوزئی سے متعلق تھا۔ پیر مدے بابا اور ملا آدم بن زانکی ان میں نامور اشخاص گزرے ہیں ان کی قبریں جلالہ کے جنوب مغرب لدی کے ہار ایک قبرستان میں واقع اور مشہور ہیں اور زائرین بکثرت ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ پیر صالح بن زانکی جس کی اولاد موضع اوڈی گرام میں پیران سے مشہور ہیں، بھی مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے گزرے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آدم درخانمی کے تعلقات استوار ہونے وقت پیر صالح موجود تھے۔ اس کا قبر تحصیل نوشہرہ کے مغربی

علاقہ میں ہے۔ اور اسی طرح آدم و درخانمی کی قبریں بھی تحصیل نوشہرہ کے مشرقی علاقہ میں واقع ہیں۔ ان کے زمانہ میں قبیلہ یوسف نیچے میدانی علاقہ یعنی مہم میں درہائے سندھ اور نوشہرہ تک اور مندر سوات، دیر وغیرہ میں آباد تھے۔

پیر صالح بابوزئی پیر وو

د عشاقو دستگیر وو

واضح ہو کہ قبائل سولیزئی یعنی اباخیل و عزی خیل اور اور متوڑی زئی و موسلی خیل اور بابوزئی کے سب کا مشترک نام ہائی زئی ہے۔ ان کے کچھ لوگ تہہ ہائی زئی ضلع مردان میں مواضع ڈھیرئی، لکپانی، بابوزئی، شموزی متہ اور کاٹلنگ میں بحیثیت مالکان تہہ ہذا آباد ہیں۔ معلوم رہے کہ تہہ ہائی زئی ضلع مردان میں ایک وسیع علاقہ ہے۔ اور یہ سارا تہہ قبیلہ ہائی زئی کی ملکیت تھی جس میں مشہور گاؤں پیر سدو جلالہ، ہاتمی، ٹکر لونڈ خوڑ، میسا، ڈاکئی، شیر گڑھ، لطف گڑھ، ہاتھیان، پرخے، تازہ گرام، دوندیا، کالو، متہ، غازی بابا، سوٹھے، کونکے، جنکی ڈھیر، ڈھیرئی، لیکپانڈئی، جمال گڑھی ساول ڈھیر، تغت ہائی تک کا شمالی حصہ، کھوٹے، برسول، میان خان، سنگاؤ، پھیل، خرکی اور کاٹلنگ وغیرہ ہیں۔ مواضع میان خان، سنگاؤ، پھیل، کھوٹے اور برسول میں اتمان خیل کے کئی خاندانوں کو ابتدا ہی سے اس تہہ میں قبیلہ ہائی زئی نے آباد کیا تھا۔ جن کی شاخیں عمر خان خیل، ہائندہ خیل، پیپت خیل، بہرام خیل، برسی خیل، دادو خیل، طور زئی اور ایڈب زئی سے یاد کئے جاتے تھے۔ جو اس وقت تک یہاں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ قبیلہ ہائی زئی نے بعض دیگر مواضع میں جلا وطن ہلاق خٹکوں کو آباد کیا تھا۔ جو اس وقت

تک وہ یہاں آباد ہیں۔ لیکن اب اکثر یہ لوگ اپنے اپنے خیل نہیں جانتے، سب کچھ بھول چکے ہیں بلکہ تری اور ہلاق تک بھی نہیں جانتے، صرف اتنا کہ وہ اپنے آپ کو خٹک ہی سمجھتے ہیں۔ واضح ہو کہ دوئم جتھہ تری خٹکوں کا جن کو یوسف زئی نے موضع اکوڑہ سے خوشحال خان کی درخواست پر لا کر شکری بابا میں مغلوں سے محفوظ کیا تھا بعد میں وہ لوگ خوشحال خان کے ہندوستان میں اورنگ زیب کی نظر بندی سے رہائی اور اپنے وطن واپس ہونے پر اپنی خوشی کے ساتھ یہاں سے واپس چلے گئے تھے۔ یہ علاقہ تہہ ہائی زئی کے نام سے ابھی تک موسوم ہے۔

ایک گزاری:

تہہ ہائی زئی میں ہائی زئی کے رہنے والوں سے استدعا ہے کہ وہ اپنے اطراف میں ہوسفزئی اکابرین کی قبریں جو بہت خستہ حالت میں موجود ہیں۔ ان پر توجہ کریں۔ وہ دعا کے محتاج ہیں۔ جن کا تعارف یہ ہے۔

- (۱) ملک سر ابدال بن یحییٰ ادب زئی موضع سنگاؤ میں مدفون ہے۔
- (۲) ملک سر ابدال بن موسیٰ لیکہی خیل موضع شیر خانی میں مدفون ہے
- (۳) ملک بارہ خان بن موسیٰ ہائی زئی زئی موسیٰ خیل، کی قبر موضع کاپانی اسٹیشن سے کلہانی ندی کے پار مشرق میں راستے کے کنارے ایک قبرستان میں واقع ہے اور بارہ خان سے متخف ہو کر اب ان کی زیارت بارہ خواہا کے نام سے مشہور ہے۔

ان تینوں کا ذکر پہلے تواریخ حافظ رحمت خانی میں گزر چکا ہے، جو ہر ایک اپنے اپنے وقت میں سربراہان ہوسفزئی تھے۔

خداوند کریم ان کی مغفرت فرمائے امین
سالہا ہر تو ہگزرد کہ گزار، نہ کنی سوئے قربت ہدرت
تا بجائی پدر چہ کردی خیر، تا پیمان چشم داری از ہسرت

سعدی

خواجہ زئی :- خواجہ بن اکو (جس کی اولاد خواجہ زئی سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے ملی زئی، سہ بجنی، ہاسی زئی، لیکہی خیل، ہموزی اور علاؤ الدین جس کی اولاد اندل زئی یا ادب زئی سے مشہور ہیں ملی زئی:- ملی بن خواجہ کے چار بیٹے ملک ہائندہ نصرت دین سلطان اور اوسا ہیں جن کی اولاد بالترتیب ہائندہ خیل، نصرت دین خیل، سلطان خیل اور اوسا خیل سے مشہور ہیں۔ ملک ہائندہ کے چار بیٹے مبارک، موسیٰ، ہازید اور عزیز ہیں۔ مبارک کی اولاد مبارک خیل اور موسیٰ کی اولاد ہامت خیل اور ہازید کی اولاد ہازید خیل اور عزیز کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں۔ اور ہانچواں و صلی کریم داد بن ملک کدو ہے۔ ہائندہ خیل اہگروام سے لے کر جوغہ بند تک آباد ہیں۔ جن کے مشہور گاؤں جاٹ گرام، خاگراہ سندل کوہان، شالگاہ، واڑی، بانڈی، دیر، نورسنگ، شیرین گل، کارو اور نیگ درہ ہیں۔ اور مرکزی مقام موضع دہر ہے۔ ان کے ذیلی شاخ ہامت خیل میں اخون الیاس بن تور بن شاؤس بن ہامت بن موسیٰ مشہور بزرگ گزرا ہے اس کا مقبرہ لاج بوق میں ہے جو تیمرگرہ کے سامنے دریا سے ہار تقریباً چار میل کے فاصلہ ایک اونچائی پر واقع ہے ریاست دہر کی بنیاد اس کی اولاد نے رکھی تھی جو پاکستان بننے تک چلتی رہی۔ ملک مبارک جو ملک احمد کا شریک کار تھا اسی خاندان سے متعلق تھا۔ ہائندہ خیل کے ساتھ ان کا و صلی بھائی کریم داد بن ملک کدو افغان ماسوزی مندڑ کی اولاد بھی جغا بند درہ، سہار

درہ ، گلکوٹ ، جٹی ، باغ اور منڈی میں آباد ہیں جو کدے خیل کے نام سے مشہور ہیں ۔ ملک کدو ابتدا میں اپنے قبیلہ ماموں زئی کے ساتھ دواہد میں رہتا تھا ۔ وہ گاؤں کدو زئی یا کتوزئی اسی کے نام سے موسوم ہے ۔ اسے ہائندہ بابا کی لڑکی ابابی ہوئی تھی ۔ اس کی وفات کے بعد اس کا ایک بی لڑکا کریم داد اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر والدہ سمیت اپنے ماموں کے گھر چلا گیا ۔ انہوں نے اس کو جفا ہند درہ رہائش کے لئے دے دیا اور وہ وہیں آباد ہو گئے ۔ کریم داد کی قبر تیملگرہ سے شمال مشرق کی جانب چند میل کے فاصلے پر ہے ۔ ملک کدو بن مہرک قبیلہ ماموں زئی کا سربراہ اور ملک احمد کا دست راست تھا ۔ باجوڑ کی جنگوں میں اس نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں ۔

نصرت دین بن ملی جس کی اولاد کو نصرت دین خیل کہتے ہیں ، کے چار بیٹے اول متی دوم فتح سوئم لالی چہارم بہو جن کی اولاد علی الترتیب متی خیل (متی فی) ، فتح خان خیل ، لالی خیل اور اور بہو خیل (بیہو) سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ یہ لوگ تیملگرہ سے کچھ آگے مقام اشاڑی گٹ سے شروع ہو کر رباط تک دریا کے آر پار آباد ہیں جن میں مواضع کند ٹیر ، دم کش ، حیا سیرٹی ، لڑم سر ، منجے ، سوجادے ، کوٹھو ، کڈ ، کالا ڈاک ، رانی اور دوڑاں وغیرہ ہیں ۔ اس میں مرکزی گاؤں رباط ہے سلطان بن ملی جس کی اولاد سلطان خیل سے مشہور ہیں کے دو بیٹے ابا بکر اور دلخک ہیں ابا بکر کے دو بیٹے اول سید احمد جو برتوئی سے مشہور ہے دوئم خواجہ خضر جو کوز توئی سے مشہور ہے ۔ دلخک کے دو بیٹے الیاس اور اباز خیل ہیں ۔ یہ لوگ جنوب میں نام میر خور و اور بارون کڑہ سے شمال کی طرف چیکٹ خپہ اور شکٹی کے سرے تک اور خالوند سے تورسنگ کے قریب تک آباد ہیں ۔ ان کا مرکزی گاؤں خالوند ہے ۔ سلطان خیل میں میان نور بن

ملا ارادت مشہور اور بزرگ شخص گزرے ہیں ۔ اوسا بن ملی :- جس کی اولاد اوساخیل سے مشہور ہیں ، کا ایک بیٹا موتی تھا ۔ جس کے دو بیٹے اول شیخ عثمان جس کی اولاد شیخ خیل سے مشہور ہے ، دوئم ملک نورا جس کی اولاد نورا خیل سے مشہور ہیں ۔ شیخ عثمان کے پانچ بیٹے اول شیخ جلو جس کی اولاد جلو خیل سے مشہور ہیں ، دوم خواجہ خضر جس کی اولاد خیدر خیل سے مشہور ہیں ۔ سوم الوزئی ، چہارم بلی خیل ، پنجم شیخ محمد ہے ہیں ۔

ملک نورا کے چار بیٹے جو نورا خیل سے مشہور ہیں ۔ اول سردار بابا جو لاولد تھا ، دوم حسن ، سوم ابراہیم ، چہارم عمر جن کی اولاد علی الترتیب حسن خیل ، ابراہیم خیل اور عمر خیل سے مشہور ہیں ۔ سب اوسا خیل تیملگرہ سے شروع ہو کر کامرائی تک اور وہاں سے تلاش کاٹ کلا تک مغرب میں موگیاڑ کمالہ تک جن کے گاؤں تیملگرہ ، خیمہ ، دیارون ، خزانہ ، سدو ، شکولٹی ، ہلاسیٹ ، کوٹکے اور علاقہ تلاش کے مواضع اسلو کدرہ ، گمبت ، باجوڑ ، مچوسرائے ، لاساہ ، نگرئی ، بانڈہ ، گمبتکے ، اجو اور کمانگرہ ہیں ۔ ان میں شیخ عثمان اور اس کا بیٹا شیخ جلو مشہور اشخاص گزرے ہیں ۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے نیز شاہے اور خواجہ خضر الوزئی بھی قابل ذکر اشخاص تھے ۔ شیخ جلو کی مزار تیملگرہ میں سڑک کے مغربی جانب واقع ہے شیخ عثمان کابل میں مرزا الخ بیگ کے ہاتھوں شہید ہوا تھا اور وہاں ان کا مزار ہے ۔ یہ بھی معلوم رہے کہ علاقہ میدان اور درہ جندول بھی قبیلہ ملی زئی کے حصہ داری میں تھے جس میں انہوں نے انہوں کے علاوہ اپنے حمایتی ترکانی اور دیگر افغان قبائل سرکانی ، تاران ، مایار اطرائی ، مشوانی ، وردگ وغیرہ کو بھی بسائے تھے ۔ ان علاقوں کے

مرکزی مقامات سندھ اور ہروا ہیں۔ سندھ جندول کا صدر مقام ہے جہاں ہر نواب دیر کا نمائندہ ایک افسر کی حیثیت سے رہتا تھا۔

سہ بجنی :- سہ بجنی کے دو بیٹے جونا خیل (کولہ سنڑے) اور سبت خیل (برخسنڑے) ہیں۔ جونا کے تین بیٹے نظر خیل زنگی خیل اور مندو خیل ہیں۔ سبت یا صحبت کے تین بیٹے بہلول خیل مینا خیل اور شما خیل ہیں۔ یہ لوگ مواضعات شکر درہ، شیر پام ہیر کلے، گواڑہ، جورہ، شانگوٹھی، ارکوٹ، بہاکند، گواڑہ بانڈی اور روئیال سے یگار گٹ تک جن میں مواضعات روئیال، سچ بنڈ، میان کلے میرہ، وینٹی، رونی گار، کوزشور، لاشور، ڈاگٹی، چنگلائی، نل کوٹ گوالیرتی، گٹ، ہیوچار، ہشتونڑی، بہا اور سرہاندہ میں آباد ہیں۔ قبیلہ شنواری افغان کے کچھ گھرانے بھی جو ابتدا میں یوسفزی کے پاس آئے تھے۔ وہ ہمیں بمقام جرہ اور شیرپلم میں آباد ہیں۔ اور ان کی عزبذاری کی چند اور خاندان جو یوسفزی کے ساتھ تھے، ان کو موضع مسارگے میں، (جو ناوہ گٹی کے قریب جانب جنوب مغرب اور کہمور کے مشرق میں واقع ہے) ابتدا ہی سے یوسفزی نے آباد کر کے تھے۔ وہ شنواری لوگ اب تک وہیں سکونت رکھتے ہیں۔

شامسی زئی :- شامسی بن خواجہ کی اولاد شامسی زئی سے مشہور ہیں شامسی کے تین بیٹے اول ملا خلیل جس کی اولاد ملا خیل سے مشہور ہیں۔ دوم حسن جس کی اولاد حسن خیل اور سوئم محمد جس کی اولاد محمد خیل سے مشہور ہیں۔ یہ قبیلہ سہ بجنی کے شمال کی جانب ایک ندی کے پار دور تک آباد ہیں۔ جن کے مشہور مواضعات یہ ہیں۔ ان میں ملا خیل کے مواضعات آغل، ہرتھاند، سمبٹ، ٹانگار بکوڑ، خریدڑی، لٹ پانڑی، توتکے، قرے، شوخ درہ، چپر پال، گڑھی اور مین پوڑی وغیرہ۔ اور حسن خیل کوزہ ہاسہ خیل، برہ ہاسہ خیل

ہوڈی گرام، سمبٹ، ہیدرہ وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور محمد خیل برہ دروش خیل، اشاڑے، باز خیل، کلا کوٹ، لنڈے، دوشا گرام دارمشی، نوخارہ، سٹخرا، لنڈی اور گڑھی وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان کا مرکزی مقام موضع مشہ ہے ان میں ملا خلیل، ماسم خان اور حبیب خان قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔

نیکبسی خیل :- نیکبسی کی اولاد نیکبسی خیل سے مشہور ہیں۔ اس کے چار بیٹے ابا خیل، شیخ مینا، موسیٰ اور عائشہ خیل ہیں۔ جو توتانوانڈی، چاچو ڈھیری، (شاہ ڈھیری)، نیم گولٹی، کنہارٹی، ٹال، درزیال، میرا، گلوچ، سر سنڑی، ملوچ، چندہ خورہ (کیل) سم دیولٹی، لردیولٹی، کالا کلے، نصرت، مام ڈھیری، غم جینہ، علی گرام، سنڑ، تغمہ، برہ بانڈی، کوز بانڈی، غور بجد طوطکے، مسمی، میکمے، منجا، ڈڈہ ہارہ، ڈاگٹی، گاڑور، اخون کلے، ڈیلے، ڈھیری، دمنار، کانجو، وغیرہ علاقہ سوات میں آباد ہیں۔

لیکبسی خیل میں شیخ مینا اور سر ابدال بن موسیٰ بڑے نامور اور مشہور اشخاص گزرے ہیں۔ ملک سر ابدال بن موسیٰ، خان گجو کا وزیر اعظم تھا اور جنگ غوریا خیل میں شریک تھا۔

شموزئی :- شمو بن خواجہ کی اولاد شمو زئی سے مشہور ہیں۔ اس کے چار بیٹے اسماعیل خیل، دوڑی خیل، علی خان خیل اور عمر زئی ہیں۔ جو مواضعات چنگی، تیرنگ، گڑھی، خزانہ، چلیہ، گم کوٹ زرہ خیل، نیموگرام، رنگیلہ، ملک آباد وغیرہ میں آباد ہیں۔ علی خان بن شمو ان میں مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے تھے۔

ادین زئی :- علاؤ الدین کی اولاد اندیل زئی یا ادین زئی سے مشہور ہیں۔ اس کے تین بیٹے یحییٰ (بختی) اتمان زئی بابو خیل ہیں۔ یحییٰ کے تین بیٹے سر ابدال، کیمل اور محمود ہیں۔ اتمان زئی

کے دو ذیلی شاخ مر جان خیل اور شرغا خیل ہیں۔ اور بابو جس کی اولاد بابو خیل سے مشہور ہے، کے پانچ بیٹے میر حسن خیل - فاضل خیل - پاچا خیل - رکمین خیل اور کیمل خیل ہیں۔ پھیل کے تینوں بیٹے سر ابدال - کیمل اور محمود یکے بعد دیگرے سربراہ قبیلہ تھے۔ ادین زئی مواضع تازہ گرام - کیتارٹی - خان پور - ٹھکٹئی - راسوڑہ شوا - اوچ چکدرہ وغیرہ علاقہ سوات میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ مواضع علی مس - سد سدہ - ماڑونگے - دربار - تندوڈاک - جھنگٹی - اسپنٹر - بامبولٹی - کوٹی گرام کے بھی قابض و مالک ہیں۔ یہ تہہ ریاست دیر میں شامل تھا۔

ابا زئی :- ابا بن اکو جس کی اولاد کو ابا زئی کہتے ہیں۔ اس کے چار بیٹے فتح خیل الیاس زئی - تھانے اور کامل (کیمل خیل) ہیں۔ جو برباڈوان - بڑنگولا - اور تحصیل اشغر کے موضع ابا زئی میں آباد ہیں۔ فتح (جس کی اولاد فتح خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے کرم خیل، خواجہ خیل اور بابا خیل ہیں ابتدا میں فتح خیل اشغر کے موضع ابا زئی سے مغرب کی طرف پہاڑی علاقہ میں آباد تھے۔ جس وقت یوسف زئی نے مہمندوں کو اکبر سے ہٹا دی تھی تو ان لوگوں نے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق وہ علاقہ مہمندوں کو چھوڑ کر یہ اپنی برادری کے لوگوں الیاس زئی اور کیمل خیل کے پاس آکر آباد ہو گئے۔ تھانے کی اولاد جو موضع ابا زئی اشغر میں آباد تھے وہیں رہ گئے۔ الیاس بن ابا جس کی اولاد الیاس زئی سے مشہور ہیں، کے دو بیٹے شاہان اور عثمان ہیں۔ کامل بن ابا جس کی اولاد کیمل خیل سے مشہور ہیں، کے چار بیٹے الائی خیل، جوگی خیل، آریا خیل اور الکور خیل ہیں۔ برباڈوان کے شمال میں قریب ہی زاؤ ڈھیرئی کے نام ایک بڑا تاریخی ٹیلہ ہے جس کا ذکر کتاب حافظ رحمت خانی نے کیا ہے۔ یہ

حسین اور دلکش مقام ہے) میں جب اس ٹیلہ پر چڑھا تو قدرتی طور پر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اور اترنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ قبیلہ ابا زئی میں محمود اور کریم داد الیاس زئی اور میر رستم بن عمر نامور اشخاص گزرے ہیں۔ یہ علاقہ چکدرہ کے بالمقابل دریا سے شمال کی طرف واقع ہے۔ اور ریاست دیر میں شامل تھا۔

خادک زئی :- خادک ابن اکو جس کی اولاد کو خادک زئی کہتے ہیں۔ اس کے پانچ بیٹے اول سدو جس کی اولاد کو محمد خیل کہتے ہیں۔ دوم اکا جس کی اولاد کو اکا خیل کہتے ہیں اور اس کے بیٹے احمد کے نام سے احمد خیل بھی پکارے جاتے ہیں۔ سوم محسن جس کی اولاد کو محسن خیل کہتے ہیں محسن خیل میں دو ذیلی شاخیں ہیں ناصر خیل اور خان کوری۔ چہارم ابراہیم جس کی اولاد کو ابراہیم خیل اور ملک کوری بھی کہتے ہیں۔ پنجم حمزہ بابا جس کی اولاد کو ہنسزوسی کہتے ہیں۔ یہ سب خادک زئی کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور ایک ہی گاؤں میں رہتے ہیں جس کا نام انہی کی نسبت سے خادک زئی ہی ہے اور ایک ندی اس گاؤں کے بیچ میں سے گزرتی ہے جس نے گاؤں کو دو حصوں یعنی کوزکے اور برکلے میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں اوسا خیل ملی زئی کے چند گھرانے بھی ان کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ یہ تہہ بھی ریاست دیر میں شامل تھا۔

رافی زئی :- یہ اکو کی دوسری زوجہ کی اولاد ہے جس کا نام رافی تھا۔ رافی سے اکو کے تین بیٹے سخا اتمان اور حلیم تھے۔ ان کی اولاد رافی زئی سے مشہور ہیں۔ سخا بن اکو کے دو بیٹے سلطان خا خیل اور عثمانی خیل ہیں۔ سلطان خا خیل مواضع شکٹی، توتکان اور سیخ بند میں آباد ہیں۔ عثمانی خیل ڈھیری اور جولا گرام میں آباد ہیں سلطان بن سخا (جس کی اولاد سلطان خا خیل سے مشہور ہیں) کے پانچ

بیٹے مردان خیل ، اسبارا خیل ، کری خیل دادی خیل اور اسماعیل خیل ہیں ۔ عثمانی بن سخا (جس کی اولاد عثمانی خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے اول لندا خیل دوم عزیز جس کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں ۔ اور سوم واڑہ عثمان ہیں ۔ اتمان بن اکو (جس کی اولاد اتمان زئی سے مشہور ہیں) کے ہانچ بیٹے ملا حسین ، میر داد ، محمد ، مدے اور ابراہیم ہیں ۔ ملا حسین کی اولاد سین خیل سے مشہور ہیں ۔ اور اکثر اتمان زئی موضع بٹ خیلہ میں آباد ہیں ۔ ملا حسین اور اس کا بیٹا کوثر نامور اشخاص میں سے گزرے ہیں ۔ حلیم بن اکو کے تین بیٹے علی خیل ، بہرام خاخیل اور خوزہ خیل ہیں ۔ علی خیل مواضعات اللہ ڈھنڈ اور ڈھیری میں ، بہرام خاخیل موضع خار میں ، اور خوزہ خیل کچھ موضع اسان درہ اور کچھ اللہ ڈھنڈ اور ڈھیری میں آباد ہیں ۔ علی خیل میں ملک کچے اور ملک شیر دل اور خوازہ خیل میں شیخ زنگی مشہور اشخاص گزرے ہیں رانی زئی کے جن سکونت دیہاتوں کا ذکر ہوا ۔ یہ کوز سوات اور مالاکنڈ کے جانب شمال کو ہے ان کی ملکیت میں مالاکنڈ بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ تپہ سم رانی زئی بھی انہی کا ملکیتی تپہ ہے جو مالاکنڈ سے جنوب میں شیر گڑھ کے قریب تک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے ۔ مشہور گاؤں ورتیر ، دوبندٹی درگئی خرکٹی ، موسلی مینہ ، عثمانی خیل گڑھی ، کوٹ ، ٹوٹی مینہ پرچند ، خان گڑھی ، کچے ، کوہر ، سخاکوٹ وغیرہ ہیں ۔ یہاں یہ لوگ خود بوجہ ہارانی علاقہ ہونے کے نہیں رہتے تھے بلکہ اس علاقہ میں انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو بسایا تھا اور انہوں نے تپہ پٹا سے مالکانہ حقوق حاصل کرتے تھے لیکن انگریز کی آمد پر اور عرصہ دراز گزرنے کے سبب یہاں قابض لوگ رہ گئے اور مالکان یعنی نسلا رانی زئی یہاں بہت ہی کم رہ گئے جو نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اور اس

وقت بھی یہ تپہ رانی زئی کے نام سے موسوم ہے ۔

(۲) موسیٰ بن یوسف

موسیٰ کا ایک بیٹا الیاس اور الیاس کے چار بیٹے ہیں اول سالار دوم مسمی سوم نسو چہارم تاجے جس کی اولاد اس کے بیٹے گدائی کے نام سے مشہور ہے ۔

سالار زئی :- سالار بن الیاس (جس کی اولاد سالار زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ایوب خیل ، مانی زئی اور سلی خیل ہیں ۔ اور سالار زئی کے مواضعات جوڑ ، ہام ہوخہ ، بازار گے ، کنکرلٹی ، نان سیر گرارے ، کاٹ کلا ، چڑی ، لیگانڈی اور کھوٹے میں آباد ہیں ۔ ان کے ماتھ حمایتی افغان قبائل ابتدا ہی سے رہتے ہیں جو راہو خیل ، بے سود کمبار ، دلو خیل اور لمغانی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ان میں کرم علی ، ملک جوکے ، علی اصغر المعروف مصری خان ، شیخ کمبو ملا ابراہیم الیاس زئی (جس کا مزار موضع چینہ کے قبرستان میں ہے) (اور شیخ کمبو جس کا مزار سوات میں دریا کے شمال کی طرف موضع کوٹلی کے راستے ہر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے) اور نواب امیر خان والے ٹونک مشہور اور نامور اشخاص گزرے ہیں ۔ امیر خان کا شجرہ نسب یوں ہے نواب ، امیر خان بن حیات خان بن طالع خان بن کالی خان بن بابو خان بن مولا خان بن سید علی خان بن فتح خان بن خانان خان بن اللہ داد خان جن کے نام سے اللہ داد خیل مشہور ہے ۔

عائشہ زئی :- مسمی کی زوجہ عائشہ کے نام سے اس کی اولاد عائشہ زئی سے یاد کی جاتی ہے ۔ اور ان کے چار بیٹے ہیں ۔ اباخیل ، خدین خیل ، موساڑہ خیل ، اور خاکی زئی ہیں ۔ جو مواضعات

توروسک اہلئی ، انغاور ہولیر میں آباد ہیں ۔

نس-وزئی :- نسو بن الیاس (جس کی اولاد نسوزئی سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے مغوزئی اور پنجہاؤ ہیں ۔

مغوزئی کے تین بیٹے کابل خیل ، علی خیل اور ابا خیل ہیں یہ مواضعات ہاندوڑیا اینفور ، شکولئی ، کوزہاؤ ، برجوکاٹوے ، مرہگ زئی ، منگڑئی ، گمبت اور چوگا وغیرہ میں آباد ہیں ۔ اور ان کا مرکزی گاؤں چوگا ہے ۔

پنجہاؤ کے چھ بیٹے علی خوازہ خیل ، اکا خیل ، ملک دین خیل میروس خیل ، سین خیل اور حسن خیل ہیں ۔ یہ مواضعات ڈگر ، بگڑا گوکنددرہ وغیرہ میں آباد ہیں ۔ حسن خیل اصل میں موضع چوگا کے مغوزئی کی اولاد میں سے ہیں ۔ موضع چوگا میں حسن خان مغوزئی قبیلے کا ایک معزز ملک تھا لیکن پنجہاؤ کی اولاد کے ساتھ سربراہی ملنے اور آباد ہونے کی وجہ سے اسی کی اولاد تصور کیا گیا ۔ اور اس وقت بھی یہی خاندان قبیلہ پنجہاؤ میں معزز اور با اثر ہے ۔

گدائی زئی :- تاجے بن الیاس کا ایک بیٹا گدائی تھا جس کی اولاد گدائی زئی سے مشہور ہیں ۔ اس کے ہانچ بیٹے حسن ، بہرام علی شیر ، حسین اور ابراہیم تھے ۔ جن کی اولاد بالترتیب حسن خیل بہرام خیل ، علی شیر خیل اور سین خیل سے مشہور ہیں ۔ پہلے چاروں کی اولاد مواضعات ہانچا ، ہائی ، کلاخیل ، سلطانوس ، غازی خانے بلوخان ، بھٹی ، ملک پور ، دوکڈہ ، نوریشول علاقہ ہولیر میں آباد ہیں ہیں بابا کا مزار بھی اسی جگہ پر ہے ۔ گدائی کا ہانچواں بیٹا ابراہیم کی اولاد ضلع بنوں میں آباد ہے ۔ جس کا مرکزی مقام موضع غوریوالہ ہے ابراہیم کابل میں اپنے قبیلہ یوسفزئی سے جدا ہو کر کورسہ میں قیام پزیر ہوا تھا بعد میں اس کی اولاد بنوں میں منتقل ہوئی ۔ ابراہیم کا ایک

بیٹا حسن خان جس کی اولاد حسن خیل سے مشہور ہے ۔ حسن خان کے دو بیٹے عمر خان اور سمل خان تھے ۔ عمر خان کی اولاد عمر خیل کے نام سے اور سمل خان کی اولاد اس کے والد کے نام پر حسن خیل سے مشہور ہیں عمر خان (عمر خیل) کی اولاد میں مغل خان بن ظفر خان نامور شخص گزرا ہے اور اس کے نام پر اس کی اولاد مغل خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ زمانہ قدیم سے ضلع بنوں میں اولچا گھرانہ چلا آ رہا ہے ان میں جعفر خان نامی بھی ایک مشہور شخص گزرا ہے جس نے ایک عالی شان مسجد بنوں شہر میں بنوائی تھی اور وہ مسجد جعفر خان کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۔ (اس خاندان کا شجرہ نسب ضلع بنوں کے سرکاری کاغذات مال میں اور ایس اس خاندان والوں سے بنوں اور غوریوالہ میں ملاقات اور گفتگو کر کے تصدیق کر چکا ہوں اور اسی کے ساتھ میں شیر علی خان ولد میردل خان سورانی غوث امیر کلبہ داخلی موضع حسنی علاقہ سورانی ضلع بنوں کا مشکور ہوں جس کے مدد سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں)۔

(۳) عیسیٰ بن یوسف

اس کی اولاد عیسیٰ زئی کے نام سے مشہور ہے اور اس کے تین بیٹے اکا ، حسن اور یعقوب ہیں ۔

اکا زئی :- اکا بن عیسیٰ (جس کی اولاد اکا زئی سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے برت خیل ، عزیز خیل ، تاسون خیل اور پائندہ خیل ہیں ۔ حسن زئی :- حسن جس کی اولاد حسن زئی سے مشہور ہیں کے تین بیٹے اول مدو جس کی اولاد مندو خیل کے نام سے مشہور ہیں ۔ دوم کالا جس کی اولاد کالا خیل کے نام سے مشہور ہیں ۔ سوم کالا خیل ۔

سندا خیل :- یعقوب بن عیسیٰ کا ایک بیٹا مدا ہے جس کی اولاد مندا خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ مدا کے ہانچ بیٹے حسن خیل، بازہ خیل، بازید خیل، موسیٰ خیل اور ہوسعید خیل ہیں۔ یہ سب اس علاقہ میں آباد ہیں جو قوم ڈوما سے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ علاقہ اب ان کے اپنے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں جیسے تپہ حسن زئی، تپہ اکا زئی اور تپہ مدا خیل۔ ان کی سرحد مشرق میں اگرہ ور اور تینول سے ملتی ہے اور جنوب میں کوہ سہا بنش کا علاقہ ہے۔ ان کے شمال میں تپہ چغر زئی جو ملی زئی کی ذیلی شاخ ہے، بھی مکونت ہنڈ ہے اور یہ لوگ دریائے سندھ کے آر پار مشرق کی طرف بڑھتے چلے گئے ہیں۔ اکا زئی - حسن زئی اور مدا خیل کا اپنا الگ الگ تقسیم ہے لیکن ان کا مشترک نام عیسیٰ زئی ہے۔ اور یہ اب تک ہمیشہ سے آزاد رہے ہیں اور ان کی آپس میں نظام، اراکین جرگہ اور سربراہ کے شکل میں چند برس قبل تک قائم تھا جب سے یہ لوگ یہاں آباد ہوئے تو ان کا پہلا سربراہ بالاتفاق ملک شہباز بن گیکیا تھا اس کے بعد اس کا بیٹا مقام خان پھر اس کا بیٹا باور شاہ اس کے بعد اس کا بیٹا علی خان اس کے بعد اس کا بیٹا حسن علی اور اس کے بعد اس کا بیٹا قبول خان اور اس کے بعد اس کا بیٹا ملک امان خان اور اس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی احمد علی خان ولد غلام خان اور اس کے بعد اس کا بھائی ہاشم علی خان تھا جس نے بڑا نام پیدا کیا تھا اور ان کے بیٹوں میں شیر علی خان اور سالار خان بھی قابل ذکر اور مشہور ہوئے۔ سالار خان زندہ ہے جو ایک بڑا عالم اور دانا شخص ہے۔ شیر علی خان فوت ہو چکا ہے اور اس کے دو بیٹے نعمت خان اور عالم زیب خان زندہ ہیں اس وقت بھی یہ گھرانہ معزز اور بااثر ہے۔

مساکن حسن زئی :- مواضعات مہرئی، مریو، پلوسہ،

قرنا، بیو، کنار، نادرئی، گڑھی، نویکلی، ریل بوڑیاں، وغیرہ ہیں ان میں صاحبزادگان حسن زئی کنار شریف مشہور گھرانہ ہے ان کے جد امجد کا نام زیارت گل تھا وہ نسل افغان اور حسن زئی میں کلا خیل کے ذیلی شاخ نصرت خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد صاحب زادہ گان سے مشہور ہیں۔ وہ اپنے وقت کے بڑے عالموں اور بزرگوں میں سے شمار ہوتا تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر تحصیل علم سے فراغت کے بعد نام پیدا کیا تھا۔ جن کے نام یہ ہیں عبدالغفو، محمد نبی، احمد سعید، محمد سعید جو سب ایک اور مہجدار تھے۔ ان میں بڑا بھائی مشر صاحب سے مشہور تھے وہ اپنے والد کے مسند پر قائم رہے اور علاقہ میں مقبولیت حاصل کی۔

ملاخیل ساکن ریل بوڑیاں :- قدیم سے یہ ایک مشہور علمی گھرانہ ہے۔ ان کا جد اعلیٰ ملا الیاس نسل افغان اور قبیلہ ایا خیل عائشہ زئی الیاس زئی سے متعلق تھا اور اس وقت بھی ایا خیل عائشہ زئی میں ملا خیل مشہور شاخ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آٹھ پشت قبل جس زمانہ میں عائشہ زئی مارتونگ کے علاقہ میں آباد تھے تو وہ موضع دیدل میں اس وقت اپنے گھر اور قبیلہ سے بغرض تعلیم جدا ہو کر مختلف علمی مدارج طے کرنے کے بعد حسن زیوں کی خواہش پر ان کے یہاں مقیم ہوئے وہ بڑا عالم اور بزرگ شخص تھا ان کی اولاد بھی اپنے والد اور دادا کے نقش پر صحیح چلے۔ ملا الیاس ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوا تھا ان کا باپ اور دادا بھی علماء طبقہ سے تھے اور اس سبب ابتدا سے اب تک ایا خیل عائشہ زئی ہونیر میں ملا خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں افغان اکابرین کے لئے ملا، شیخ، پیر، اخون، میان، صاحبزادہ وغیرہ نام یوسف زئی کے معزز القاب اور خطابات تھے۔

مساکن مندا خیل :- یہ ہیں مواضعات منجا کوٹ میرا، کاروڑ، ڈوبا، شنئی، ڈاڈم، ابو، چڑا کوٹ، چوڑ، سونیا، ٹیٹے، کوزکے، ہرکلیے، کوٹ، گواندہ، زیڑلرگے، ہدر، گڑھی، سلیمانے، نیگڑا وغیرہ۔ مندا خیل کے ساتھ قریش کے کئی خاندان بھی آباد ہیں۔

مدو بن حسن اور مدو بن یعقوب دولوں ناسور بزرگ گزرے ہیں اور کابل میں وہ یوسفزئی کے ہیشوا تھے۔ انہوں نے کابل میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ تذکرہ اخون درویزہ میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ مساکن اکازئی :- مواضعات لدخوڑ - بکیانہ - لد قند - دارو - بیرن - ہمیل - ہلیانژئی - بکرئی وغیرہ ہیں۔

(م) ملی بن یوسف

ملی کی اولاد ملی زئی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اس کی تین ذیلی شاخیں چغر زئی، دولت زئی اور لوری زئی ہیں۔ چغرزئی :- چغر بن ملی کے دو بیٹے اول بختور جس کی اولاد اس کے بیٹے اسمعیل کے نام پر اسمعیل خیل سے مشہور ہیں۔ دوم فیروزے جس کی اولاد اس کے بیٹے بہائی کے نام پر بہائی خیل سے مشہور ہیں۔ بختور کا بیٹا اسمعیل کے چار بیٹے اول علی خوازہ (جس کی اولاد ہسی خیل اور نصرت خیل سے مشہور ہیں) دوم بہلول خیل سوم خدے خیل اور چہارم مکی خیل ہیں۔ فیروزے کا بیٹا بہائی کے چار بیٹے جونا خیل، مدی خیل، شغال خیل اور سندڑ خیل ہیں۔ الغ بیگ شاہ کابل کے دوران محمود چغرزئی ان میں ناسور شخص گزرا ہے۔

مساکن چغرزئی :- چغرزئی کی حدود دیوانہ باہا

سے کچھ آگے جو ہونیر کا مشرق حصہ ہے، سے شروع ہو کر مشرق کی طرف اہا سین سے ہار تک چلا گیا ہے۔ ان میں مشہور مواضعات ہودال، کلونو، بوڑئی، ہاڑہ، ہام ڈھیر، شمنال، ٹانکوڑہ، گنبت، مرادو، ٹوبی، سرقلعہ، میراگئی، ہائی خانے، فولادئی، شنکڑہ، چلندرئی، ہائی رو، تیراج، کس، کوٹ، راج کفد، ہانڈیڑ، بہیم پور کوپی، شیر علی، ڈیلئی، الاگرام، تیتالان، ہشلوڑ، منی خیل اور رہال وغیرہ ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور حمایتی افغان قبیلہ عزیزوانی جو تقریباً اڑھائی ہزار گھرانوں پر مشتمل ہے ایک الگ علاقہ میں آباد ہیں۔ ان کا گاؤں ہرتونی ہے۔ ان کے ساتھ شمال کی جانب دریا کے کنارے خود قبیلہ چغرزئی مواضعات کابل گرام - جودبا بہار - دانکول - رنج ہنڈر - دیدل - کماچ اور نصف کوٹکی میں بھی آباد ہیں۔

دولت زئی :- دولت بن ملی جس کی اولاد دولت زئی سے مشہور ہے۔ اس کے تین بیٹے منڈے زئی - برکا زئی اور اسمعیل زئی ہیں۔ منڈے زئی کپانی اور کلیاڑی میں آباد ہیں۔ برکا زئی مواضعات مٹوانی اور ہاچکٹہ میں آباد ہیں۔ اسمعیل زئی مواضعات امنور اور شال بانڈئی علاقہ بولیں میں آباد ہیں۔ ان میں دادے، سلیم خان، سید جوکا، ملک ہاما اور کا کو مشہور اشخاص گزرے ہیں ملک ہاما کی قبر موضع کپانی میں ہے۔ موضع کلیاڑی میں ونڈ ہاما اور ونڈ حافظ باہا مشہور ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ملک ہاما نے اس رقبہ کو حافظ افغان ڈھیر ہائے جو ملک ہاما کا قاضی تھا، کے حوالہ کر دیا تھا اور نصف ملک ہاما کے ہامن رہا تھا۔ لہذا یہ اراضی اب تک دونوں مذکورہ ناموں سے مشہور ہے۔ ملک مشہ اور ملک کا کو کی قبریں بھی یہاں پر ہیں۔ جو کافی مشہور ہیں۔

نسوری زئی :- نورے بن ملی (جس کی اولاد نسوری زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے علی شیر ، ابا اور ایسورے ہیں ۔ علی شیر (جس کی اولاد علی شیر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے ہرت خیل ، بابکر خیل ، کنزل خیل اور خماری خیل ہیں ۔ ہرت خیل مواضع ملا یوسف ، نویکلے ، ہانڈہ اور کچھ امبیلہ علاقہ چملہ بونیر میں آباد ہیں ۔ بابکر خیل مواضع ڈھیرئی اور کچھ امبیلہ میں ۔ کنزل خیل مواضع چناڑ وغیرہ میں آباد ہیں ۔ خماری (جس کی اولاد خماری خیل سے مشہور ہے) کے بیٹے جلال ، کے چار بیٹے حمزہ خان زوجہ اول سے اور اسمعیل خان ، خوشاب خان ، امیر خان ، زوجہ دوم سے ہیں ۔ اولاد حمزہ خان ملندری اور ایک گھرانہ پاسوختہ میں آباد ہے ۔ اسمعیل خان کی اولاد ریگا میں اور خوشاب خان کی اولاد برکلے اور امیر خان چناڑ میں آباد ہیں ۔ ابا زئی بن نسوری زئی :- ابا جس کی اولاد ابا زئی سے مشہور ہے ، ریگا میں آباد ہیں ۔ ایسورے جس کی اولاد ایسورے زئی سے مشہور ہے ، کے دو بیٹے پنجپاؤ اور میرک ہیں ۔ پنجپاؤ کا ایک بیٹا مرگٹ (مرکت) ہے جس کی اولاد مرگٹ خیل سے مشہور ہے ۔ یہ لوگ مواضع کڑہ ، ملا یوسف ، نویکلے میں آباد ہیں ۔

مرگٹ کے ایک اواسے کالو کی اولاد امبیلہ اور کنکوئی میں آباد ہے جو کالو خیل کے نام سے مشہور ہے ۔ میرک کے دو بیٹے میر اور پیر علی ہیں ۔ میر کی اولاد کو میرو خیل کہتے ہیں ۔ اور یہ موضع چمنہ ہولیر میں آباد ہیں ۔ پیر علی کی اولاد کو پیرا خیل کہتے ہیں اور یہ لوگ اہارئی کے ساتھ موضع ریگا میں آباد ہیں ۔ ان میں نامور اور قابل ذکر اشخاص مرکت ، میر اور پیر علی تھے ۔ سعد اللہ المعروف سر تور فقیر اہارئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ ہرت خیل میں غازی خان یوسفزئی سربراہ مملکت گزرے ہیں ۔ غازی خانے گاؤں انہی کے نام

ہر موسم ہے ۔ معظم خان نسوری زئی سکندہ ریگا کا نام بھی قابل ذکر اشخاص میں شمار ہوتا ہے ۔

(۵) اوریہ بن یوسف

اس کی اولاد کو ہادی خیل کہتے ہیں ۔ اور یہ تعداد میں اس قدر کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ، ۔ اور یہ لوگ مواضع مناگے نزد شنگہ میں کچھ گھرانے اور موضع سپینے ابو اور وہاں کے گرد و نواح میں چند گھرانے آباد ہیں ۔

(۶) منو بن مندڑ

اس کے دو بیٹے عثمان اور اتمان ہیں ۔ عثمان کے دو بیٹے کمال اور امان ۔

کمال زئی :- کمال بن عثمان (جس کی اولاد کمال زئی سے مشہور ہے) کا ایک بیٹا عنایت ہے جس کی تین بیویاں تھیں زوجہ اول مشرہ رانی جس کی اولاد مشران زئی سے مشہور ہیں زوجہ دوم کشرہ رانی جس کی اولاد کشران زئی سے مشہور ہیں ۔ زوجہ سوم سے اکا جس کی اولاد اکاخیل سے مشہور ہیں ۔ عنایت کے مشران زئی سے چار بیٹے اباخیل بوسی خیل ، موسیٰ خیل اور منیر (منی خیل) ہیں یہ سب طورو اور مایار وغیرہ میں آباد ہیں ۔ عنایت کے کشران زئی سے تین بیٹے مغدود قاسم اور رستم ہیں ۔ جن کی اولاد علی الترتیب مغدود خیل قاسم خیل اور رستم خیل سے مشہور ہیں ان کی اولاد ہوتی اور مردان میں آباد ہیں ان کے علاوہ موضع مایار میں کشمیریان ، اور ہوتیان ، کمہار

روانڑی اور ہوتی میں مندوری اور شامت پور اور طورو میں کشار اور مندوری جو حمایتی افغان قبائل ہیں بھی رہتے ہیں۔ موضع مایار میں اکاخیل کے علاوہ کمال زئی کے سدی خیل، کرہ خیل، آموخیل، میاخانی صدیق خیل، بھی آباد ہیں۔ کمال زئی موضع سوراچملہ میں بھی آباد ہیں۔ کمال زئی کے ساتھ (پیر خیل جو پیران سے مشہور ہیں اور پیر مدے ہابوڑی ہوسفزی کی اولاد ہیں) انہی میں سے مردان میں مسعیان عالم شاہ، محمد گل، شکور، پرسد کی اولاد مالکانہ (سیری) کی حیثیت سے آباد ہیں۔ اور ان کے چند گھرانے گوجر گڑھی میں بھی آباد ہیں۔ اسان زئی :- اسان بن عثمان جس کی اولاد اسان زئی سے مشہور ہے کی دو بیویاں تھیں۔ زوجہ اول سے دو بیٹے دولت اور حسام ہیں۔ دونوں کی اولاد دولت زئی سے مشہور ہیں۔ زوجہ دوم سے اسمعیل اسحاق اور اوریم ہیں۔ ان تینوں کی اولاد بڑے بھائی اسمعیل کے نام اسمعیل زئی سے مشہور ہیں اسان زئی تقریباً مشترکہ طور پر رہتے ہیں اور ان کے مرکزی گاؤں گڑھی اسان زئی اور شہباز گڑھ ہیں۔ گڑھی اسان زئی البتہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ کا نام گڑھی دولت زئی اور دوسرے کا گڑھی اسمعیل زئی ہے۔ ابتدا میں اسان زئی کے کچھ خاندان مسکی پور اور کنکوئی چملہ میں بھی آباد تھے بعد میں وہ ڈوما کے فتح شدہ علاقہ سہابنڈ کے شمال مشرق کی جانب چلے گئے اور وہاں آباد ہو گئے یہ علاقہ سورے اور پیتاؤ اسان زئی سے مشہور ہے اس میں لگونی، شیر گڑھ، شیر آباد، ملکا، چروڑی، منڈاؤ، کوہڑی، کالی لاڑ، بیگرا کپلہ، ناڑہ، فارہ وغیرہ مشہور گاؤں ہیں۔ اس کے علاوہ ضلع مردان میں مواضع گمبت، گہڈر، کھنڈرے، گجرات، بخشالے، جونکڑے، چمڈھیرے، ارشک، بارو، چارغلٹے، لنڈی، باریکاؤ، کھنڈ، کھنڈا، کس چراگاہ، ہلو، جلیل، حمزہ کوٹ، نواں کلی، خیر آباد، چارگل، گلہاڑہ

اوسٹی، میچے، جلال، تاجا، کوتراہان، سورکاوی، الے، لنڈے رستم اور بازار وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان میں مشہور خاندان قاضی خیلان ہشاور بھی دولت زئی کے ذیلی شاخ سے متعلق ہیں سلا میرو، سیر جمال میرولیس، میر بابو، مصری خان، جہون ملک، کفور خان اور صاحب خان بھی نامور اشخاص گزرے ہیں۔

اسان زئی کے ساتھ ہوتی افغان بھی آباد ہیں۔ جن کو تقسیم شیخ ملی میں اسان زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا۔ یہاں ان کی دو شاخیں یعنی عمرخیل اور حسین خیل ہیں۔ یہ لوگ مواضع گمبت، کنڈر، چک تاجہ مچی اور گڑھی اسمعیل زئی میں مالکانہ (سیری) کی حیثیت سے آباد ہیں۔ اتمان بن منو کے چار بیٹے زوجہ اول سے اکا، کنا اور علی (جس کی اولاد ہلی زئی سے مشہور ہے) اور زوجہ دوم سے سداو (جس کی اولاد سداو زئی سے مشہور ہے)۔

اکا زئی :- اکا بن اتمان (جس کی اولاد اکا زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے مسعیان سارنگ، محمود اور چارسدہ ہیں۔ سارنگ کی اولاد کو سارہ خیل - محمود کے بیٹے بریم کی اولاد کو بریم زئی کہتے ہیں۔ چارسدہ کے تین بیٹے پیرک زئی صاحبی خیل اور ہائندہ خیل ہیں۔ موجود تقسیم اراضی شیخ ملی، پیرک کا بیٹا ہے۔ محبوب خان شیخ ملی کا بھتیجا جو بہا کو خان کا وزیر تھا۔ اسی قبیلے سے متعلق ہے۔ اکا زئی موضع مینٹی سالم کچھ ٹوپی اور باقی ہزارہ میں آباد ہیں۔

کوٹھہ تخت ٹوپی بازار دے

مینٹی ڈیلے د اکا زئی اور سیدو

شیخ ملی کا مزار مواضع ہلو گرام اور قبر کے درمیان سوات میں ہرانے راستے پر واقع ہے۔

کنا زئی :- کنا بن اتمان (جس کی اولاد کنا زئی سے

مشہور ہے) کے دو بیٹے ابا بکر و سہ سہ ہیں۔ ابا بکر کے چار بیٹے اول موسیٰ (جس کی اولاد موسیٰ خیل سے مشہور ہیں) دوم محمد خان سوم غلام خان اور چہارم اخون سید ہے۔ سہ سہ کے دو بیٹے سنا خیل اور بارہ خیل ہیں۔ ان کی اکثریت کوٹھہ، بعض ٹوپی میں اور دریا ہار ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔ ان میں موسیٰ ولد ابا بکر ملک احمد کے مشیر تھے۔ اور سوات میں موضع تھانہ کے مغرب میں بختہ کے مقام پر دفن ہیں۔

علی زئی :- علی بن اتمان (جس کی اولاد علی زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے پنجواں، بوبا خیل اسمعیل خیل اور سمو خیل ہیں۔ پنجواں کے دو بیٹے ہائندہ اور عمر ہیں۔ بوبا خیل کے دو بیٹے ابراہیم خیل اور میگی خیل ہیں۔ اسمعیل خیل کے چار بیٹے سیدو خیل، ہائندو خیل، زنگی خیل اور پیرا خیل ہیں۔ سمو خیل (شمون خیل) کے دو بیٹے سمو خیل اور علی خیل ہیں۔ ان سے بے شمار شاخیں اور خاندان بنے ہیں۔ جو شجرہ ہائے نسب میں دکھائے گئے ہیں۔ علی زئی کی اکثریت موضع کوٹھہ، کچھ ٹوپی اور مواضع حضرو، برہان، اور باقی ہزارہ میں لیز ٹیکسلا تک آباد ہیں۔

سدو زئی :- سدو بن اتمان (جس کی اولاد سدوزئی سے مشہور ہے) کی دو شاخیں جلوزئی اور دروزئی ہیں۔ جلوزئی کے دو بیٹے ابا اور عمر جن کی اولاد ابا خیل اور عمر خیل سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ابا خیل :- ابا (جس کی اولاد ابا خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے نصرت اور دولت ہیں۔ نصرت کے پانچ بیٹے روسی خان سیفو، دراہتی، محبت اللہ اور عبداللہ تھے۔ دولت کے چھ بیٹے سہ سہ کوزاہرہم، موق، دینا خان، قاسم اور محمد نسیم تھے۔ ان کی اولاد آپس میں نصرت اور دولت سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی اولاد

مواضعات پنج پیر، کھڈے، شاہ منصور، زیدہ، کھنڈا، انبار، ہنڈ لاہور مشرقی، اریان، ذکرہا، شیخ، نیے، بہکا اور صلاح میں آباد ہیں۔ ابا خیل کے تاجو خیل شاخ میں میر جان شاہ اور اس کا بیٹا بختہ۔ ملک خوٹیداد اور اس کا بیٹا ملک بین خان اور نیز بابو بن سیفو بن نصرت نامور اشخاص گزرے ہیں۔ ہلڑ خیل میں لطاف خان، بلعد خان، ہسران ضابطہ خان اور خادی خان محمد امیر خان، ہسران محبت اللہ خان، اشرف خان، بن لطاف خان اور اس کے تینوں بیٹے مقرب خان، فتح خان اور ارسلان خان کے بعد دیگرے بھی قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ جو ہر ایک اپنے وقت کا حکمران تصور ہوتا تھا۔

عمر خیل :- عمر (جس کی اولاد عمر خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے محمد خان، مٹی خان اور بسو خیل ہیں۔ ان کی اولاد مواضعات درہ، کالا، صوابی اور مانیری میں آباد ہیں۔ ان میں میر احمد خان ولد محمد خان (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہے) خان گجو کا مشیر تھا۔ اور ملک ترکہال بن شمع جو مصری خان کا مشیر تھا نامور اشخاص تھے۔ نجیب الدولہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ دیوانہ بابا جس کا اصلی نام جان خان بن مراد خان تھا بہت بڑے عالم اور شاعر تھے۔ ان کا تخلص جان تھا ان کا تعلق بھی عمر خیل میں شیر داد خیل سے ہے ان کی زیارت کلپانڈی اور مٹوانی (ہونیر) کے درمیان ایک اونچی جگہ پر واقع ہے اور بہت مشہور ہے ان کا ایک قول ہے ”چہ خدا ہے نہ کہہ، جان دیوانہ بیٹے شہ کہہ“

افغان قوم میں ایک بیش بہا ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دروزئی :- درو کے تین بیٹے بہزاد، میر احمد اور خدو ہیں۔ جو پہلے وقت میں دروزئی سے یاد کئے جاتے تھے۔ بہزاد خیل :- بہزاد (جس کی اولاد بہزاد خیل سے

مشہور ہے) کے تین بیٹے ملک قرہ، الکی اور علی ہیں۔ ملک قرہ (جس کی اولاد قرہ خیل سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے جلوخیل، گل محمد (گلاخیل) میرداد خیل، ہوسبی خیل، خان گجو (سربراہ مملکت) اور مزید خیل ہیں۔ الکی لاولہ ہے۔ علی (جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ولی داد خیل، گوار خیل اور نبی خیل ہیں۔ اور بہزاد خیل مواضعات کلاہٹ، سنارہ، یوسفی، خزانہ اور نصف سلیم خان اور کلان میں مالکان اور آباد ہیں۔ ملک قرہ، الکی، خان گجو اسماعیل اور مزید کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں تفصیل سے آچکا ہے۔ خان گجو کی قبر صوابی اور ڈاگی کے درمیان ایک پہاڑی کے جنوبی دامن میں واقع ہے۔ بہزاد خیل کے ساتھ بطور ہمسایہ ہاگو قوم بھی رہتی ہے۔ موضع کلان میں ایک بزرگ عبدالغنی بن ہوسبی کی زیارت ہے جو بہزاد خیل سے متعلق ہے۔

میراحمد خیل :- میراحمد (جس کی اولاد میراحمد خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے ہابو خیل، جانا خیل، اکا خیل، شاخان خیل اور یارا خیل ہیں۔ میراحمد خیل مواضعات مرغز، ٹنکوئی، گاڑ اور نصف سلیم خان میں آباد ہیں۔ ملک یارا خان اور اس کا بیٹا خوئیداد، خان گجو کے یکے بعد دیگرے وزیر رہے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر و شوکت علی بھی اسی یارا خان کی اولاد سے تھے۔ ان کے دادا حیات خان بن محمد خان مرغز سے روہیلکھنڈ (ہندوستان) گئے اور وہاں مقیم ہوئے۔

خندو خیل :- خندو (جس کی اولاد خندو خیل سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے بام خیل، قاسم خیل، خواجہ ویس خیل، موسیٰ خیل، عثمان خیل اور لال خیل ہیں۔ ان میں سرگین لال خیل مشہور اشخاص میں سے تھا جس کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں ہو چکا ہے۔

مشہور قائد یوسفزئی بہاکو خان اسی قبیلے خندو خیل کے ذیلی شاخ عثمان خیل سے متعلق تھا اور ان کا قبر علاقہ چملا میں موقع کٹکوٹے کے جنوب مغرب قبرستان میں واقع اور مشہور ہے۔ اور ان میں ملک بام (جس کی اولاد بام خیل سے مشہور ہے) ایک بڑا بزرگ تھا۔ اس کا مزار سوات بالا میں مشہور کے مشرق ایک قبرستان میں ہے قبیلہ خودو خیل مواضعات، ہاجا اور بام خیل میں اور بقایا ڈاگی، طوطالی، غرغشتی، خلی کلے، چینگللی، سواوٹی، مرہٹے درگٹی، دکاڑہ، پنجتار، نوگرام، تیگڑے، جنگدرہ، تپہ خندو خیل میں قابض اور آباد ہیں اس کے علاوہ ان کے کچھ گھرانے علاقہ چملا کے خاندان ڈھیرٹی، مخرائی اور کوزکلے وغیرہ میں بھی آباد ہیں۔ ان میں مشہور اشخاص جو اپنے علاقہ میں ہر ایک اپنے اپنے وقت میں حکمران کا درجہ رکھتا تھا بالترتیب یہ ہیں۔ زین خان بن بہاکو خان پھر اس کا بیٹا محبت خان، اس کا بیٹا رحمت خان، اس کا بیٹا نامدار خان، اس کا بیٹا الف خان، اس کا بیٹا فتح خان اور آخر میں فتح خان کا پوتا بیٹا مقرب خان تھا جس پر اس خاندان کا سلسلہ امارت ختم ہوا۔ ان میں سے نامدار خان کا بھائی ہمت خان علوم فارسی عربی میں ماہر اور مصنف تھا۔ وہ ایک بڑا عالم گزرا ہے۔ دینی مسائل پر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ میر ہاڑ خان بن انور شاہ بن نامدار خان اور اس کا بیٹا مبارک خان کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

خندو خیل نے مشترکہ طور پر اپنے حمایتی توغی افغان قبیلہ کو جنگدرہ میں آباد کیا تھا۔ یہ لوگ اخون سلاک کے ساتھ آئے تھے۔ اور قبیلہ ہاپینی اور سرکی افغان حمایتی قاسم خیل کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور یہاں کے علاوہ سرکی وغیرہ کے کچھ خاندان چھچھ اور دہر میں آباد ہیں

مقرب خان بن فتح خان کی قبر موضع ہاجا کے قبرستان میں ہے -

(۷) رزؤ بن مندؤ

رزؤ کے چار بیٹے مانے ، ملک قاسم ، اکو اور خولے ہیں -

سانسی زئی :- مانے (جس کی اولاد مانی زئی سے مشہور ہے) کے دو بیٹے بازید اور بھلول ہیں - اور یہ لوگ مواضع ڈاگئی ، ترکی رھکی ، ترلاندی ، ادہند اور فرملی میں مشترکہ طور پر آباد ہیں - اس کے علاوہ کچھ کوکا علاقہ چملا میں بھی آباد ہیں - ان میں مشہور اشخاص میں سے ملک کالو خان کا نام قابل ذکر ہے - ملک کالو خان سربراہ مملکت کی قبر ترلاندی اور چک لودہ کی سرحد پر کالو ڈھیر میں موجود ہے -

ملک زئی :- ملک قاسم (جس کی اولاد ملک زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے تاج الدین (تازہ دین) ہونس (ہونس خیل) بادین خیل اور معروف خیل ہیں - تازہ دین کے چھ بیٹے ملک سلطان شاہ ، بہرام ، خیر الدین ، ملک سلیمان شاہ (سلیمان خاہا) ہوسلی اور لپکی خیل ہیں - ملک سلطان شاہ کا بیٹا قائد یوسف زئی ملک احمد بھی اس قبیلے سے متعلق تھا - ملک سلیمان شاہ (سلیمان خاہا) کے بیٹے طاؤس خان و شاہ منصور کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں کیا گیا ہے - جو بڑے نامور اشخاص تھے اور اس قبیلہ میں تاجک بن معروف بھی بہادر شخص گزرا ہے اور لیز غازی خان بن خان مندؤ ملک زئی جو جنگ شیعہ پور میں مرا تھا بہت نامور شخص تھا - اس کے نام سے اب تک غازی کوٹ موسوم ہے - جو یار حسین کے قریب جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہاں اس کی قلعہ اور رہائش تھی یہ

لوگ مواضع یار حسین ، یعقوب ، شیردرہ تحصیل صوابی میں مشترکہ طور پر آباد ہیں - اور کچھ موضع چملا میں بھی آباد ہیں - انہوں نے موضع سوڈیر اولاد قیاس قوم میانہ افغان کو بطور سیری دیا تھا ، اور غازی کوٹ میں بھی اپنے حمایتی آباد کئے تھے - ملک احمد کے چار بیٹے اللہ داد ، میر داد ، کریم داد اور اسمعیل ہیں - ملک احمد کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں کچھ اختلافات پیدا ہوئے اور وہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ان کی اولاد کے ان دو گروہوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں - حالانکہ شجرہ نسب میں ان دونوں ناموں کا کوئی ذکر نہیں ہے - تحقیقات کرنے پر یہ حقیقت سامنے آئی - کہ موضع یار حسین میں ملک زئی کے ایک گروہ کا جرگہ کندی کریم داد خیل اور سلیمان خا کے درمیان پتھروں کے درمیانی احاطہ میں ہوا کرتا تھا - یہ پتھر ابھی تک موجود ہیں - اور ملک زئی کا دوسرا گروہ شگئی نالہ کے نزدیک جانب جنوب مغرب جس میں کندی بلڑ خیل ابھی آباد ہیں - جرگہ کیا کرتا تھا - اس مقام کو اس وقت زیدہ ڈھیری کہا جاتا تھا - اس مناسبت سے پہلے گروہ کا نام خاتو اور دوسرے کا زیدہ ہوا - اور ان دو گروہوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے نام دیے گئے - واضح رہے کہ انگریز کے آنے سے کچھ قبل اور پھر انگریز کے وقت میں ملک زئی کا ملک ، ویسہ اخون زادہ تھا -

اکسوخیل :- اکو بن رزؤ (جس کی اولاد اکوخیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے بابی اور منا تھے - بابی کی اولاد بابی خیل سے اور منا کی اولاد منا خیل سے مشہور ہیں - یہ لوگ اسماعیلہ ، دوہانی مڑہ چینہ ، بازارگے ، دولت ، میرالے اور چند گھرانے کوکا علاقہ چملا میں آباد ہیں - اکوخیل میں ابراہیم خان ولد لیکر خان بابی سکھوں

کے ساتھ جنگ میں معمر ستر آدمیوں کے بمقام کیلا کینڈاؤ شہید ہوا تھا یہ مقام اسماعیل سے شمال کی جانب ہے۔ اس کے بھائی اسماعیل خان نے سکھوں اور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا جس کے صلے میں انگریز نے اسے خانِ رزڑ کا خطاب دیا تھا اس کے مرنے کے بعد خادی خان کو رزڑ کا خان بنایا تھا۔ والہان جونا گڑھ و مانا وادر بھی اس قبیلے اکو خیل کے باہی کے اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔

خوزے بن رزڑ:- اس کے تین بیٹے اوریا، میرک اور ولی ہیں۔ افغان جرگہ کے قانون کے مطابق کسی جرم کے تحت اسے تین رزڑ کی تقسیم میں حصہ داری سے معروم کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اکو کو اس سے پیار و محبت تھا اس لئے اکو نے اسے اپنے حصہ میں سے کچھ حصہ دیا اور وہ ان کے ساتھ موضع اسماعیل وغیرہ میں رہائش پزیر ہوئے

(۸) خضر بن مندڑ

خضر (جس کی اولاد کو خضر زئی کہتے ہیں) کے چار بیٹے شمو زئی، یوسف خیل، عمر زئی اور گدائی خیل ہیں۔ جو مواضع کالو خان، شیرا غنڈ، مدا خیل اور شوا میں آباد ہیں۔ اور خلیل منبٹی تحت بند، نصف امان کوٹ کے مالک بھی ہیں۔ موضع خلیل میں ان کے پان قبیلہ کنڈی آباد ہے۔ اس گاؤں میں ان کو حصہ ملا تھا۔ حمزہ ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی۔ جسے انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام میں سید حسین میاں کو دیا تھا۔ سید حسین میاں نے اورنگزیب مغل کے خلاف لنگر کوٹ کے جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ نیز قبیلہ خلجی افغان اور چند گھرانے اوان قوم کے بھی ان کے پاس موضع شوا میں آباد ہیں اور ان کو تقسیم میں حصہ ملا تھا۔

جس پر وہ لایض ہیں۔ اور دلازاک کے چند گھرانے بھی موضع کالو خان میں ان کے پاس آباد ہیں۔

واضح ہو کہ خضر زئی کے علاوہ سید حسین میاں اور ان کے ساتھیوں کو قبیلہ مانی زئی نے موضع غلاماں، قبیلہ امان زئی نے موضع جلال و تاجہ، قبیلہ خدو خیل نے موضع نوگرام، قبیلہ کمال زئی نے موضع محب بانڈہ اور قبیلہ اکو خیل نے موضع نذر بانڈہ بطور صلہ خدمات انعام میں دیے تھے۔ خضر بن مندڑ کی اولاد میں مشہور اشخاص رحیم داد ولد احمد بن ستان شیخ فاضل جس کی اولاد موضع شوا میں شیخان کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اند اور مشکار جنہوں نے سید احمد شاہ کے ساتھ شمولیت کی تھی۔ سب قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ خضر زئی موضع اکارٹی چیل میں بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ اور ان میں سے عمر زئی شاخ کے چند گھرانے چھچھ میں بھی آباد ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

(۹) محمود بن مندڑ

محمود یا ماسو (ماسوں) (جس کی اولاد ماسوزئی سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے اکا، بوبا اور بدین المعروف خانے، کے ناموں سے ان کی اولاد بالترتیب اکا خیل، بوبا خیل اور خانی خیل سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اکا خیل:- اکا بن محمود کے تین بیٹے نیک خیل، متروک اور ولی خیل ہیں۔ اور اولاد متروک کے علاوہ باقی دونوں خیل موضع اسوٹا میں رہتے ہیں۔ موضع گانگو ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی مگر انہوں نے جہانگیر خان بلو خیل ساکن لہدہ کو انعام میں دیا تھا جس پر اس کی اولاد آباد ہیں۔

بوبا خیل:- بوبا بن محمود کے چار بیٹے احمد خیل، ہلی شیر خیل، قرہ خیل اور نکو خیل ہیں جو موضع شیخ جانا میں آباد ہیں اور موضع سپین کانی و احد خان بھی ان کی ملکیت ہے۔ دونوں

جگہ میں تہاؤلی لوگ رہتے ہیں۔

خانسی خیل :- بدین المعروف خانے (جس کی اولاد خانی خیل سے مشہور ہے) کے ہانچ بیٹے سیدین وڑو کے ، خواجہ ویس ، خدر ، (جس کی اولاد کو خدر خیل کہتے ہیں) سیدین لوئے ، اور جان محمد ، تھے۔ جان محمد کے تین بیٹے زوجہ اول سے سرگند زوجہ دوم سے خماری خیں اور شمشو خیل ہیں۔ شمشو خیل کی ایک ذیلی شاخ شانور خیل بھی ہے جو نارنجی میں آباد ہے۔ سرگند کے چار بیٹے ہیں۔ زوجہ اول سے بابلی (بابا علی) حیدر ، سار خان اور زوجہ دوم سے کرم۔ حیدر کا ایک بیٹا سید خان ہے۔ جس کی اولاد سید خانی سے مشہور ہے۔ سید خان اور سار خان کی اولاد کاغذات مال میں کندی بابا علی خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ سار خان کی اولاد خٹک کور سے نارنجی میں مشہور ہے۔ کرم کی اولاد پہلے وقتوں میں کرم کور سے یاد کئے جاتے تھے مگر اب اس کے لواسوں (یعنی کچو اور بہادر) کے ناموں سے کچو خیل اور بہادر خیل یاد کئے جاتے ہیں۔ خانی خیل نواح کلی اور نارنجی میں آباد ہیں۔ اور ماموزئی مشترکہ طور پر چند خاندان موضع اگرائی چملمہ میں بھی مالکانہ حیثیت سے رہتے ہیں۔ ماموزئی کے تینوں ذیلی شاخوں سے چند گھرانے موضع شینکے علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہوئے تھے۔ موضع منصبدار خانی خیل کی ملکوت تھی جسے انہوں نے اولاد میں اللہ داد کو بطور صلہ خدمات ، انعام میں دیا تھا جو اورنگ زیب مغل کے خلاف جنگ لنگر کوٹ میں ہونیر سے آ کر شامل ہوئے تھے۔ نصف موضع امان کوٹ ماموزئی کی مشترکہ ملکیت تھی۔ اسی طرح وہ بھی سید حسین مہاں کو انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام دیا تھا۔ ماموزئی میں مشہور و نامور اشخاص ملک کدو بن مترک ، ملک کاچو ، ظریف ، موزہ خان اور رحیم خان گزرے ہیں۔ رحیم خان کے

شعاعی کتاب حیات افغانی میں صفحہ ۱۶۹ پر درج ہے کہ ” رحیم خان راست کو آدمی ہے “ اور اسی طرح خوانین طورو نے اس کو دانشمند رزڑ سے یاد کیا کرتے۔ راقم المعروف کا نسب ہی تعلق بھی اسی قبیلہ ماموزئی سے ہے۔

تہہ رزڑ : جیسا کہ ہم نے یوسف اور مندڑ کے سلسلہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ افغان قوم میں یہ ایک رسم تھی۔ کہ چھوٹے بھائی یا بھتیجے کی اولاد بڑے بھائی یا چچا کے نام سے یاد ہوتی رہی بعینہ اس رسم کے مطابق رزڑ میں ماموزئی اور خضر زئی کی اولاد بھی بڑے بھائی رزڑ کے نام سے موسوم ہوئی۔ چنانچہ انگریز کے ہندو بست اراضیات ۱۸۷۰ء میں تہہ رزڑ کے جرگے کا ایک تفصیلہ صوابی تحصیل میں محفوظ ہے جس کی نقل ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ بیان میں اس تہہ کو بڑے بھائی رزڑ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس سے ان کے شجرہ اور تقسیم اراضی اور خانگی رواداری کا بھی صحیح پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

” در بیان ہم مالکان تہہ کے ذیل تہہ جات مندرجہ ماتحت برسانی زئی ، ملک زئی ، اکو خیل ، خضر زئی ، محمود زئی ، قطعہ وٹڈ تقسیم بوجہ رسمی ہو رہی ہے۔ وجہ رسمی ہونے کی یہ ہے کہ رزڑ ، خضر ، محمود ، ہر سہ برادران یعنی مورثیان تھے۔ تہہ کو سلسلہ وراثت کی رو سے بوجہ برابر مستحق تھے۔ لیکن رزڑ کی وفات تک عمل ہالا جما رہا تھا۔ بعد لوئیدگی رزڑ کے خضر و محمود نے ہمراہ مسخیان مانے ملک (قاسم) اور اکو ہسران رزڑ کے حسب رضا مندی ہانچ جگہ ہر حصہ مساوی تقسیم کر لی۔ غورے ولد رزڑ کو تقسیم میں حصہ نہیں ملا تھا۔ اکو نے اپنی خوشی سے اس کو اپنے حصہ میں شریک کر لیا تھا۔

شیخ ملی

کتاب کے متن اور حواشی میں شیخ ملی کا ذکر بار بار آیا ہے لیکن ان کے تعارف کا مناسب موقع ابھی تک نہ آیا تھا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے خاتمے سے پہلے مختصر طور پر یوسف زئی کی اس شخصیت کا تعارف بھی کرا دیا جائے۔

شیخ ملی موجد تقسیم اراضی ابن بیرک ابن چارسدہ، یوسف زئی کی

* تاریخ پشاور مؤلفہ گوہال داس ۱۸۷۰ء کے فصل سوم از صفحہ ۴۱۰ تا ۴۳۷ میں درج ہے کہ آخر کار خرمیون ابن سڑہ بن کی گیارویں ہشت میں قبیلہ اکا زئی سے ایک شخص شیخ ملی نام پیدا ہوا یہ شخص اپنے وقت میں سرگروہ قوم اور معاملہ فہم تھا سردان قوم افغان کو اس کے اقوال و افعال پسندیدہ معلوم ہوتے تھے اکثر لوگ اس کی اطاعت سے روگردان نہ تھے قوم افغان کے خواص و عوام ہمیشہ اپنے گھریلو تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرتے اور فیصلہ جات میں اس کے حکم کو حکم حاکم عادل جانتے۔ اس نے املاک اراضی تقسیم کیا۔ اراضی چھ قطعہ ہر ہائے تعیین حدود کے بعد ہر ایک قطعہ پر ایک قوم کے قبضے میں چھوڑ دیا۔ ہر شش قطعہ چھ نام سے موسوم و مشہور ہوئے۔ ملک یوسف زئی، ملک محمد زئی، ملک گگیانی، ملک داؤد زئی، ملک خلیل، ملک مہمند، اور اسی طرح سے اقوام مذکور قابض قطعہ مسطور ہیں البتہ توہ خالصہ اس وقت شامل ملک مہمند تھی اور اب بقبضہ اقوام مختلف ہیر افغان ہے عرصہ دراز سے قوم مہمند یعنی اصلی مالکان، اس زمین کو چھوڑ کر کوہستان میں خارج از ضلع ہذا، مقیم ہوئے۔ چونکہ وہ زمین مقبوضہ سرکار (مغل) تھی، خالصہ نام رکھا گیا۔ تقسیم شیخ مذکور اس قدر معتبر اور مشہور ہے کہ اب تک ہر شش ہر گنہ مذکور میں ہر ایک مالک زمین، مملوکہ جلدی کو، بنام دفتر شیخ ملی یاد میں لاتا ہے اور افغانان ہماس منت شیخ ملی عامل ہیں،

ذیلی شاخ اکا زئی اتمان مندڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اولاد اور خاندان والے اس وقت مواضعات ٹوپی، مینی، کوٹھہ، تحصیل صوابی ضلع مردان اور ضلع ہزارہ میں آباد ہیں۔ آثار سے ظاہر ہے کہ ابتدائی تقسیم میں یہ لوگ علاقہ سوات میں آباد تھے۔ خصوصاً شیخ ملی اور ان کا قبیلہ اکا زئی موضع غالیگی میں رہائش پذیر تھا۔ شیخ ملی نے غالیگی میں وفات پائی اور اراکین جرگہ کے مشورے اور سیاسی مصلحت کے پیش نظر سوات کے عین درمیان حصہ میں دفن کئے گئے۔

شیخ ملی تقسیم اراضیات میں کامل مہارت رکھنے کے علاوہ ایک سیاسی مدبر و منتظم اور قابل جلیل تھے وہ ایک اچھے شاعر، بلند پایہ ادیب اور مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں دو کتابوں کا ہتہ چلا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ہشتو (پختو) زبان میں لکھی گئی تھیں جس میں سے ایک کتاب نثر میں اور دوسری نظم کی صورت میں بیان کی جاتی ہے۔ دونوں کتابوں کا ایک ہی نام 'دفتح سوات' ہے۔ یہ تاریخ کی کتابیں ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امین اللہ خان زمرانی سالنامہ کابل مطبوعہ کابل ۱۹۳۳ء (صفحہ ۲۹۹) میں ہشتو زبان میں لکھتا ہے کہ

شیخ ملی یوسف زئی، چہ تاریخ د سوات د فتح لے ہ نظم سرہ لیکلے دے او پخپلہ شیخ ملی رئیس د خپل قوم وہ او دا فتح ہم دہ پخپلہ کریدہ۔ دا اولین کتاب د پښتو دے چہ موجود دے، تر دے وړاندے چہ لیکل یا آثار د پښتو د چاولاس تہ نہ دی راغلی۔ دا کتاب ہ کتاب خانہ کبھی (برٹش میوزیم) د لندن موجود دے، ترجمہ۔ شیخ ملی یوسف زئی جس نے دفتح سوات، لاسی ایک قاریخی کتاب نظم کی شکل میں لکھی ہے چونکہ شیخ ملی اپنی قوم کا رئیس تھا اور سوات کا علاقہ انہوں نے خود فتح کیا تھا۔ ہشتو (پختو) زبان کی یہ اولین کتاب ہے اس کے سوا ہشتو کی تحریر یا آثار اس سے قبل کا کسی

کے ہاتھ نہیں آیا ہے۔ یہ کتاب برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔
عبدالسلام خان عمر خیل یوسف زئی مصنف نسب افغانہ اپنی
کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھتا ہے کہ
”پشتو زبان میں پہلی کتاب لٹر و فتح سوات“ شیخ ملی نے
تصنیف کی“

اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتا ہے کہ

”تصنیف شیخ ملی میری ذاتی انتخاب (یعنی میری لائبریری)

میں درج (یعنی موجود) ہے“

یہ کتاب ابھی تک میرے ہاتھ نہیں آئی۔ برٹش میوزیم لندن سے حصول
کی کوشش کر رہا ہوں اور بعض دوستوں سے بھی اس کے لئے کہا ہے اگر
یہ کتاب تواریخ حافظ رحمت خانی کے دوسرے اڈیشن کی اشاعت سے پہلے
دستیاب ہوگئی تو اس سے استفادہ کیا جائے گا۔ ممکن ہے یوسف زئی کے
حالات میں اور شیخ ملی کی زندگی اور خدمات پر اس سے روشنی پڑے۔ نیز
اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اصل متن بھی چھاپ دیا جائے گا۔

مرحوم شیخ ملی کی ہستی اظہر من الشمس ہے۔ انہوں نے آج سے
سینکڑوں برس پیشتر اپنے دور قیادت میں جو کارنامے انجام دیے ہیں۔
پختون قوم اور خصوصاً یوسف زئی قبیلہ کا بچہ بچہ رہتی دنیا تک اسے
فراموش نہیں کر سکتا۔ موصوف کے حسن تدبیر اور فراست کی وجہ دیگر
امورات کے علاوہ تقسیم اراضیات کا مسئلہ اس خوش اسلوبی سے طے کیا گیا۔
کہ آج تک کوئی بھی اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بلکہ اسے
ایک دوامی بندوبست کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور بوقت تقسیم
اراضی پر پختون کے لب پر مرحوم موصوف کے لام ہوتا ہے۔

جب قوم افغان یعنی یوسف زئی، گکیانی، محمد زئی، داؤد زئی،
خلیل، مہمند، علاوہ پشاور میں آکر آباد ہوئے تو ان کے درمیان میں

اراضی منقسم نہیں تھی اور نہ حصص معین تھے لہذا آپس میں فتنہ و
اساد برہا ہونے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا تو شیخ ملی نے قوم افغان
مذکورہ کے مختلف فرقوں، خیلوں کے درمیان ویش یعنی تقسیم اراضی کا
مشکل مسئلہ ایسے اصول پر حل کیا کہ آج تک اسی اصول پر فیصلہ
جات اراضی ہوتے رہتے ہیں۔ اس سوجد نے حیثیت اراضی کو نہیں دیکھا
بلکہ ہر ایک خاندان اور قبیلہ کی تعداد کا لحاظ رکھ کر ایسے حصے
مقرر کئے کہ قبائل کی نقل مکانی کے باوجود بھی ان حصص میں فرق نہیں
آتا۔ اسی بنا پر دوامی بندوبست کر دیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا
جھگڑا نہیں اٹھتا۔ اس وجہ سے شیخ ملی کا نام افغانی قبائل میں ہمیشہ
کے لئے نمایاں رہے گا۔

ایک ایسے محسن کی گمنامی ساری قوم کے لئے باعث المسوس ہے۔
مناسب ہے کہ ہم سب ان کے مزار کی قدر اور حفاظت کریں۔ تا کہ
آئندہ نسل اپنے ابا و اجداد کے زین کارناموں سے درس عبرت حاصل
کرے اور ان کا نام صفحہ ہستی پر روشن رہے۔

ہیرون کہ قول غشی سردار وے
نن کہ جلات یہ خاورہ ہر وے مسافرو

حرف آخر | اس وقت جب کہ تواریخ حافظ رحمت خانی کے
حواشی کے آخری صفحات بھی پریس کے حوالے کر
دیئے گئے ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور طباعت کی
اغلاط کے بارے میں اپنا ہذر بھی آپ کی خدمت میں پیش کردوں۔

میری مادری زبان پشتو ہے۔ اردو نہ تو میری مادری زبان ہے
نہ میں نے اس کی باقاعدہ تحصیل کی ہے اور لکھنے کی مشق تو ان
حواشی کی تالیف سے پہلے بالکل نہ تھی۔ اس کے علاوہ یہاں میری
ساری توجہ زبان کی درستگی اور عبارت آرائی کی بجائے صرف تاریخ کے

بیان اور حقیقت کی ترجمانی ہر سرگوز رہی ہے۔ اس لیے اگر آپ اس کی زبان میں تذکیر و تانیث یا واحد و جمع یا الفاظ کے تقدم و تاخر اور تراکیب میں غلطیاں پائیں تو یہ بات قرین قیاس ہے۔

دوسرا عذر طباعت کی صحت کے بارے میں ہے۔ ہر چند کوشش کی کہ کتاب طباعت کی اغلاط سے پاک ہو لیکن یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کئی مقامات پر نظر چوک گئی اور الفاظ غلط چھپ گئے۔ اگرچہ کوئی غلطی سنن یا اسماء میں نہیں ہے اور طباعت کو اطمینان ہے کہ تاریخی واقعات کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوگی لیکن خوشی اور خواہش یہی تھی کہ معمولی غلطی بھی نہ ہوتی تو اچھا تھا افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ نہ صرف زبان و بیان کی اغلاط و کسا محات کے سلسلے میں بلکہ طباعت کی اغلاط کے سلسلے میں بھی آپ سے معذرت کروں۔ امید ہے کہ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے درگزر فرمائیں گے۔ العذر عند الکرام مقبول۔

جو غلطیاں ہیں وہ ایسی نہیں کہ ان کی تصحیح کے لیے غلط نام لگانے کی ضرورت ہو۔ یہ کتاب عام قارئین کے لیے نہیں بلکہ تاریخ کے طالب علموں اور اس کا خاص ذوق رکھنے والوں کی دلچسپی کی چیز ہے اور امید ہے وہ ان اغلاط کی درستگی فرمائیں گے۔

دوسرے ایڈیشن میں انشاء اللہ یہ غلطیاں بھی نہ ہوں گی اس لیے کہ اس کے جو چرے محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ ان میں ان اغلاط کی درستگی کر دی جائے گی۔ اور مزید غلطیاں پیدا ہونے کا امکان نہ ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ دو سال کی گردش قلم نے آج اپنی منزل کو پا لیا۔ خدا میری اس محنت کو حسن قبول کی دولت سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین

(روشن خان)

قیس عبد الرشید کا شجرہ نسب

از تاریخ خسانجانی و مخزن افغانی

قیس بن عیص بن سلول بن عتبہ بن نعیم بن مرہ بن جلدہ بن اسکندر بن رمان بن عیین بن ہسلول بن شلم بن صلاح بن قارہ بن عثم بن ہسلول بن کرم بن عمال بن خدیفہ بن منہال بن قیس بن عیلم بن اشمول بن ہارون بن قمرود بن ابی بن صہیب بن طلل بن لوی بن عامیل بن تارج بن اردن بن مندول بن سلم بن افغہ بن ارمیا بن سارول الملقب بملک طالوت بن قیس بن عتبہ بن عیص بن روتیل (دہ روایتی بن یامین) بن یہودا بن یعقوب اسرائیل بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام بن تاریخ کہ آذربائیجان میں گفتند ممکن ہے کچھ نام درمیان میں بھول سے رہ گئے ہوں لیکن بسی تعارف کے لیے اتنا بھی کافی سمجھنا چاہیے

روشن خان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



برگ گل شد چوں ز آئین بستہ شد
گل ز گل پیوستہ شد گلدستہ شد

موسے

شجرہ ہائے
نسب



یوسف زئی

ہنہ زار نشین قصر سلطانی کے گنبد پر !!
تو شاہیں ہے سبیر اگر پہاڑوں کی چٹانوں پر

(اقبال)

یوسف زئی

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط
مختصر شجرہ نسب از قیس عبدالرشید تابیوسف و مند

قیس عبدالرشید

ساراہنی (سڑاہنی) بطان (دہنی)، غرغشتی کرلانی

خرشون

شرخون

ترین، شیرانی، میانہ، بڑیس، ارمط

ابدال، طور، پشین

کاسی (کاشی)

زمند (جہند)

قند (کد)

محمدزی، خویلی، کتانی، یگی زئی، توفی

برصہ ۵

عزیز زئی، بک زئی، عمر زئی، غیبی زئی

نشتہ (نخ)

ابراہیم معروف غری

غورباخیل

(بسوزوچہ دوم)

زودجا اول مرجان)

ترک (ترکانثری)

برصہ ۵۰

مکاء

گلگانی برصہ ۴۹

مندے

ملاگوری

زیرانی

چکنی

خلیل

دولت یار

مہمند

داؤد زئی

یوسف زئی

یوسف

برصہ ۲

مند برصہ ۲۳

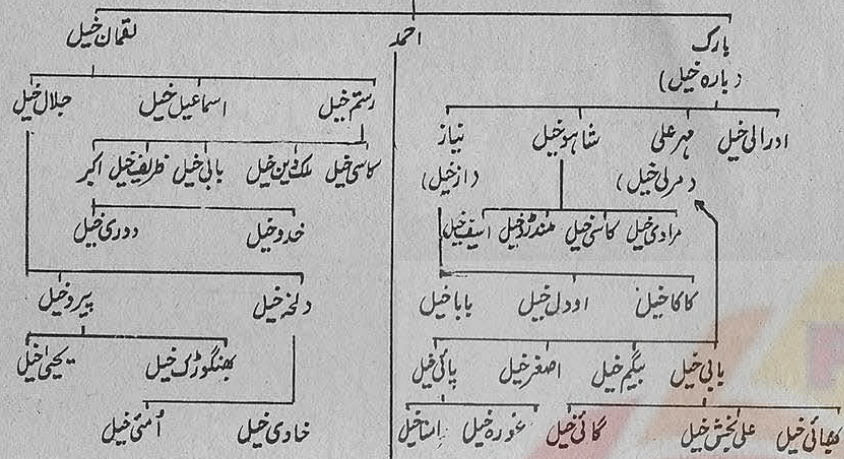
منو

رز

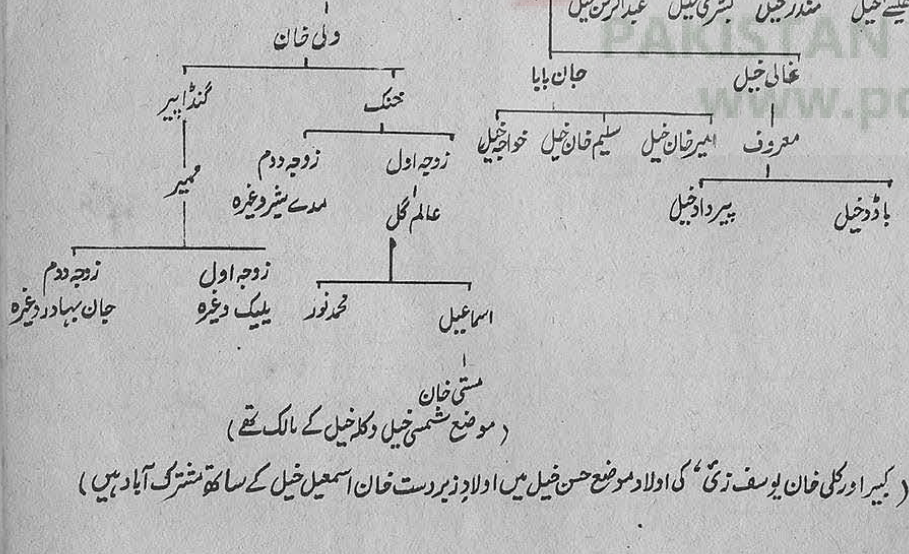
نضر

محمود (مامو)

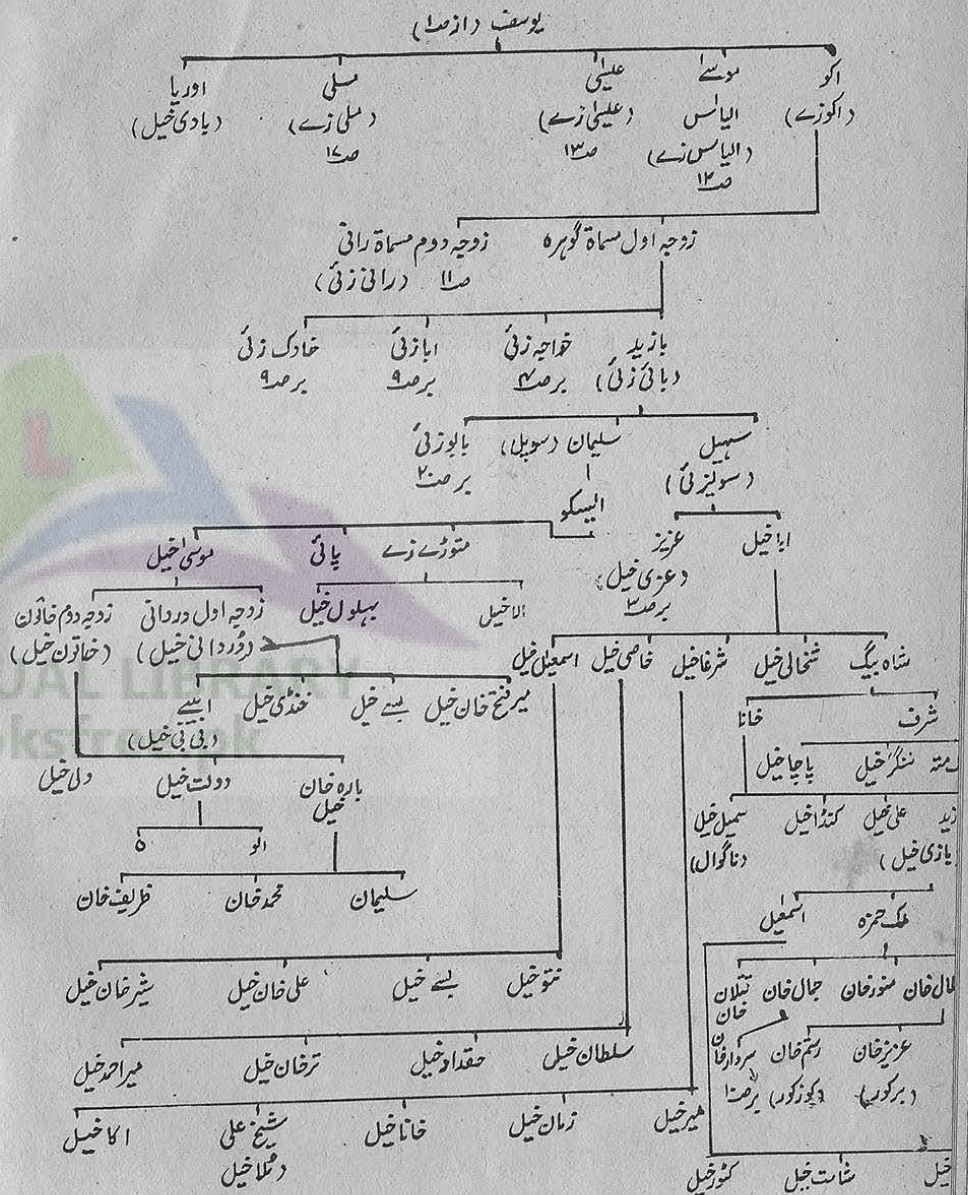
عزیز (عربی خیل) بانی زئی اکو زئی از صفحہ ۲



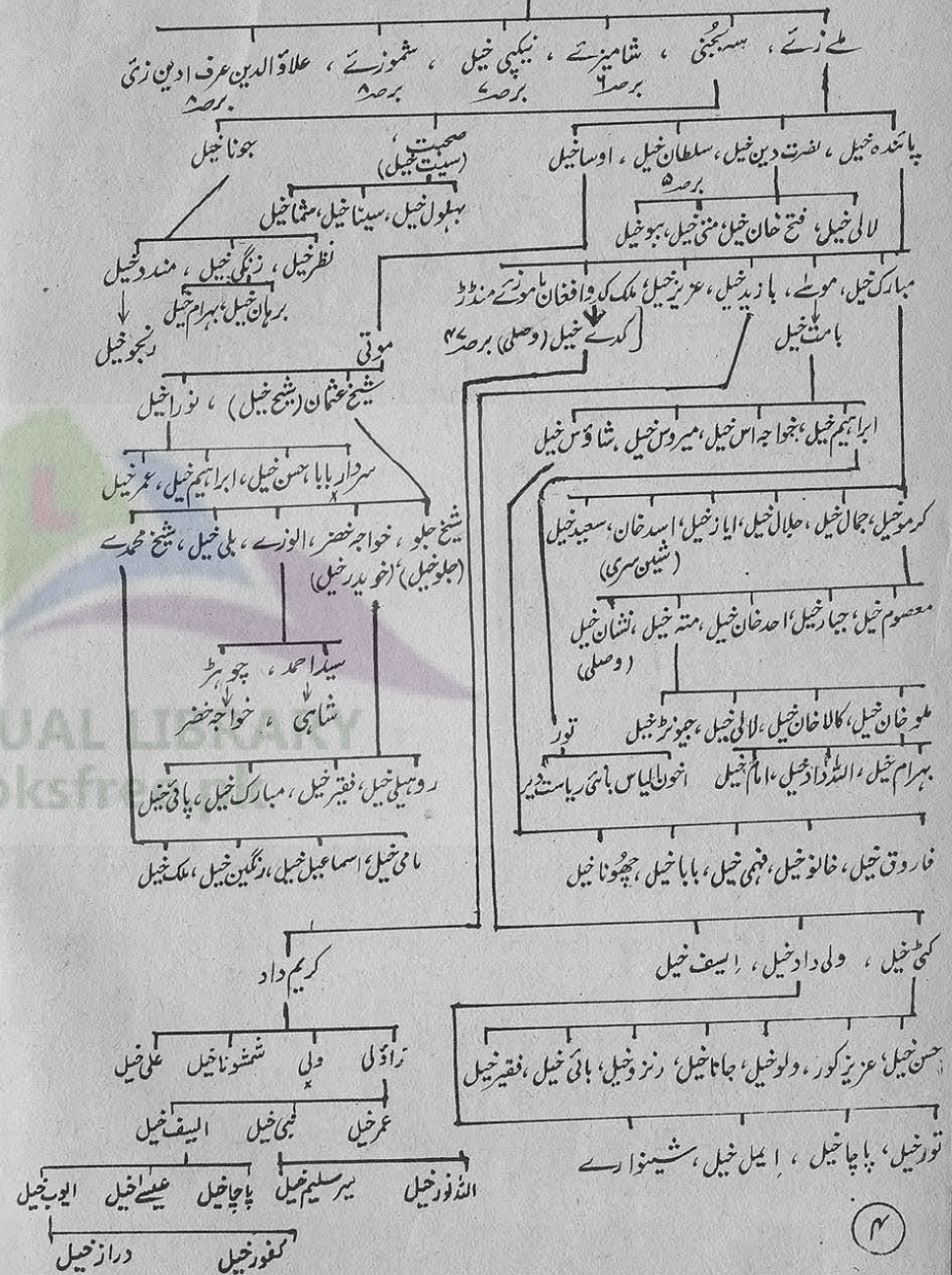
شجرہ نسب کبیر افغان یوسف زئی بنوں ضلع میں



شجرہ نسب اولاد ملک یوسف (یوسف زئی)

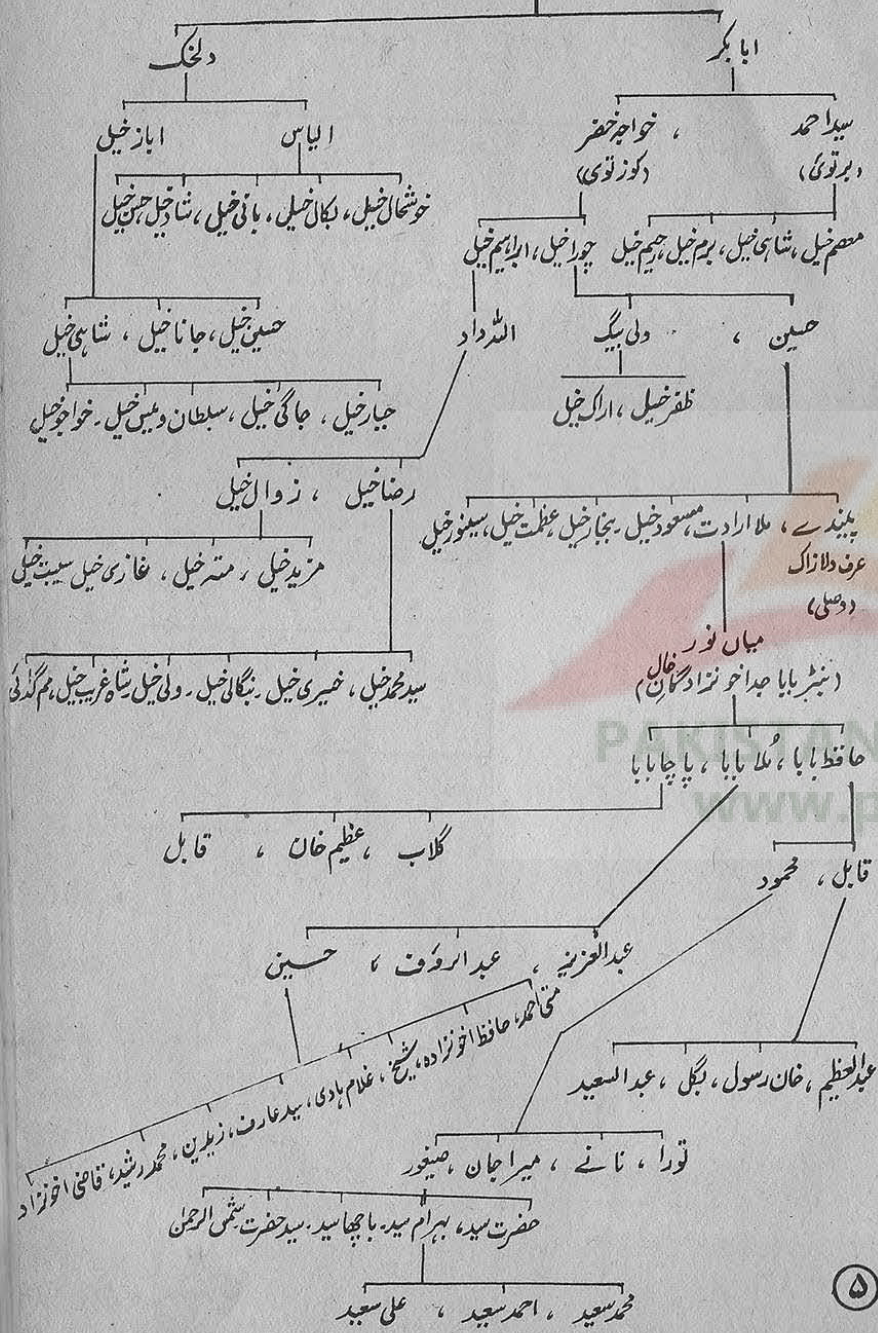


خواجہ زے اکوڑے از ص ۲



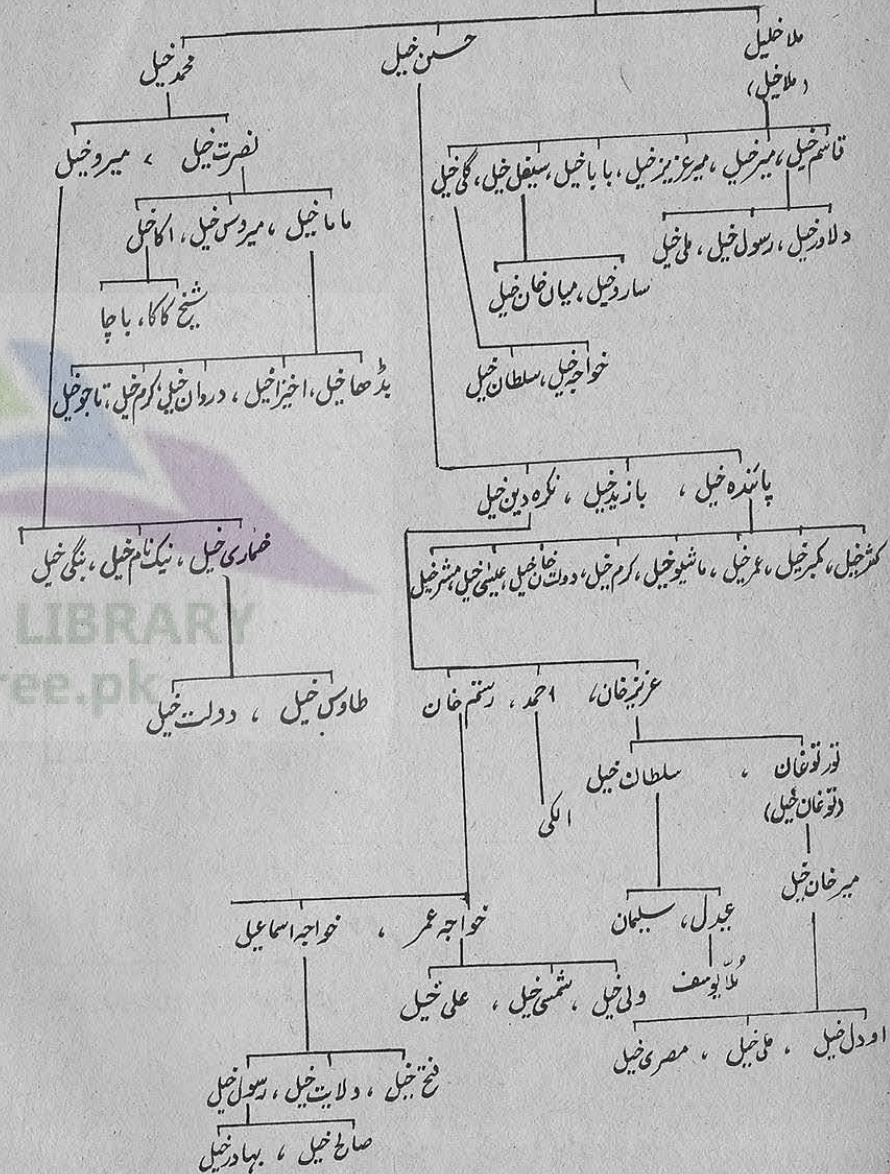
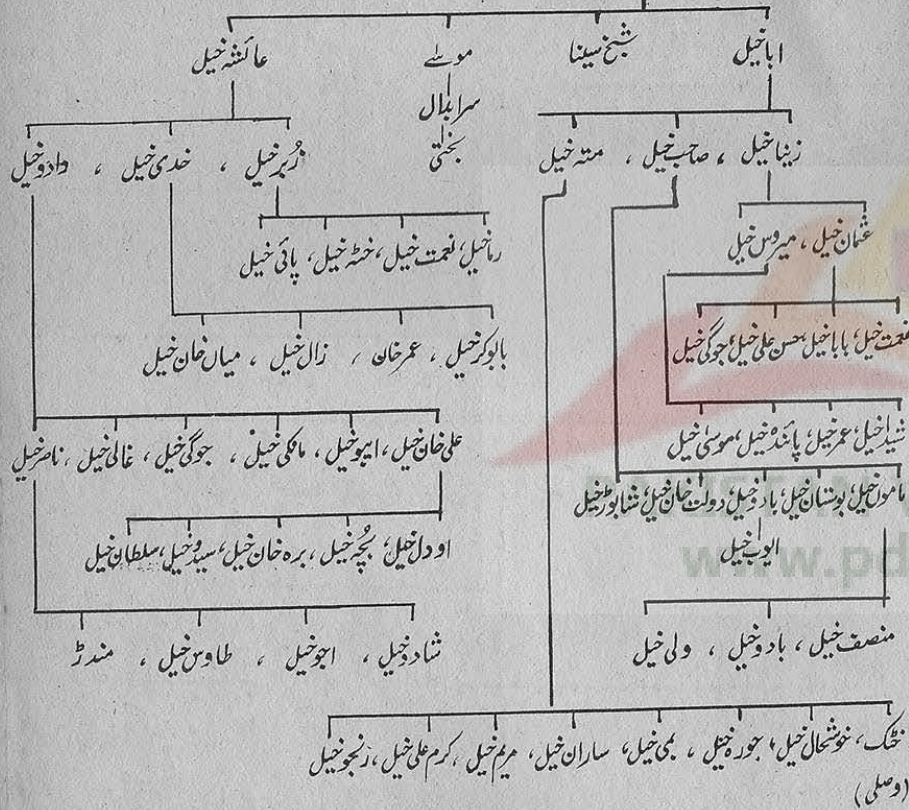
(۴)

سلطان خیل خواجہ زے اکوڑے از ص ۲

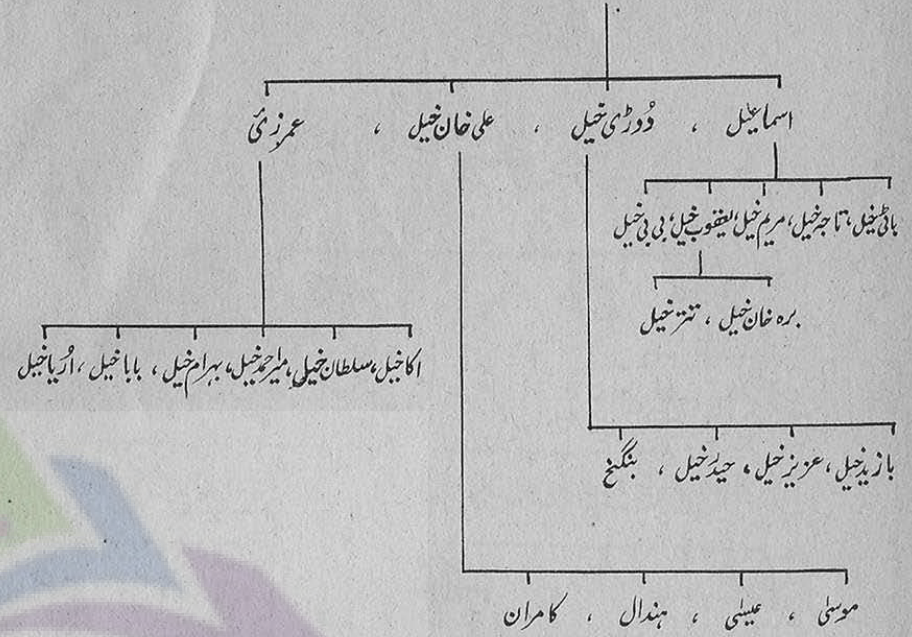


(۵)

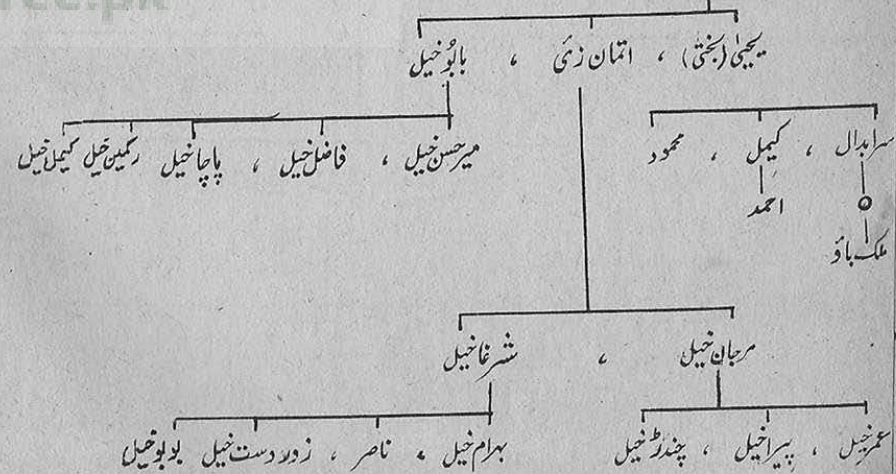
نیکی خیل خواجہ زے از ص ۲
(نیکی خیل)



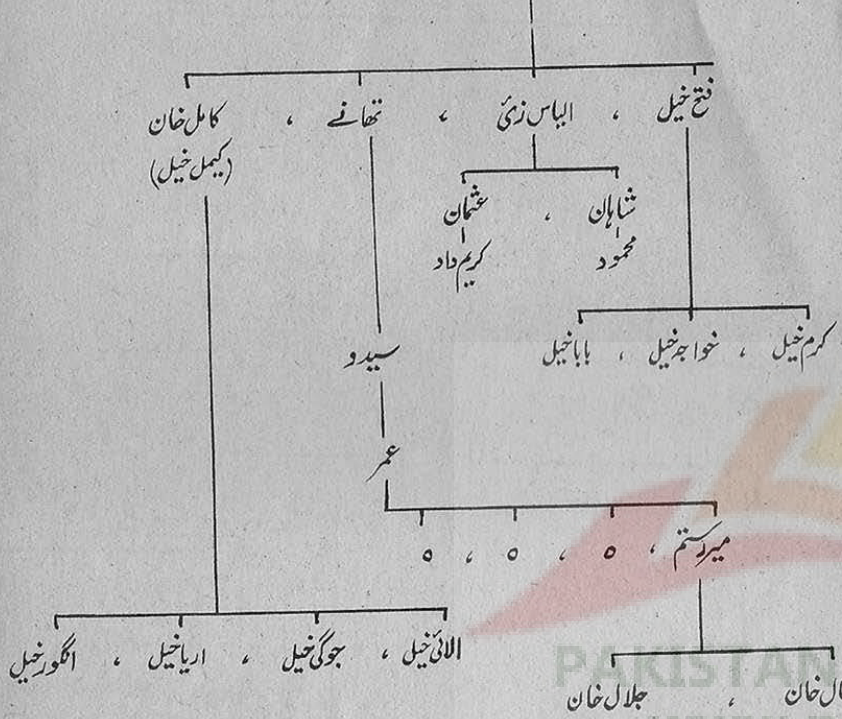
شہزادہ خواجہ زے از ص ۲



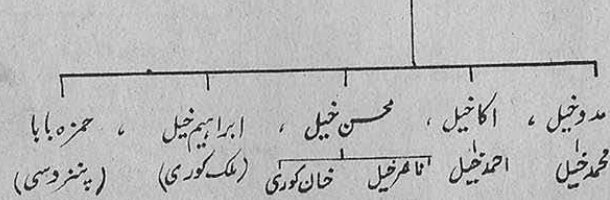
علاء الدین عرف ادین زئی خواجہ زئی از ص ۲

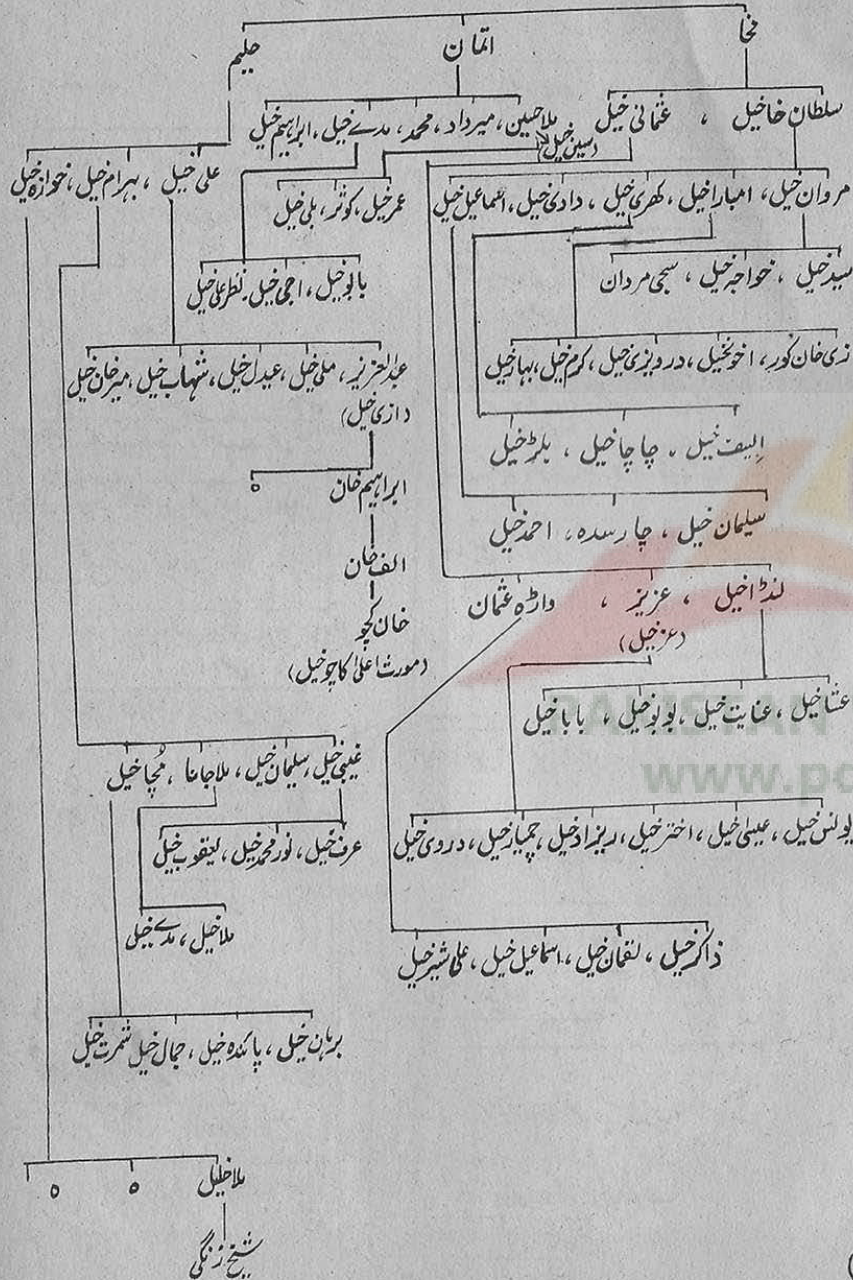
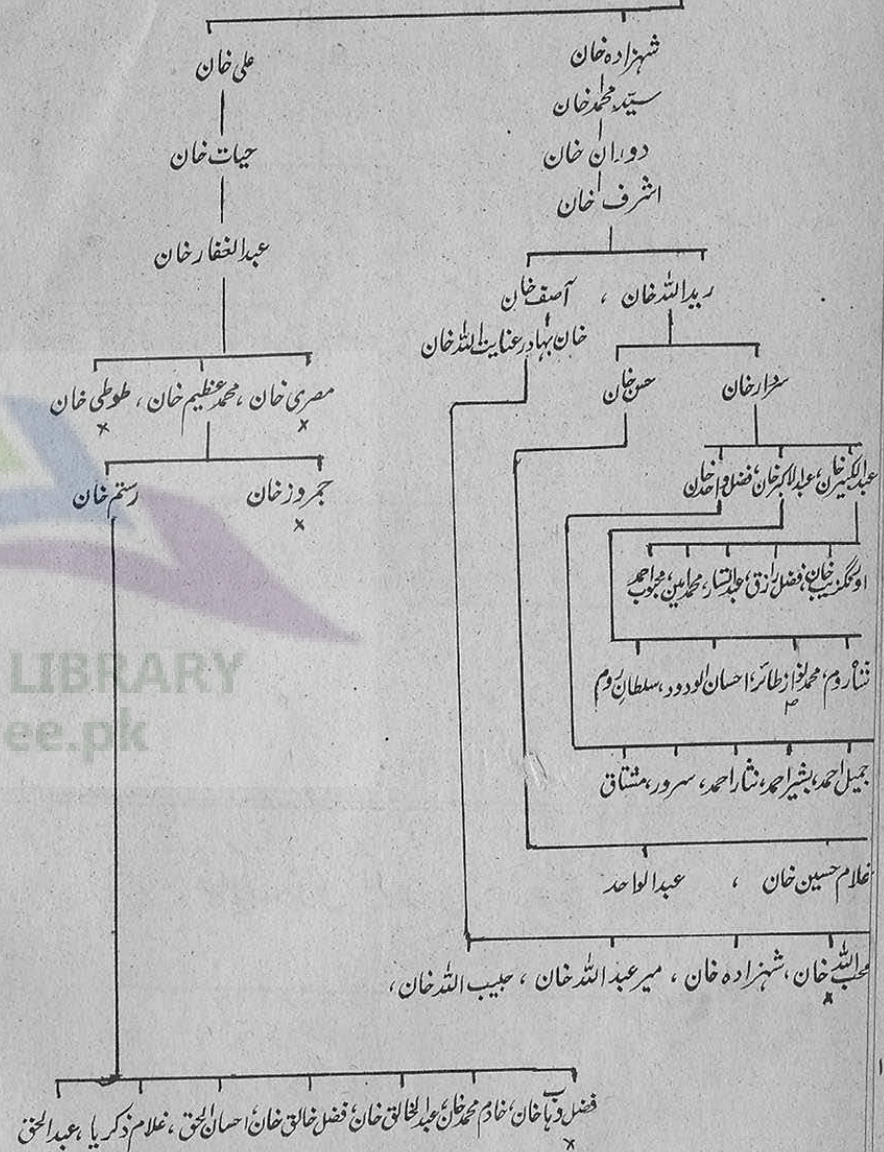


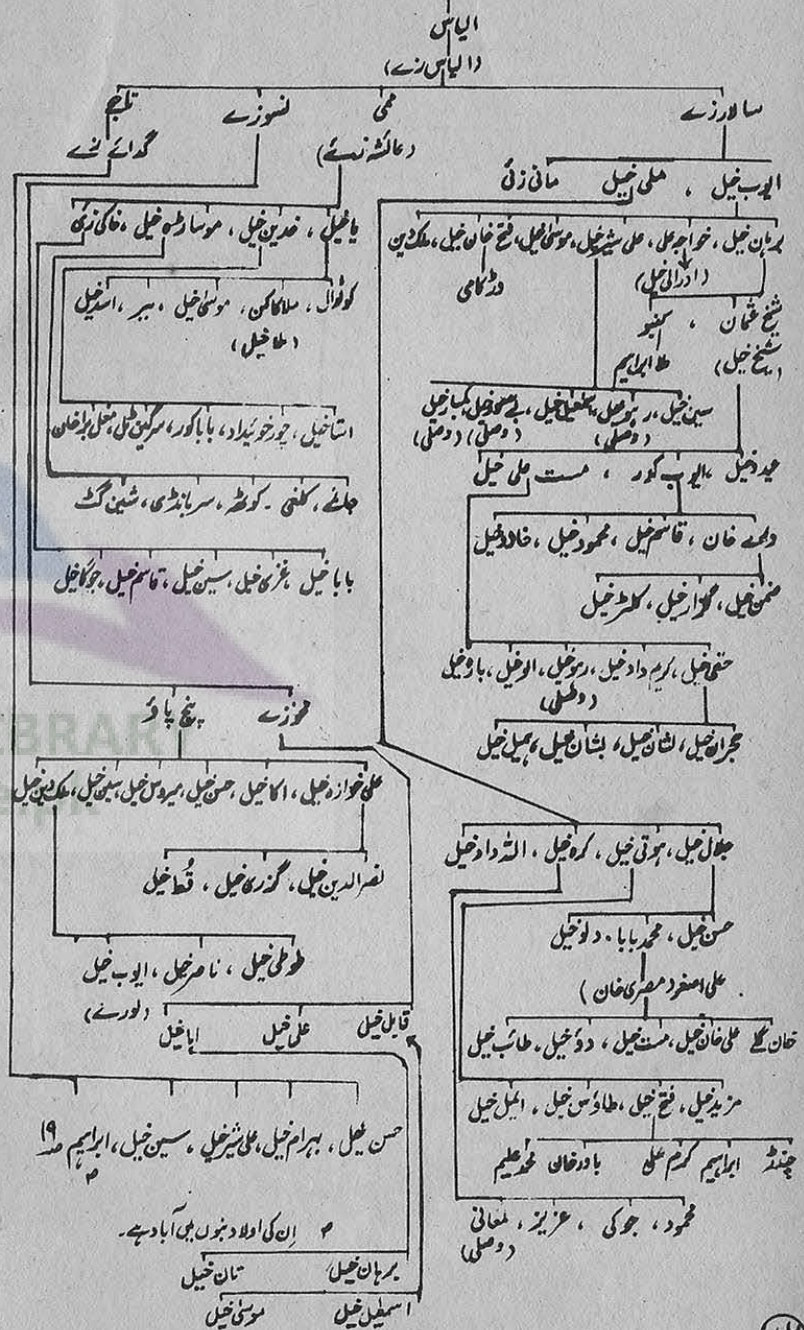
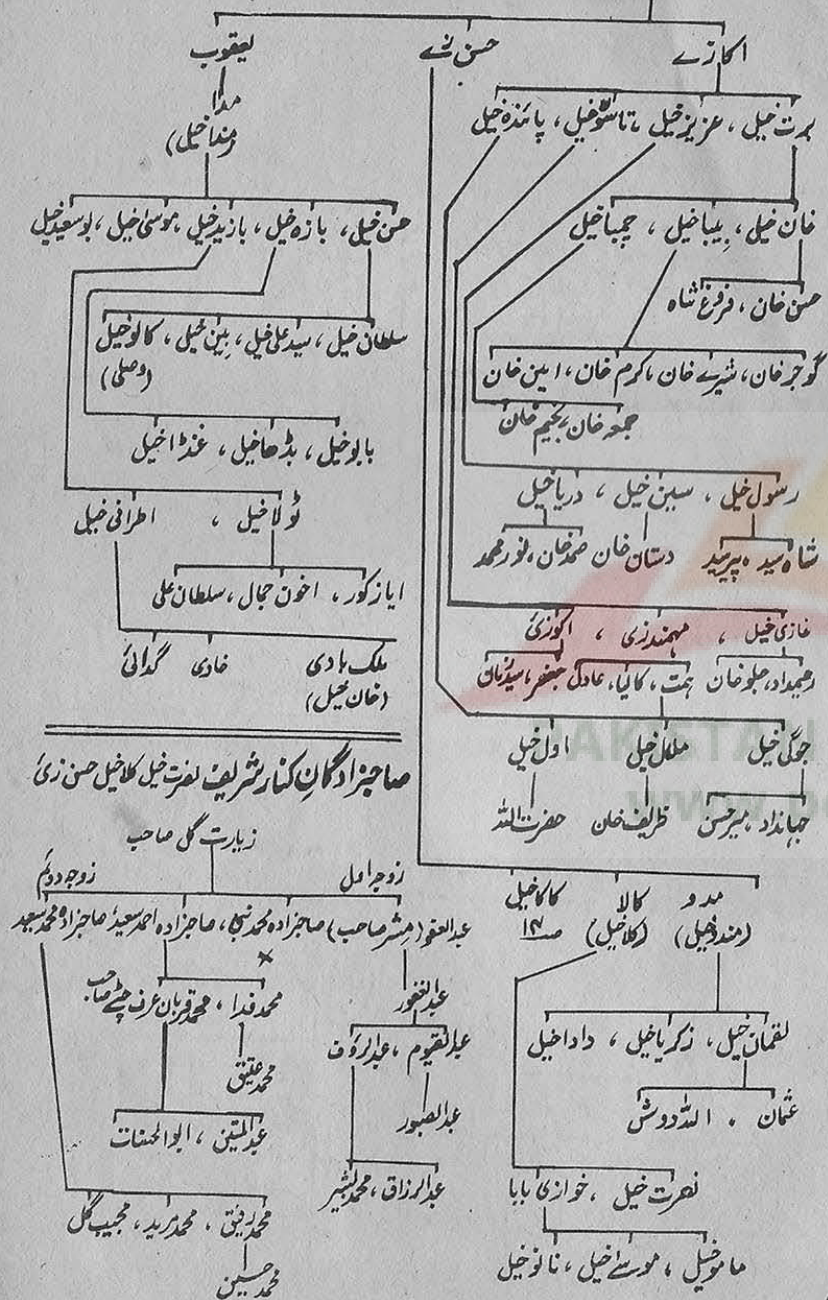
ابازے اکوزے از ص ۲



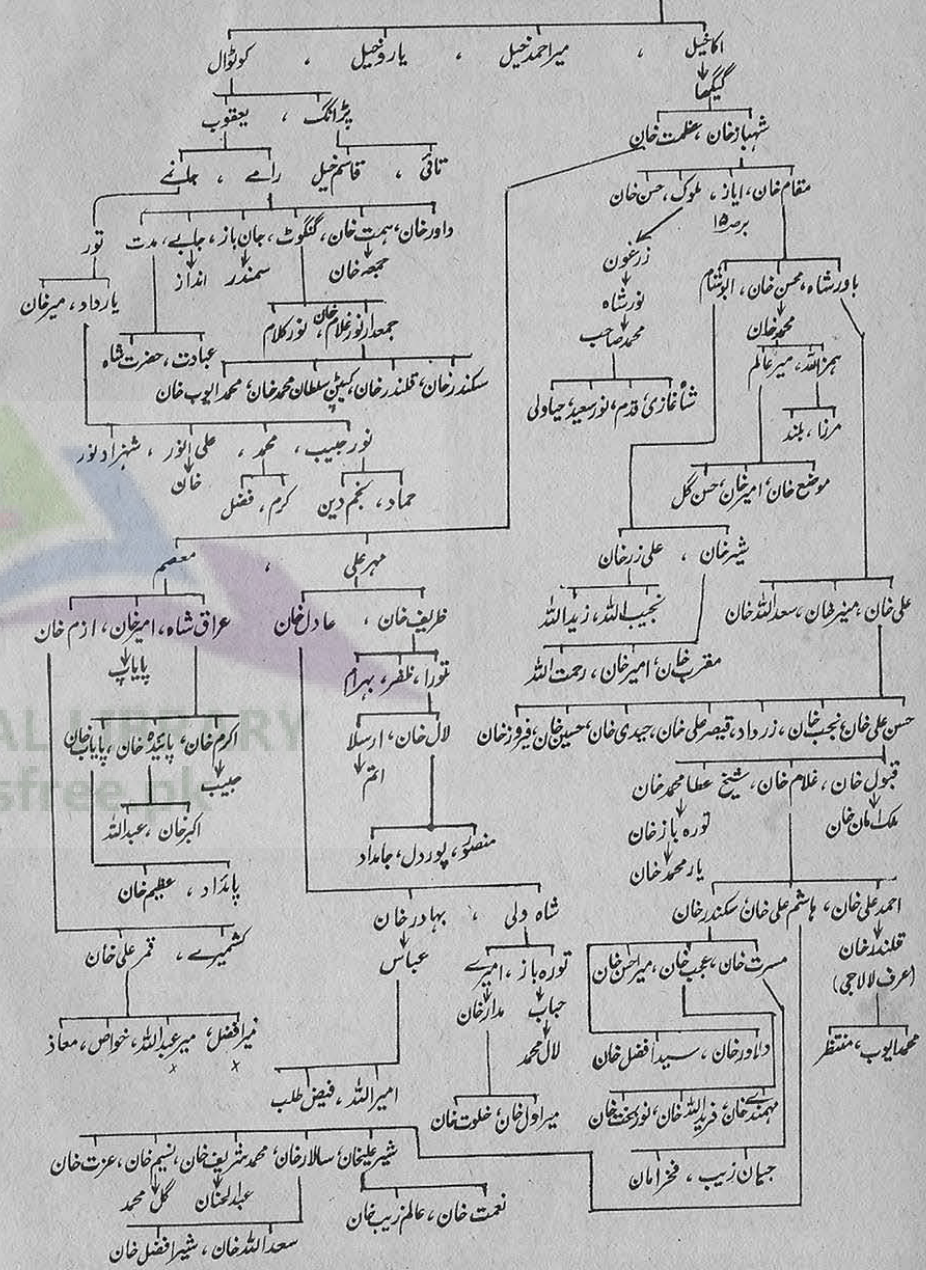
خادک زئی اکوزی از ص ۲



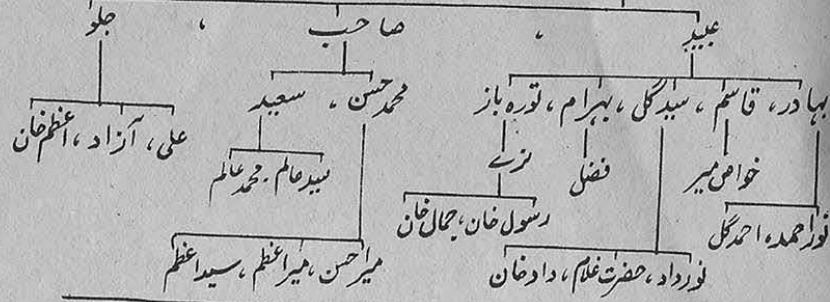




کاکا خلیل (حسن نے، عیسیٰ نے) از ص ۱۳



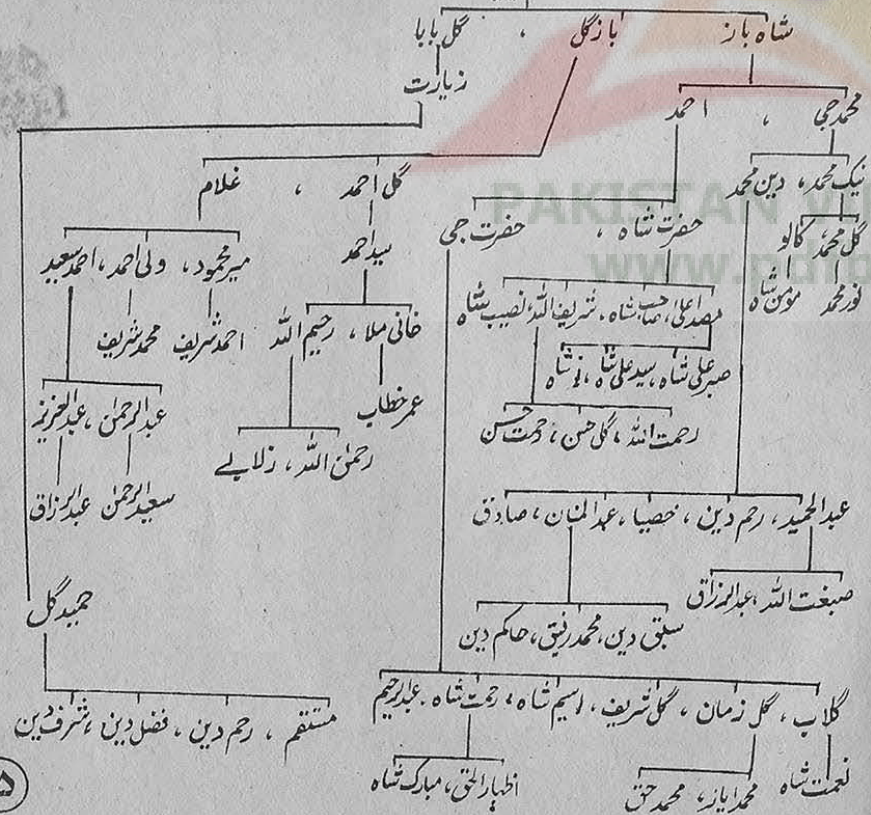
ایاز بن شہباز خان حسن نے از ص ۱۱



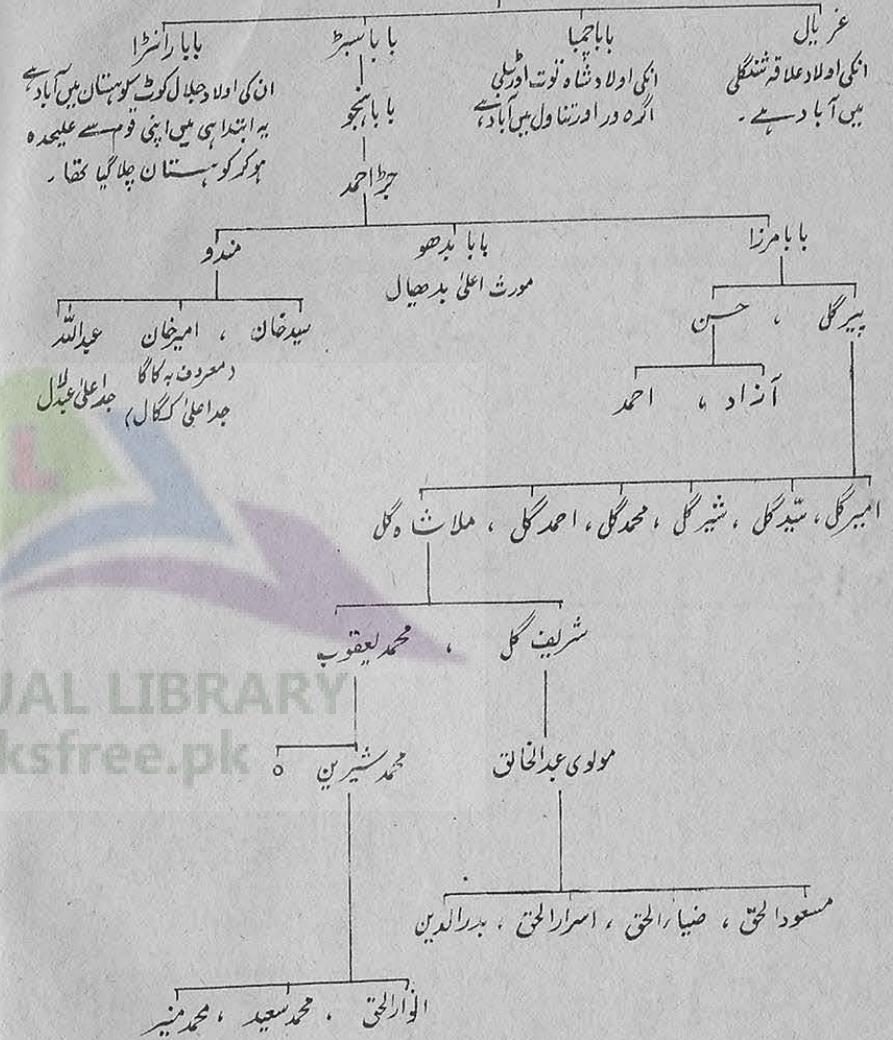
شجرہ ملایان ساکن ریل بوڑیاں علاقہ سیری حسن زئی

علامہ صالح (یا خلیل علیہ السلام) الیاس زئی) بن ملا الیاس

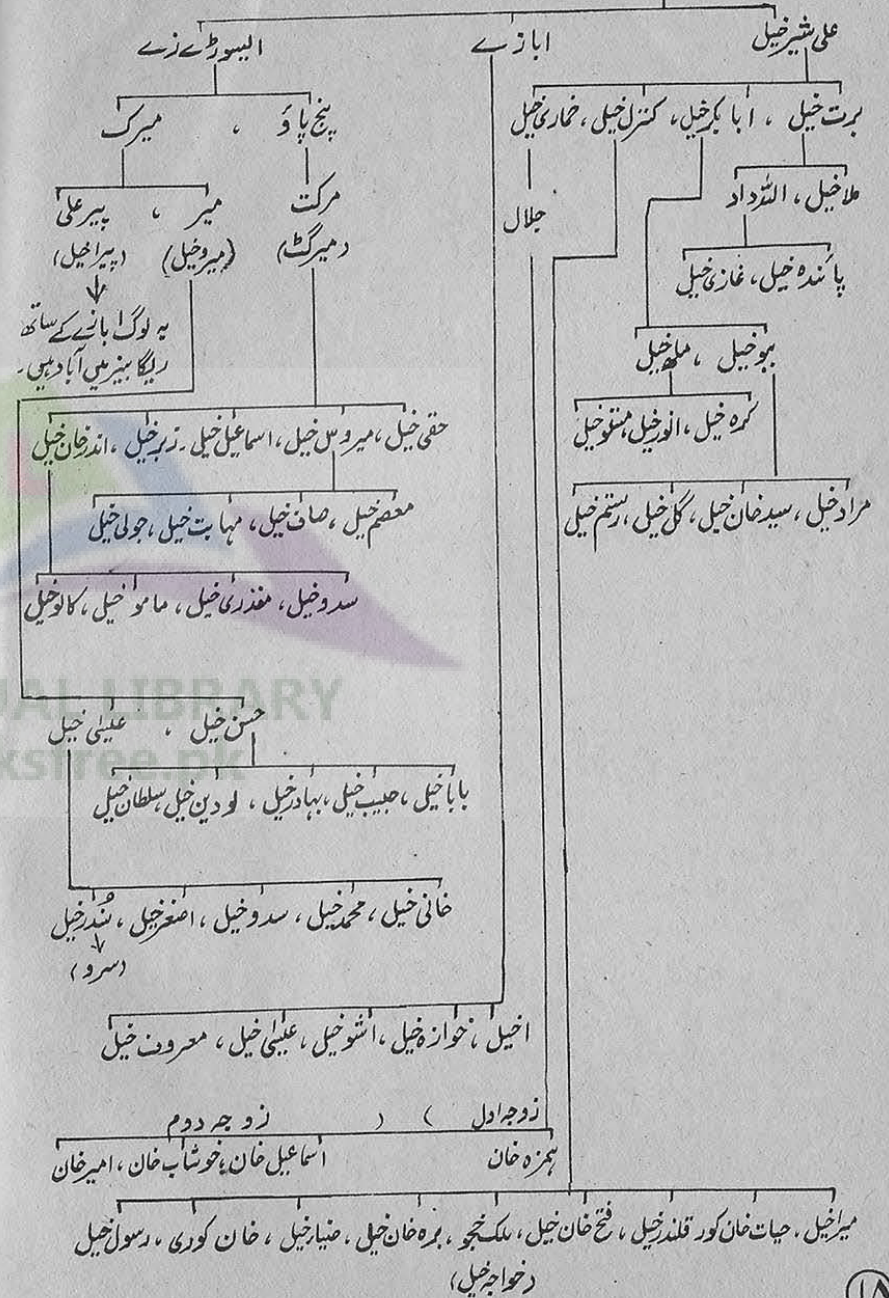
ملائکیا (ملائکی)



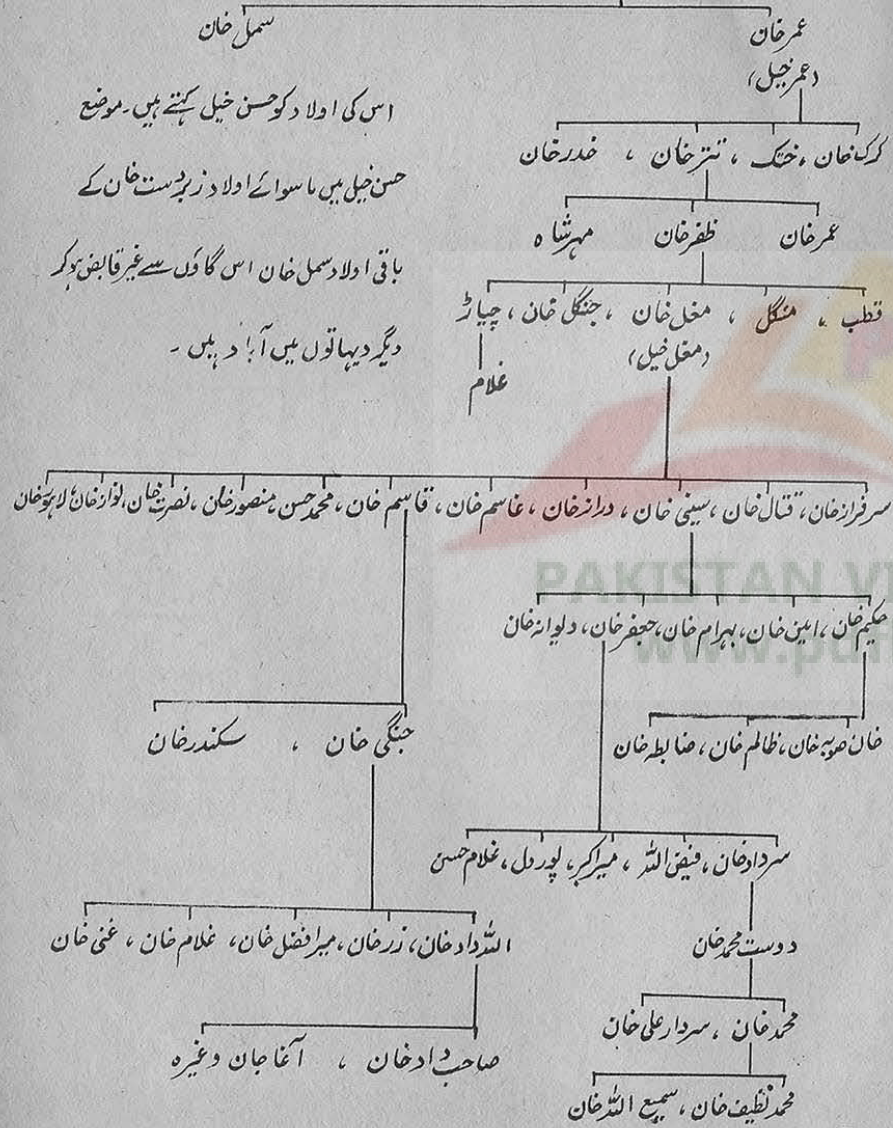
دولت نے	چغیرز نے	فوری نے
	برص ۳۱	برص ۱۵



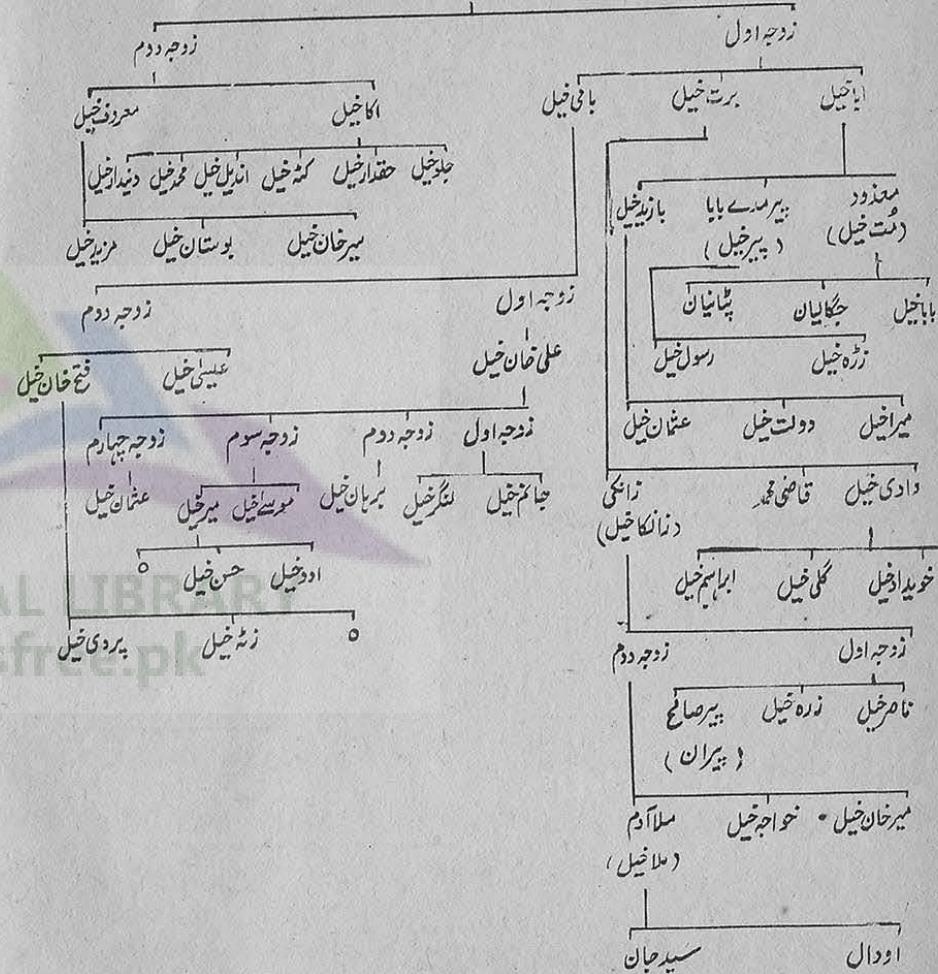
علاقہ تناول نورد کو سیاہ میں سکونت پذیر ہے۔ اس وقت بقید حیات ہے۔



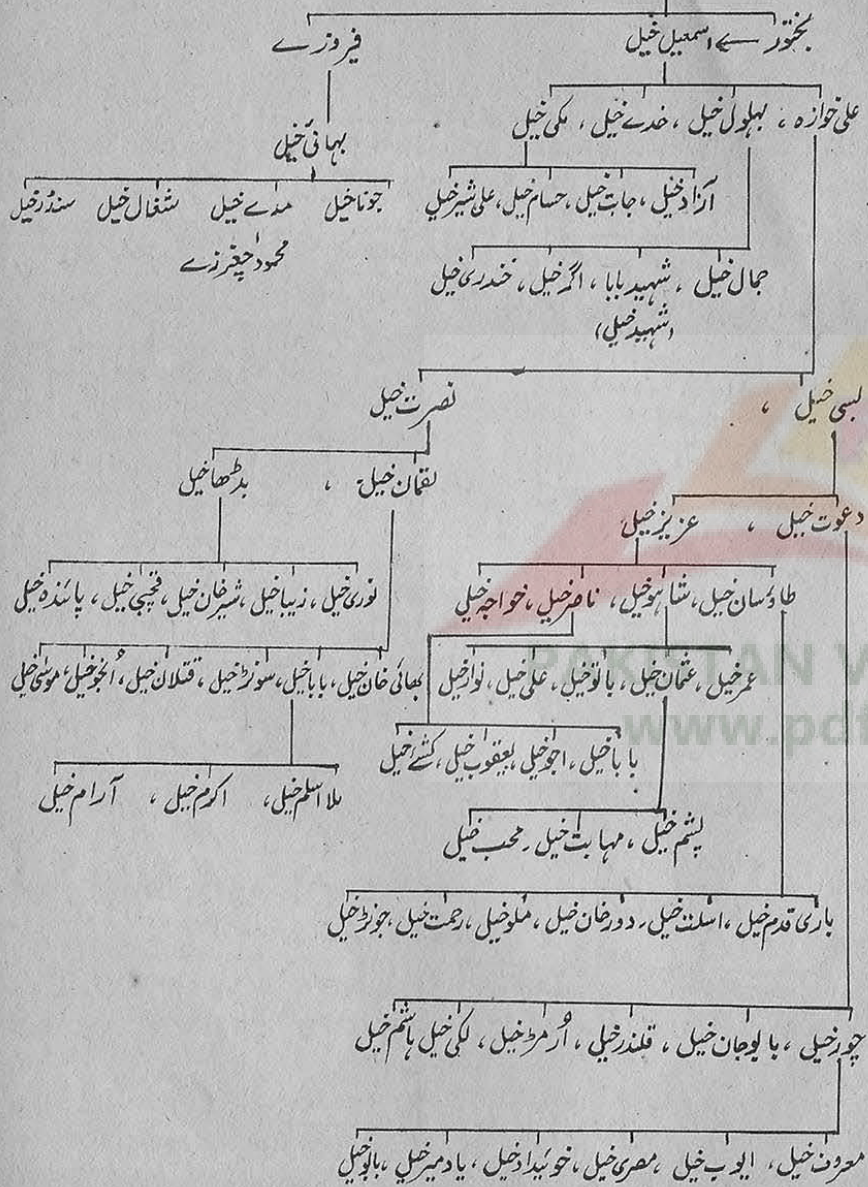
شجرہ نسب حسن خان ساکن غوریوالہ بنوں ضلع میں
(حسن خیل)



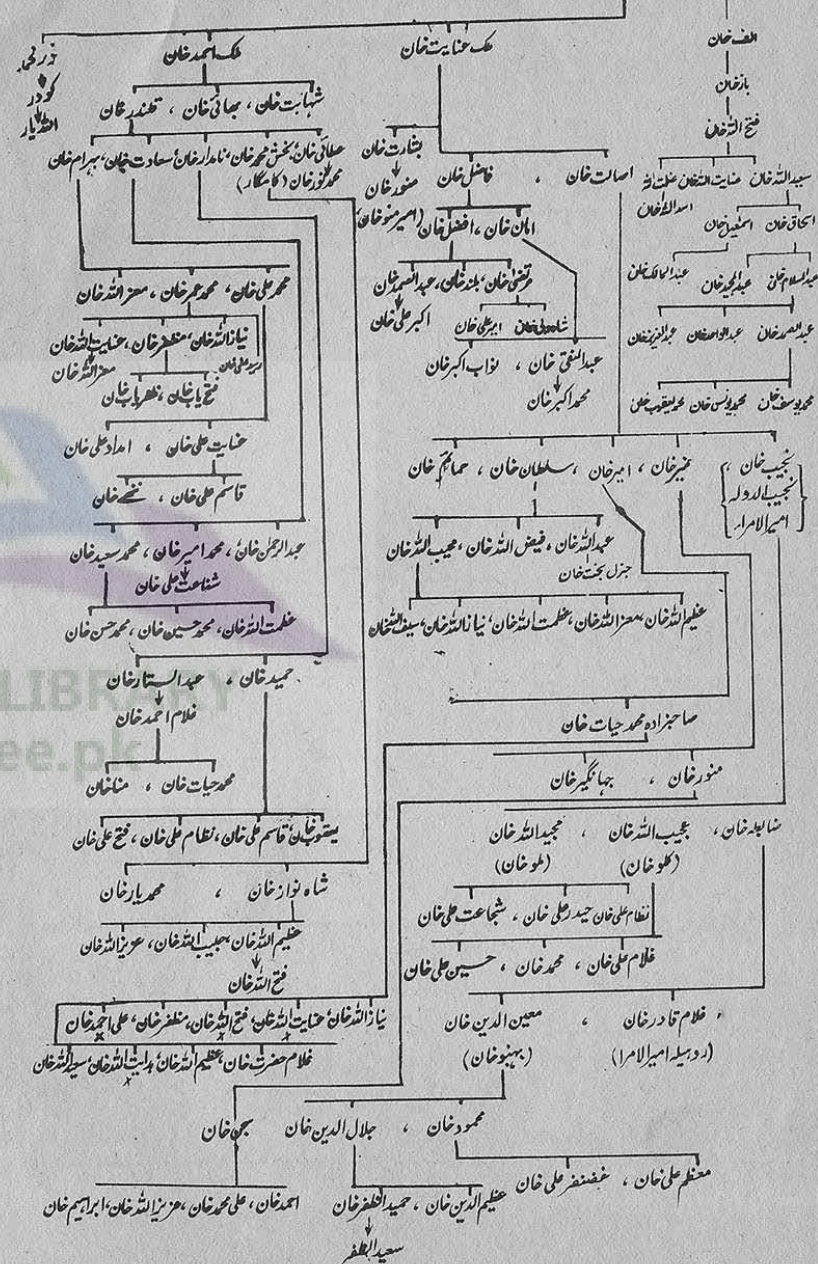
بابو (بابوزئی) بن باندید (یائی زئی) از ص ۳



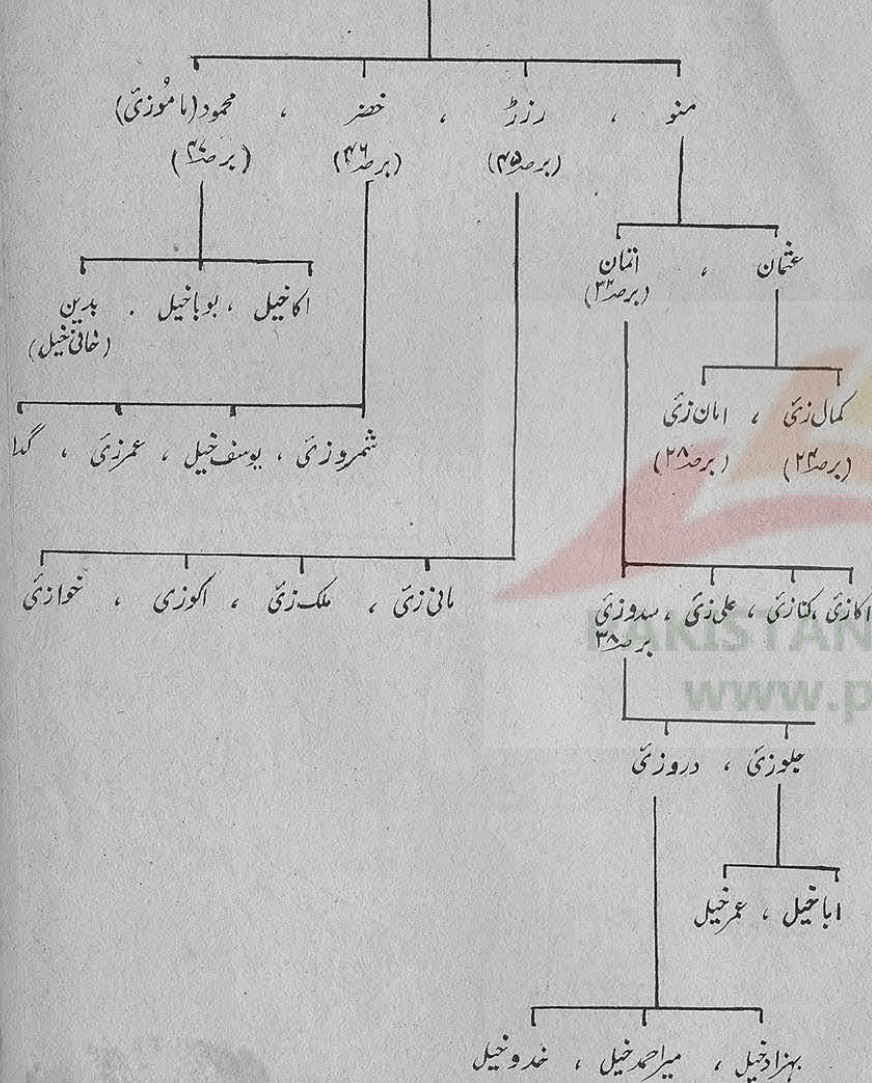
چغزے بن مسلی (ملی نے) یوسف زئی از ص ۱

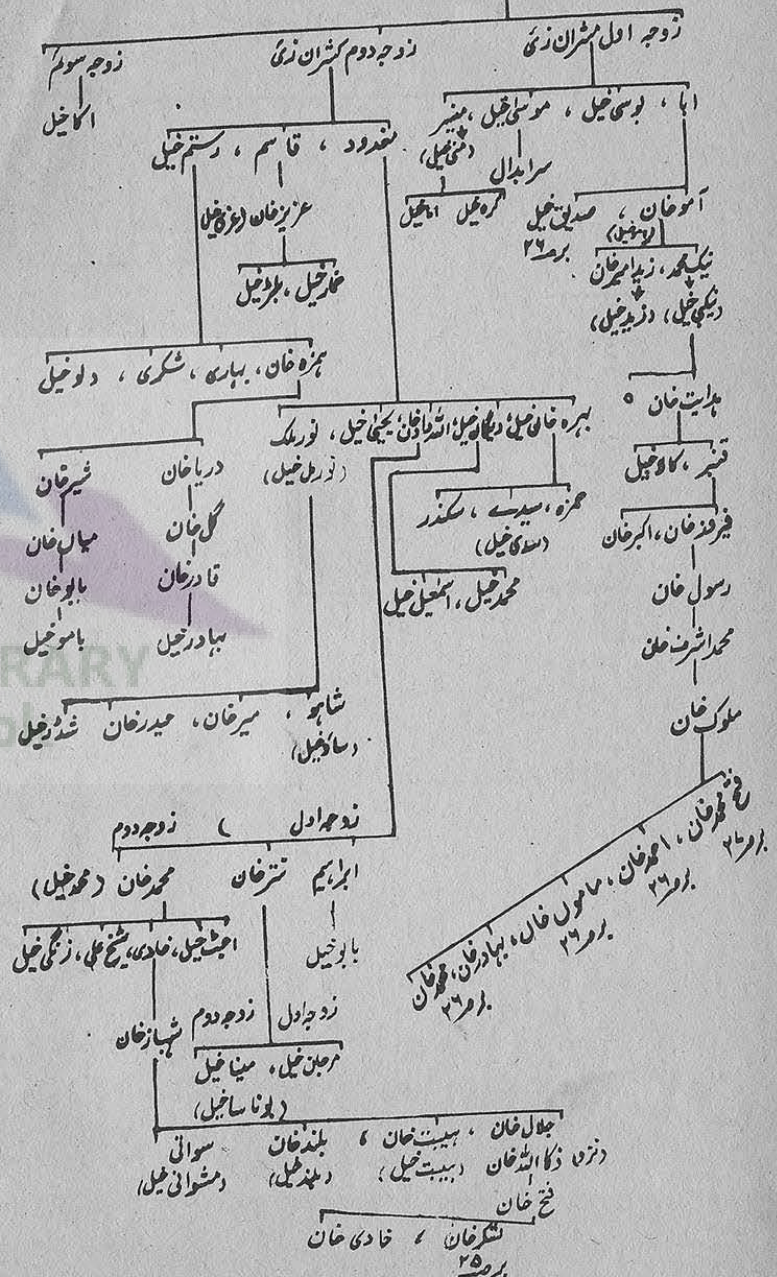


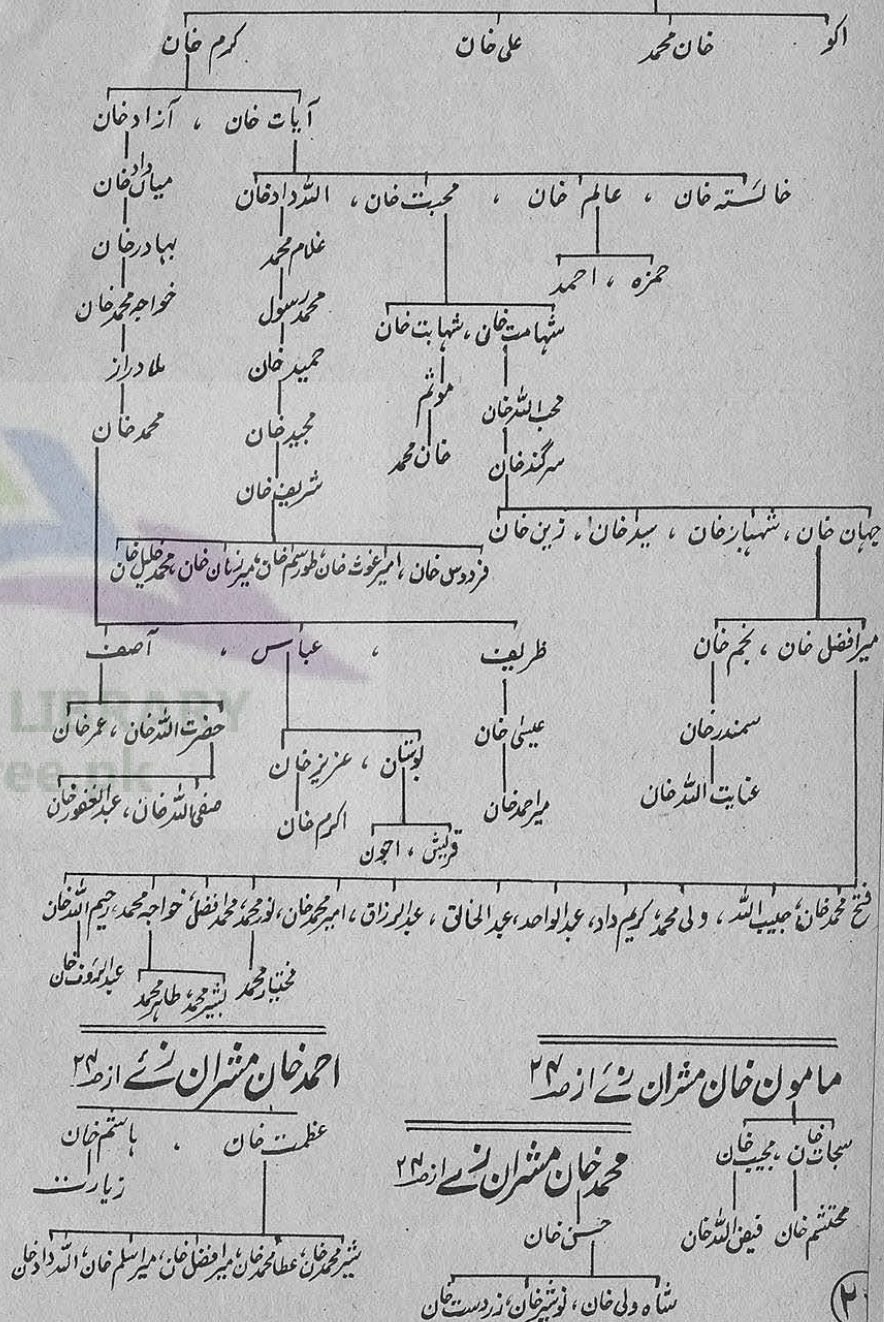
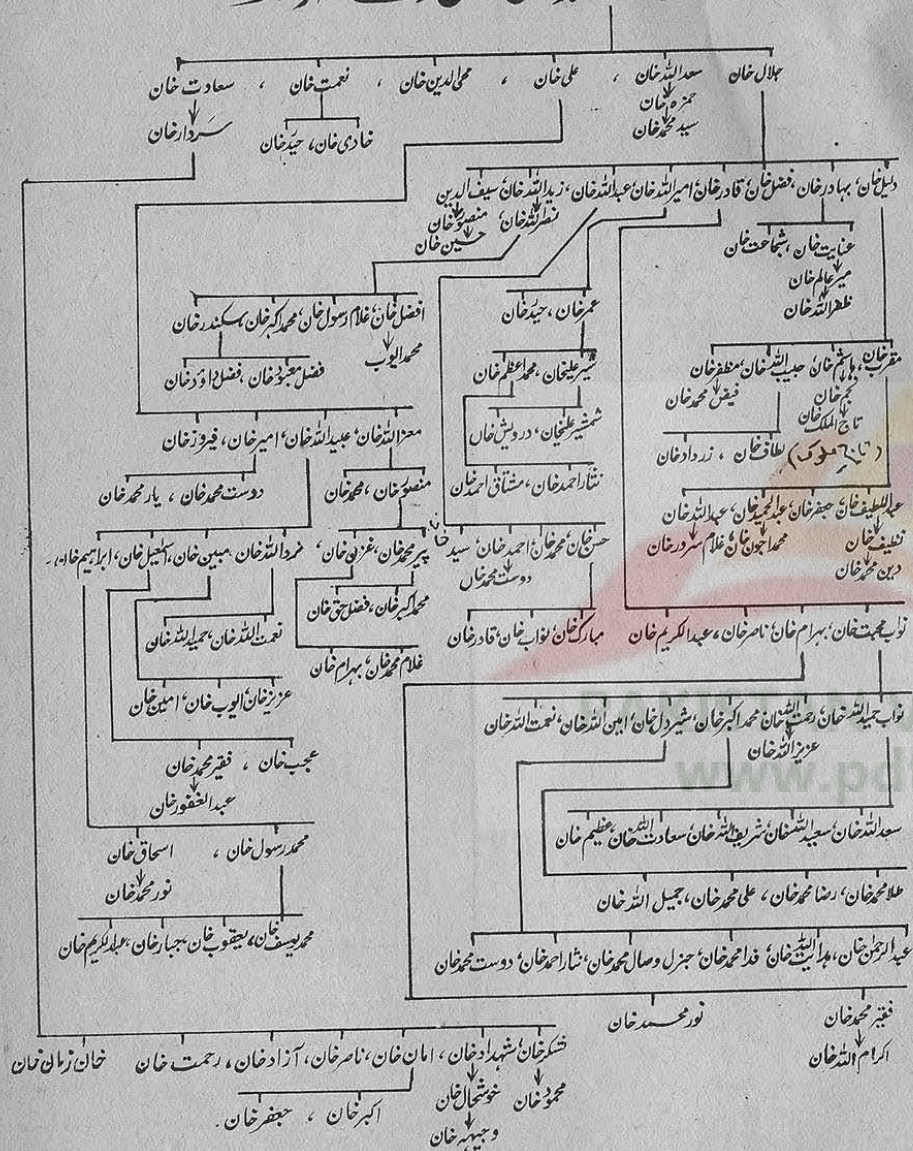
محمد خان، سید خان، نظر خیل می خان، عمر خیل، یوسف زئی از ص ۳۵



یوسف زئی مندر (مختصر شجرہ) از ما







دودجه اول دولت زئی

اسمعیل اسحاق ادیم
(سبک زئی)
حسن حیدرک بخردین
(مبارک خیل)

نعمت سکندر بام خیل بهرام خیل جعفر خیل یعقوب خیل
خاوس خیل دود بخیل بلو خیل
بعل خیل

چون قای
مهری خیل
صاحب خیل
افضل خیل
فتح خیل

احمد خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل
نعمت خیل

میر و بیس
پیر و
نعمت و
جان محمد
عبدی خان
برص ۳
برص ۳
برص ۳

حضرت خان، اوریا، عالم خان، عبدی خان

شیرداد، و تیر
محمد شاه
عالم شاه
غلام شاه
بهرادر شاه

میر زادگان
احمد، جهان خان، قلم، گوهر
عزیز، دراب
خوشناب، جلال

محمد رحیم، میر بابا، رحیم خان
نعمت، رحیم خان
طاس، نور

محمد شاه، جهان شاه، اکبر خان، بهادر خان
اعظم خان، احمد، پانده خان
سید خان

دیدار، محب خان، محمد خان، رستم خان
میر زمان، باستر خان
عطا محمد خان

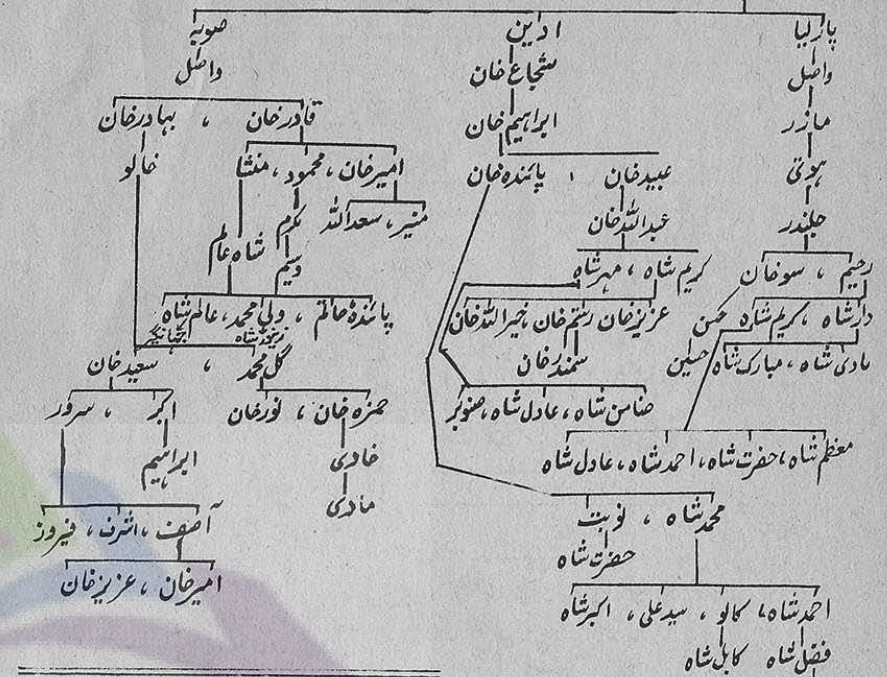
ابراہیم، اللہ پارخان
رحیم خان، عبد اللہ خان، احمد خان
صاحب خان، نعیم خان

شیرداد، قلم، سرفراز
علی خان، معظم، زید اللہ، سیف اللہ، ارسلان، محب اللہ

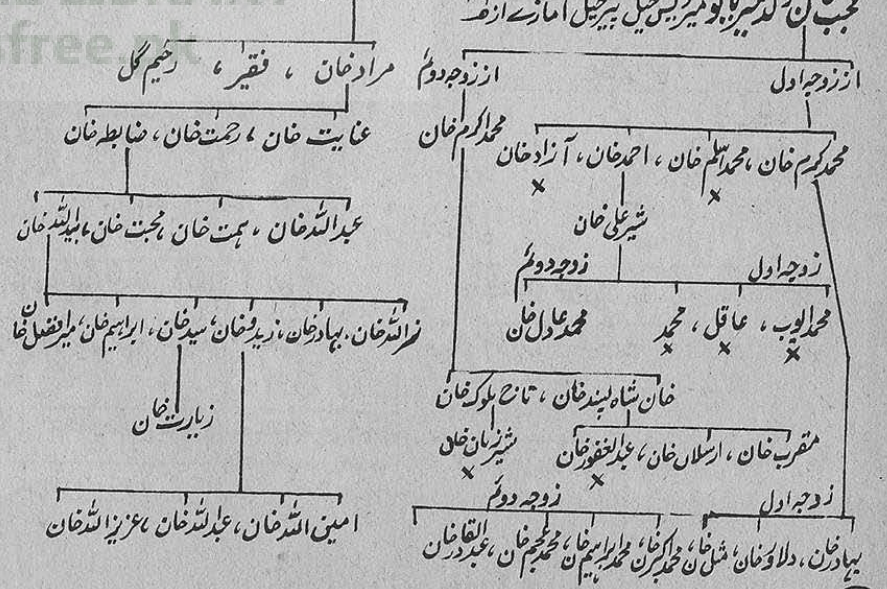
حیات خان، امیر خان
ابراہیم، شریف، نصر خان، بهرام خان، عباس خان، حفیظ، علی، خواجہ خان

نواب ناصر، اسماعیل، فیروز، سرور، لطیف، امین، آصف، خواجہ یاد، سکندر

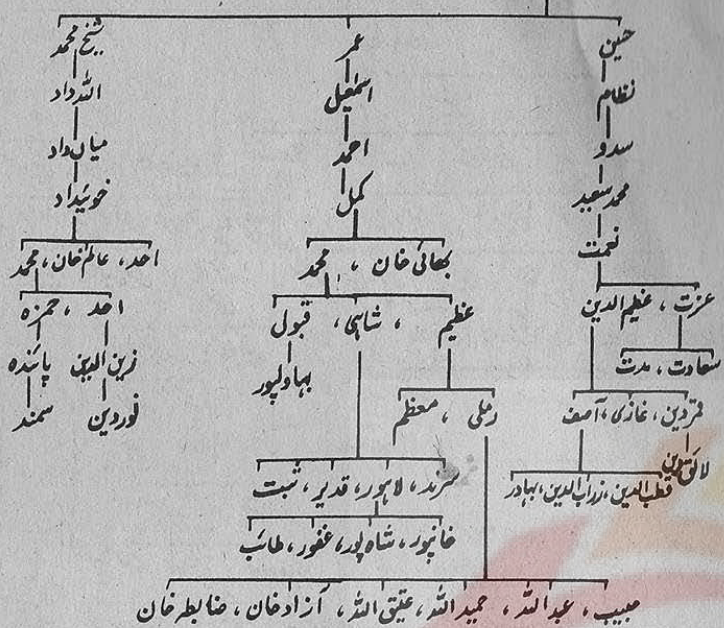
پیر پسر ملا میر (پیر خیل) دولت نے امانے از ۲۹ ۷۰۷



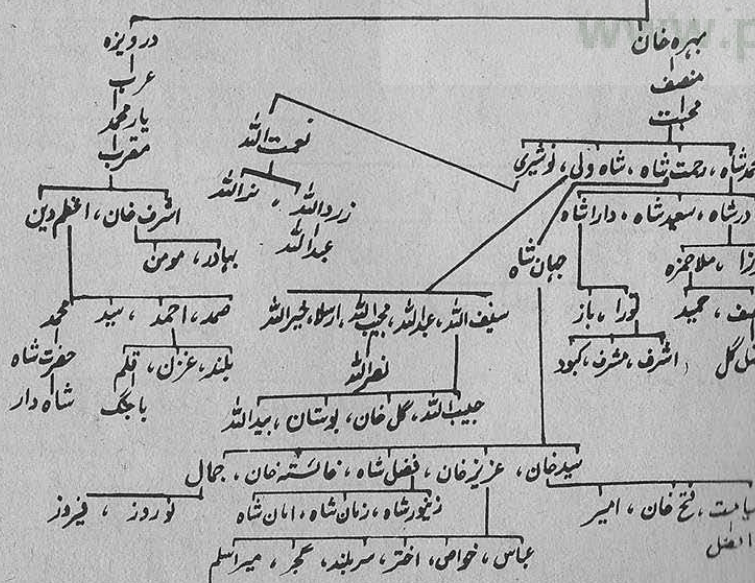
نقرہ دین پسر ملا میر (پیر خیل) از ۲۹



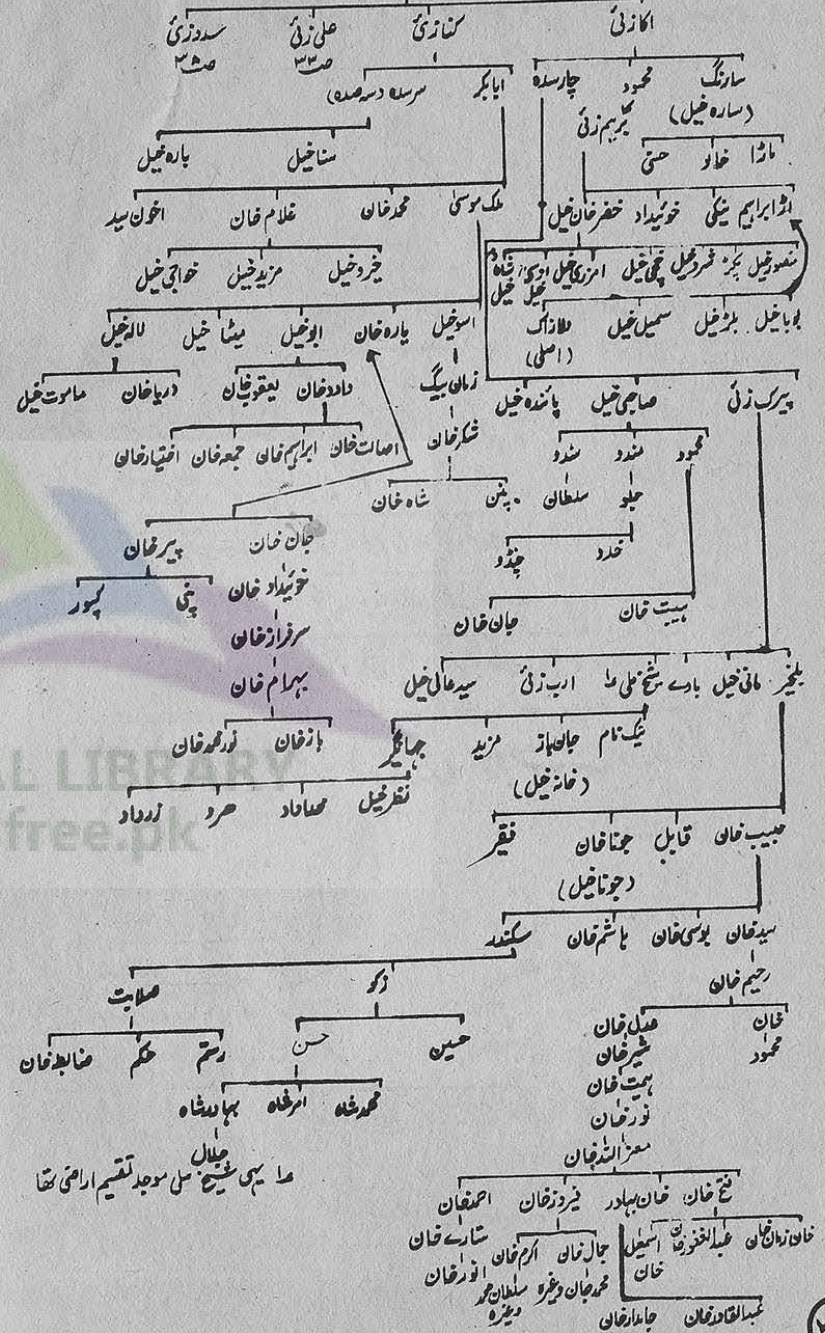
جان محمد (جانو خیل) پسر ملا میر (پیر خیل) دولت نے ۲۹ ۷۰۷

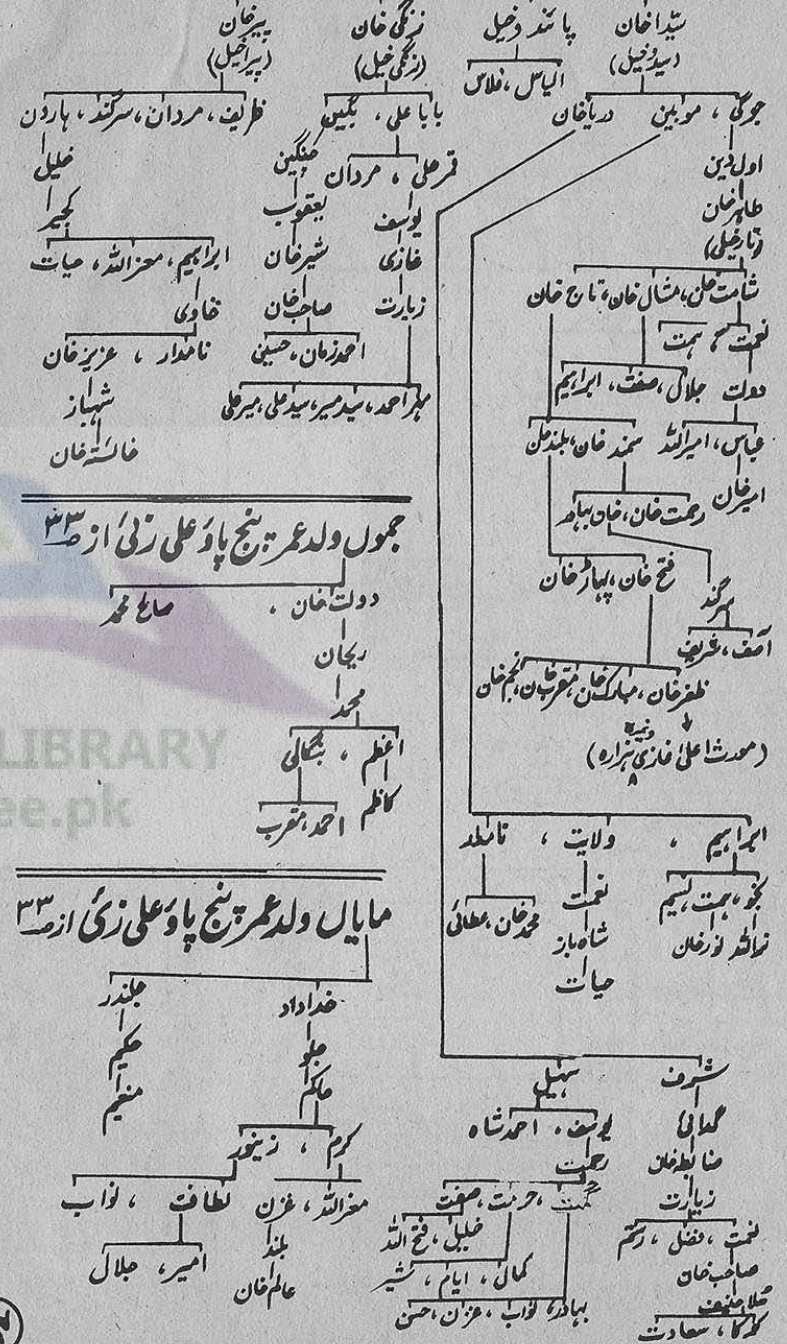


عینی خان پسر ملا میر (پیر خیل) دولت نے از ۲۹

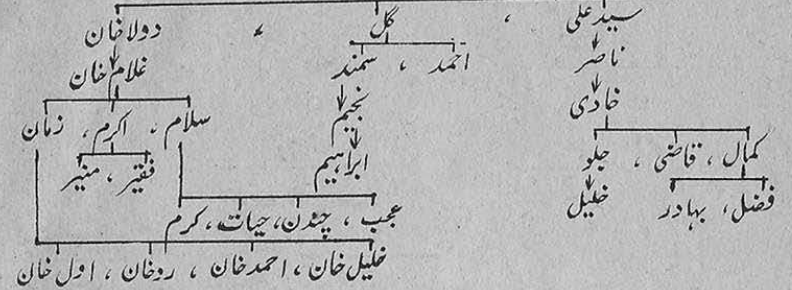


اتمان بن منو (مندر) از ص ۲۳

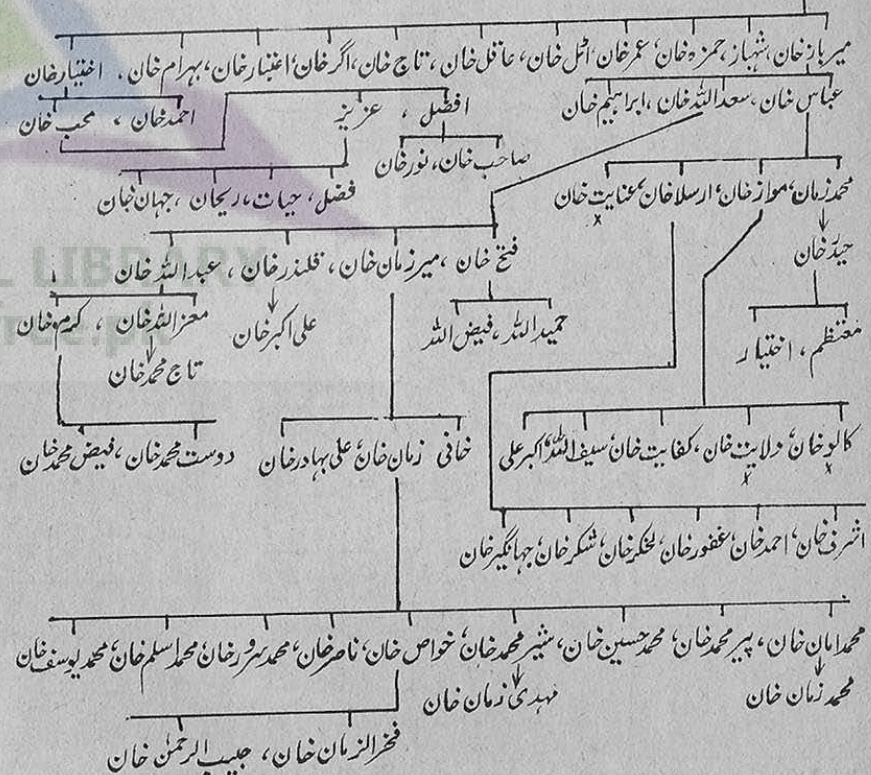




مدرسہ بن رام بیگ بوبائیل علی زمی امتحان زمی از ص ۳۵

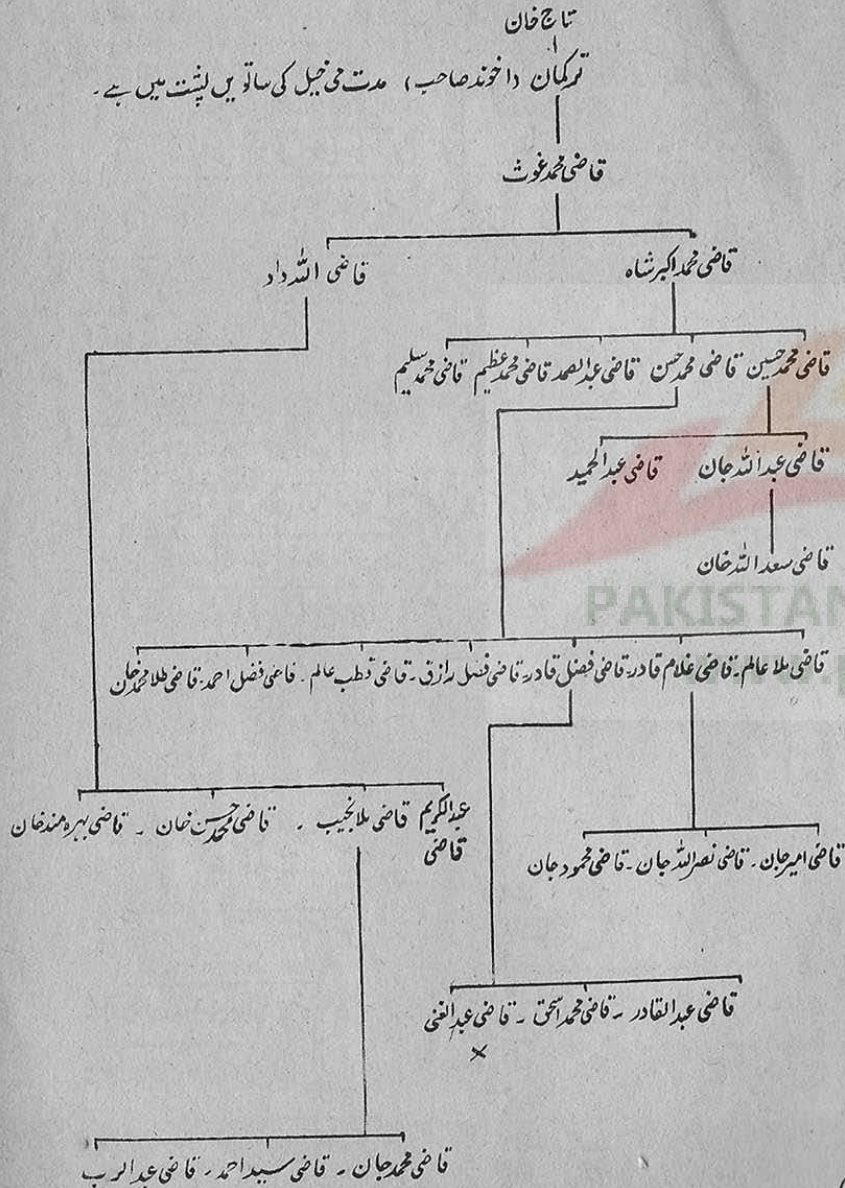


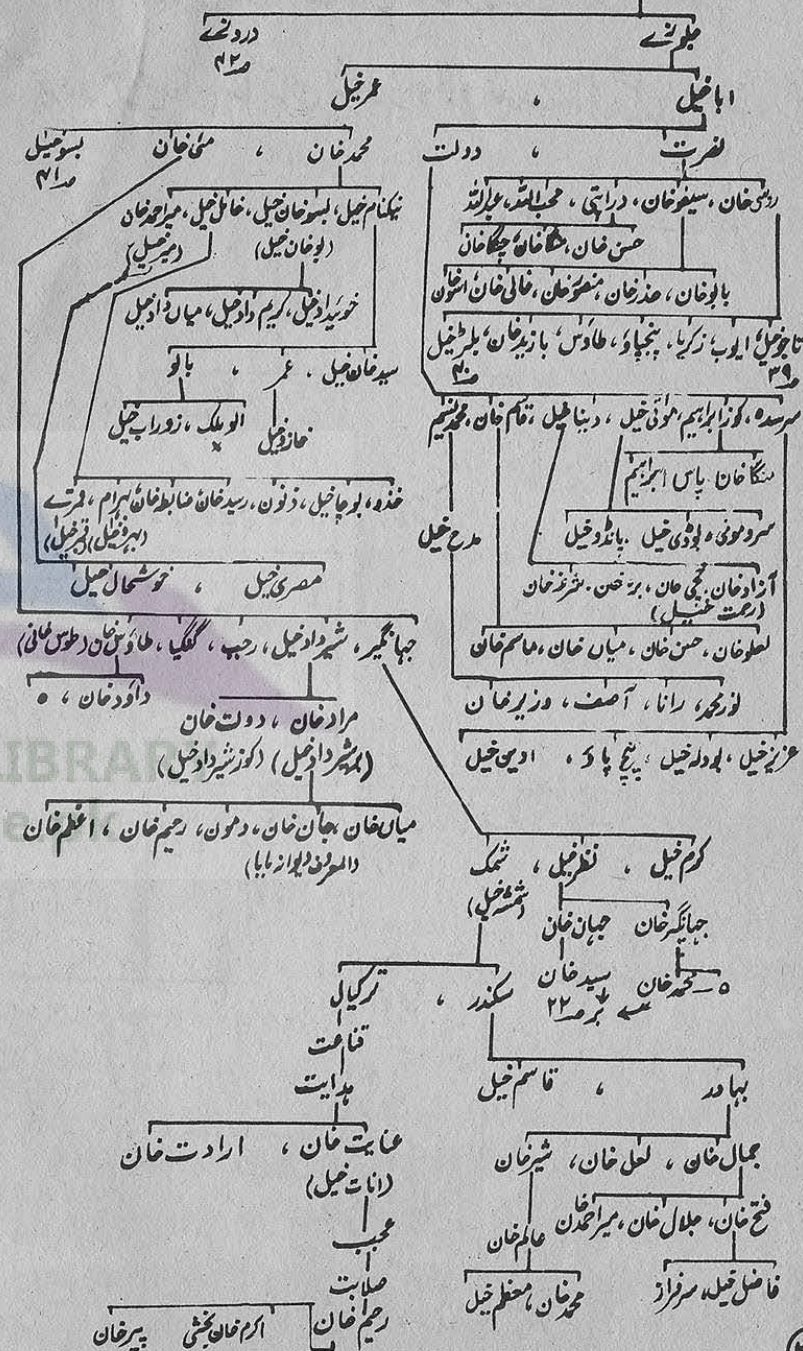
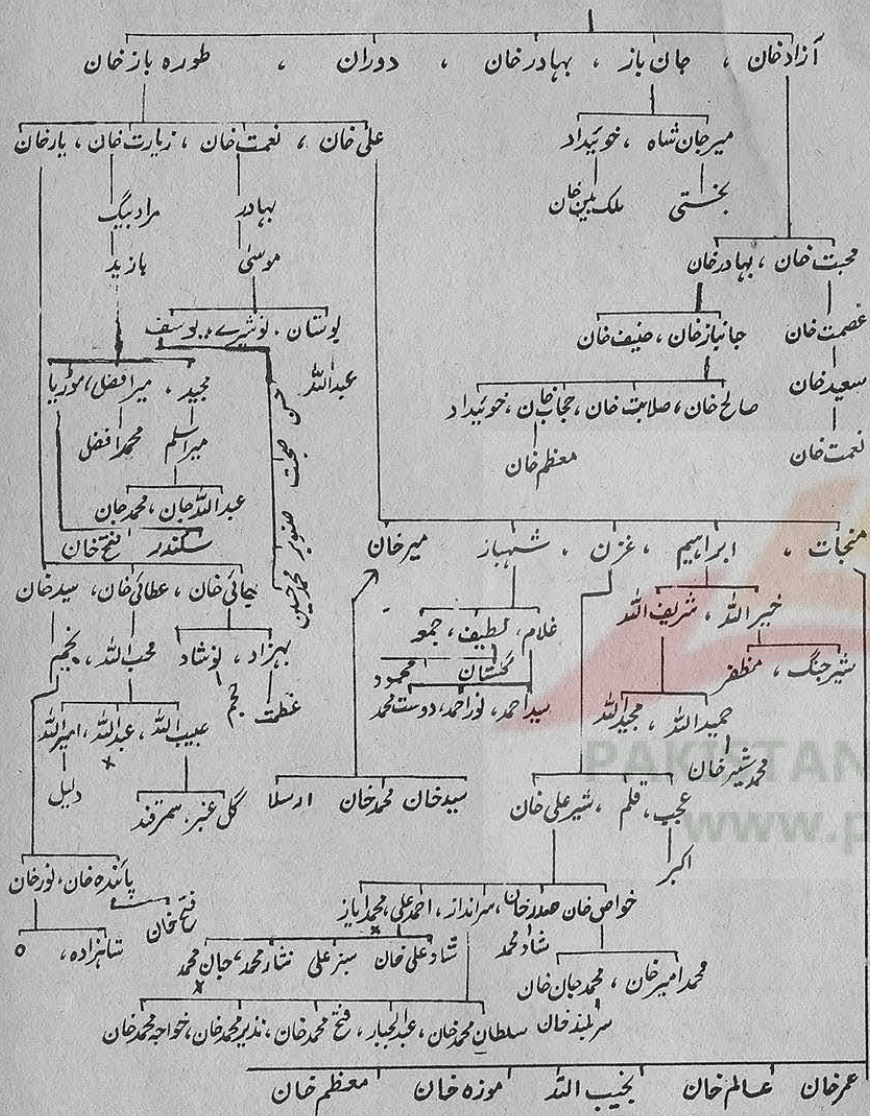
دریاخان بن سیدخان (سیدخانی) بو باخیل علی زئی اتمان زئی از ص ۲۵



مدت (مخیل) دولت زئی امان زئی مندر از حصہ ۲۸

شجرہ قاضی خیلان ساکنان پشاور اولاد مدت (می خیل) یوسف زئی





بلوچ خیل جلاوڑی سہولتے مند از ۳۸

درگاہی
سکندر
ہمت خان
شاہ ولی
رانا
ضابطہ خان

(زیدہ)

لطاف خان

اشرف خان، شاہ ولی خان

ارسلان خان، فتح خان، مقرب خان

بہرام خان، شاہ داد خان، عمر خان

محمد امیر خان، منصور خان

سردار بہادر خان، خان محمد خان، فتح محمد خان

ابراہیم خان، منیر خان، ہاشم خان

محمد خان، خیرین خان، عبدالرشید خان، فرید خان، مفتوح خان

عبدالغفور خان، نجب خان، شاد علی خان

عبدالحمید خان، کریم عبدالرحیم خان، عبدالروف خان

(ہندو لاہور)

بلند خان

حسب اللہ خان (مجیب اللہ)

محمد امیر خان

شاہ داد خان

اکبر خان، آزاد خان

جامداد خان، میر داد خان

اللہ داد خان، ممتاز خان

ہاشم خان، غلام جیر خان، یعقوب خان، ایوب خان، شیر محمد خان

لکھو خان، امین خان

عالم خان، میر عالم

اول خان، شیر محمد خان، محمد خان

شاہ افضل، محمد افضل

(۷۱۹)

بلوچ خیل عمر خیل جلوتے سہولتے مند از ۳۸

موتی خیل، سلطان احمد، ممی خیل، مزید خیل، رجو خیل
(سونا خیل)

بہلول، یارو، یار محمد، یار الدین

الضخان

محمد خان

عباس خان، ہمت خان، منور، باز، محمد حکیم، عظمت، مدو

عزن، میر خان، محمد خان، جمعہ خان، شاہ جہاں، امان خان

ظفر خان، میان خان، حسن

خان غالب

شجرہ قوم سید گیلانی از سال ۱۸۷۰ء موضع میان ڈھیری، جوابی مردان

سید مصطفیٰ

سید غلام شاہ

سید فیروز شاہ

سید مصطفیٰ صاحب موت اعلیٰ سیدان ڈھیری نادشاہ کے
حدیث شہید ہو کر موضع بوقت تحصیل جوابی میں دفن ہوئے

شاہ مدار، شاہ مرغ شاہ، اودنگ شاہ، محبوب شاہ، سکندر شاہ

شاہ جی، شاہ بید، شاہ دولہ، حسن شاہ، حیات شاہ

رحمت، بادشاہ گل، محمود شاہ، نظام شاہ، کبیرہ

سید عظیم، سید اکبر، سید بہادر الدین، سید جلال

مقرب شاہ، عبدالرزاق

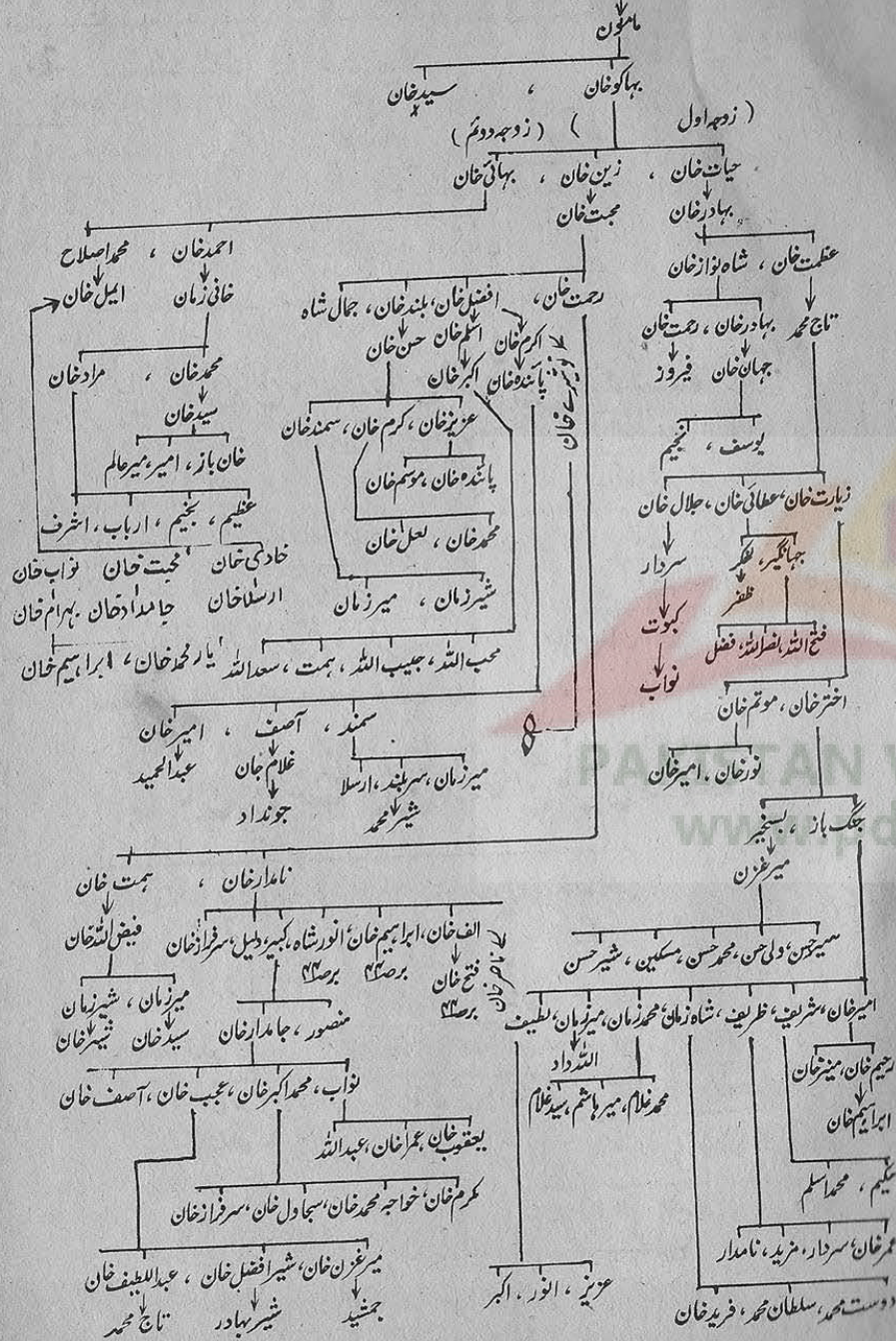
زینور شاہ، زیور شاہ، صاحب شاہ، مرزا

سید عظیم، سید علی حیدر، حبیب حیدر

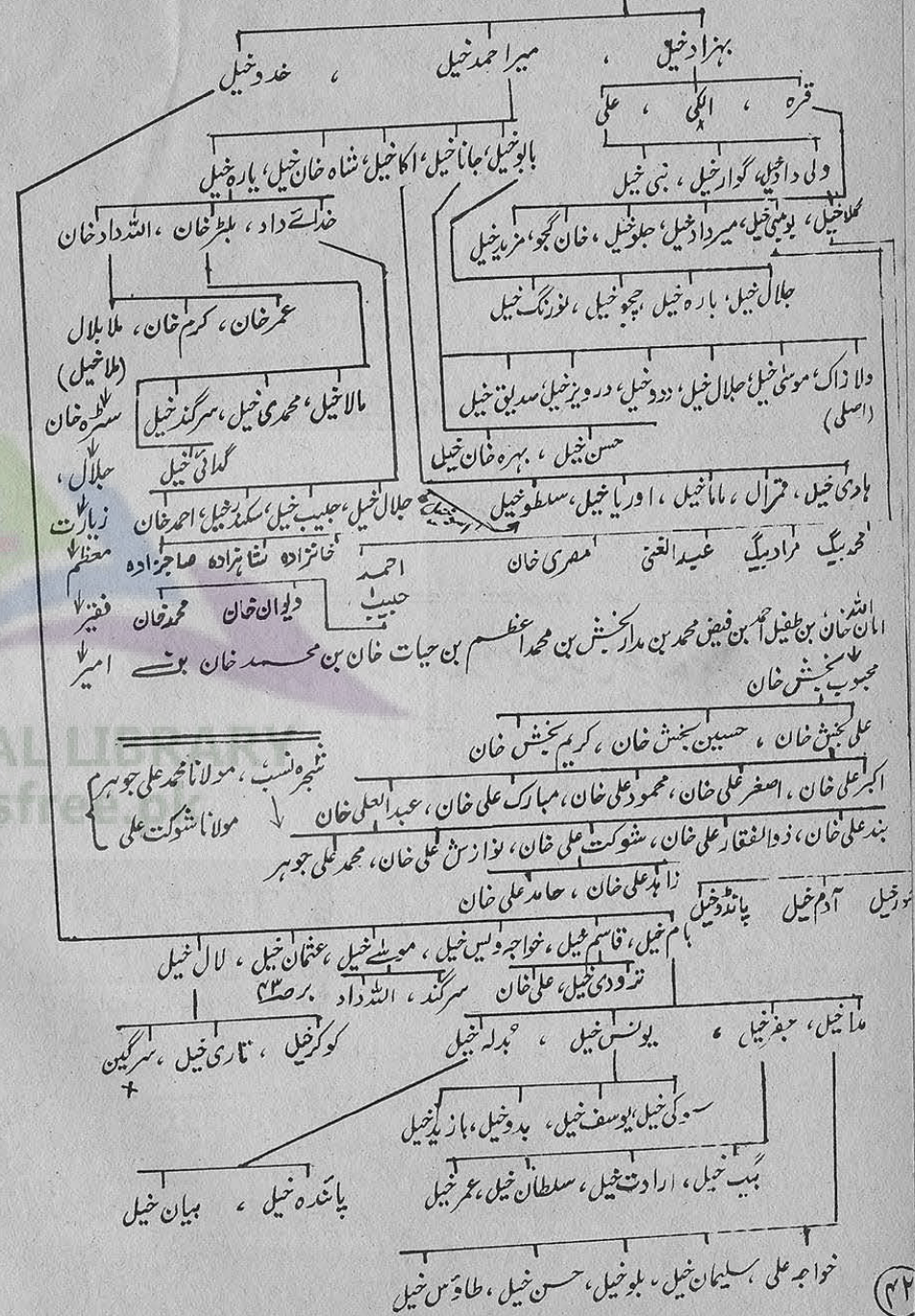
داؤد گدی نشین

(۷۱۸)

عثمان خیل خدوخیل سدوزے از ص ۲۲



دروزے سدوزے مندر از ص ۳۸



خواجه خان، جانشینان، کالاف خان
 جعفر خان، یحیی خان، سردار خان، قادری خان، محبت خان، باشم خان
 علی خان، یحیی خان، شہزادہ، داؤد خان، میرزاخان، سر فرزانہ خان، یوسف خان، دلاور خان، نوبت خان، عمر خان
 علی بہادر خان، میر بہادر خان، میرزاخان، سلطان امیر، امیر سلطان

ابراہیم خان بن نامدا ارخان خد و خیل سدوزے از ص ۴۳

سعد اللہ خان ، فضل خان ، غیاث اللہ خان ، بہادر خان
میر عالم خان ، اکبر خان ، مین خان ، شیر افضل خان ، شیر اسلم خان ، میر اعظم خان
حکمت خان ، یعقوب خان ، خواجہ محمد خان ، میر اسلم خان ، بہادر خان ، حسن خان ، آزاد خان
اسیم خان ، حظیم خان ، ایوب خان ، محمد سیب خان ، شیریں خان
غلام حیدر خان ، سیف اللہ خان ، عبدالکریم خان ، جانس خان ، محمد امیر ، محمد امین

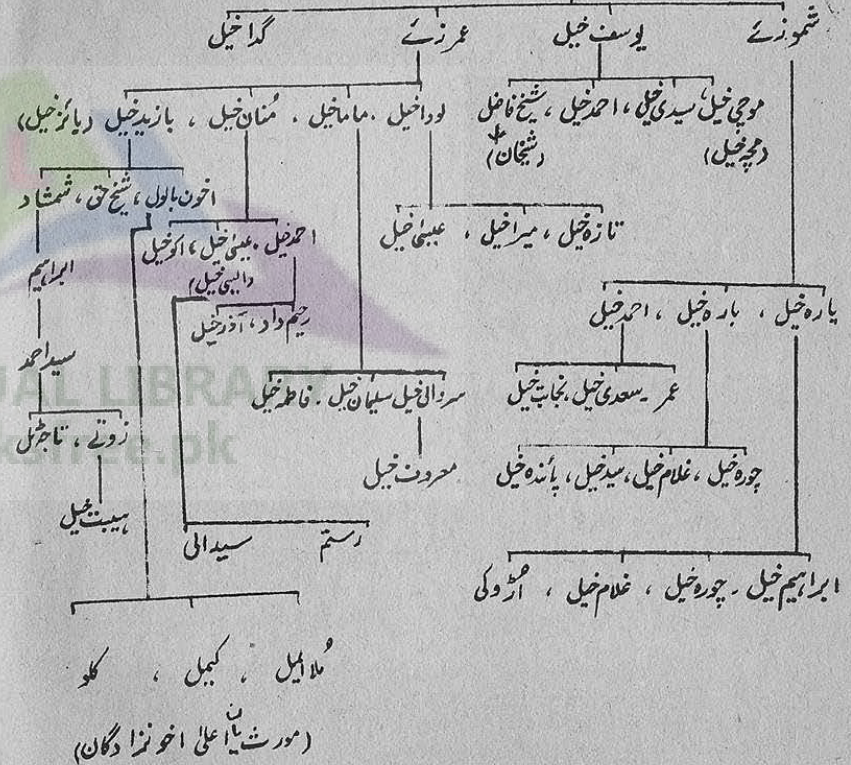
فتح خان بن الف خان بن نادر خان خیل سدرے ارض ۴۳

ee.pk

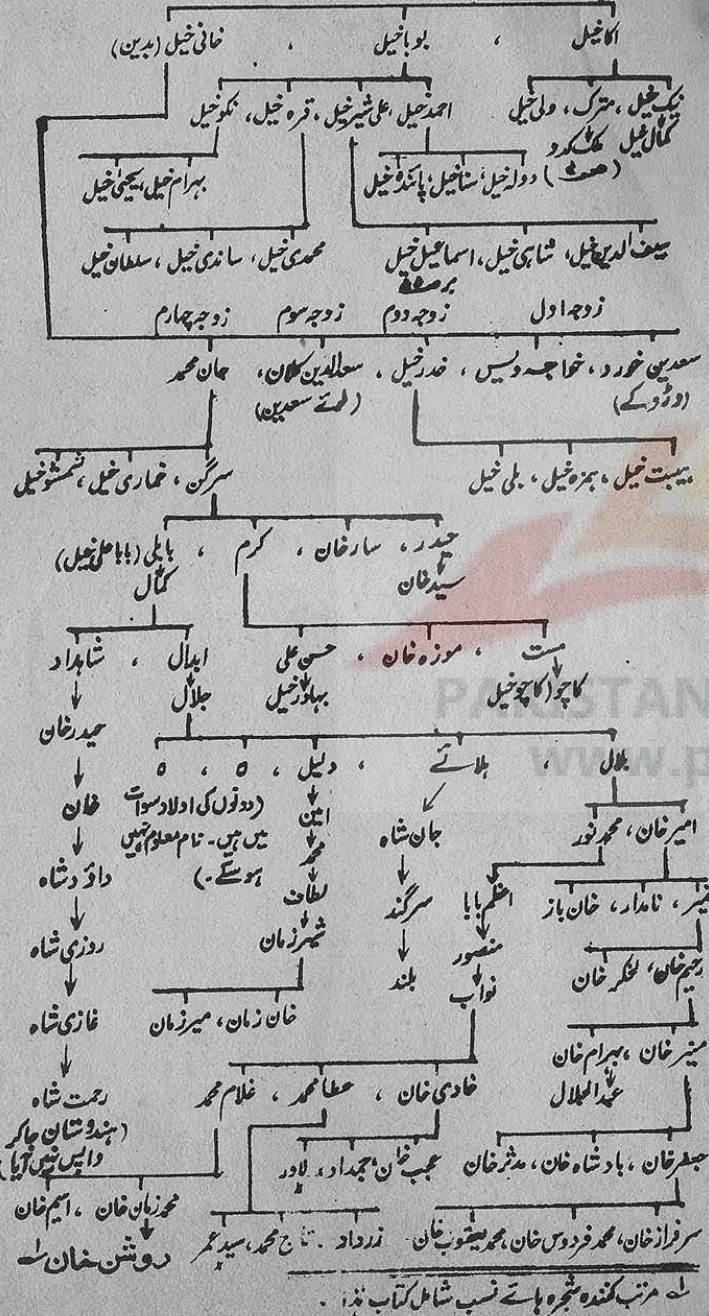
مقرب خان، غفور خان، عالم خان، بہرام خان، بدو خان، شریف خان
اکبر خان
میرزا حسن خان
عبد الجلیل خان، عبد الرحمن
شیراز خان، قادر خان، حیدر خان، اکرم خان
میرزا محمد عطاء محمد خان، فردوس خان، سلطان محمد
صحیح خان، فرید خان، شاہ پند خان
ابراہیم خان، یار محمد خان، عجب خان
یوسف، شیر محمد، مرتید
میرزا مان خان، شیر زمان خان، خان زمان، شمر زمان، فیروز خان
شاد محمد خان، دلاور خان، شیر خان

مافی زئی ، متقاسم (ملک زئی)
 بہلول
 مبارک صدیق ، نامی خیل ، اللہ دا خیل
 سرو ، سعادت ، اختر سے
 دریا ، حسن ، حبیب
 ہزہ خیل ، سلطان خیل ، جود خیل
 علی خان خیل ، برہان خیل ، بہانی خیل ، حبیب الحق
 (بانی خیل)
 میخیل ، شاہولی ، نظیر ، باٹ خیل ، پیچیری
 جمال خیل ، غفلت خیل ، ملک کا لو خان ، جان محمد ، ولی بیگ
 (کلا خیل) (جانی خیل) ، جلال
 دوران خیل ، قبول خیل ، مسعودی خیل ، مردان
 ابراہیم ، سرگت ، سیل خان خیل ، خول خیل ، اسدو ، احمد خیل ، نیم بہلول
 (اید خیل)
 حاجی خیل ، حمن خیل
 (ازکی خیل)
 ناصر خیل ، دعوت خیل ، ثبوت خیل ، ہوسا خیل ، خان بیگ ، کوہاٹ
 تاج الدین ، یونس خیل ، باوین خیل ، مسعود خیل
 (تازہ دین)
 ملک سلطان شاہ بہرام خیل ، خیر الدین ، ملک سیان شاہ ، علی ، بک خیل
 (سیان شاہ بابا)
 ملک احمد خان ، محمد ، میک (میرا خیل)
 زو بہلول ، زوچودم ، زوچوسوم
 شمس خیل ، باٹی خیل
 سیدو ، کمال
 سید خان ، محمد خان ، طاووس خان ، شاہ منصور
 (بکشی بے سودان)
 ۵ ، میر جمال ، مبارک بی بی
 اللہ دا خیل ، میر دا خیل ، کریم دا خیل ، اسماعیل خیل

(حضرتی) خرمند از ۲۳

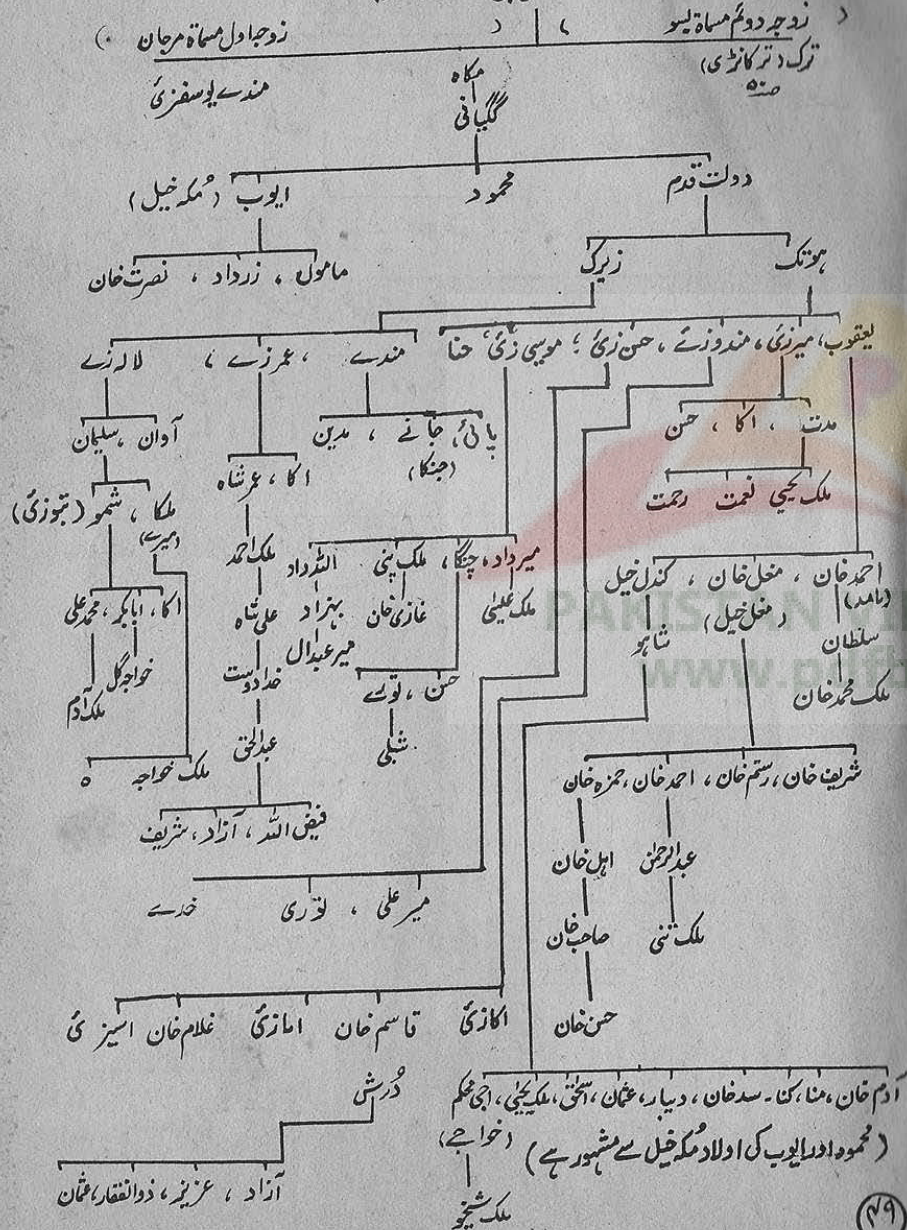


محمد (ماموزی) مند از ۲۳



شجرہ نسب گلیانی از ص ۱

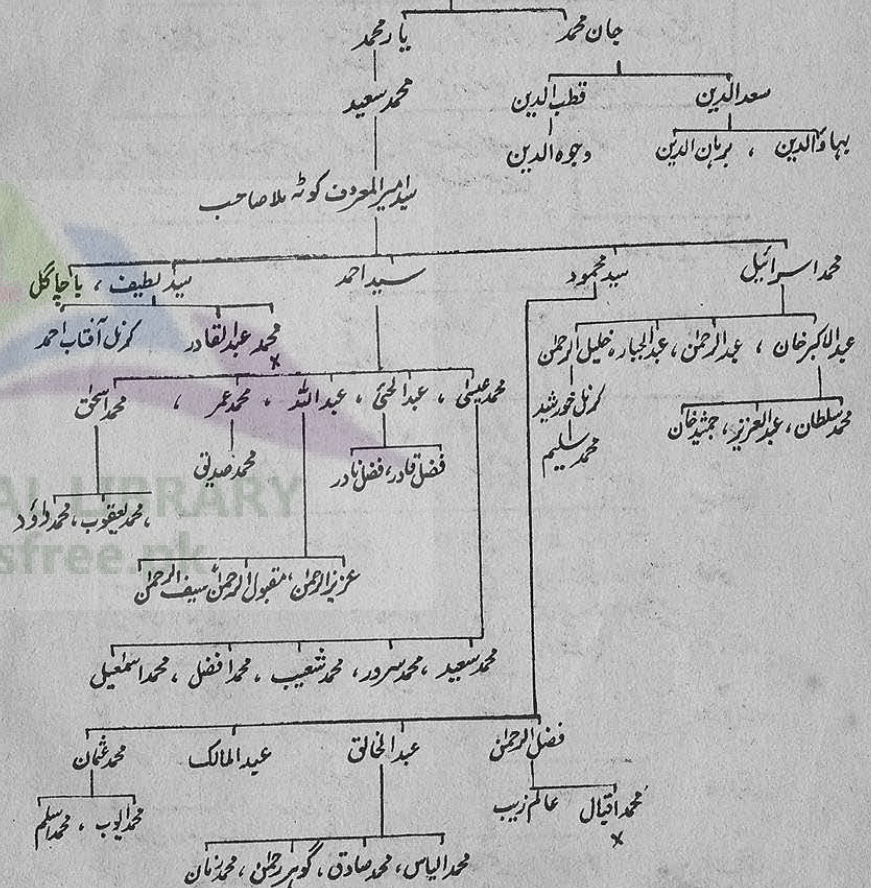
نخستی بن قند (کند)

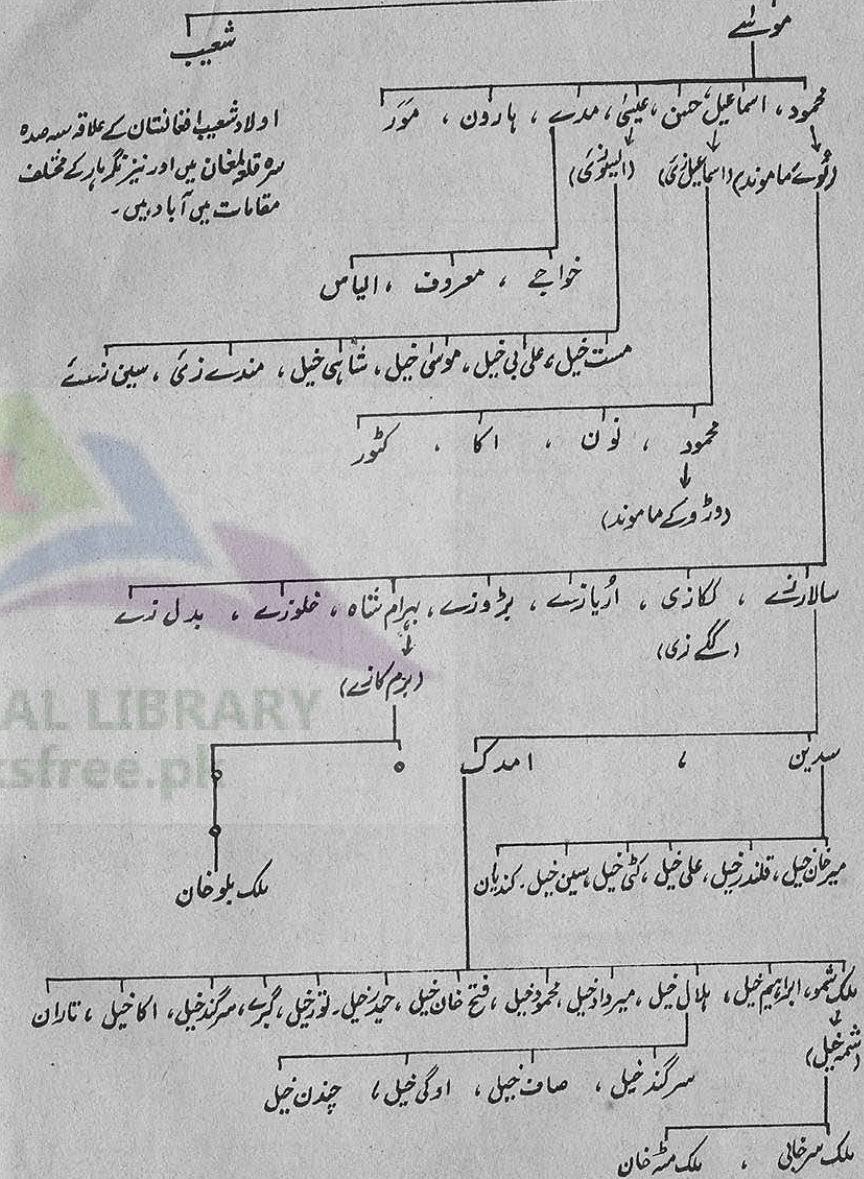
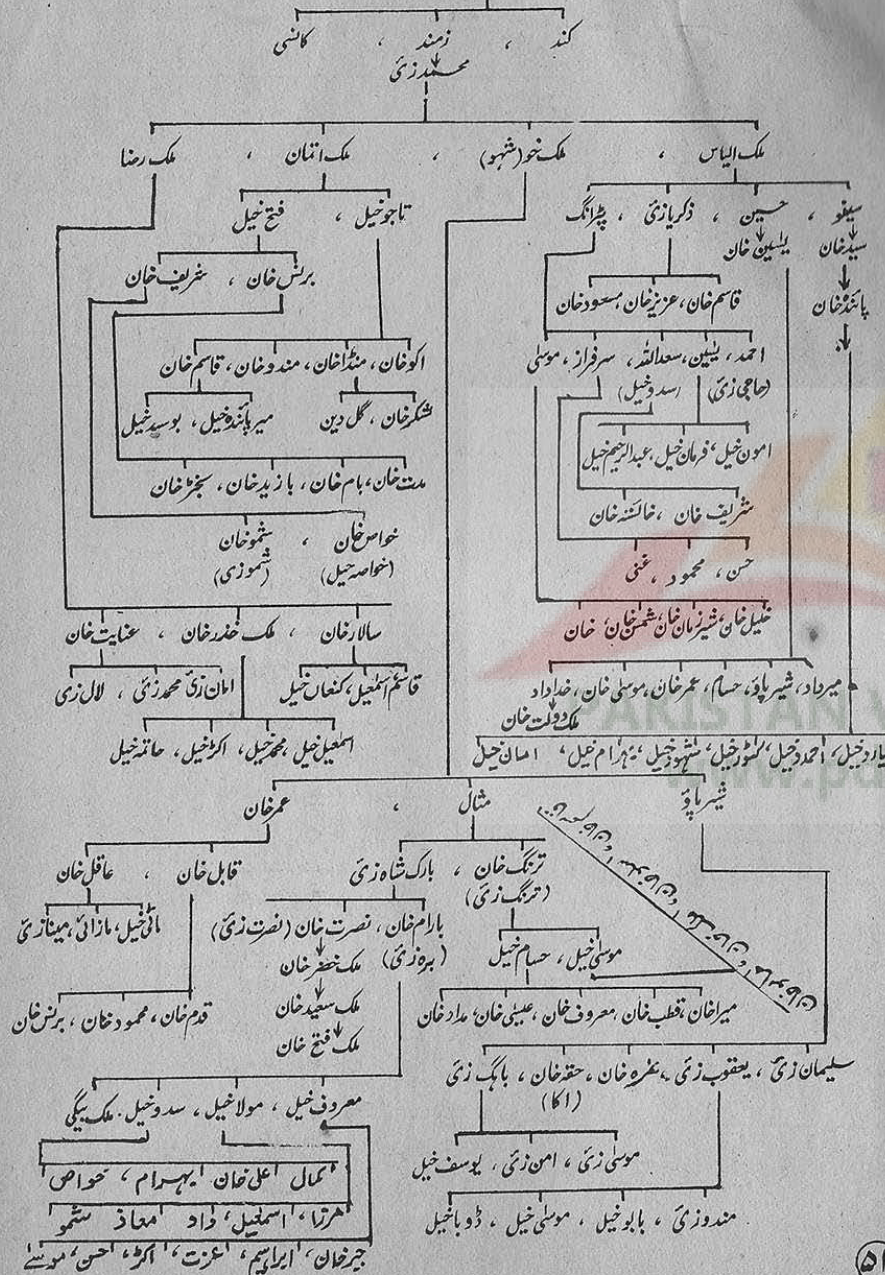


شجرہ سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب موضع کوٹہ تحصیل صوابی

شاہ بیگ افغان و صلی یوسفزی

مہر ایک
عبد الغفور

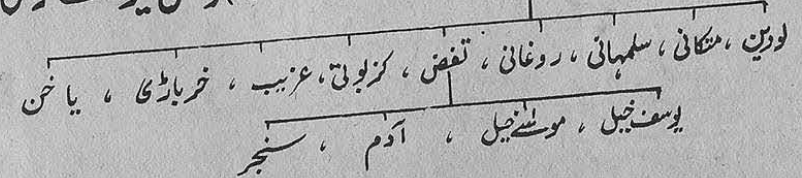




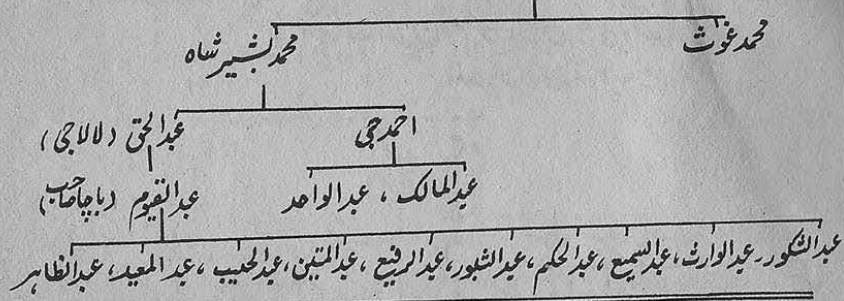
شجرہ قبیلہ گدون (جدون) اشرف خان (گدون) و صلی یوسف زئی



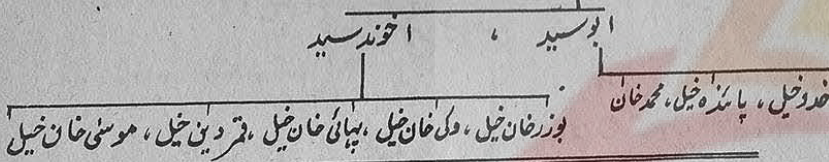
مٹوانی (کرلانی افغان) و صلی یوسف زئی



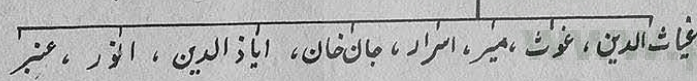
شجرہ نسب باچھا صاحب بام خیل تحصیل صوابی پوسفزی و صلی



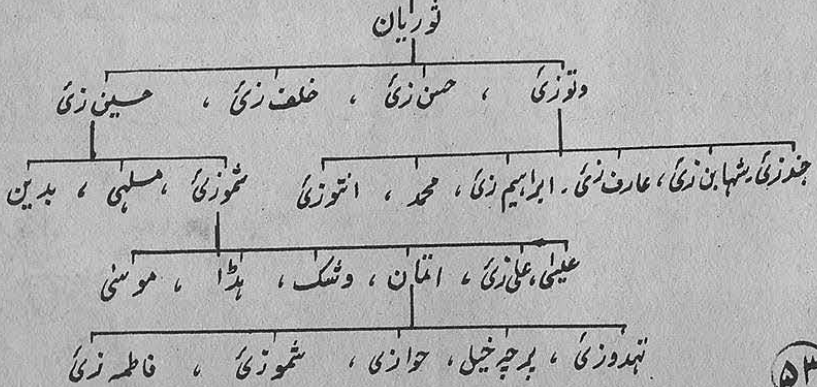
شجرہ نسب کنڈرافغان پوسفزی و صلی زر و بی تحصیل صوابی



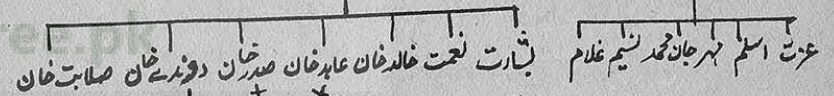
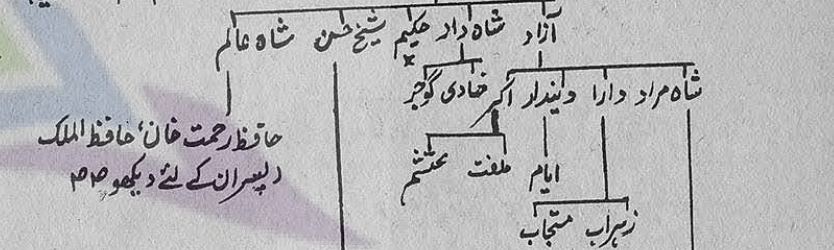
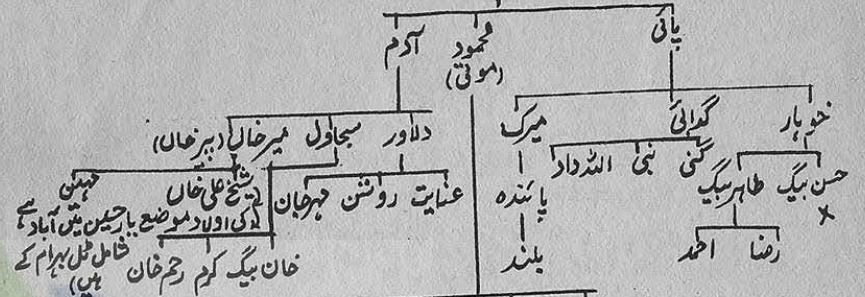
شجرہ نسب قیاش ماما قوم میانہ پوسفزی و صلی سوڈھیر تحصیل صوابی



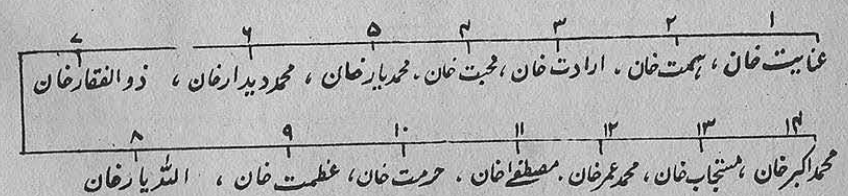
شجرہ نسب خوشگی بن زمند از صا



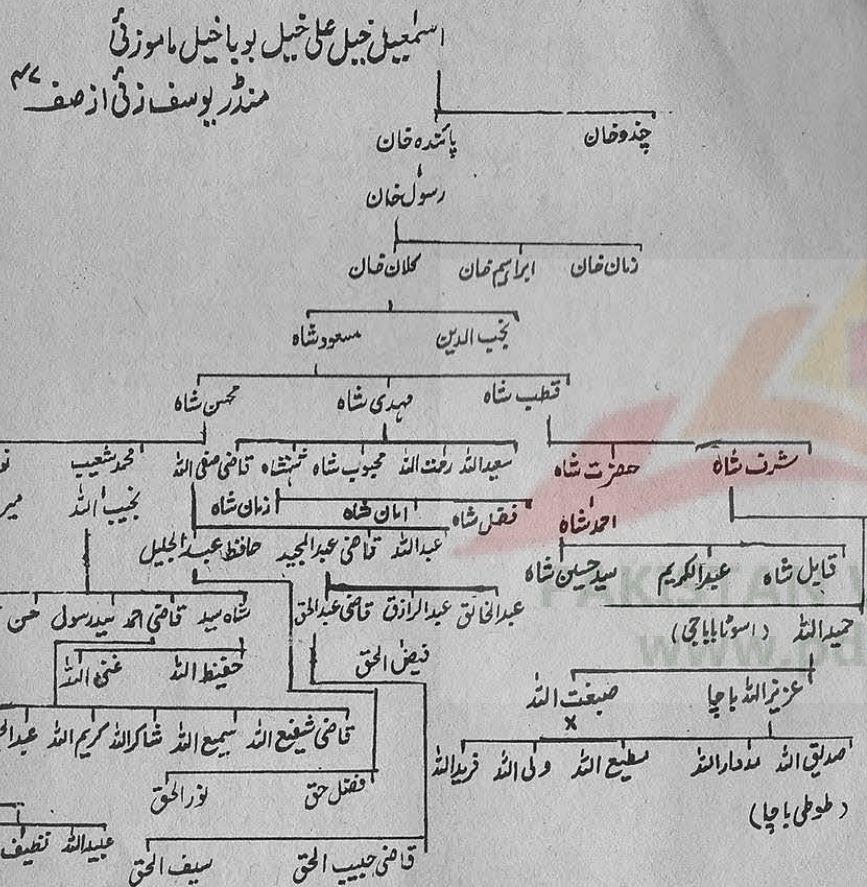
شيخ شهاب الدين قوم بخون بريس (وصلي يوسف زئي)
المعروف بكونه صاحب عليه الرحمة



۱۴۱۰ لیسرن حافظ رحمت خان بن شاہ عالم



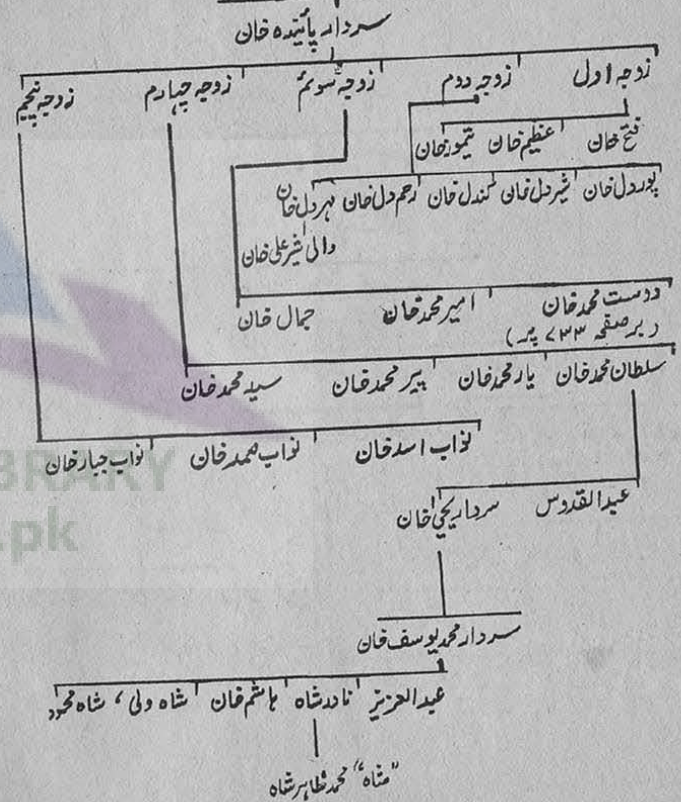
52



دوست محمد خان ابن سردار پائنده خان از صف^{۴۲۲}



حاجی جمال خان



امیر عظیم خان
 محمد اکبر خان
 فتح خان
 امیر عبدالرحمن خان
 ولی محمد
 فیض محمد
 غلام حیدر خان
 امیر شیر علی خان

حقیقہ اللہ
 امیر حبیب اللہ خان
 شاہ امان اللہ خان
 عبد اللہ جان
 محمد علی
 یعقوب خان
 ایوب خان

شمس الدین
 غلام علی
 نصر اللہ خان
 محمد عمر
 امین اللہ

موسیٰ خان

محرزید
بجلی

سٹرہ خان
بہرہ خان
میرزاخان

حمید اللہ
عثمانیت اللہ
عباس
سیدخان

سید رسول
عبد الرؤف
سید رؤف
جہان خان
ابراہیم

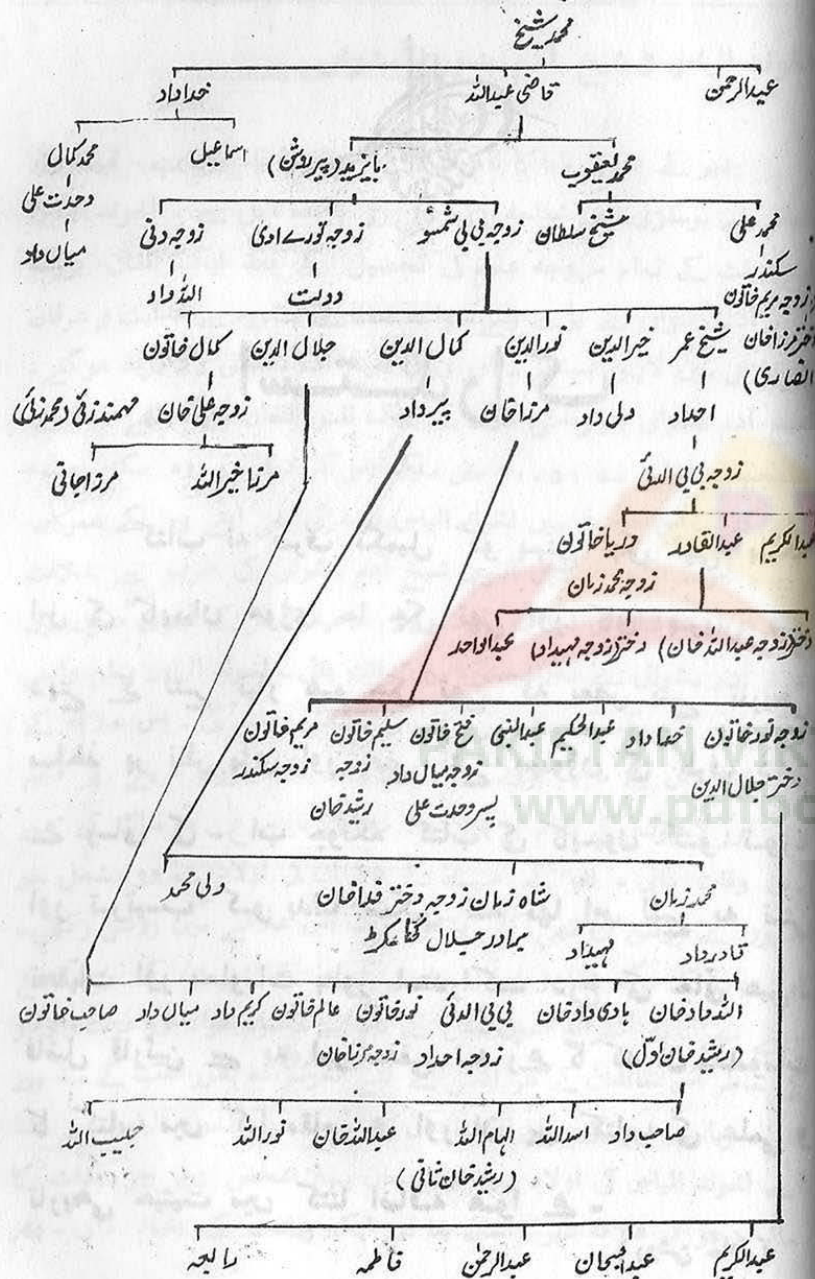
شریف
طریف
علام خان
اول خان

سید غلام
شیر زمان
امیر خان

شیخ اتلس افغان گدوں
کی اولاد موضع بوتقا نرو مجھڈہ
میں آباد ہیں اور شیخان سے یاد کئے جلاتے ہیں

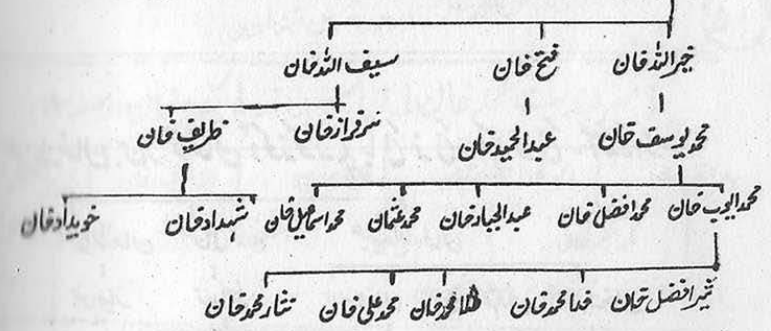
مغل خان
 حسن علی خان
 عبید اللہ خان
 طورہ باز
 زبیر اللہ
 میر عالم خان
 کفایت خان
 میر داد
 سرگزند
 لودی خان
 شہنواز خان
 سرینہ خان
 امیر اللہ
 قاسم خان
 جہانگیر
 میر خان
 عثمان
 محمد علی
 عمر خان
 سکرم
 شہرود خان
 محمد صدیق خان
 محمد عظیم خان
 اکرم خان
 سعید خان
 داؤد خان
 سہو خان
 شہاب خان
 شاد خان
 نذیر احمد
 عزیز احمد
 خواجہ محمد سلیم
 ڈاکٹر منور خان
 دوست محمد خان
 غلام محمد
 ولی محمد
 شیر محمد
 نور محمد
 لال محمد
 گل محمد
 سلطان اہم
 مجاہد تریب
 شاہ دوم
 عبد البہر
 فضل وودود
 فضل رحمان
 فضل واحد
 مدد خان
 فضل ولب
 سعادت خان
 نادر خان

شجره نسب یازده ساله پیر روشن ماخود از خیر البیان ص ۲۸



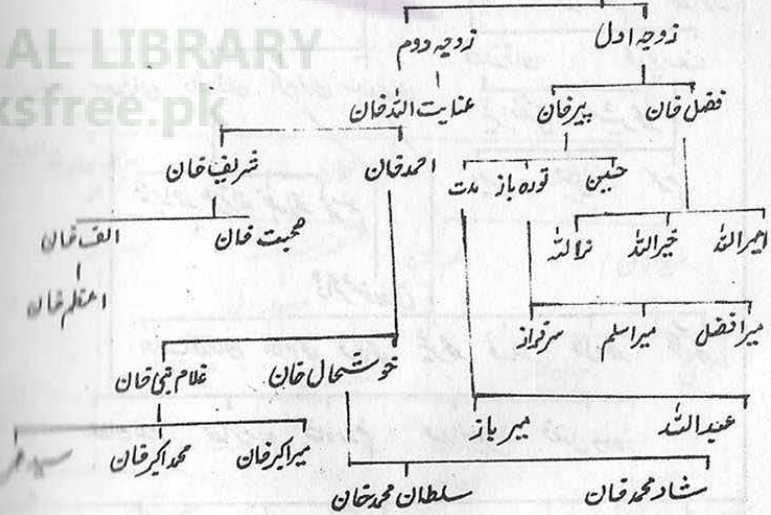
تعبید کماله زئی

باشم خان بن نوشیری خان بن فتح خان از صف ۲۴



از عثمان خیل ص ۲۳

نوشیری خان بن اکرم خان بن فضل خان بن محبت خان



نواب بہادر خان داؤد زئی غوری یا خیل

نواب بہادر خان داؤد زئی غوری یا خیل قبیلے کے نہایت لائق اولوالعزم اور نامور
فرزند تھے۔ وہ ان ہستیوں میں سے تھے جن پر بزرگ نگر کرتے ہیں اور خورد جن کی ہمتوں
اولوالعزمیوں اور اخلاق اور کارناموں کو اپنے لئے مثال بناتے ہیں۔ ان کے کمالات
کا اصل میدان حرب و ضرب تھا انہوں نے مغلیہ حکومت کے استیقام کے لئے
عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی قوم افغانوں کو آبا کر نے
اور ان کے لئے باعزت زندگی فراہم کرنے میں نہایت سعی کی۔ شاہجہانپور کی بنائان کی انہی
مساعدی حسنہ کا نتیجہ ہے وہ صاحب عزم اور عزمین قوم ہی نہ تھے بلکہ صاحب علم مطالعہ
کے شائق اور اہل علم کے قدردان بھی تھے۔ اسی توارخ حافظ رحمت خانی سے ان کے
کتب خانے کا پتہ بھی چلتا ہے: "توارخ افغانہ" انہی کے کتب خانے سے حافظ رحمت خان
تک پہنچی تھی اور حافظ رحمت خان موصوف سے نسبت کی بنا پر "توارخ حافظ رحمت خانی"
نام پایا تھا۔ اس کا اعتراف خود پیر معظم شائع کیا ہے۔ وہ اس تاریخ کی تمہیدی سطور
میں لکھتے ہیں:-

"حافظ رحمت خان مختلف فنون کی کتابوں اور ہر قسم کے نسخوں کے مطالعے کی پوری
الفت اور بدیرجہ اتم رغبت رکھتے ہیں۔ اتفاقاً ایک دن ایک کتاب "توارخ افغانہ"
کا مسودہ جو خنی (خشی)، اور غوری (غور یا خیل)، اقوام کے حالات پر مشتمل اور
فارسی آمیز شیوہ میں بیشتر لویسن زئی کے حالات کا حامل تھا اور.....
اخوند درویش کی تذکرہ نامی کتاب کے حالات کے مطابق تھا، سرکار فیض
آثار نواب معلی القاب خان بہادر قوم افغان کے خان غور یا خیل خصوصاً
داؤد زئی کے خان.... کے کتب خانہ خاص شہر شاہجہانپور سے پہنچ گیا اور
حافظ الملک کی نظر کمیہ اثر سے گزرا..... انھیں یہ مسودہ بہت پسند آیا، مگر.....
اس فقرہ.... سے فرمایا کہ اگر یہ کتاب اس طریقے سے مرتب ہو جاتے کہ پڑھنے
والے کی سمجھ میں جلدی آجائے (بے فائدہ تکرار بھی اس طرح ختم ہو جاتے کہ مقصد

بھی فوت نہ ہو..... تو بہت ہی اچھا ہو چنانچہ اس امر کے مطابق اس کتاب کا اس طرح اختصار کیا گیا کہ... کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی سمٹ آئے ہیں۔ اور جدید بیویب میں اسے مقامات سبعہ میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اب اسے تواریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ کتاب نواب بہادر خان کے ذوق علمی کی یادگار بھی ہے انہوں نے اس کتاب کو اپنے کتب خانے میں محفوظ رکھا اور اس تاریخی جواہر پارہ کو زمانے کے ہاتھوں ہونے سے بچالیا اس لئے ہم انھیں محسن قوم کہنے میں حق بجانب ہوں گے اس لئے کہ وہ اپنی معرکہ آرائیوں، ترک تازیوں اور قوم کی تعمیر و آبادی کے ساتھ قوم کی ذہنی و فکری تربیت کے سرو سامان سے بھی غافل نہ تھے۔ آج یہ کتاب افغانوں کی تاریخ کے ایک اہم مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے اگر یہ کتاب ان کے ذوق علمی اور قوم پروری کی بدولت محفوظ نہ رہتی تو ہم تاریخ افغنہ کے ایک اہم مآخذ سے محروم ہوتے۔ تواریخ افغنہ جواب تواریخ حافظ رحمت خانی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے ان کی اس قوم پروری اور علم دوستی کی زندہ مثال ہے۔ لیکن ایسے محسن قوم کے ذکر و شجرہ سے یہ کتاب خالی تھی۔ اب جبکہ یہ کتاب پریس کے حوالے کی جا چکی تھی پروفیسر الوسلطان خان عرف تصدق حسین خان بی بی زئی داؤد زئی غوریاخیل نے اس طرف نہ صرف توجہ دلائی بلکہ خاندانی کاغذات اور شجروں سے جو شاہجہان پور سے اس خاندان کے بعض بزرگ اپنے ساتھ کراچی لاتے تھے نیز بعض تاریخی کتابوں سے ایک ابتدائی شجرہ مرتب بھی کر دیا۔ نواب بہادر خان سے اوپر میں نے تاریخ پشاور سے اس شجرے کے ایک ایک اندراج کی تصدیق کرنی اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس شجرے میں کوئی غلطی نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اب یہ مسلسل اور مکمل ہو گیا ہے اور اس طرح اس کتاب کی یہ کمی بھی دور ہو گئی جو نواب بہادر خان کا شجرہ نہ ہونے سے محسوس ہوتی تھی

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلٰکِ

روشن خانے

شجرہ نسب نواب بہادر خان داؤد زئی غوریاخیل بانی شاہجہان پور

(عمدۃ الملک نواب بہادر خان المسی بہر ابدال خان عرف یاد ابن دریا خان)

(اسلاف)

ابراہیم غوری بن کنڈ (غوریاخیل)

(زوجہ سوم از قبیلہ شلمانی)

داؤد خان کی مناسبت سے قبیلہ داؤد زئی کہلایا

مامون امینی زئی مندی زئی یوسف
پیش خیل بی بی زئی سید خیل بالکل داکل زئی یا باقر زئی محمد خیل علی خیر زئی باری خیل

موسیٰ خیل رنگار رنگی خیل سعد الدین خیل

(زوجہ اول امینیہ) (زوجہ ثانی رمی)

موسیٰ میر احمد عیسیٰ
مامون دولت عماد الدین پیش خیل (داؤد زئی)
داؤد خاوی علی سید علی سعید خان

سلیمان قاسم عیسیٰ ابراہیم

عثمان زکریا (زوجہ اول) (زوجہ ثانی)

دریا خان دولت خان نیک نام خان سلطان خان

(زوجہ اول از خاندان بی بی زئی) (زوجہ ثانی)

نواب بہادر خان محمد خان عنایت خان یوسف خان دلیل خان (دلیل خان) بتولی بی

دانش برص ۱۲۰۲ عفت خان لاؤد زئی

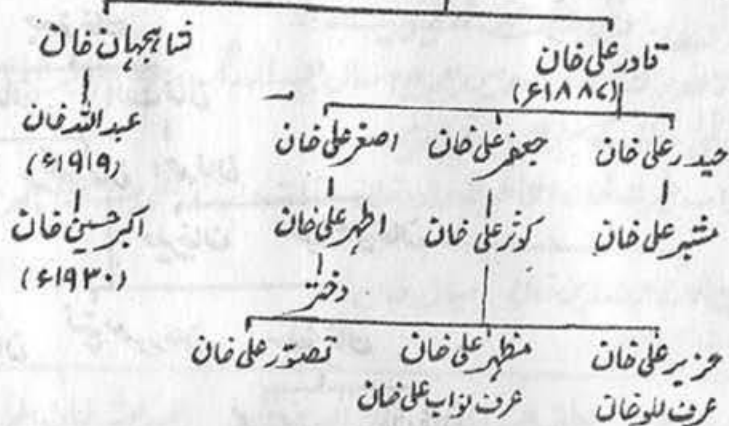
احمد علی خان

۱۔ ابراہیم خان کے بیٹے بھی تھے جن کے نام ہرنٹال خان، بجلی خان، عثمان خان اور مصری خان تھے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ بیٹے ان کی کس بیوی سے تھے۔ مصری خان کے دو بیٹے عالم خان اور باقی خان نامی تھے۔

۲۔ بی بی زئی خاندان سے تھیں
دریا خان کا زوجہ اول بی بی زئی خاندان سے تھیں اس لئے ان کی اولاد بی زئی کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہے۔

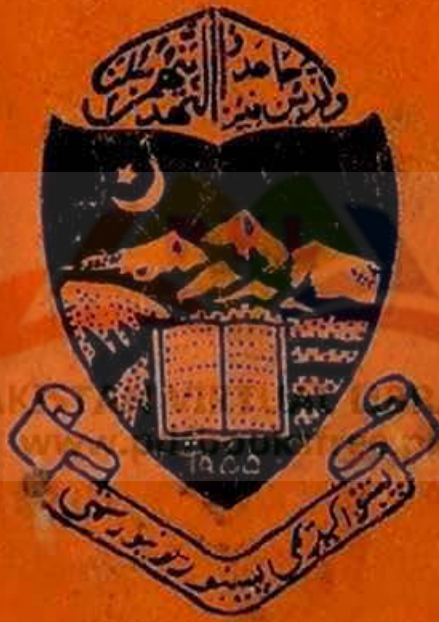
شجرہ نسب قادر علی خان داؤد زئی غوریا خیل مجاہد جنگ آزادی

بختیہ بہادر خان (از صفحہ ۹۰۲)
(۱۲۷۱ھ)



اے نواب قادر علی خان نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد گرفتار ہوئے اور عمر قید پر عبور دریا سے شور کی سزا پائی۔ ایک مدت کے بعد بعض افراد خاندان کی کوششوں سے وطن واپس آنے کی اجازت ملی۔ قادر علی خان کی ایک بیوی جواہر لالہ مان سے ساتھ آئی تھیں۔ ان سے بھی ان کے اولاد ہوئی اور نسل یادگار رہے۔

PDFBOOKSFREE.PK



پشتواکیدی پشاور یونیورسٹی - پشاور